پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اور
غزوات و سرایا

حکیم محمود احمد ظفر

نشریات

Marfat.com

پیغمبر اسلام ﷺ اور غزوات وسرایا

DATA ENTERED

حکیم محمود احمد ظفر

نشریات

الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون: 0321-4589419

Marfat.com

۲۹۷ ۹۹۹۱۱
ب ۳ ط
۱۲۸۵۹

جملہ حقوق محفوظ
۲۰۱۴ء

نام کتاب: ——— پیغمبر اسلام ﷺ اور غزوات و سرایا
مصنف: ——— حکیم محمود احمد ظفر
اہتمام: ——— نشریات
مطبع: ——— شفیق پریس
کمپوزنگ: ——— محمود فرید
حروف خوانی: ——— محمد شبیر قمر
صفحات: ——— ۶۶۶
جلد ساز: ——— بنیامین
سرورق: ——— ضیاء الرحمٰن

ڈسٹری بیوٹرز

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 37320318 فیکس: 37239884
ای میل: Kitabsaray@hotmail.com

فضلی بک سپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724

Marfat.com

ترتیب

- تقدیم ۱۵
- کامل اور جامع انسان ۲۳
  - جامعیت شریعت ۳۱
  - حضور ﷺ بطور رحمۃ للعالمین ۳۷
  - سرکار دو عالم ﷺ کی عمومی رحمت ۴۸
  - حضورؐ انسانوں کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی رحمت تھے ۵۱
  - محمد رسول اللہ ﷺ ـــــ ایک سپہ سالار ۵۵
  - جنگ کا اسلامی تصور ۵۶
  - جنگ کا اصل مقصد ۵۸
  - اسلامی جہاد کیا ہے؟ ۶۴
  - جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت ۶۹
  - اسلامی جنگ کی مختلف صورتیں ۷۳
  - طریق جنگ کی پاکیزگی ۷۶
  - غفلت میں حملہ کرنے سے احتراز ۷۹
  - آگ میں جلانے کی ممانعت ۷۹
  - قتل صبر کی ممانعت ۸۰
  - لوٹ مار کی ممانعت ۸۱

Marfat.com

♦ تباہ کاری کی ممانعت ۸۲
♦ مُثلہ کی ممانعت ۸۳
♦ قیدی کو قتل کرنے کی ممانعت ۸۳
♦ قتل سفیر کی ممانعت ۸۳
♦ بدعہدی کی ممانعت ۸۴
♦ بدنظمی کی ممانعت ۸۶
♦ شور و ہنگامہ کی ممانعت ۸۷
♦ وحشیانہ اعمال کے خلاف عام ہدایات ۸۷
♦ حربی قیادت کے اوصاف ۹۰
♦ عزم راسخ ۹۱
♦ ذاتی شجاعت ۹۳
♦ فوری احکام صادر کرنا ۹۵
♦ مسئولیت کا تحمل ۹۸
♦ غیر متبدل مزاج ۹۸
♦ دوراندیشی اور دوربینی ۹۹
♦ رفقائے کار اور ان کی صلاحیتوں کی معرفت ۱۰۰
♦ باہمی اعتماد ۱۰۴
♦ دوطرفہ محبت ۱۰۵
♦ بدنی قوت ۱۰۸
♦ بے داغ شخصیت ۱۰۹
♦ اچھے سپاہی کی صفات ۱۱۱
♦ عقیدۂ راسخہ ۱۱۱
♦ قومی نظم وضبط ۱۱۲

Marfat.com

- تدریب جید ۱۱۳
- تنظیم صحیح ۱۱۴
- اسلحہ کی بہم رسانی ۱۱۴
- معنویات عالیہ ۱۱۶

- جنگی حکمت عملی ۱۱۸
  - مقصد کا تعین ۱۱۹
  - دشمن کو ختم کرنے کے لیے حملہ کرنا ۱۱۹
  - غیر متوقع حملہ ۱۲۰
  - طاقت فراہم کرنا ۱۲۱
  - وسائل کا مناسب استعمال ۱۲۱
  - امن ۱۲۲
  - عمل سریع کی قوت ۱۲۲
  - تعاون ۱۲۳
  - جذبہ ایثار ۱۲۳
  - مساوات ۱۲۵
  - مشاورت ۱۲۶
  - اسالیب جدیدہ ۱۲۶
  - مثالی قیادت ۱۲۷
- اذنِ جہاد ۱۲۸
- غزوات و سرایا ۱۳۹
  - سریہ حمزہ رضی اللہ عنہ (رمضان ۱ھ مطابق مارچ ۶۲۳ء) ۱۳۹
  - سریہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ (شوال ۱ھ مطابق اپریل ۶۲۳ء) ۱۴۰
  - سریہ سعد بن ابی وقاص (ذی قعدہ ۱ھ مطابق مئی ۶۲۳ء) ۱۴۱

Marfat.com

♦ غزوہ ابواء (صفر ۲ھ مطابق اگست ۶۲۳ء) ۱۴۱
♦ غزوہ بواط (صفر ۲ھ مطابق اگست ۶۲۳ء) ۱۴۲
♦ غزوہ ذوی العشیرہ (جمادی الاولیٰ ۲ھ مطابق دسمبر ۶۲۳ء) ۱۴۲
♦ سریہ نخلہ (رجب ۲ھ مطابق جنوری ۶۲۴ء) ۱۴۴
♦ غزوۂ بدر (۱۷رمضان المبارک ۲ھ مطابق مارچ ۶۲۴ء) ۱۵۳
♦ اسباب ووجوہات ۱۵۴
♦ میدان بدر کی طرف سفر ۱۶۱
♦ لشکر قریش کی مکہ سے روانگی ۱۶۷
♦ عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب ۱۶۹
♦ جہیم بن الصلت کا خواب ۱۷۷
♦ جاسوسی کا نظام ۱۷۹
♦ میدان جنگ میں قریشی لشکر میں اختلاف ۱۸۱
♦ مسلمان لشکر کے لیے دعا ۱۸۴
♦ مبارزت ۱۸۹
♦ ابلیس کا میدان سے فرار ۲۰۱
♦ ابوجہل کا قتل ۲۰۳
♦ امیہ بن خلف کا قتل ۲۰۷
♦ عبیدہ بن سعید بن العاص کا قتل ۲۰۹
♦ تابناک نقوش ۲۱۱
♦ بعض لوگوں کے قتل کی ممانعت ۲۱۲
♦ مقتولین کا انجام ۲۱۴
♦ مدینہ میں فتح کی خوشخبری ۲۱۸
♦ مکہ میں شکست کی خبر ۲۲۰

Marfat.com

- حضور ﷺ کا مدینہ میں داخلہ ۲۲۳
- ذوالفقار ۲۲۶
- اسیرانِ بدر کا معاملہ ۲۲۷
- مقدار فدیہ ۲۳۲
- ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام ۲۳۷
- سہیل بن عمرو سے معاملہ ۲۳۹
- قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک ۲۴۰
- فتح بدر پر نجاشی کا اظہار مسرت ۲۴۲
- شہدائے بدر ۲۴۳
- عمیر بن وہب جمحی کا قبول اسلام ۲۴۸
- ایک یہودی عورت کا قتل ۲۵۰
- غزوہ بنی سلیم ۲۵۱
- غزوہ بدر کے بعد ۲۵۲
- غزوہ بنی قینقاع ۲۵۷
- غزوہ سویق ۲۶۳
- کعب بن اشرف کا قتل (سنہ ۳ھ) ۲۶۶
- سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (جمادی الآخرہ ۳ھ) ۲۷۲

غزوۂ احد ۲۷۵

- خواتین قریش کی شرکت ۲۷۷
- مدینہ میں اطلاع ۲۷۸
- اسلامی لشکر کی مدینہ سے روانگی ۲۸۳
- منافقین کی لشکر اسلام سے علیحدگی ۲۸۵
- اسلامی لشکر کی صف بندی ۲۸۷

Marfat.com

- قریش کے لشکر کی ترتیب و تنظیم ۲۹۱
- آغازِ جنگ ۲۹۳
- عام جنگ ۲۹۶
- سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ۲۹۸
- غسیل الملائکہ ۳۰۰
- عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کا شوق شہادت ۳۰۱
- تیراندازوں کی بہادری ۳۰۲
- ایک خوفناک غلطی ۳۰۴
- پیغمبر ﷺ دشمنوں کے نرغہ میں ۳۰۹
- شمع نبوت کے پروانوں کو آپ ﷺ کی جستجو ۳۲۰
- آخری حملہ ۳۲۵
- عورتوں کی میدان جنگ میں آمد ۳۲۶
- گھاٹی میں استراحت ۳۲۷
- ابوسفیان کی آواز ۳۲۸
- لشکر قریش کی واپسی ۳۳۰
- زخمیوں کی خبر گیری ۳۳۰
- تجہیز و تکفین ۳۳۲
- تدفین ۳۳۸
- دعا ۳۳۹
- مدینہ طیبہ کو واپسی ۳۴۱
- رسول اللہ ﷺ مدینہ میں ۳۴۲
- معافی ۳۴۴
- ذاتِ اقدس ﷺ پر حملہ آوروں کا انجام ۳۴۷

Marfat.com

- غزوہ حمراء الاسد ۳۴۸
- سنہ ۴ھ ۳۵۵
  - سریہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ (محرم ۴ھ) ۳۵۶
  - سریہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ (محرم ۴ھ) ۳۵۶
  - حادثہ رجیع (صفر ۴ھ) ۳۵۷
  - بئر معونہ کی لرزہ خیز داستان ۳۶۴
  - غزوہ بنونضیر (ربیع الاول ۴ھ) ۳۷۰
  - غزوہ بدر دوم ۳۸۳
- سنہ ۵ھ ۳۸۶
  - غزوہ دومتہ الجندل (ربیع الاول ۵ھ) ۳۸۶
  - غزوہ بنی المصطلق (شعبان ۵ھ) ۳۸۷
  - منافقین کی فتنہ پردازی ۳۹۰
  - منافقین کی اس غزوہ میں شرکت کی وجہ ۳۹۵
  - واقعہ افک کی تخلیق ۳۹۷
- غزوۂ احزاب (شوال ۵ھ) ۴۰۷
  - غزوہ بنوقریظہ (شوال ۵ھ) ۴۲۹
  - سیدنا سعد بن معاذ ؓ کی شہادت ۴۳۶
  - سریہ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ (محرم ۶ھ) ۴۳۸
  - غزوہ بنولحیان (ربیع الاول ۶ھ) ۴۴۱
  - غزوہ ذی قرد (ربیع الاول ۶ھ) ۴۴۲
  - سریہ عکاشہ بن محصن الاسدی ۴۴۳
  - سریہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ (ربیع الآخر ۶ھ) ۴۴۳
  - سریہ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ (ربیع الاول ۶ھ) ۴۴۴

Marfat.com

- سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (ربیع الثانی ۶ھ) ۴۴۴
- سریہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (شعبان ۶ھ) ۴۴۵
- سریہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ۴۴۶
- سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (رجب ۶ھ) ۴۴۷
- سریہ کرز بن جابر الفہری (شوال ۶ھ) ۴۴۸
- غزوہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ (شوال ۶ھ) ۴۴۹

◆ معاہدۂ حدیبیہ ۴۵۲
- بیعت رضوان ۴۶۲
- معاہدہ حدیبیہ کے اثرات ۴۶۹
- معاہدۂ حدیبیہ کے بعد ۴۷۳

◆ بادشاہانِ عالم اور امراء کے نام خط ۴۷۴

غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ) ۴۹۰
- خیبر کو روانگی ۴۹۱
- قلعہ ناعم کی فتح ۴۹۶
- قلعہ صعب بن معاذ کی فتح ۵۰۰
- قلعہ زبیر کی فتح ۵۰۱
- قلعہ ابی کی فتح ۵۰۲
- قلعہ نزار کی فتح ۵۰۲
- وطیح اور سلالم کی فتح ۵۰۳
- غنائم کی تقسیم ۵۰۵
- سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی ۵۰۹
- آپ ﷺ کو زہر دینے کا واقعہ ۵۱۰
- یہود کے باقی تین مراکز ۵۱۰

Marfat.com

- یہود کا انجام ۵۱۳
- مدینہ کو واپسی ۵۱۳
- غزوہ ذات الرقاع ۵۱۴
- عمرۃ القضاء ۵۱۶
- معرکہ موتہ ۵۲۲
- سریہ ذات السلاسل ۵۳۱
- سریہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (شعبان ۷ھ) ۵۳۳
- سریہ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ (شوال ۷ھ) ۵۳۴
- سیدنا بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کا دوسرا سریہ (شوال ۷ھ) ۵۳۴
- سریہ ابن حداد الاسلمی رضی اللہ عنہ ۵۳۵

غزوہ الفتح الاعظم ۵۳۷

- قرارداد حدیبیہ کی خلاف ورزی ۵۳۹
- جنگ کے بارے میں رازداری ۵۴۴
- مکہ کی راہ میں ۵۴۷
- مرالظہران میں پڑاؤ ۵۵۱
- مرالظہران سے روانگی ۵۵۶
- اسلامی لشکر مکہ میں ۵۵۸
- مسجد حرام میں داخلہ ۵۶۲
- انصارِ مدینہ کی تشویش ۵۶۷
- ناقابل معافی جرم ۵۶۸
- اسلامِ ابی قحافہ ۵۷۰
- اسلامِ سہیل بن عمرو ۵۷۱
- اسلامِ صفوان بن امیہ ۵۷۲

Marfat.com

- مستورات سے بیعت ۵۷۲
- دوسرے دن کا خطبہ ۵۷۴
- وفود وسرایا ۵۷۶
- غزوۂ حنین ۵۸۰
- غزوہ طائف ۵۹۰
- مالِ غنیمت کی تقسیم ۵۹۴
- بنوہوازن کے وفد کی آمد ۵۹۷
- واقعات متفرقہ ۶۰۰
- سنہ ۹ھ ۶۰۱
- عمال کی روانگی ۶۰۱
- سریہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ۶۰۲
- کعب بن زہیر کا قبولِ اسلام ۶۰۴
- غزوۂ تبوک ۶۰۷
- چندہ کی اپیل ۶۱۲
- تبوک روانگی ۶۱۶
- واپسی ۶۲۰
- متخلفین ۶۲۱
- غزوات النبی ﷺ اور شہدا کے ناموں کی مکمل فہرست ۶۲۷
(سید قدید ابو محمد الطیبی)
- شہداء کے ناموں کی مکمل فہرست (الطیبی) ۶۵۶

Marfat.com

تقدیم

ہجرت کے ایک سال بعد مسلمانوں کو کفار سے لڑنے کی اجازت ملی۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ کی وفات تک یہ مدت صرف نو سال بنتی ہے۔ ان نو سالوں میں بعض روایات کے مطابق آپ نے ۸۳ اور بعض روایات کے مطابق ۸۱ جنگیں لڑیں۔ ان میں سے ۲۷ میں آپ ﷺ خود بھی شریک ہوئے اور ۵۶ میں آپ ﷺ شریک نہیں ہوئے۔ ان تمام ۸۳ جنگوں میں ایک ہزار اٹھارہ آدمی کام آئے۔ ان میں ۲۵۹ حضرات مسلمان تھے جنھوں نے اپنی جانیں اللہ کی راہ میں شہید کروائیں اور ۷۵۹ کافر تھے جو طاغوت کی راہ میں لڑتے ہوئے قتل ہوئے، لیکن ان ایک ہزار اٹھارہ انسانوں کے قتل سے دنیا میں وہ انقلاب عظیم وجود میں آیا جس کو ایک عیسائی مقالہ نگار نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

Its advent changed the course of human history

(man and his gods, P.389)

اور جن مجاہدین نے اس انقلاب عظیم کو برپا کرنے کے لیے اپنی جانیں جان آفرین کے سپرد کیں انھوں نے دنیا میں اپنے نقش ایسے ثبت کیے اور اپنی قربانی کے پھول دنیا میں ہر طرف بکھیر دیے اور دنیا کو یہ پیغام دیا کہ ہم وہ لوگ ہیں جو اپنے قلب و نظر میں پہاڑوں کی بلندیاں اور سمندروں کی وسعتیں لیے ہوئے ہیں، جو ہواؤں کی مانند لوگوں سے ٹکرائے بغیر ان کے درمیان سے گزر جانے والے ہیں، جو ستاروں اور سیاروں کی طرح خاموش سفر کرنا جانتے ہیں، جو سورج کی طرح اپنوں اور غیروں کے اوپر یکساں چمکنے والے ہیں، جو پھول کی طرح شہرت اور عزت سے بے نیاز ہو کر کھلنا جانتے ہیں، جو دریا کی مانند حسد اور نفرت سے خالی ہو کر زمین کے سینے پر بہہ رہے ہیں، جو درخت کی طرح ساری کائنات کو اپنا غذائی دستر خوان بنا

Marfat.com

چکے ہیں، جو زمین پر پڑے ہوئے سایہ کی طرح کبر و غرور سے خالی ہو کر اپنے آپ کو اللہ کے آگے ڈال دینے والے ہیں۔ ان لوگوں نے اس دنیا میں اپنی ان صلاحیتوں کا کچھ ایسا ثبوت دیا کہ اب وہی آنے والی دنیا کے مالک ہوں گے۔

یہ حضرات پہلے ہی بہت سی صلاحیتوں کے حامل تھے لیکن جب وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی غلامی کو قبول کیا تو دنیا جانتی ہے کہ ان کی صلاحیتوں میں اور زیادہ جلا پیدا ہوئی، اور وہ ایسے عظیم اوصاف کے مالک بن گئے کہ ان اوصاف کے لوگ نہ ان سے پہلے زمین پر آباد ہوئے اور نہ اس کے بعد دوبارہ دیکھے گئے۔ گویا جاہلیت کے بہتر لوگ اسلام کے بہترین لوگ بن گئے۔ خیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام۔

(بخاری)

یہی وہ لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے لیے منتخب فرمالیا تھا، اور ان کے دلوں کا امتحان لے کر ان کو اپنے نبیؐ کا مددگار اور وزیر بنالیا۔ (الاستیعاب: ۶/۱)

وہ آپ ﷺ اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کے اس قدر دیوانے ہو گئے کہ سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ۷۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا۔ ان کا لباس زیادہ تر صُوف کا ہوتا تھا۔ اگر تم ان کو دیکھتے تو تم انہیں پاگل اور مجنون کہتے اور اگر وہ تمہارے اچھوں کو دیکھتے تو کہتے کہ ان کا دین میں کوئی حصہ نہیں، کیونکہ یہ لوگ یومِ حساب پر ایمان نہیں رکھتے۔

اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحابِ رسول اللہ ﷺ اس امت کے بہترین لوگ تھے، ان کے دل بہت اچھے تھے، ان کا علم بڑا گہرا تھا اور وہ ہر قسم کے تکلفات سے دور تھے۔ (حلیۃ الاولیاء، لابی نعیم: ۳۰۵/۱)

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اصحابِ رسول ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''بخدا! میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے۔ آج کوئی چیز ان جیسی نہیں، وہ خالی ہاتھ، پراگندہ اور ژولیدہ بال اور غبار آلود ہو کر صبح کرتے تھے۔ ان کی آنکھوں سے اتنے آنسو گرتے تھے کہ ان کے کپڑے بھیگ جاتے تھے۔ (حتی تبل ثیابھم) بخدا! آج کے لوگوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے غفلت میں رات گزاری ہے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۶/۸)

Marfat.com

اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک روز اپنے زمانہ کے لوگوں سے فرمایا: ''تم نماز، روزہ میں اصحاب رسول ﷺ سے زیادہ ہو، تم ان سے زیادہ مجاہدہ کرتے ہو۔ لیکن وہ تم سے بہت بہتر تھے۔'' لوگوں نے پوچھا: ''کس وجہ سے؟'' فرمایا: ''وہ دنیا سے بہت زیادہ بے رغبت تھے اور آخرت کے بہت زیادہ مشتاق تھے۔

هم كانوا ازهد فى الدنيا وارغب فى الآخرة۔ (حلیۃ الاولیاء: ۳۶/۱)

ان صفات کے حامل لوگ جب جنگ کے لیے جائیں تو کامیابی اور کامرانی ان کے قدم چومتی ہے، اور وہ جس مہم پر بھی جاتے تھے ہمیشہ کامیاب ہو کر آتے تھے۔ اسلام لانے سے قبل ان لوگوں کا پیشہ رہزنی، لوٹ مار اور ڈاکہ زنی تھا۔ ان کی پیشانیاں سینکڑوں خداؤں کے سامنے جھکتی تھیں، ہر اچھے اور خوب صورت پتھر کو وہ اپنی عبادت کے لیے منتخب کر لیتے تھے، وہ اپنی ساری توجہ دنیوی کاروبار اور مادہ پرستی پر صرف کر دیتے تھے، پھر ایک مقدس جگہ پر اکٹھے ہو کر تالیاں اور سیٹیاں بجا لیتے۔ ان کے نزدیک بس اتنی بات خدا کو راضی کرنے کے لیے کافی تھی، لیکن جب سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے دل و دماغ میں توحید کے جذبات پیدا کیے تو ان میں حقیقی خدا پرستی جو آخرت کی نجات کا ذریعہ ہوتی ہے، آ گئی۔ اب انھوں نے اللہ تعالیٰ کو پورے معنوں میں خالق، مالک، رب اور محاسب تسلیم کرنا شروع کر دیا۔ اب ان کے فکر و ذہن میں اللہ کی بڑائی کا احساس جاگ اٹھا۔ اب ان کا اندرونی وجود حق تعالیٰ شانہ کی احسان مندی کے جذبہ سے سرشار ہو گیا۔ پھر ان کا ہاتھ، ان کا پاؤں، ان کی آنکھ، ان کی زبان اور ان کے تمام اعضا و جوارح صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے وظائف ادا کرنے لگے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ

اب ان کی پوری ہستی اس دعا کی عملی تفسیر بن گئی جو رکوع و سجود میں پڑھنے کے لیے ہمیں تلقین کی گئی ہے:

اللهم خشع لك سمعى وبصرى ومخى وعظمى وعصبى۔

''اے اللہ! تیرے لیے جھک گیا میرا کان، میری آنکھ، میرا مغز، میری ہڈی اور میرے اعصاب۔''

اسی طرح انسانوں سے تعلقات اور دنیا کے مختلف معاملات میں انھوں نے اس

Marfat.com

رویہ کو اپنایا جو اللہ تعالیٰ نے بتایا۔ جب وہ اللہ والے ہو گئے تو دنیا والوں نے ان پر وہ ظلم ڈھائے کہ قلم کو تاب نگارش نہیں۔ ان دنیا والوں کی جن کو تاریخ میں قریش مکہ کہا جاتا ہے راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔ ہر قبیلہ اپنے مسلمان خویش واقارب کی ایذا رسانی پر تل گیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ جو غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے، ان کی مشق ستم کا نشانہ بنے۔ انہیں چلچلاتی دھوپ میں گرم ریت پر لٹا کر گرم اور وزنی پتھر ان کے سینے پر رکھ دیا جاتا اور ان سے کہا جاتا کہ یا تو اسلام چھوڑ دیں یا موت قبول کر لیں، لیکن سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کسی حالت میں بھی اسلام کو چھوڑنا قبول نہ کیا اور ''احد احد'' کے سوا اور کوئی لفظ ان کی زبان سے نہ نکلا۔ جب دھوپ میں تیزی نہ رہتی تو گلے میں رسی بندھوا کر لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا تا کہ مکہ مکرمہ کے اس سرے سے اس سرے تک گھسیٹتے پھریں۔ اسی طرح سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کو طرح طرح کی تکالیف دی گئیں۔ ایک روز انہیں دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا دیا گیا اور ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا تا کہ وہ کروٹ نہ بدل سکیں یہاں تک کہ کوئلے ان کے خون اور چربی سے تر ہو کر ٹھنڈے ہو گئے۔

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کی شہادت یا انداز شہادت کتاب وفا کا ایک روشن ترین باب ہے اور ظلم وستم ڈھانے والوں کی شقاوت اور سنگ دلی کا سیاہ ترین باب ہے۔ ابوجہل نے ان کی اندام نہانی میں برچھی ماری اور اس ظالمانہ اور بہیمانہ طریقے سے شہید کیا گیا۔ یہ قافلہ اسلام میں پہلی خاتون تھیں جنھوں نے اپنی جان راہِ خدا میں دی۔ رضی اللہ عنہا۔ اس خاتون سے ابوجہل کا صرف ایک ہی مطالبہ تھا کہ اسلام سے دست بردار ہو جاؤ اور اس ناتواں اور بے کس کنیز کا صرف ایک ہی جواب تھا کہ اسلام تو باد بہاری کے جھونکوں کی طرح رگ وپے کو سرشار کر گیا ہے۔ لہٰذا اس سے دست بردار کیسے ہوا جا سکتا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب ابوجہل کے اس کنیز پر ظلم وتشدد اور جور وستم کا علم ہوا تو انھوں نے اس کنیز کو خریدنا چاہا لیکن ابوجہل نے اس کو فروخت کرنے سے یک قلم انکار کر دیا۔ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خریدنے کی پیشکش کو مسترد کر دیا۔ ابوفکیہہ صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ صفوان ان کو تپتی ریت پر ڈال دیتا اور سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتا۔ یہ ہر ستم گر کا پہلا حربہ ہوتا۔

غلاموں کے علاوہ آزاد مسلمانوں کی ایذا دہی میں بھی قریش کے ستم گروں نے کوئی

Marfat.com

حربہ نہ تھا جو نہ آزمایا۔ خود سرکار دو عالم ﷺ بھی جو بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے دو قبیلوں کی پناہ میں تھے، ان کی ایذاء سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل سارے گھر کی نجاست اکٹھی کر کے آپ ﷺ کے راستے میں پھیلا دیتی۔ ابوجہل آپ ﷺ کی ایذا دہی میں سب سے آگے تھا۔ آپ ﷺ کو طرح طرح کی تکالیف پہنچاتا اور ایذا رسانی میں کوئی حربہ فروگذاشت نہ رکھتا۔ اس کے علاوہ ایک مرتبہ آپ ﷺ سجدہ کی حالت میں تھے ابوجہل نے ایک اونٹ کی اوجھڑی اٹھوا کر آپ ﷺ کی پشت مبارک پر رکھوا دی۔ آپ ﷺ جب مکہ کی گلیوں میں چلتے تو قریش کی طرف سے دل آزار فقروں کی آندھی چاروں طرف سے چلتی، لیکن آپؐ ان تمام تکالیف اور مصائب کو نہایت صبر و استقامت سے برداشت کرتے رہے۔

ایسا بھی ہوا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی اگر ان ایذاؤں کی شکایت بھی کی تو آپ ﷺ نے گزشتہ امتوں کے مومنین کے واقعات سنا کر انھیں تسلی دی۔ چنانچہ سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک روز سرکار دو عالم ﷺ خانہ کعبہ کے سایہ میں سر مبارک کے نیچے چادر رکھے ہوئے لیٹے تھے۔ ہم نے آپ ﷺ سے التماس کی: ''اے اللہ کے رسول! آپؐ دعا فرمائیں کہ خداوند قدوس ہم مسلمانوں کی یہ تکلیفیں دور فرما دے۔'' آپ ﷺ نے اٹھ کر فرمایا: ''تم سے پہلے بعض اہل ایمان کی استقامت کا یہ عالم تھا کہ زمین میں گڑھا کھود کر مومن کو اس میں گاڑ دیا جاتا۔ پھر آرا لا کر اس کے سر پر رکھا جاتا تھا اور چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے تھے، لیکن یہ تکالیف ان کو دین کی راہ سے نہیں پھیر سکتی تھیں۔ اسی طرح کسی کے لیے لوہے کی کنگھی تیار کی جاتی تھی اور گوشت کے نیچے ہڈیوں اور پٹھوں پر چلا دی جاتی تھی، لیکن یہ عذاب بھی ان کو دین حق سے منحرف نہیں کر سکتا تھا، اور خدائے بزرگ و برتر کی قسم! حق تعالیٰ شانہ دین اسلام کی تکمیل کرے گا اور اسے ایسا غلبہ عطا فرمائے گا کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک نہایت امن و سکون کے ساتھ سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی اور کا خوف نہ ہوگا، مگر تم جلدی کرتے ہو۔'' (بخاری)

یہ ایک اجمالی ذکر ہے ان مصائب و تکالیف کا جو مسلسل تیرہ سال مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی گئیں۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ ہجرت کا حکم فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دن کے اجالے اور رات کی تاریکی میں ایک ایک چوری چھپے مدینہ

Marfat.com

منورہ چلے گئے لیکن وہاں بھی ان لوگوں نے انہیں چین سے نہ رہنے دیا۔

جن لوگوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی یعنی مہاجرین ان لوگوں کا بہت ایثار ہے کیونکہ مالی نقصانات، بدنی اذیتیں اور گونا گوں مصائب و آلام برداشت کرنے آسان ہیں لیکن یہ کام ایک انسان کے لیے نہایت مشکل بلکہ محال ہے کہ وہ اپنی اس مختصر زندگی میں ہمیشہ کے لیے اپنے اہل وعیال کو چھوڑ دے، خویش واقارب سے رشتہ توڑ دے، مال ومنال سے دست بردار اور دست کش ہو جائے اور وہ اپنی زندگی کی تمام دلچسپیوں پر بے کسی، بے بسی اور غریب الوطنی کو ترجیح دی۔ حضرات مہاجرین کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ انھوں نے اپنے دنیوی سود و بہبود سے بے نیاز اور خالی الذہن ہو کر صرف خدا اور اس کے رسولؐ کی رضا جوئی کی خاطر اپنے وطن، اپنے اہل وعیال، مال ومنال اور اپنی جائداد واملاک بلکہ ہر شے کو ٹھکرا دیا۔ یہ اتنا بڑا ایثار اور جذبہ فدویت ہے جس کی نظیر دنیا کے دوسرے مذاہب وادیان پیش کرنے سے یک قلم قاصر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین سے مختلف وعدے کیے۔ ان کے فضائل اس وقت کے لوگوں اور آئندہ قیامت تک آنے والوں کے لیے بیان فرمائے۔ (النحل:۴۱، حشر:۸۔۱۰)

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کی خدمات کا جن الفاظ میں اعتراف کیا ہے، وہ نہایت قابل غور ہیں۔ فرمایا:

﴿فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَأُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ﴾ (آل عمران۳:۱۹۵)

"پس وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستے میں انہیں اذیت دی گئی۔"

گویا حق تعالیٰ شانہ اعتراف فرما رہے ہیں کہ مہاجرین کا اور تو کوئی قصور نہیں تھا بلکہ وہ صرف اور صرف میری راہ میں ستائے گئے اور جو اذیتیں بھی انھوں نے اٹھائیں خواہ وہ کوئی جسمانی اذیت ہو یا غریب الوطنی کی اذیت، وہ سب میری وجہ سے تھی۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک کسی محبّ نے اپنے محبوب کو یہ سرفرازی نہیں بخشی کہ محبوب کی اذیتوں کا ان الفاظ میں اعتراف کرے۔

Marfat.com

خیال یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ میں حصار عافیت میں آ جائیں گے لیکن مدینہ آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مشکلات اور مصائب سہ چند ہو گئے اور پھر یہی مشکلات و مصائب غزوات وسرایا کا سبب بنے، مکہ میں مشرکین ہی سے آپ کا سابقہ تھا جن کو معاشرہ میں غلبہ حاصل تھا۔ مسلمان ان کے سامنے کچھ دبے ہوئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ان سے لڑنے کی اجازت نہ تھی اور خود پیغمبر اسلام بھی انہیں صبر و استقامت کی بھٹی میں کندن بنانا چاہتے تھے لیکن مدینہ طیبہ میں انہیں دو قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا:

(۱) مدینہ طیبہ کے قدیم قبائل سے تعلق رکھنے والے اور (۲) یہود

یہ مشرکین اور یہود تو ان کے مخالف تھے لیکن مدینہ طیبہ میں ان لوگوں کی بھی اچھی خاصی تعداد موجود تھی جو پیغمبر اسلام ﷺ پر ایمان لا کر مومنین کی جماعت میں داخل ہو چکے تھے۔ مدینہ میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے سینوں میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف کینہ اور عداوت کے دہکتے ہوئے الاؤ رکھتے تھے، لیکن کچھ وجوہات کی بنا پر انہیں اس عداوت کے اظہار کی جرأت نہ تھی بلکہ مسلمانوں کی طاقت کو دیکھ کر وہ ظاہری طور پر خلوص و محبت کے اظہار پر مجبور تھے۔ ان لوگوں کی زمام کار عبداللہ بن ابی بن سلول کے ہاتھ میں تھی۔ اس شخص کی مخالفت مؤرخین نے بیان کی ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

اسی زمانہ میں ایک واقعہ رونما ہو گیا۔ قبیلہ اوس کے رئیس سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ گئے۔ امیہ بن حلف سے ان کا بڑا پرانا یارانہ تھا، اس لیے اس کے مہمان ہوئے۔ ایک روز امیہ انہیں دوپہر کے وقت ساتھ لے کر کعبہ کے طواف کے لیے لے گیا کہ راستے میں ابوجہل سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ابوجہل نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا: ''تم تو بڑے اطمینان و سکون سے طواف کر رہے ہو جب کہ تم لوگوں نے صابیوں (مسلمانوں) کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ بخدا! اگر تم ابوصفوان (امیہ بن خلف) کے ساتھ نہ ہوتے تو تم بچ کر واپس نہیں جا سکتے تھے۔'' سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو بھی ابوجہل کی بات سے غصہ آ گیا۔ وہ بھی بلند آواز سے بولے: ''اگر تم لوگوں نے ہمیں حج سے روکا تو ہم تم لوگوں کو ایسی چیز سے روک دیں گے جو تم پر اس سے بھی زیادہ گراں ہو گی۔ یعنی شام کی تجارت کا راستہ۔ (بخاری: ۵۶۳/۲)

Marfat.com

ان حالات میں ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کا حکم فرمایا اور اس حکم میں بھی ان پر کیے گئے ظلم وستم کا تذکرہ کیا۔ فرمایا:

﴿أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ﴾ (الحج ۲۲:۳۹)

''جن لوگوں کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے اب انہیں بھی (ان کے جواب میں) جنگ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر سراسر ظلم کیا گیا اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔''

یہ اجازت ۱۲ر صفر المظفر سنہ ۲ھ میں دی گئی۔ (زرقانی: ۱/۴۴۰)

ہجرت کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ سے ''میثاق مدینہ'' کے نام سے ایک معاہدہ کر لیا اور گرد و پیش کے قبائل کی طرف آپ ﷺ نے چھوٹے چھوٹے لشکر بھیجے تا کہ ان کو بھی دائرہ اسلام میں داخل کیا جائے یا پھر ان کے ساتھ امن کے معاہدات کیے جائیں۔ ان حالات میں غزوات وسرایا کی ابتداء ہوئی۔

محتاج دعا:
(حکیم) محمود احمد ظفر

۱۲۷۸۰۹

Marfat.com

کامل اور جامع انسانؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نہ صرف کامل اور مکمل تھی بلکہ ہر لحاظ سے اس میں جامعیت بھی پائی جاتی تھی۔ آپ ﷺ کی اپنی ذات کی جامعیت کی وجہ سے آپ ﷺ کی تعلیم بھی نہایت جامع اور کامل تھی۔ پیدائش سے لے کر شیر خوارگی، بچپن، لڑکپن، جوانی، کہولت، آپ ﷺ کی آمد و رفت، نشست و برخاست غرضیکہ زندگی کا ہر پہلو نہ صرف آپ ﷺ کے ماننے والوں کے سامنے تھا بلکہ آپ ﷺ کا انکار کرنے والوں کے سامنے بھی تھا، لیکن وہ دونوں مختلف انداز سے آپ ﷺ کی شخصیت کا مطالعہ کرتے۔ مومن محبت کی نگاہ سے آپ ﷺ کو دیکھتے جب کہ آپ کی نبوت کے منکر ناقدانہ انداز میں آپ ﷺ کی شخصیت کا مطالعہ کرتے لیکن وہ بھی آپ ﷺ کی شخصیت میں کوئی کمی یا نقص نہ نکال سکے۔ چنانچہ گبن نے لکھا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نے بھی اپنے ماننے والوں کا اس قدر سخت امتحان نہیں لیا جس قدر سخت امتحان محمد (ﷺ) نے اپنے پیروکاروں کا لیا۔ انھوں نے ایک روز دفعتاً اپنے آپ ﷺ کو سب سے پہلے ان لوگوں کے سامنے بحثیت پیغمبر اور رسول کے پیش کیا جو ان کو بحثیت انسان کے بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ اپنی بیوی، اپنے بھائی، اپنے غلام اور اپنے ایک نہایت واقف و راز دار دوست کے سامنے۔ اور ان چاروں نے بغیر کسی پس و پیش کے آپ ﷺ کے دعویٰ کی اسی وقت تصدیق کر دی۔ ان لوگوں کے سامنے آپ ﷺ کی چالیس سالہ زندگی تھی۔ اس زندگی کے نشیب و فراز سے اور نہیں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ تو خوب آشنا تھے۔ لیکن دنیا نے دیکھا کہ جو سب سے زیادہ آپ ﷺ کی ذات سے بحثیت انسان واقف تھا وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ اور تامل کے فوری طور پر آپ ﷺ پر ایمان لایا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی اہلیہ محترمہ جو آپ ﷺ کی اندرون خانہ زندگی کو بھی

Marfat.com

خوب جانتی تھیں، سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو اسلام میں مردوں اور عورتوں سب پر سبقت کا شرف حاصل ہے۔

(ابن اثیر: ۵۷/۲، اسد الغابہ: ۴۳۴/۵، نہایۃ الادب: ۱۷۵/۱۶، ۱۸۰، عیون الاثر لابن سید الناس: ۹۱/۱، سیر اعلام النبلاء: ۱۱۵/۲، مجمع الزوائد: ۲۱۹/۹، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱۲۵/۶)

اس کے بعد وہ شخص جو آپ ﷺ کا سب سے بڑا ہم راز اور رفیق کار تھا۔ جس نے سفر و حضر اور شام و سحر میں آپ ﷺ کی شخصیت کا مطالعہ کیا تھا، وہ آپ ﷺ پر ایمان لایا۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے:

ابو بکر اول من اسلم۔

(صفۃ الصفوۃ: ۲۳۷/۱، البدایہ والنہایہ: ۲۶/۳، نہایۃ الادب: ۱۸۰/۱۶، طبری: ۵۵/۲)

''ابو بکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے شخص ہیں جو آپ ﷺ پر ایمان لائے۔''

علامہ طبرسی نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

ان اول من اسلم بعد خدیجۃ ابو بکر۔ (تفسیر مجمع البیان طبرسی: ۳۳/۳)

''سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے ایمان لانے والے ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک روز سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم ﷺ کی ملاقات کے ارادہ سے باہر نکلے کیونکہ آپ ﷺ زمانۂ جاہلیت میں بھی رسول اللہ ﷺ کے نہایت قریبی دوست تھے اور آپ ﷺ کی زندگی کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف تھے۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم ﷺ سے ملے تو عرض کی کہ میں نے آج آپ ﷺ کو مجلس میں نہیں دیکھا؟ لوگ آپ ؐ کے بارے میں کچھ ایسی ایسی باتیں کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''میں اللہ کا رسول ہوں اور تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔'' جونہی آپ ﷺ نے یہ دعوتی جملہ ختم کیا۔ روایت کے الفاظ پڑھنے کے قابل ہیں:

فلما فرغ کلامہ اسلم ابو بکر۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۹/۳)

''جونہی رسول اللہ ﷺ اپنی بات سے فارغ ہوئے تو فوراً ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا۔''

Marfat.com

یہ مقام انسانیت کا اعلیٰ ترین اور حضور ﷺ سے مخلصانہ دوستی کا بھی بلند ترین مقام ہے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا کہ ایک لمحہ میں دل کی دنیا بدل گئی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسی خلوص کے باعث رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان کسی بات پر کچھ اختلاف واقع ہو گیا ہے۔ اس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کوئی ذہنی کوفت ہوئی ہے۔ آپ ﷺ کو جب اس ان بن کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے غصے کے لب ولہجہ میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تم لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا لیکن تم نے مجھے جھٹلایا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تصدیق کی اور اپنی جان اور مال کے ساتھ غم خواری اور غم گساری کی۔ کیا تم پھر بھی میرے ساتھی (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کو میری خاطر نہ چھوڑو گے؟'' یعنی اس کو کوئی تکلیف اور ذہنی کوفت نہ پہنچاؤ۔'' راوی کا بیان ہے یہ جملہ آپ ﷺ نے دو مرتبہ دہرایا۔ (بخاری: ۱/۵۱۷، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۷)

حافظ ابن کثیر نے بخاری کی یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

وھذا کالنص علیٰ انه اول من اسلم رضی اللہ عنه۔

''یہ روایت اس بات پر ایک نص کی طرح ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام لائے تھے۔''

بیوی سے بڑھ کر انسان کی اندرونی کمزوریوں کا واقف کار کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کی صداقت پر سب سے پہلے آپ ﷺ کی بیوی ہی ایمان لائیں۔ وہ نبوت سے پہلے پندرہ سال تک آپ ﷺ کی رفاقت میں رہ چکی تھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے والی سب سے پہلی وہی تھیں۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی معاشرتی زندگی کا ایک ایک عمل یہاں تک کہ آپ ﷺ کے وضو اور تیمّم اور مسح وغیرہ کے طریقے اور آپ ﷺ کی نماز کا ایک ایک رکن، نماز جنازہ، تہجد، اوابین اور دیگر نمازوں کے طریقے، روزہ رکھنے اور افطار کرنے اور حج کے تمام مناسک آج حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں کیونکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان جیسے اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شب و روز جاسوسوں کی طرح ذوق وشوق کے ساتھ آپ ﷺ کے حالات دیکھتے اور دوسروں سے ان کو بیان کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ آپ ﷺ کے دعوائے نبوت کے بعد تمام قریش نے آپ ﷺ پر برہمی کا اظہار کیا

Marfat.com

جس کے نتیجہ میں آپ ﷺ سے مقاطعہ کیا، آپ ﷺ سے دشمنیاں ظاہر کیں، آپ ﷺ کو سب وشتم کیا، آپ ﷺ پر نجاستیں ڈالیں، قتل کی سازشیں کیں۔ غرضیکہ کوئی ایسی سازش نہ تھی جو آپ ﷺ کے خلاف نہ کی گئی ہو لیکن کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ آپ ﷺ کے اخلاق اور اعمال کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکال سکے۔ آپ ﷺ کے اس دعویٰ نبوت کے ابطال کے لیے جنگ وقتال میں اپنی اولاد تک کو قربان کر دیا، اپنی دولت لٹا دی لیکن آپ ﷺ کی ذات پر خوردہ گیری کر کے اس کو باطل نہ کر سکے۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اپنے دشمنوں کی نگاہ میں بھی بااخلاق اور ستودہ صفات کے حامل تھے۔ بلکہ ایک مرتبہ قریش کے ایک جہاں دیدہ اور سرد وگرم چشیدہ شخص نضر بن حارث نے قریش مکہ کو مخاطب کر کے کہا:

''اے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہے تم لاکھ کوششوں کے بعد ان کا کوئی حل نہ نکال سکے۔ محمد (ﷺ)! تمھارے سامنے پیدا ہوا اور بچے سے جوانی کی منزل تک پہنچا۔ وہ تم میں سب سے زیادہ سچا اور امانت دار تھا اور تم سب اس کو الصادق اور امین کہتے تھے۔ اب جب اس کے بالوں میں سفیدی آ گئی اور تمھارے سامنے اس نے یہ باتیں پیش کیں تو تم نے یک دم اس کو یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ ساحر ہے، وہ کاہن ہے، وہ شاعر ہے اور وہ مجنون ہے۔ خدا کی قسم! میں نے اس کی باتیں سنی ہیں۔ محمد (ﷺ) میں ان میں سے کوئی بات نہیں۔'' (ابن ہشام: ۱/۱۰۲)

آپ ﷺ کی زندگی کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جو کوئی جس قدر سرکار دو عالم ﷺ کے حالات سے واقف وآشنا تھا اسی قدر وہ آپ ﷺ کا گرویدہ ہو گیا۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں یہ اصول رہا کہ پہلے ان کو نا آشناؤں نے مانا اور بعد میں گھر والوں نے انھیں پیغمبر تسلیم کیا لیکن آپ ﷺ کا سانحۂ حیات اس سے یک قلم مختلف رہا۔ آپ ﷺ کو سب سے پہلے انھوں نے مانا جو آپ ﷺ کے حالات زندگی اور آپ ﷺ کے اخلاق وعادات سے آشنا تھے اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے ایمان کا شدید خطرناک امتحان دیا۔ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا تین برس تک آپ ﷺ کے ساتھ شعب بنی ہاشم میں محصور رہیں۔ جس میں بھوک اور فقر وفاقہ سے نہایت بری طرح دوچار ہونا پڑا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس وقت رات کی تاریکی میں آپ ﷺ کے ساتھ نہایت خطرناک رفاقت کا

Marfat.com

حق ادا کیا جب چاروں طرف دشمن آپ ﷺ کے تعاقب میں تھے اور آپ ﷺ کی گرفتاری پر بہت بڑا انعام رکھا ہوا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس بستر پر قدم رکھا جو صبح کو مقتل بننے والا تھا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے وہ خاص غلام تھے کہ جنھوں نے بیٹہ ملنے پر اپنے باپ کے اصرار پر بھی آپ ﷺ کی مفارقت گوارا نہ کی۔ اس سلسلے میں گاڈ فری ہیگنس نے ''اپالوجی فار محمد ﷺ'' میں لکھا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

''عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (ﷺ) کے پیغام نے وہ نشہ آپ ﷺ کے پیروؤں میں پیدا کر دیا تھا جس کو عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے سود ہے...... جب عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیروکار بھاگ گئے۔ ان کا نشۂ دینی جاتا رہا اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے...... برعکس اس کے محمد (ﷺ) کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپ ﷺ کے بچاؤ اور تحفظ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ ﷺ کو غالب کر دیا۔'' (اپالوجی فار محمد ﷺ، اردو: ص ۶۶-۶۷)

جہاں تک آپ ﷺ کی جامعیت کا تعلق ہے وہ بھی آپ ﷺ کی زندگی میں ظاہر و باہر ہے۔ اس سلسلے میں حضرت العلامہ مولانا مناظر احسن گیلانی قدس سرہ نے بڑے عجیب انداز میں بیان کیا ہے۔ مولانا اپنی کتاب ''النبی الخاتمؐ'' میں شاہی دربار کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''عجیب دربار! سلاطین کہتے ہیں شاہی دربار تھا کہ فوج تھی، علم تھا، پولیس تھی، جلاد تھے، محتسب تھے، گورنر تھے، کلکٹر تھے، منصف تھے، ضبط تھا، قانون تھا، مولوی کہتے ہیں: مدرسہ تھا، درس تھا، وعظ تھا، افتا تھا، قضاۃ تھی، تصنیف تھی، تالیف تھی، محراب تھی، منبر تھا۔ صوفی کہتے ہیں: خانقاہ تھی، دعا تھی، جھاڑ تھی، پھونک تھا، وظیفہ تھا، ذکر تھا، شغل تھا، تحنث (چلہ) تھا، گریہ تھا، بکا تھا، وجد تھا، حال تھا، کشف تھا، کرامت تھی، فقر تھا، فاقہ تھا، زہد تھا، قناعت تھی، کنکریاں دی جاتی تھیں کہ کھارے کنوؤں کا پانی میٹھا ہو جائے گا، بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا تھا، جو جو کہہ دیا جاتا تھا پورا ہو جاتا تھا۔''

''مگر سچ تو یہ ہے کہ وہ سب کچھ تھا اس لیے کہ وہ سب کے لیے آیا تھا، آئندہ جس

Marfat.com

کسی کو چلنا تھا، جہاں کہیں چلنا تھا، اسی کی روشنی میں چلنا تھا۔"

رب صل وسلم دائما ابداً
علیٰ حبیبك خیر الخلق کلهم

یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ اس دنیا کی بنیاد اختلاف پر ہے یعنی باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں ہی کے ذریعے دنیا چل رہی ہے۔ ذوق نے بالکل صحیح کہا ؎

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق! اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے

اس دنیا میں بادشاہ ہیں اور حکام بھی، راعی بھی ہیں اور رعایا بھی، قاضی بھی ہیں اور جج بھی، سپہ سالار بھی ہیں اور فوجی بھی، دولت مند بھی ہیں اور غریب بھی، عابد بھی اور زاہد بھی، مجاہد بھی ہیں اور سپاہی بھی، تاجر بھی ہیں اور سوداگر بھی، رشتہ دار بھی ہیں اور دوست احباب بھی، غرضیکہ اس دنیا کا نظم و نسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام پر موقوف ہے۔ ان تمام اصناف کو اپنی اپنی زندگی کے لیے ایک عملی نمونے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان تمام انسانی اصناف کے لیے عملی نمونے اور مثالیں موجود ہیں۔ ایک حاکم کے لیے محکوم کی زندگی ایک مثال اور نمونہ نہیں بن سکتی، لہٰذا ضروری تھا کہ ایسا پیغمبر دنیا میں مبعوث کیا جائے جس کی زندگی، ان تمام مختلف مناظر کے رنگ برنگ پھولوں کا گلدستہ ہو جس سے انسانیت کے اس گلشن کو زینت اور رعنائیاں حاصل ہوں۔ علاوہ ازیں ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر انسانی طائفہ اور ہر انسانی حالت کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، وہ صرف اور صرف جناب رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہے جن کی زندگی میں جھانک کر ہر شخص اپنے اپنے حالات کے مطابق نمونہ حاصل کر سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی میں ایک تاجر، ایک بادشاہ، ایک راعی، ایک دولت مند، ایک مفلس، ایک حاکم اور ایک محکوم، ایک سپہ سالار اور ایک فوجی، ایک فاتح اور ایک شکست خوردہ، ایک باپ اور ایک بیٹا، ایک معلم اور متعلم، ایک زاہد شب زندہ دار، ایک مدرس اور ایک عالم کے لیے اسوۂ حسنہ موجود ہے۔ غرضیکہ ہر شخص جس حال میں بھی ہو، رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اس کے لیے نمونہ، طبقہ انسانی کے ہر طالب اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں ایک جامع اسوۂ حسنہ موجود ہے۔

Marfat.com

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ساری زندگی شادی نہیں کی۔ ان کے ہاں بچے پیدا نہیں ہوئے۔ انھیں کہیں حکومت اور سرداری حاصل نہیں ہوئی لہٰذا ان کی زندگی ایک متاہل آدمی اور ایک حاکم اور سردار کے لیے نمونہ اور مثال نہیں ہو سکتی۔ اس بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ سیدنا نوح، سیدنا ابراہیم، سیدنا یونس، سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہم السلام کی سیرتیں صرف ایک ہی جنس کی اشیاء کی دوکانیں ہیں جب کہ سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت اخلاق و اعمال کی دنیا ایک سپر مارکیٹ ہے جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے کے طلب گار کے لیے ہر قسم کا بہترین مال موجود ہے جو اپنی اپنی طلب کے مطابق وہاں سے حاصل کر رہا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ ''آج سے تیس چالیس برس پہلے پٹنہ کے ایک مشہور واعظ ماسٹر حسن علی مرحوم ''نور اسلام'' نام کا ایک رسالہ نکالتے تھے۔ اس میں انھوں نے اپنے ایک تعلیم یافتہ ہندو دوست کی رائے لکھی ہے کہ اس نے ایک دن ماسٹر صاحب سے کہا کہ میں آپ کے پیغمبرؑ کو دنیا کا سب سے بڑا کامل انسان تسلیم کرتا ہوں۔ انھوں نے پوچھا کہ ہمارے پیغمبر کے مقابلہ میں تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیا سمجھتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ''محمد (ﷺ) کے مقابلہ میں عیسیٰ علیہ السلام ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے ایک دانائے روزگار کے سامنے ایک بھولا بھالا بچہ بیٹھا ہوا میٹھی میٹھی باتیں کر رہا ہو۔'' انھوں نے دریافت کیا کہ تم کیوں پیغمبر اسلام ﷺ کو دنیا کا کامل ترین انسان جانتے ہو؟ اس نے جواب دیا: ''مجھ کو ان کی دنیا میں بیک وقت اس قدر متضاد اور متنوع اوصاف نظر آتے ہیں جو کسی ایک انسان میں تاریخ نے کبھی یکجا کر کے نہیں دکھائے۔ بادشاہ ایسا کہ ایک پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو، اور بے بس ایسا کہ خود اپنے آپ ﷺ کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں جانتا ہو، دولت مند ایسا کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اس کے دارالحکومت میں آ رہے ہیں اور محتاج ایسا کہ مہینوں اس کے گھر میں چولہا نہ جلتا ہو اور کئی کئی وقت اس پر فاقے گزر جاتے ہوں۔ سپہ سالار ایسا کہ مٹھی بھر نہتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں غرق آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو، اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پر جوش جانثاروں کی ہم رکابی کے باوجود صلح کے کاغذ پر بے چون و چرا دستخط کر دیتا ہو۔ شجاع اور بہادر ایسا کہ ہزاروں کے مقابلے میں تن تنہا کھڑا ہو، اور نرم دل ایسا کہ کبھی اس نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا

Marfat.com

ہو۔ باتعلق ایسا کہ عرب کے ذرہ ذرہ کی اس کو فکر ہو، بیوی بچوں کی اس کو فکر، غریب اور مفلس مسلمانوں کی اس کو فکر، خدا کو بھولی ہوئی دنیا کے سدھار کی اس کو فکر، غرض سارے سنسار کی اس کو فکر ہو، اور بے تعلق ایسا کہ اپنے خدا کے سوا کسی اور کی یاد اس کو نہ ہو اور اس کے سوا ہر چیز اس کو فراموش ہو۔ اس نے کبھی اپنی ذات کے لیے اپنے کو برا کہنے والوں سے بدلہ نہیں لیا اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کی اور ان کا بھلا چاہا، لیکن خدا کے دشمنوں کو اس نے کبھی معاف نہیں کیا اور حق کا راستہ روکنے والوں کو ہمیشہ جہنم کی دھمکی دیتا اور عذاب الٰہی سے ڈراتا۔ عین اس وقت جب اس پر ایک تیغ زن سپاہی کا دھوکہ ہوتا ہو وہ ایک شب زندہ دار زاہد کی صورت میں جلوہ نما ہو جاتا ہے۔ عین اس وقت جب اس پر کشور کشا فاتح کا شبہ ہو وہ پیغمبرانہ معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے آ جاتا ہے، عین اس وقت جب ہم اس کو شاہِ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں وہ کھجور کی چھال کا تکیہ لگائے کھردری چٹائی پر بیٹھا درویش نظر آتا ہے۔ عین اسی وقت جب عرب کے اطراف سے آ کر اس کے صحن مسجد میں مال واسباب کا انبار لگا ہوتا ہے اس کے گھر میں فاقہ کی تیاری ہو رہی ہوتی ہے۔ عین اس عہد میں جب لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں کے گھروں میں لونڈی اور غلام بن کر بھیجے جا رہے ہیں فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ جا کر اپنے ہاتھوں کے چھالے اور سینہ کے داغ باپ کو دکھاتی ہے جو چکی پیستے پیستے اور مشکیزہ بھرتے بھرتے ہاتھ اور سینہ پر پڑ گئے تھے۔ عین اس وقت جب آدھا عرب اس کے زیر نگین ہوتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر دربار ہوتے ہیں، ادھر اور ادھر نظر اٹھا کر کاشانۂ نبوت کے سامان کا جائزہ لیتے ہیں، ایک کھردری چارپائی یا چٹائی پر آرام فرما رہے ہیں۔ جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں۔ ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں، ایک کھونٹی میں خشک مشکیزہ لٹک رہا ہے۔ سردار کائنات ﷺ کے گھر کی یہ کل کائنات دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑتے ہیں۔ سبب دریافت ہوتا ہے۔ عرض کرتے ہیں: ”یا رسول اللہ! اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا؟ قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپ ﷺ پیغمبر ہو کر اس حالت میں ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: ”عمر رضی اللہ عنہ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے لوٹیں اور ہمارے حصے میں آخرت کی سعادت آئے۔“

کسی شاعر نے آپ ﷺ کی ذات کے بارے میں بالکل درست کہا ہے ۔

Marfat.com

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جو علوم دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام لے کر آئے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات میں جمع فرما دیے۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ اس شان سے دنیا میں تشریف لائے کہ آپ ﷺ کے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند تھا۔ اکٹھی دو روشنیاں لے کر آپ ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات کو یہاں یہ اشکال پیدا ہو کہ ہم نے یہ کسی تاریخ میں نہیں پڑھا اور نہ کسی حدیث میں ہی یہ آیا ہے کہ آپ ﷺ کے ہاتھوں میں چاند اور سورج ہوں۔ یہ ایک نئی بات ہے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ سرکار دو عالم ﷺ کے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند تھا۔ سورج کا کیا مطلب ہے؟ یعنی دائیں ہاتھ میں اللہ کی چمکتی ہوئی کتاب تھی اور بائیں ہاتھ میں قلب نبوت تھا جس میں اخلاق کی روشنی بھری ہوئی تھی۔ کتاب اللہ کے اندر الوہیت کا جلال بھرا ہوا تھا۔ اگر فقط کتاب اللہ آتی اور پیغمبر نہ آتے تو الوہیت کا جلال مخلوق کو بھسم کر دیتا۔ مجال نہ تھی کہ کوئی اس کو سمجھ سکے۔ اس کی روشنی کو قلب نبوت میں اتارا گیا، تو نبوت کی عبدیت کے ساتھ جب الوہیت کا نور ملا تو ٹھنڈک اور برودت پیدا ہوئی کہ جس کو مخلوقِ خدا سہہ سکے۔ تو سورج اللہ کی کتاب تھی اور چاند رسول اللہ ﷺ کا قلب مبارک تھا جو کمالات اخلاق کا مرکز تھا۔ اس طرح سے آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے یعنی جلال بھی تھا اور جمال بھی۔ خدا کی کتاب کے اندر جلال تھا اور قلب مبارک میں شان جمالی تھی۔

جامعیت شریعت:

اس وجہ سے آپ ؐ کی شریعت مطہرہ میں دونوں شانیں موجود ہیں۔ یہ رحمۃ للعالمین ؐ کی شریعت ہی تو ہے جس میں عفوو درگزر اور معافیاں بھی ہیں اور ساتھ ساتھ حدود و قصاص اور جہاد بھی ہے۔ چور چوری کرے تو ہاتھ کاٹ دو، زانی زنا کرے تو سنگ سار کر دو۔ تو جہاں شریعت کے اندر رحمۃ للعالمینی ہے وہاں تعزیرات اور عقوبات بھی موجود ہیں، کافروں سے جنگ و قتال بھی ہے۔ اسی لیے حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

((بعثت رحمة وملحمة))

''میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں اور جنگ مجسم بنا کر بھی بھیجا گیا ہوں۔''

یعنی فرمان برداروں اور مطعیوں کے لیے رحمت مجسم ہوں اور مجرموں کے لیے غضب مجسم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

((انا الضحوك القتال))

''میں بہت زیادہ ہنس مکھ بھی ہوں اور بہت زیادہ قتل کرنے والا بھی ہوں۔''

یعنی شان رحمت بھی ہے۔ اللہ کی رحمت میرے اندر سرایت کیے ہوئے ہے۔ اور غضب کی شان بھی ہے کہ خدا کے غضب سے اس کے منکروں کے مقابلہ میں غضب مجسم ہوں۔ غرض دونوں شانیں آپ ﷺ نے ظاہر فرمائیں۔

اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ حق و باطل میں امتیاز کا نور تھے۔ جیسی ظلمت آپ ﷺ کے سامنے آتی ویسا ہی آپ ﷺ کا نور ہوتا۔ جہالت، اخلاق وعقائد کی ظلمت تمام انسانوں میں آپ ﷺ کی بعثت کے وقت موجود تھی۔ جبلت کی شہوتیں، جبلت کی ظلمتیں یہ ایسی ظلمات ہیں جن سے حق و باطل میں امتیاز نہیں ہوتا۔ ان ظلمتوں کے لیے ویسے ہی نور کی ضرورت تھی کہ یہ ظلمتیں کافور ہوں۔ چاندنی میں حق و باطل نظر آئے۔ حق و باطل اس سورج کی روشنی میں نظر آتا۔ وہ پیغمبر کی روشنی میں نظر آتا ہے جو علم (قرآن) اور اخلاق (قلب نبوت) کی روشنی ہے۔ حقیقت میں یہ نبوت نورانی ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ ظلمتیں وہ نہیں ہیں جو سورج کے غروب ہونے سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ حسی اور مادی ظلمت ہے اور جہالت اور بداخلاقی کی ظلمت معنوی ظلمت ہے جو قلب میں پیدا ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا:

((الظلم ظلمات))

''یعنی ظلم ظلمت وتاریکی ہے۔''

اس کے مقابلہ میں عدل روشنی ہے۔ تو عدل کی روشنی سورج کی روشنی کی طرح نہیں ہے، علم کی روشنی سورج کی روشنی کی طرح نہیں ہے لیکن سورج کی روشنی اس روشنی کے سامنے ماند ہے۔ یوں کہ سورج کی روشنی فقط مکان کو روشن کرتی ہے جب کہ علم کی روشنی قلوب اور

Marfat.com

ارواح کو روشن کرتی ہے۔ سورج سے فقط زمین اور مکان روشن ہوتے ہیں اور علم سے زمان، مکان اور اعیان سب روشن ہوتے ہیں۔ تو سرکار دو عالم ﷺ نور خداوندی ہیں مگر مادی نور نہیں ہیں بلکہ معنوی نور ہیں یعنی علم الٰہی کا پرتو جو آپ پر پڑا وہ عالم میں اور کسی کے اوپر نہیں پڑا۔

بعض روایات میں ہے کہ "اول ماخلق الله نوری" اگرچہ اس روایت کو بعض نے ضعیف اور بعض نے موضوع کہا ہے لیکن اس کا مضمون صحیح ہے کیونکہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿قد جاء کم من الله نور و کتاب مبین﴾ (المائدہ ۵:۱۵)

"اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور آیا اور کتاب مبین آئی۔"

نور سے مراد ذات محمدی ہے تو "اول ماخلق نوری" کو دیکھا جائے تو اگرچہ حدیث موضوع بھی ہو مگر مضمون کے لحاظ سے صحیح ہے کیوں کہ قرآن اس حدیث کا مؤید ہے۔

بہر حال سرکار دو عالم ﷺ نور ہیں مگر معنویت کا نور ہیں، روحانیت کا نور ہیں، اخلاق کا نور ہیں، کمالات خداوندی آپ ﷺ کے اندر ظہور کرتے ہیں۔ ان کی روشنی آپ کے اندر تھی یعنی آپ ﷺ مظہر اتم تھے اللہ تعالیٰ کے کمالات کے۔ جس طرح یہ بجلی کی روشنی آپ کے سامنے ہے۔ فیوز (Fuse) جو اس کے اندر ہے وہ ایک معمولی سا تار ہے لیکن جب اس کا کنکشن پاور ہاؤس سے قائم ہو جاتا ہے تو وہ اتنا روشن ہو جاتا ہے کہ میدانوں کے چمکا دیتا ہے۔ تو اصل میں روشنی تو پاور ہاؤس سے آتی ہے خود اس تار کے اندر روشنی نہیں ہے لیکن منور ہو کر تار کی ہستی نظر نہیں آتی بلکہ روشنی ہی روشنی نظر آتی ہے۔ ایسے میں اگر تار کہہ دے کہ میں خود نور ہوں تو وہ کہہ سکتا ہے لیکن حقیقت میں نور اور ہے، اس کی ذات اور ہے، اس کی ذات پر نور نے جلوہ کیا ہے اور وہ نور کا مظہر بن گیا۔ اس لیے نور بھی کہہ سکتا ہے۔ اور جب اپنی ذات کی طرف نگاہ جائے گی تو کہا جائے گا کہ میں تو تار ہوں، روشنی دوسرے کی ہے جو میرے اندر آ رہی ہے۔ انبیاء علیہم السلام وہ صلاحیتیں لے کر آتے ہیں کہ علوم خداوندی ان کے اندر جلوہ گر ہوتے ہیں، اخلاق ربانی ان کے اندر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ تو یہ نور معنوی نور ہے جیسا کہ وہ ظلمت معنوی ظلمت تھی۔ معنوی ظلمت کو رفع کرنے کے لیے معنوی نور کی ضرورت تھی۔ آفتاب کا نور اسے زائل نہیں کر سکتا تھا۔ تو نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات نور بن کر آئی۔ آپ ﷺ کی ذات کو دیکھ کر مخلوق نے یہ سمجھ لیا کہ حق یہ ہے اور باطل یہ ہے۔ نیکی اسے کہتے

Marfat.com

ہیں اور بدی اسے کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال، اخلاق اور پاکیزہ اور شفاف کردار کو دیکھ کر دنیا کے سامنے ایک معیار آ گیا اور دنیا والوں نے سمجھا کہ نیکی کس چیز کا نام ہے، خلق حسن کس چیز کا نام ہے، کمال کس چیز کا نام ہے اور عیب کس کو کہتے ہیں۔ گویا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ تک پہنچنے کے راستہ کے لیے روشنی تھے۔ ان کے بغیر راستہ نظر نہیں آ سکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشعل نور بن کر تشریف لائے اور راہِ خداوندی لوگوں کے سامنے کھل گئی۔

مختصر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مجمع الصفات تھی۔ مختلف قسم کے علوم اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جمع کر رکھے تھے۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف شانیں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں افصح العرب خطیب تھے وہاں صادق وامین تاجر بھی تھے، اگر اولوالعزم مبلغ وداعی تھے تو ایک اعلیٰ ترین معلم انسانیت بھی تھے، اگر ایک کامیاب ترین داعی انقلاب تھے تو ایک بے مثال مربی ومزکی بھی تھے، ایک عظیم مدبر ومنتظم اور لاثانی مقنن بھی تھے، ایک عدیم النظیر منصف وقاضی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زاہد شب زندہ دار بلکہ عبادت خداوندی کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم میں خوف ورجاء، عفو وانتقام، عدل و احسان، ہمدردی وخیر خواہی، صدق وحیاء، حلم وبردباری، عاجزی وتواضع، رفق ولطف اور سادگی وقناعت کی نورانی کرنیں بھی انسانی معاشرہ کو روشن کر رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی خلق عظیم کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں امیر وغریب اور شاہ وگدا اور آقا وغلام ایک صف میں کھڑے نظر آتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی درس گاہ اوز دارالعلوم سے سیدنا ابوبکر، سیدنا عثمان، سیدنا علی اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم جیسے فرماں روا تعلیم حاصل کر کے نکلے جنھوں نے مشرق سے مغرب تک اور افریقہ اور ہندوستان کی سرحد تک فرماں روائی اور حکمرانی کی اور ایسی حکمرانی کی کہ دنیا آج تک ان کی سیاست وتدبیر کو یاد کرتی ہے۔ ان کے عدل وانصاف نے دنیا میں ایسی مثالیں قائم کیں کہ نوشیروان اور دوسرے بڑے بڑے عدل وانصاف کرنے والے ان کے سامنے گرد نظر آتے ہیں۔

اسی مدرسۂ علم سے ایک جماعت ایسی بھی نکلی جن کی سپہ سالاری نے بڑی بڑی سلطنتوں کا تختہ چند سال میں الٹ کر رکھ دیا۔ ان میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ،

Marfat.com

سیدنا یزید بن ابی سفیان اور سیدنا ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ جیسے حضرات بھی تھے جو دنیا کے فاتح اعظم اور بہترین سپہ سالار ثابت ہوئے، جن کے بہترین کارناموں کی دھاک آج بھی دنیا کے دلوں پر بیٹھی ہوئی ہے اور دنیا کے بہترین سپہ سالاران کے کارناموں کے سامنے طفل ابجد نظر آتے ہیں، اور اس زمانے کی سپر پاورز نے ان کی قابلیتوں کو اس وقت بھی تسلیم کیا اور آج بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔

اسی مدرسۂ علم سے بہترین مدبر و سیاست دان جن میں خالد بن سعید رضی اللہ عنہ، مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ، زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ، عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ، یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ وغیرہ بیسیوں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جنھوں نے اپنے اپنے علاقوں میں کامیاب گورنری کے فرائض سرانجام دیئے۔ ان کے علاوہ اسی مدرسۃ العلم سے فقہاء اور قضاۃ کی ایک جماعت تیار ہو کر نکلی جن میں سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا جیسے فقہاء شامل تھے جنھوں نے لوگوں کی علمی پیاس بجھانے اور قانون کی طرح ڈال کر دنیائے قضاء وفقاہت میں ایک خاص مقام حاصل کیا۔ اس مدرسۂ علم کے اندر ایک صفہ کا مدرسہ تھا جن کی تعداد ستر صحابہ پر مشتمل تھی جس میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ یہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جن کے پاس سوائے مسجد نبویؐ اور کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ بدن کے کپڑوں کے سوا اور ان کی کوئی ملکیت نہ تھی۔ وہ پورا دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں گزارتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کرتے۔ حدیث کی روایات سنتے۔ ان میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ایک تھے۔ یہ لوگ نہایت متوکل تھے۔ اگر مسجد نبویؐ میں کچھ کھانے کو آجاتا تو کھا لیتے ورنہ کئی کئی روز تک فاقے سے رہتے اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتے۔

ایک جماعت اس مدرسہ سے ایسی بھی فارغ ہوئی جو سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی طرح مسیح الاسلام تھی جن کی نگاہ میں کل کے لیے آج اٹھا رکھنا شان توکل کے خلاف تھا۔ جن میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں جو زہد وتقویٰ کی زندہ مثال ہیں، ابو الدرداء رضی اللہ عنہ ہیں جن کے دن روزوں میں اور راتیں نمازوں میں گزرتی تھیں، مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ تھے جو اسلام لانے سے

Marfat.com

قبل حریر و پرنیاں اور قاقم و کمخواب کا لباس پہنتے تھے اور چاندی کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئے لیکن اسلام لائے تو بجائے حریر و پرنیاں کے ٹاٹ اوڑھتے تھے اور پھر پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے۔ جنگ احد میں جب شہادت ہوئی تو کفن کے لیے پورا کپڑا تک نہ ملا۔ چنانچہ پاؤں پر اذخر گھاس ڈال کر دفن کیے گئے۔ ان میں سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

سید الملت سید سلیمان ندوی قدس سرہ نے لکھا ہے اور خوب لکھا ہے کہ:

''یہ وہی وحشی عرب، وہی بت پرست عرب، وہی بداخلاق عرب ہیں۔ ان پہ کیا انقلاب ہو گیا تھا؟ ایک امی کی تعلیم جاہل عربوں کو عاقل، روشن دل، روشن دماغ اور مقنن کیوں کر بنا گئی؟ ایک نہتے پیغمبرؐ کا ولولۂ تبلیغ کس مپرس عربوں کو سپہ سالار اور بہادر بنا کر نئے زور و قوت کا خزانہ کیسے عطا کر گیا؟ جو خدا کے نام سے بھی آشنا نہ تھے وہ ایسے شب زندہ دار، عابد، متقی اور طاعت گزار کیوں کر ہو گئے۔ تم نے درس گاہ محمدی ﷺ یا مدینہ یونیورسٹی کی پوری سیر کر لی۔ ہر رنگ اور ہر مذاق کے طالب علم دیکھے، عالم بھی دیکھے، مقنن بھی دیکھے، فوجی بھی دیکھے، قاضی عدالت بھی دیکھے، حکام اور والی بھی دیکھے، عالم بھی دیکھے، غریب و مسکین بھی دیکھے، شاہ و امیر بھی دیکھے، غلام بھی دیکھے، آقا بھی دیکھے، لڑنے والے بھی دیکھے، مرنے والے بھی دیکھے، راہِ حق کے شہیدوں کو بھی دیکھا۔ تم نے کیا فیصلہ کیا؟ اس کے سوا اور کیا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات انسانی کمالات اور صفات حسنہ کا ایک کامل مجموعہ تھی، اور یہ انہی کی جامعیت کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں تھیں جو کبھی صدیق رضی اللہ عنہ و فاروق رضی اللہ عنہ ہو کر چمکتی تھیں، کبھی عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہو کر نمایاں ہوتی تھیں، کبھی خالد رضی اللہ عنہ و ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور کبھی سعد رضی اللہ عنہ و جعفر طیار رضی اللہ عنہ ہو کر سامنے آتی تھیں۔ کبھی ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابو ذر رضی اللہ عنہ، سلمان رضی اللہ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ہو کر مسجد و محراب میں نظر آتی تھیں، کبھی ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صورت میں علم و فن کی درس گاہ اور عقل و حکمت کا دبستان بن جاتی تھیں اور کبھی بلال رضی اللہ عنہ و صہیبؓ اور عمار و خبیبؓ کی امتحان گاہوں میں تسلی کی روح اور تسکین کا پیام بن جاتی تھیں۔ گویا محمد رسول اللہ ﷺ کا

Marfat.com

وجود مبارک آفتاب عالم تاب تھا جس سے اونچے پہاڑ، ریتلے میدان، بہتی نہریں، سرسبز کھیت اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تابش اور نور حاصل کرتے تھے۔ یا ابر باراں تھا جو پہاڑ اور جنگل، میدان اور کھیت، ریگستان اور باغ ہر جگہ برستا تھا اور ہر ٹکڑا اپنی اپنی استعداد کے مطابق سیراب ہو رہا تھا اور قسم قسم کے درخت اور رنگا رنگ پھول اور پتے جم رہے تھے اور اگ رہے تھے۔"

ان سب حضرات میں توحید کا نور، اخلاص کی رُوح، قربانی کا ولولہ، خلق کی ہدایت اور راہ نمائی کا جذبہ اور بالآخر ہر کام میں خدا کی رضا طلبی کا جوش ہر ایک کے اندر کام کر رہا تھا۔ وہ جو کچھ بھی ہوں، جہاں بھی ہوں اور جو بھی کر رہے ہوں، یہ فیضان حق سب میں یکساں اور برابر تھا۔ راستوں، رنگوں اور مذاقوں کا اختلاف تھا، مگر خدا ایک تھا، قرآن ایک تھا، رسول ایک تھا، اور قبیلہ ایک تھا، ہر رنگ، ہر راستہ اور ہر کام سے مقصود دنیا کی درستی، خلق کی ہمدردی، خدا کے نام کی بلندی اور حق کی ترقی تھی، اور اس کے سوا اور کوئی چیز ان کے پیش نظر نہ تھی۔

حضور ﷺ بطور رحمۃ للعالمین:

قرآن حکیم نے رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کے لقب سے یاد کیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء۲۱: ۱۰۷)

"اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

اس آیت کے بارے میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے فرمایا:

"یعنی آپ ﷺ تو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اگر کوئی بدبخت اس رحمت عامہ سے خود ہی منتفع نہ ہو تو یہ اس کا قصور ہے۔ آفتاب عالم تاب سے روشنی اور گرمی کا فیض ہر طرف پہنچتا ہے لیکن کوئی شخص اگر اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہوگی۔ آفتاب کے عموم فیض میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا اور یہاں تو رحمۃ للعالمین ﷺ کا حلقۂ فیض اس قدر وسیع ہے کہ جو محروم القسمت مستفید نہ ہونا چاہے اس کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں بے اختیار

Marfat.com

رحمت کا حصہ پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں علوم نبوت اور تہذیب و انسانیت کے اصول کی عام اشاعت ہے۔ ہر مسلم و کافر اپنے اپنے مذاق کے موافق فائدہ اٹھاتا ہے۔ نیز حق تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے کہ پہلی امتوں کے برخلاف اس امت کے کافروں کو عام اور مستاصل عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور ﷺ کے عام مذاق کے علاوہ جن کافروں پر آپ ﷺ جہاد کرتے تھے وہ بھی مجموعہ عالم کے لیے سراپا رحمت تھا کیونکہ اس کے ذریعے سے اس رحمت کبریٰ کی حفاظت ہوتی تھی جس کے آپ ﷺ حامل بن کر آئے تھے، اور بہت سے اندھے جو آنکھیں بنوانے سے بھاگتے تھے اس سلسلے میں ان کی آنکھوں میں بھی خواہ مخواہ ایمان کی روشنی پہنچ جاتی تھی۔ ایک حدیث میں ہے:"والذی نفسی بیدہ لاقتلنھم ولا صلبنھم ولا ھدینھم وھم کارھون، انی رحمة بعثنی اللہ ولا یتوفانی حتی یظھر اللہ دینہ" (ابن کثیر) ان الفاظ سے آپ ﷺ کے "رحمۃ للعالمین" ہونے کا مطلب زیادہ وسعت کے ساتھ سمجھ میں آسکتا ہے۔ (فوائد عثمانی: ۲/۱۲۷)

مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے اس آیت کے بارے میں لکھا ہے:

"کوئی ہو، جن ہو یا انس، مومن ہو یا کافر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا رحمت ہونا عام ہے، ایمان والے کے لیے بھی جو ایمان لایا ہو، مومن کے لیے تو آپ ﷺ دنیا اور آخرت دونوں میں رحمت ہیں۔ جو ایمان نہ لایا اس کے لیے آپ ﷺ دنیا میں رحمت ہیں کہ آپ ﷺ کی بدولت تاخیر عذاب ہوئی اور خسف (زمین میں دھنسانے کا عذاب) اور مسخ (شکل بدل دینے کا عذاب) اور استیصال (کسی قوم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا) کے عذاب اٹھا دیئے گئے۔

تفسیر روح البیان میں اس آیت کی تفسیر میں اکابر کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کو نہیں بھیجا مگر رحمت مطلقہ تامہ، کاملہ، عامہ، شاملہ، جامعہ، محیطہ بہ جمیع مقیدات، رحمت غیبیہ وشہادت علمیہ وعینیہ وجودیہ وشہودیہ و سابقہ ولاحقہ وغیرہ ذالک، تمام جہانوں کے لیے عالم ارواح ہو یا عالم اجسام، ذوی

Marfat.com

العقول ہوں یا غیر ذوی العقول، اور جو تمام عالموں کے لیے رحمت ہو لازم ہے کہ وہ تمام جہانوں سے افضل ہو۔'' (حاشیہ کنز الایمان: ص ۵۳۱)

علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ مفتی بغداد نے اس آیت کے بارے میں لکھا ہے:

''اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو صرف اس سبب سے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ تمام جہانوں پر رحم کریں، یا ہم نے آپ ﷺ کو صرف اس حال میں بھیجا ہے کہ آپ ﷺ تمام جہانوں پر رحم کرنے والے ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ تمام جہانوں میں کفار بھی شامل ہیں کیونکہ آپ ﷺ کو جو دین دے کر بھیجا گیا ہے اس میں دنیا وآخرت دونوں کی سعادت اور مصلحت مضمر ہے اور یہ اور بات ہے کہ کافروں میں آپ ﷺ سے استفادہ کی صلاحیت نہ تھی تو انھوں نے اپنے حصے کی رحمت کو ضائع کر دیا جیسے کوئی پیاسا شخص دریا کے کنارے کھڑا ہو اور پانی کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے، یا کوئی شخص دھوپ میں آنکھیں بند کر کے کھڑا ہو تو اس سے دریا کی فیاضی اور سورج کے روشنی پہنچانے میں کوئی قصور نہیں ہے۔ قصور ان کا ہے جنھوں نے پانی کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا یا روشنی کے باوجود اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔''

نبی اکرم ﷺ کے لیے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ ﷺ تمام ممکنات پر اس کی صلاحیت کے اعتبار سے فیض الٰہی کے لیے واسطہ ہیں، اسی لیے آپ ﷺ کا نور اول المخلوقات ہے، اور حدیث میں ہے: ''اے جابر! سب سے پہلے اللہ نے تمھارے نبیؐ کے نور کو پیدا کیا۔'' اور حدیث میں ہے کہ ''اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔'' اور ابن القیم نے مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے کہ اگر نبی ﷺ نہ ہوتے تو جہان میں کوئی چیز کسی کو نفع نہ دیتی، نہ کوئی نیک عمل ہوتا، نہ کوئی چیز حاصل کرنے کا کوئی جائز طریقہ ہوتا اور نہ کسی حکومت کا قیام ہوتا، اور تمام لوگ جانوروں اور درندوں کی طرح ہوتے، ایک دوسرے پر حملہ کرتے اور ایک دوسرے سے چھین کر کھا جاتے۔ سو دنیا میں جو بھی خیر اور نیکی ہے وہ آثار نبوت سے ہے، اور جو شر اور برائی ہے وہ آثار نبوت کے مٹ جانے یا چھپ جانے کی وجہ سے

Marfat.com

ہے۔ پس یہ عالم ایک جسم ہے اور نبوت اس کی روح ہے اور جب زمین پر نبوت کے آثار میں سے کوئی اثر باقی نہیں رہے گا تو آسمان پھٹ جائے گا، ستارے بکھر جائیں گے، سورج کو لپیٹ دیا جائے گا، چاند تاریک ہو جائے گا، زمین میں زلزلہ آجائے گا اور جو لوگ زمین کے اوپر ہیں وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔ پس اس جہاں کا قیام آثار نبوت کی وجہ سے ہے، اور جب نبوت کا کوئی اثر نہیں رہے گا تو یہ جہان بھی نہیں رہے گا۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ العالمین سے مراد صرف مومنین ہیں، میرے نزدیک یہ لوگ اس حق پر مطلع نہیں ہو سکے جس کی اتباع واجب ہے، اور حقائق پر مطلع ہو کر ان لوگوں کا رد کرنا بہت آسان ہے۔ اور میرا یہ نظریہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ العالمین کے ہر فرد کے لیے رحمت ہیں خواہ وہ فرشتوں کا عالم ہو یا انسانوں کا عالم ہو یا جنات کا عالم ہو، اور انسانوں میں بھی آپ ﷺ مومنوں اور کافروں سب کے لیے رحمت ہیں۔ اسی طرح جنات میں بھی سب کے لیے رحمت ہیں، البتہ رحمت کا فیضان ہر فرد پر اس کی صلاحیت کے اعتبار سے ہے۔'' (تفسیر روح المعانی: ۱۷/۱۵۱۵ ملخصاً)

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے، فرماتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ دین میں بھی رحمت ہیں اور دنیا میں بھی رحمت ہیں۔ دین میں اس لیے رحمت ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کو جس وقت دنیا میں بھیجا گیا لوگ اس وقت جہالت و گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرے ہوئے تھے اور اہل کتاب میں سے یہود و نصاریٰ اپنے دین کے معاملے میں زحمت میں تھے۔ ان کا اپنی کتابوں میں بہت اختلاف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت رسول اللہ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا جب ایک طالب حق کے سامنے نجات کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس وقت آپ ﷺ نے لوگوں کو حق کی دعوت دی اور نجات کا راستہ دکھایا اور ان کے لیے احکام شرعیہ بیان کیے اور حلال و حرام کی تمیز کو اجاگر کیا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

Marfat.com

وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾

(آل عمران ۳:۱۶۴)

"بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے، ان کا باطن صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور بیشک اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔"

اور آپ ﷺ دنیا میں اس لیے رحمت ہیں کہ آپ ﷺ کی وجہ سے ان کو ذلت، قتال اور مختلف جنگوں سے نجات ملی اور آپ ﷺ کے دین کی برکت سے انھیں فتح حاصل ہوئی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ ﷺ رحمت کیسے ہوں گے؟ جب کہ آپ ﷺ تلوار اور مال غنیمت کے احکام لے کر آئے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے:

① آپ ﷺ ان منکرین اور متکبرین کے لیے تلوار لے کر آئے جنھوں نے تفکر اور تدبر نہیں کیا۔ نیز اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان اور رحیم ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نافرمانوں سے انتقام لیتا ہے۔ پانی اور بارش بھی اللہ کی رحمت ہے۔

﴿وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ﴾ (الشوریٰ ۴۲:۲۸)

"اور وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے اور اپنی رحمت کھول دیتا ہے۔"

حالانکہ بارش سے بعض اوقات فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں، مکان گر جاتے ہیں، مال مویشی بہہ کر ڈوب جاتے ہیں، سمندری طوفان آتے ہیں تو شہر کے شہر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور ہزاروں اور لاکھوں لوگ لقمۂ اجل ہو جاتے ہیں۔

② ہمارے نبی ﷺ کی بعثت سے قبل جب بھی کوئی قوم اپنے نبی کی تکذیب کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ مکذبین کو غرق کر کے یا زمین میں دھنسا کر یا ان کی شکلیں مسخ کر کے ان کو ہلاک کر دیتا تھا اور ہمارے رسول ﷺ کی جس نے تکذیب کی تو اللہ نے اس کے عذاب کو اس کی موت یا قیامت تک کے لیے مؤخر کر دیا۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ﴾ (الانفال ۸:۳۳)

''اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ آپ ﷺ ان میں ہوں اور وہ ان پر عذاب بھیج دے۔''

ان تمام اقتباسات کا خلاصہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مجسم رحمت بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ تمام عالموں کے لیے رحمت ہیں، خواہ وہ فرشتوں کا عالم ہو، یا جنات کا، انسانوں کا عالم ہو یا حیوانات کا، انسانوں میں سے کافر ہوں یا مومن، آپ ﷺ سب کے لیے رحمت ہیں، نباتات ہوں یا جمادات، مکلّف ہوں یا غیر مکلّف۔ جس جس چیز کے لیے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہے اس اس چیز کے لیے آپ ﷺ رحمت ہیں۔

قرآن حکیم میں اور بھی کئی آیات میں آپ ﷺ کو رحمت کہا گیا۔ چنانچہ قرآن حکیم کی ایک اور آیت میں آپ ﷺ کی رحمت کا ذکر کیا گیا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (آل عمران ۳:۱۵۹)

''سو اللہ کی عظیم رحمت سے آپ ﷺ مسلمانوں کے لیے نرم ہو گئے، اور اگر آپ ﷺ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ ﷺ کے پاس سے بھاگ جاتے۔''

اسی سلسلے میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کے پاس آ کر ایک شخص نے اپنے قرض کا سختی سے تقاضا کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو ڈانٹنے یا مارنے کا قصد کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو چھوڑ دو کیونکہ جس کا حق ہوتا ہے اس کے لیے بات کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔''

(بخاری، رقم: ۲۴۰۱، نسائی، رقم: ۴۶۱۷، ترمذی، رقم: ۱۳۶۶، ابن ماجہ، رقم: ۲۴۲۳، سنن کبری بیہقی: ۳۵۲/۵، معرفۃ السنن والآثار: ۴۰۸/۴، المصنف عبدالرزاق: ۲۵/۸، سنن الطحاوی: ۵۹/۴، مسند احمد: ۳۷۷/۲، ابوداؤد الطیالسی، رقم: ۳۱۱، مسند الشافعی: ۵۹۶/۲)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ حنین میں رسول اللہ ﷺ نے

Marfat.com

مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے کچھ لوگوں کو زیادہ دیا۔ آپ ﷺ نے اقرع رضی اللہ عنہ بن حابس کو سو اونٹ دیئے اور عیینہ کو بھی اتنے ہی دیے، اور عرب سرداروں کے لوگوں کو بھی کچھ عطا فرمایا، اور اس دن آپ ﷺ نے تقسیم میں بعض لوگوں کو بعض پر ترجیح دی۔ ایک شخص نے کہا: ''اس تقسیم میں عدل نہیں کیا گیا اور نہ اس میں اللہ کی رضا کا ارادہ کیا گیا ہے۔'' میں نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں ضرور نبی اکرم ﷺ کو اس بات کی خبر دوں گا۔ چنانچہ میں نے جا کر آپ ﷺ کو خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ اور اس کا رسولؐ عدل نہیں کریں گے تو پھر اور کون عدل کرے گا۔ اللہ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ ایذا دی گئی تھی تو انھوں نے صبر کیا تھا۔ (نبی ﷺ نے تالیف قلب کے لیے بعض نومسلموں کو دوسروں سے زیادہ حصہ دیتے تھے)۔

(بخاری، رقم: ۳۱۵۰، مسلم، رقم: ۱۰۶۸، مسند احمد، رقم: ۳۶۰۸، مسند حمیدی، رقم: ۱۱۰)

رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جہاد کے سوا کبھی کسی کو نہیں مارا، نہ کبھی کسی عورت پر ہاتھ اٹھایا اور نہ کبھی کسی خادم کو مارا۔

(مسلم، رقم: ۲۳۲۸، مسند احمد: ۳۱/۶، شمائل ترمذی، رقم: ۳۴۹، المصنف ابن ابی شیبہ: ۳۶۸/۸)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نہ فطرتاً بدگو تھے، نہ تکلفاً بدگوئی کرتے تھے اور نہ بازاروں میں بلند آواز سے بات کرتے تھے، اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معاف کر دیتے تھے اور درگزر فرماتے تھے۔

(شمائل ترمذی، رقم: ۳۴۸، المصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۰/۸، سنن کبریٰ بیہقی: ۴۵/۷، صحیح ابن حبان، رقم: ۶۴۰۹)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کسی زیادتی کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ اللہ کی حدود کو پامال کیا جائے۔ جب اللہ کی حد توڑی جاتی تو آپ ﷺ سب سے زیادہ غضبناک ہوتے تھے، اور آپ ﷺ کو جب بھی دو چیزوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ آسان چیز کو اختیار فرماتے بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔

(بخاری، رقم: ۳۵۶۰، ۶۱۲۶، مسلم، رقم: ۲۳۲۷، سنن ابی داود، رقم: ۴۷۸۵، مسند احمد: ۸۵/۶، المصنف عبدالرزاق، رقم: ۱۷۹۴۲، شمائل ترمذی، رقم: ۳۵۰)

Marfat.com

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب بھی نبی ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کے جواب میں کبھی ''نہ'' نہیں فرمایا۔

(بخاری، رقم:۶۰۳۴، مسلم، رقم:۲۳۱۱، مسند احمد:۳/۳۰۷، شمائل ترمذی، رقم:۳۵۳)

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص سرکار دو عالم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ اسے کچھ عطا فرمائیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت میرے پاس کچھ نہیں، تم اس کو میری طرف سے ادھار خرید لو۔ جب میرے پاس رقم آئے گی تو میں ادا کر دوں گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسولؐ اللہ! آپ ﷺ اس کو عطا کر چکے ہیں اور جس چیز پر آپ ﷺ قادر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کا مکلّف نہیں کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات کو ناپسند فرمایا۔ پھر انصار میں سے ایک شخص نے کہا: ''یا رسولؐ اللہ! آپ خرچ فرمایئے اور عرش والے سے تنگی کا خوف نہ فرمایئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا اور آپ ﷺ کے چہرے پر انصاری کی بات سے خوشی کے آثار دکھائی دیے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے۔ (شمائل ترمذی، رقم:۳۵۶، مسند البزار، رقم:۳۶۶۲، مجمع الزوائد:۱۰/۲۴۲)

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی تورات اور انجیل میں بعض یہ صفات مذکور ہیں:

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾

(الاعراف ۷:۱۵۷)

''جو ان سے ان کے (مشکل احکام کے) بوجھ اتارے گا اور ان کے گلے میں پڑے ہوئے (سختیوں کے) طوق اتار کر پھینک دے گا۔ (یہ بھی آپ ﷺ کی رحمت للعالمینی کی طرف ایک اشارہ ہے)۔''

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی، بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے۔ فرمایا: ''میں جسے چاہوں اسے پہنچاتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے تو عنقریب میں اس (دنیا و آخرت کی بھلائی) ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو گناہوں سے بچیں گے اور زکوۃ دیں گے اور ہماری

Marfat.com

آیتوں پر ایمان لائیں گے۔(اعراف ۷:۱۵۶)

اس آیت میں دنیا کی بھلائی سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں احکامِ شرعیہ آسان ہوں کیونکہ بنو اسرائیل پر بہت مشکل احکام تھے۔ ان کی توبہ یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں، ان کو تیمّم کی سہولت حاصل نہ تھی، مالِ غنیمت حلال نہیں تھا، قربانی کے گوشت کو کھانے کی اجازت نہ تھی، قصاص لازم تھا، دیت کی رخصت نہیں تھی، ہفتہ کے روز شکار کی اجازت نہیں تھی۔ روزے کا دورانیہ رات اور دن کو محیط تھا۔ غرض بہت سخت احکام تھے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ ان کے لیے سخت احکام آسان ہو جائیں۔ اور آخرت کی بھلائی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کم عمل پر زیادہ اجر عطا فرمائے، ان کو ایک نیکی پر ایک ہی اجر ملتا تھا۔ سیدنا موسیٰ علی نبینا علیہ السلام چاہتے تھے کہ ایک نیکی پر دس گنا یا سات سو گنا اجر عطا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کی یہ خیر اور رحمت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی امت کے بجائے ہمارے پیغمبر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی امت کے لیے لکھ دی۔ فرمایا: ''میں ان لوگوں کے لیے یہ خیر اور رحمت لکھ دوں گا جو لوگ اس عظیم رسول نبی امیؐ کی پیروی کریں گے جس کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو ان کو نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے روکے گا، جو ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرے گا اور ان پر ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا اور جو ان سے (مشکل احکام کے) بوجھ اتارے گا اور ان کے گلے میں پڑے ہوئے سختیوں کے طوق اتار کر پھینک دے گا۔ (الاعراف ۷:۱۵۷)

سرکارِ دو عالم ﷺ کی رحمت کا ذکر اس آیت میں بھی ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التوبہ ۹:۱۲۸)

''بے شک تمھارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے ہیں، تمھارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے، تمھاری فلاح اور بھلائی پر وہ بہت حریص اور مومنوں پر بہت شفیق، نہایت مہربان ہے۔''

امت کے لیے سخت اور مشقت والے احکام کون سے تھے اور آپ ﷺ نے ان کو کیسے دور فرمایا اور دنیا اور آخرت کی فلاح آپ ﷺ کو کیسے عطا فرمائی؟ اس بارے میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

''میری اور تمھاری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی۔ جب آگ نے اس کے اردگرد کو روشن کر دیا تو یہ پروانے اور کیڑے مکوڑے اس آگ میں گرنے لگے اور وہ شخص ان کو اس آگ میں گرنے سے روک رہا تھا، اور وہ اس پر غالب آ کر اس آگ میں گر رہے تھے۔ پس میں تم کو کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے کھینچ رہا ہوں اور تم اس میں گر رہے ہو۔'' (بخاری، رقم: ۶۴۸۳، مسلم، رقم: ۲۲۸۴)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اگر مجھے امت پر دشوار نہ ہوتا، یا فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انھیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔''

بعض روایات میں عشاء کی تاخیر کا حکم بھی ہے۔

(مسلم، رقم: ۲۵۲، ابوداود، رقم: ۴۶، ابن ماجہ، رقم: ۶۹۰، سنن کبریٰ بیہقی: ۱/۳۵، معرفۃ السنن والآثار: ۱/۱۴۰، شرح السنۃ بغوی: ۱/۳۹۲، مسند ابی عوانہ: ۱/۱۹۱، ابن خزیمہ: ۱/۷۲، مسند احمد: ۲/۲۴۵، مسند حمیدی: ۲/۴۲۸، مسند ابی یعلی: ۱/۱۵۰)

سیدنا زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انھیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کر دیتا۔

(سنن الترمذی، رقم: ۲۳، سنن ابی داود، رقم: ۴۳، مسند احمد: ۴/۱۱۶، شرح السنہ بغوی، رقم: ۱۹۸، صحیح ابن حبان: ۴/۳۹۹، المصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۳۳۱، سنن کبریٰ بیہقی: ۱/۳۶، مسند احمد: ۲/۲۵۰، المصنف عبدالرزاق: ۱/۵۵۵ عن ابی ہریرہؓ)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شب معراج نبی اکرم ﷺ پر ایک دن رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے بار بار بارگاہِ الوہیت میں درخواست کی کہ میری امت ان کی طاقت نہیں رکھتی کچھ تخفیف فرمایئے حتیٰ کہ پچاس کی جگہ پانچ رہ گئیں اور فرمایا کہ یہ تعداد میں پانچ نمازیں (جبکہ) اجر میں پچاس نمازیں ہیں۔ (ملخصاً)

(بخاری، رقم: ۳۴۹، مسلم، رقم: ۱۶۳، السنن الکبریٰ نسائی، رقم: ۳۱۴، سنن نسائی، رقم: ۴۴۸، ترمذی، رقم: ۳۳۴۶)

Marfat.com

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''وصال کے روزے نہ رکھو۔'' مسلمانوں نے عرض کی: ''یا رسولؐ اللہ! آپ ﷺ بھی تو وصال کے روزے رکھتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں، بے شک مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔''

(بخاری، رقم: ۱۹۶۱، سنن ابی داؤد، رقم: ۲۳۶۱، مسند احمد: ۱۷۰/۳، سنن ترمذی، رقم: ۷۷۸، ابن حبان، رقم: ۳۵۷۴، مسند ابی یعلی، رقم: ۲۸۷۴)

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''لوگوں میں سے جو شخص حج کو جانے کی استطاعت رکھے اس پر حج کرنا فرض ہے۔'' مسلمانوں نے پوچھا: ''یا رسولؐ اللہ! کیا ہر سال حج فرض ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج فرض ہو جاتا۔''

(ترمذی، رقم: ۸۱۴، سنن ابن ماجہ، رقم: ۲۸۸۴، مسند ابی یعلی، رقم: ۵۱۷، مسند احمد: ۱۱۳/۱، مسند البزار، رقم: ۹۱۳، مستدرک حاکم: ۲۹۳/۲)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ امت کے لیے ایک بہت بڑی رحمت تھے اور امت کو مشکل احکام سے آپ ﷺ نے بچایا۔ رسول اللہ ﷺ پر امت کے سخت کام اور مشکل امور دشوار تھے اور آپ ﷺ ان کی آسانی پر بہت حریص تھے۔ اس سلسلے میں بھی بہت سی احادیث موجود ہیں۔ چنانچہ سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ نے بہت لمبی نماز پڑھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ''یا رسولؐ اللہ! آج آپ ﷺ نے اتنی لمبی نماز پڑھی ہے جتنی آپ ﷺ عام طور پر نہیں پڑھا کرتے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرتے ہوئے اور اس سے ڈرتے ہوئے نماز پڑھی تھی۔ میں نے اس نماز میں اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے دو چیزیں مجھے عطا فرما دیں اور ایک چیز کے سوال سے مجھے روک دیا گیا۔ میں نے اللہ سے سوال کیا کہ میری امت کو (عام) قحط سے ہلاک نہ کرے تو اللہ نے مجھے یہ چیز عطا کر دی، اور میں نے اللہ سے یہ سوال کیا کہ میری (پوری) امت پر کسی ایسے دشمن کو مسلط نہ کیا جائے جو ان کا غیر ہو، تو اللہ نے مجھے یہ چیز بھی عطا کر دی، اور میں نے اللہ سے

Marfat.com

یہ سوال کیا کہ میری امت کے لوگ ایک دوسرے سے جنگ نہ کریں تو اللہ نے مجھے اس سوال سے روک دیا۔

(ترمذی، رقم: ۲۱۷۵، سنن نسائی، رقم: ۱۶۳۷، سنن کبریٰ نسائی، رقم: ۱۳۴۱، ابن حبان، رقم: ۷۲۳۶، مسند احمد: ۱۰۸/۵، معجم کبیر، رقم: ۳۶۲۱)

اسی سلسلے میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر نبی کی ایک مخصوص مقبول دعا ہوتی ہے۔ سو ہر نبی نے دنیا میں وہ دعا کر لی اور میں نے اس دعا کو قیامت کے روز اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا کر رکھا ہوا ہے اور یہ ان شاء اللہ میری امت کے ہر اس فرد کو حاصل ہوگی جس نے شرک نہ کیا ہو۔''

(مسلم، رقم: ۱۹۹، ترمذی، رقم: ۳۶۰۲، سنن ابن ماجہ، رقم: ۴۳۰۵، مسند احمد: ۴۲۶/۲، معجم اوسط طبرانی، رقم: ۱۷۴۸، شعب الایمان بیہقی، رقم: ۳۱۳، السنن الکبریٰ بیہقی: ۱۷/۸)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لیے ہے۔ یہ حدیث سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(ترمذی، رقم: ۲۴۳۵، سنن ابن ماجہ، رقم: ۴۳۱۰، سنن ابی داؤد، رقم: ۴۷۳۹، ابن حبان، رقم: ۶۴۶۸، مسند احمد: ۲۱۳/۳، معجم الاوسط طبرانی، رقم: ۸۵۱۳، مسند ابی یعلیٰ موصلی، رقم: ۳۲۸۴، مستدرک حاکم: ۶۹/۱، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ۲۰۰/۳)

سرکار دو عالم ﷺ کی عمومی رحمت:

رسول اللہ ﷺ کی رحمت عمومی رحمت تھی، یہ صرف مسلمانوں کے لیے نہ تھی بلکہ کافر، بہائم، حیوانات، نباتات اور جمادات غرض کی ہر نوع کے لیے تھی۔ چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اس کے لیے دنیا اور آخرت میں رحمت لکھ دی جاتی ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا اس کو دنیا میں زمین میں دھنسانے اور اس پر پتھر برسانے کے اس عذاب سے محفوظ رکھا جاتا ہے جس میں پہلی امتیں مبتلا ہوتی رہی ہیں۔ (جامع البیان، رقم: ۱۸۸۲۰، الدر المنثور: ۶۸۷/۵)

Marfat.com

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ سے عرض کیا گیا: ''یا رسول اللہ! مشرکین کے خلاف دعا فرمائیں۔ فرمایا: ''مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، مجھے صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' (مسلم، رقم: ۲۵۹۹)

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور تمام متقین کے لیے ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔''

(مسند احمد: ۲۵۷/۵، معجم کبیر طبرانی، رقم: ۷۸۰۳، مجمع الزوائد: ۵۲/۵)

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے اپنی امت کے جس شخص کو بھی غصہ میں برا کہا یا اس پر لعنت کی تو میں بنو آدم کا ایک فرد ہوں۔ مجھے بھی اسی طرح غصہ آتا ہے جس طرح انھیں غصہ آتا ہے۔ اور اللہ نے تو مجھے صرف تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اے اللہ! قیامت کے روز اس برا کہنے کو اس کے لیے دعائے خیر بنا دے۔'' (مسند احمد: ۴۳۷/۵، معجم کبیر، رقم: ۶۱۵۶)

ایک اور روایت میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں صرف رحمت ہوں، اور اللہ کی طرف سے ہدایت کا ذریعہ ہوں۔''

(دلائل النبوۃ بیہقی: ۱۵۸/۱، معجم صغیر، رقم: ۲۶۴، مستدرک حاکم: ۳۵/۱)

سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا، ہاں اگر اللہ کی حدود کو توڑا جاتا تو آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے تھے۔

(بخاری، رقم: ۶۸۵۳، سنن ابی داود، رقم: ۴۷۸۵، شمائل ترمذی، رقم: ۳۴۹، موطا امام مالک، رقم: ۵۶۳)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ انھوں نے سرکار دو عالم ﷺ سے کہا: ''یا رسول اللہ! کیا غزوۂ احد کے دن سے بھی کوئی سخت دن آپ ﷺ پر آیا تھا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تمھاری قوم کی طرف سے جن سختیوں کا سامنا ہوا سو ہوا اور ان کی طرف سے سب سے زیادہ سخت دن وہ تھا جو یوم العقبہ (جب آپ ﷺ طائف کی گھاٹیوں میں تبلیغ کے لیے گئے تھے۔) کو پیش آیا۔ جب ﷺ آپ نے ابن عبد یا لیل بن عبد کلال کو اسلام کی دعوت دی، اس نے میری دعوت کو قبول نہیں کیا۔ میں اپنے غم زدہ چہرے کے ساتھ واپس آیا۔ ابھی میں قرن الثعالب میں پہنچا تھا کہ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھ پر ایک بادل

Marfat.com

نے سایہ کیا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس بادل میں جبرائیل علیہ السلام تھے۔ انھوں نے مجھے آواز دی اور کہا کہ بے شک اللہ نے سن لیا کہ آپ ﷺ کی قوم نے کیا کہا اور آپ ﷺ کو کیا جواب دیا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے۔ آپ ان کافروں کے متعلق اس کو جو چاہیں حکم دیں۔ پہاڑوں کے فرشتے نے آپ ﷺ کو سلام کر کے کہا: ''اے محمدؐ! آپ ﷺ جو چاہیں وہ کروں، اگر آپ ﷺ چاہیں تو میں ان کے اوپر مکہ کے دو پہاڑوں کو گرا کر انھیں زمین میں پیس دوں؟'' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بلکہ میں تو یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔''

(بخاری، رقم: ۳۲۳۱، مسلم، رقم: ۱۷۹۵، السنن الکبریٰ نسائی، رقم: ۷۷۰۶)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ ایک نجرانی (یمنی) چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ راستے میں ایک دیہاتی ملا۔ اس نے بہت زور سے آپ ﷺ کی چادر کھینچی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے زور سے کھینچنے کے باعث نبی اکرم ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان نشان پڑ گیا۔ پھر اس نے کہا: ''اے محمدؐ! آپ ﷺ کے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے مجھے دینے کا حکم دیجیے۔ نبی اکرم ﷺ اس کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائے پھر اس کو مال دینے کا حکم فرمایا۔'' (بخاری، رقم: ۳۱۴۹، مسلم، رقم: ۱۰۵۷، سنن ابن ماجہ، رقم: ۳۵۵۳، مسند احمد: ۱۵۳/۳)

سراقہ بن مالک آپ ﷺ کو پکڑنے کے لیے آپ ﷺ کا پیچھا کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس پر قابو پا لیا لیکن اس کو معاف کر دیا۔ صفوان بن امیہ نے عمیر بن وہب کو زہر میں بجھی ہوئی تلوار دے کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ آپ ﷺ کی دست رس میں آیا تو آپ ﷺ نے اس کو یک قلم معاف کر دیا۔ اس طرح کے بے شمار واقعات سے آپ کی کتاب زندگی بھری ہوئی ہے۔

سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ آدھی رات کو باہر تشریف لائے اور مسجد میں نماز پڑھی۔ لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر لوگوں نے ایک دوسرے سے اس کا ذکر کیا۔ پھر دوسری رات اس سے اور بھی زیادہ لوگ جمع ہو

Marfat.com

گئے۔ پھر صبح انھوں نے دوسرے لوگوں کو بتایا۔ پھر تیسری رات مسجد میں بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ چوتھی رات کو اتنے زیادہ لوگ آ گئے کہ مسجد تنگ پڑ گئی۔ (لیکن رسول اللہ ﷺ باہر نماز پڑھنے کے لیے تشریف نہ لائے) آپ ﷺ صبح کی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے۔ جب آپ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھا دی تو آپ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے کلمۂ شہادت پڑھا۔ پھر فرمایا: ''حمد و صلاۃ کے بعد، مجھ پر تمھارا اشتیاق مخفی نہیں تھا لیکن مجھے خوف تھا کہ تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے۔ پھر تم اس کو پڑھنے سے عاجز ہو جاؤ گے۔ پھر سرکار دو عالم ﷺ کی وفات ہو گئی اور لوگوں کا عمل اسی طرح رہا۔

(بخاری، رقم: ۲۰۱۲، سنن ابی داؤد، رقم: ۱۰۷۰، ابن ماجہ، رقم: ۹۵۶، نسائی، رقم: ۷۵۸، مسند احمد، رقم: ۲۵۰۶۹)

حضور ﷺ انسانوں کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی رحمت تھے:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر چیز کو آپ ﷺ کی رسالت کا علم تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لیس شئی بین السماء والارض الا یعلم انی رسول اللہ الا عاصی الجن والانس))

''کافر جنوں اور انسانوں کے علاوہ آسمان اور زمین کے درمیان ہر چیز یہ جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔''

(مسند احمد، رقم: ۱۴۳۸۵، سنن الدارمی، رقم: ۱۸، دلائل النبوۃ لابی نعیم، رقم: ۲۷۹، المصنف لابن ابی شیبہ: ۴۷۲/۱۱، مجمع الزوائد: ۷/۹، مسند البزار، رقم: ۲۴۵۳)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! گویا یہ اونٹ جانتا تھا کہ آپ ﷺ نبی ہیں؟'' اس پر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

''مدینہ کے دوسروں کے درمیان ہر چیز کو علم ہے کہ میں نبی ہوں سوائے کافر جنوں

Marfat.com

اور کافر انسانوں کے۔" (معجم کبیر، رقم: ۱۲۰۰۳، مجمع الزوائد، رقم: ۱۴۱۵۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس بارے میں اسی مضمون کی ایک روایت مروی ہے۔

(ملاحظہ ہو معجم کبیر: ۲۶۲/۲۲، مجمع الزوائد، رقم: ۴۱۵۹، البدایہ والنہایہ: ۵۳۴/۴)

چونکہ ہر چیز یہ جانتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول ہیں لہٰذا جانور بھی آپ ﷺ کے وجود باجود کو اپنے لیے باعث رحمت سمجھتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن سرکار دو عالم ﷺ نے سواری پر مجھے اپنے ساتھ بٹھایا۔ پھر مجھے چپکے سے ایک بات بتائی جو میں کبھی بھی کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے کسی ٹیلہ یا گنجان اور گھنے کھجور کے درختوں کی اوٹ میں جانا پسند فرماتے تھے۔ آپ ﷺ انصار کے باغوں میں سے ایک باغ میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک اونٹ آیا اور اس نے بڑبڑا کر کے آپ ﷺ سے کچھ کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ جب سرکار دو عالم ﷺ نے یہ دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے کان کی ہڈی کے پیچھے ہاتھ پھیرا تو وہ پُرسکون ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ اونٹ کس کا ہے؟" انصار کا ایک جوان آیا اور اس نے کہا: "یا رسول اللہ! یہ اونٹ میرا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم ان جانوروں کے معاملے میں اللہ سے نہیں ڈرتے؟ جن کا اللہ نے تمھیں مالک بنا دیا ہے۔ اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ اس کو تم بھوکا رکھتے ہو اور کام لے لے کر اس کو تھکا دیتے ہو۔" (مسند احمد، رقم: ۱۷۴۵، البدایہ والنہایہ: ۵۳۱/۴)

سیدنا یعلی بن مرہ الثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ میں تین چیزیں دیکھیں۔ ایک دن آپ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، ہمارا ایک اونٹ کے پاس سے گزر ہوا۔ جب اونٹ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو بڑ بڑ کرنے لگا، اور اپنی گردن آگے بڑھائی۔ سرکار دو عالم ﷺ اس کے پاس ٹھہر گئے اور فرمایا: "اس کا مالک کون ہے؟" وہ شخص آ گیا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: "اس اونٹ کو مجھے فروخت کر دو۔" اس نے کہا: "نہیں، میں آپ ﷺ کو ہبہ کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں مجھ کو فروخت کر دو۔" اس نے کہا: "نہیں، میں آپ ﷺ کو ہبہ کرتا ہوں، ہمارے گھر والوں کی گزر اوقات کے لیے اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تم نے یہ کہا ہے تو سنو! اس اونٹ

Marfat.com

نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس سے کام زیادہ لیتے ہو اور اس کو چارہ کم ڈالتے ہو، اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔" (مسند احمد، رقم: ۱۷۵۷۰، البدایہ والنہایہ: ۵۳۲/۴)

سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک ہرنی کے پاس سے گزرے جو ایک خیمے میں بندھی ہوئی تھی۔ اس ہرنی نے کہا: "یا رسول اللہ! مجھے کھول دیجیے تاکہ میں اپنے بچوں کو جا کر دودھ پلا آؤں۔ پھر میں واپس آ جاؤں گی تو آپ ﷺ مجھے باندھ دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'یہ ایک قوم کا شکار ہے اور اس کی باندھی ہوئی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے عہد لیا کہ وہ ضرور واپس آئے گی۔ پھر اس کو کھول دیا۔ وہ تھوڑی دیر میں واپس آ گئی رسول اللہ ﷺ نے اس کو باندھ دیا۔ پھر خیمہ والے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو ان سے مانگ لیا۔ انھوں نے وہ ہرنی جناب رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کر دی۔ آپ ﷺ نے اس کو رہا کر دیا۔ (دلائل النبوۃ بیہقی: ۳۴/۶، البدایہ والنہایہ: ۵۴۳/۴)

- امام بیہقی کی ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا وہ ہرنی جنگل میں چلاتی ہوئی جا رہی تھی اور کہہ رہی تھی "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"
(دلائل النبوۃ بیہقی: ۳۵/۶، البدایہ والنہایہ: ۵۴۳/۴، دلائل النبوۃ لابی نعیم، رقم: ۳۲۰، الخصائص الکبریٰ: ۶۱/۲)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے۔ ہمارا درختوں کے جھنڈ کے پاس سے گزر ہوا۔ ایک شخص ان میں گیا اور سرخ پرندے کے انڈے نکال لایا۔ سرخ پرندے آ کر رسول اللہ اور آپ ﷺ کے اصحاب کے اوپر اپنے بازو پھیلانے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ان کے انڈے کس نے جمع کیے ہیں؟" ایک شخص نے کہا: "میں نے ان کے انڈے لیے ہیں۔" آپ ﷺ نے ان پرندوں پر رحمت اور شفقت فرماتے ہوئے فرمایا: "ان کے انڈے واپس کر دو۔" (دلائل النبوۃ بیہقی: ۳۲/۶)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں انڈوں کے بجائے سرخ پرندے کے دو چوزوں کا ذکر ہے۔ آپ ﷺ نے ان کو واپس رکھوا دیا۔"
(سنن ابی داؤد، رقم: ۲۶۷۵، ۵۲۶۸، دلائل النبوۃ بیہقی: ۳۲/۶-۳۳، الخصائص الکبریٰ ۶۳/۲، البدایہ والنہایہ: ۵۴۶/۴)

Marfat.com

یہ تو حیوانات اور پرندوں کے ساتھ سات آپ ﷺ کی رحمت کا حال تھا۔ آپ ﷺ کی کتاب زندگی میں کئی ابواب ایسے بھی ہیں جن میں درختوں اور جمادات پر بھی آپ ﷺ کی رحمت کا ذکر ہے۔

اس سلسلے میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ جمعہ کے روز ایک درخت یا کھجور (کے تنے) کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے۔ انصار کی کسی عورت یا مرد نے کہا: ''یارسولؐ اللہ! کیا ہم آپ ﷺ کے لیے منبر نہ بنا دیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو بنوا دو۔'' چنانچہ انھوں نے منبر بنا دیا۔ جب جمعہ کا روز آیا تو آپ ﷺ منبر کی طرف گئے تو وہ کھجور کا تنہ بچے کی طرح زور زور سے بلک بلک کر رونے لگا۔ نبی اکرم ﷺ نے منبر سے اتر کے اس کو اپنے ساتھ لپٹایا تو وہ سسکیاں لینے لگا۔ پھر پرسکون ہو گیا۔

(بخاری، رقم: ۳۵۸۴)

بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ وہ کھجور کا تنا اس طرح چلا رہا تھا جیسے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں چلاتی ہے۔ پھر نبی ﷺ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ پرسکون ہو گیا۔ (بخاری، رقم: ۳۵۸۵، ابن ماجہ، رقم: ۱۴۹۵، ابن حبان، رقم: ۱۱۲۴، مسند احمد، رقم: ۲۱۲۹۵)

مسند البزار نے سند حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس تنے کو اپنے ساتھ چمٹایا تو وہ پرسکون ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اس کو نہ چمٹاتا تو یہ قیامت تک روتا رہتا۔'' (دلائل النبوۃ لابی نعیم، رقم: ۳۰۵)

امام بغوی نے اس حدیث کو حسن سے روایت کر کے کہا۔ حسن جب اس حدیث کو روایت کرتے تو روتے اور کہتے: ''اے اللہ کے بندو! درخت کا تنا رسول اللہ ﷺ کے شوق میں روتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آپ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا مقام ہے، تو تم رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کا شوق رکھنے کے زیادہ حق دار ہو۔'' (البدایہ والنہایہ: ۵۱۸/۴)

حافظ ابونعیم نے اپنی سند کے ساتھ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اس درخت کے ستون سے فرمایا تو پرسکون ہو جا۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ''یہ میری محبت میں رو رہا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''تو پرسکون ہو جا، اگر تو چاہے تو میں تجھ کو جنت میں اگا دوں۔ تیرا پھل نیک لوگ کھائیں گے۔ اور اگر تو چاہے تو میں تجھے دنیا میں پہلے کی طرح تروتازہ درخت کی طرح اگا دوں۔ تو اس

Marfat.com

درخت نے آخرت کو دنیا پر اختیار کر لیا۔
(دلائل النبوۃ لابی نعیم، رقم: ۳۰۶، سنن الدارمی، رقم: ۳۶، الخصائص الکبریٰ: ۲/۷، ۳۰، مجمع الزوائد: ۲/۱۸۰)

یہ تھی مختصر داستان آپ کی رحمۃ للعالمینی کی کہ آپ ﷺ نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ کافروں، حیوانات، جمادات اور مخلوق کے ہر طبقہ اور تمام جہانوں کے لیے اپنی اس دنیوی زندگی میں بھی رحمت تھے، برزخی زندگی میں بھی رحمت ہیں اور آخرت کی زندگی میں بھی موجب رحمت ہوں گے۔ اللھم ارزقنا شفاعة یوم القیامة.

اس سلسلہ میں اگر تفصیل درکار ہو تو ملاحظہ ہو احقر کی کتاب "پیغمبر اسلام اور معجزات"

محمد رسول اللہ ﷺ ____ ایک سپہ سالار:

گزشتہ صفحات میں رسول اللہ ﷺ کی صفت "رحمت" کا ذکر تھا کہ آپ ﷺ تمام عالموں اور کائنات کی ہر چیز کے لیے باعث رحمت تھے، لیکن آپ ﷺ میں ایک صفت "ملحمہ" بھی پائی جاتی تھی یعنی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس کے لیے آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں مختلف غزوات و سرایا میں بالواسطہ اور بلاواسطہ حصہ لیا۔ جن جنگوں میں آپ ﷺ نے خود بھی شمولیت اختیار کی ان کو غزوات کہتے ہیں اور جن میں آپ ﷺ نے خود تو شرکت نہیں فرمائی بلکہ کسی دوسرے کو سپہ سالار بنا کر بھیجا ان کو "سرایا" کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ زندگی کے جس شعبہ میں بھی توجہ فرماتے اس کی انجام دہی میں حق تعالیٰ کی وحی آپ ﷺ کی راہ نمائی کرتی لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آپ ﷺ کا ہر فعل خارق عادت اور معجزہ ہوتا بلکہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ ﷺ کو عقل رسا عطا فرمائی ہوئی تھی۔ چنانچہ تمام غزوات میں آپ ﷺ نے جو فیصلے بھی کیے وہ بے نظیر ثابت ہوئے اور دشمن نے بھی ان کو سراہا۔ آپ ﷺ کی حربی سیرت کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو ایک شخص نہایت قطعیت اور یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی فتح و انتصار کا راز آپ ﷺ کی شخصی شجاعت اور بے مثال بہادری پر مبنی تھا جو خطرناک سے خطرناک مواقع پر بھی قائم و ثابت رہی۔

Marfat.com

انتہائی سنگین اور کڑے حالات میں بھی آپ ﷺ نہایت سرعت کے ساتھ جنگی تدابیر وضع کرتے اور ان پر پورے تیقن کے ساتھ عمل کرتے۔ تمام غزوات میں آپ ﷺ کی فتح و نصرت کے اسباب میں سے ایک سبب آپ ﷺ کا عزم صمیم بھی تھا۔ آپ ﷺ کو حق تعالیٰ شانہ نے وہ قوت ارادی مرحمت فرمائی تھی جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ دنیا کے بڑے بڑے سپہ سالار آپ ﷺ کی اسٹرے ٹیجی کو دیکھ کر حیران رہ جاتے۔ تمام معرکوں میں آپ ﷺ کی قائدانہ شخصی صفات کا فتح میں بہت بڑا دخل تھا۔ اگرچہ بعض معرکوں میں فرشتوں کا نزول بھی ہوا لیکن قائد عسکر کی حربی ذہانت و فطانت اور ذاتی شجاعت اور عزم و ہمت کا بھی بہت بڑا دخل تھا۔ ویسے بھی ایک قائد عساکر کے لیے عقل و دانش کے ساتھ ذاتی شجاعت اور بہادری بھی ضروری ہے۔ آپ ﷺ میں ان دونوں چیزوں کا حسین امتزاج موجود تھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ ایک سپہ سالار کی حیثیت سے دنیا کے تمام امرائے عساکر سے تین امور میں ممتاز نظر آتے ہیں:

(۱) آپ ﷺ حد درجہ بلند ہمت اور صاحب عزم وثبات تھے۔

(۲) آپ ﷺ کی تمام جنگیں حمایت حریت عامہ، نشر اسلام اور ارکان اسلام کی صیانت وحفاظت کے لیے تھیں نہ کہ ظلم وجور، قتل ونہب اور بندگان خدا کی غلامی کے لیے تھیں۔

(۳) عموماً تمام امرائے عساکر اور سپہ سالاروں کو اپنی قوم کی پشت پناہی اور حمایت حاصل ہوتی تھی جب کہ سرکار دو عالم ﷺ کو ایک نئی قوم تشکیل کرنا پڑی جس کے اجزاء مختلف مقامات سے حاصل کیے گئے تھے۔

آپ ﷺ نے اپنی ذہانت و بصیرت سے اپنی عظیم شخصیت کے اثر سے ایک لاجواب اور جان نثار فوج تیار کی اور اپنی بے نظیر فراست اور حکمت عملی سے انتہائی کامیاب جنگیں لڑیں اور سب میں کامیابی اور کامرانی حاصل کی۔

جنگ کا اسلامی تصور:

قبل اس کے کہ جنگ کا اسلامی تصور پیش کیا جائے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ جنگ

Marfat.com

ہے کیا؟ جنگ سے مراد ہر وہ مقابلہ ہے جو دو گروہوں کے درمیان ہوتا ہے۔ دو حکومتوں کے مابین مسلح تصادم کو موجودہ زمانے میں جنگ کا نام دیا جاتا ہے۔ جنگ دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک انصاف کی جنگ اور دوسری ظلم کی جنگ۔ انصاف کی جنگ ہر وہ جنگ کہلاتی ہے جو اس قوم کے خلاف لڑی جائے جو دوسری قوم کے ساتھ ظلم وستم روا رکھے یا اس کے مبنی برحق موقف کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرے۔ اس کے برعکس ظلم کی جنگ وہ جنگ ہے جس سے کوئی قوم یا حکومت ظالمانہ طریق سے دوسرے کے حقوق، اموال اور املاک پر قبضہ کرنا چاہے۔ اسلام صرف انصاف کی جنگ کا حامی ہے، ظلم کی جنگ کی وہ کسی صورت حمایت نہیں کرتا، کیوں کہ اسلام ظلم وجور کی کسی صورت حمایت نہیں کرتا، لہٰذا اسلامی نقطۂ نظر سے جنگ کا اسلامی تصور یہ ہے کہ یہ ایک ایسی جنگ ہوتی ہے جو دعوت اسلام کی آزادی اور دنیا میں امن وامان کو قائم اور برقرار رکھنے کے لیے لڑی جائے، اور جنگ کے دوران ان تمام اصولوں کی رعایت ملحوظ خاطر رکھی جائے جو اسلام نے مقرر فرمائے ہیں۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ ہر کام کے حسن وقبح کا فیصلہ دو چیزوں پر منحصر ہوتا ہے۔ ایک مقصد اور دوسرا اس مقصد کے حاصل کرنے کا طریقہ۔ اگر نفس مقصد مکروہ اور غیر پسندیدہ ہو تو اس مقصد کو خواہ کتنے ہی اچھے طریقہ سے حاصل کیا جائے وہ بہرحال مکروہ اور غیر پسندیدہ ہی رہے گا۔ اور اگر مقصد فی نفسہ اچھا اور حسین ہو لیکن اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ اور طریقہ برا اور شرافت سے گرا ہوا ہو تو اس سے خود مقصد کی شرافت غیر پسندیدہ اور مجروح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر جنگ کا مقصد غیر قوموں کی آزادی چھیننا، دوسرے ملکوں کی دولت چھیننا، ان کے ذرائع آمدنی پر غاصبانہ قبضہ کرنا اور لوگوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کرنا ہو تو ایسی جنگ خواہ کتنے ہی اچھے طریقے سے لڑی جائے اور دوران جنگ غیر مقاتلین کی عصمت، زخمیوں کی حفاظت، معاہدہ کی عزت اور اموات کی حرمت کا کتنا ہی خیال اور لحاظ رکھا جائے، خواہ اس میں آتش زنی، تباہ کاری، لوٹ مار اور لوگوں کی عزت وآبرو کی پامالی سے کتنا ہی گریز کیوں نہ کیا جائے، لیکن وہ اصلیت کے لحاظ سے ایک ظالمانہ جنگ ہو گی۔ اسی طرح اگر جنگ کا مقصد نہایت اچھا اور شریفانہ ہو جیسے کسی جائز حق کی حفاظت اور شر وفساد کے دفع کرنے کے لیے لڑی جائے مگر جنگ لڑنے کا طریقہ ظالمانہ ہو۔ بے گناہ لوگوں کی عزت وحرمت کو پامال کیا جائے،

Marfat.com

دوران جنگ اخلاقی حدود کا خیال نہ رکھا جائے، عورتوں اور بچوں اور بے گناہ لوگوں پر کارپٹ بمباری کی جائے، ہسپتالوں اور عوام کے گھروں پر بمباری کر کے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا جائے اور ان کے مکانوں کو تباہ و برباد کیا جائے تو ایسی جنگ غیر پسندیدہ، حق کے راستہ سے ہٹی ہوئی اور ظلم و جور کی جنگ ہوگی، اور ایسی جنگ لڑنے والے اگرچہ حق پر ہوں گے لیکن اپنے آپ کو وہ ظالموں کی صف میں کھڑا کر دیں گے۔ لہٰذا ایک جائز اور انصاف کی جنگ کی تعریف یہ ہے کہ اس کا مقصد بھی پاکیزہ ہو اور اس مقصد کے حصول کے ذرائع بھی جائز، اللہ کے احکام کے مطابق اور پاکیزہ ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو وہ جنگ اسلام میں جائز نہیں ہے۔

جنگ کا اصل مقصد:

اسلام کے نزدیک جنگ کا اصل مقصد حریف اور مدمقابل کو قتل کرنا اور اس کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اس کے شر کو دفع کرنا ہے تا کہ اللہ کی مخلوق اس کے شر سے محفوظ و مصئون رہے اور اللہ کا کلمہ بلند ہو۔ اس وجہ سے اسلام نے قوت کے استعمال کی انہی طبقات کے خلاف اجازت دی ہے جو برسرپیکار ہوں۔ جن سے شر کا اندیشہ ہو۔ باقی تمام انسانی طبقات کو اسلام کے نزدیک جنگ کے اثرات سے محفوظ رہنا چاہیے اور دشمن کی ان چیزوں تک بھی ہنگامۂ کارزار کو متجاوز نہ ہونا چاہیے جن کو ان کی جنگی قوت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اسلام نے جنگ کا جو تصور دنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ اس تصور سے یک قلم مختلف ہے جو غیر مسلم دماغوں میں موجود ہے۔ موجودہ دور میں جو جنگیں ہوتی ہیں ان میں صرف انسانوں کو مارنا اور مکانوں کو گرانا اور عوام الناس کے دلوں میں دہشت اور ہیبت پیدا کرنا ہوتا ہے بلکہ موجودہ جنگیں ایک طرح سے بے مقصد جنگیں ہیں۔ امریکہ نے عراق میں جو کچھ کیا اس سے اس کو کیا حاصل ہوا۔ اس نے صدیوں کے ایک پرانے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور بالآخر وہاں کے ایک باشندے نے اس کو جوتے مارے اور وہ جوتے صدر بش اور اس کی اولاد بلکہ پورے امریکہ کے عوام کو یاد رہیں گے کہ دنیا کے لوگ ہم سے کس قدر نفرت کرتے ہیں۔ اسی طرح افغانستان کا بچہ بچہ امریکہ کے ہر شخص کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے کیونکہ امریکہ نے افغانستان کے عوام پر جو ظلم کیے ہیں اور کر رہا ہے اس نے روس کے مظالم افغانیوں کو بھلا دیئے ہیں۔ اسلام

Marfat.com

ایسی جنگوں کا سخت مخالف ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کے غزوات وسرایا کی کل تعداد ۸۳ بنتی ہے جن میں ۲۸ غزوات جبکہ ۵۵ سرایا۔ اوران ۸۳ جنگوں کا کل عرصہ قریباً ۹ سال بنتا ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان ۸۳ غزوات وسرایا میں فریقین کے کل ایک ہزار اٹھارہ افراد کام آئے جن میں ۷۵۹ غیر مسلم اور ۲۵۹ مسلمان شہداء تھے۔ تمام تاریخ انسانی اس قسم کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ۹ سال کے اس عرصہ میں ہونے والی ان جنگوں میں اتنے قلیل جانی تلاف کے ساتھ نہ صرف وسیع وعریض ملک میں ایک حیرت انگیز انقلاب برپا ہوا بلکہ صدیوں سے جاری خون ریزی کا بھی یک قلم خاتمہ ہو گیا۔ اس پر مزید حیرت زا اور حیرت انگیز بات یہ کہ قائل ہو جانے والے افراد نے جب سچائی کو سمجھ کر تسلیم کر لیا تو دنیا کا نقشہ تبدیل ہو گیا۔

اس کے برعکس جنگ عظیم اول اور دوم میں ہلاک شدگان کی تعداد چار کروڑ کے قریب بنتی ہے جس کی تفصیل اخبارات کی رو سے کچھ حسب ذیل ہے:

پہلی جنگ عظیم میں یورپ کے جو لوگ مارے گئے ان کی تفصیل یوں ہے:

①	روس	۷/لاکھ
②	جرمنی	۶/لاکھ
③	فرانس	۱۳/لاکھ ستر ہزار
④	اٹلی	۴/لاکھ ساٹھ ہزار
⑤	آسٹریلیا	۸/لاکھ
⑥	برطانیہ	۷/لاکھ
⑦	ترکی	۲/لاکھ ۵۰ ہزار
⑧	بلجیئم	ایک لاکھ دو ہزار
⑨	بلغاریہ	ایک لاکھ
⑩	رومانیہ	ایک لاکھ
⑪	سربیا مانٹی نیگرو	ایک لاکھ
⑫	امریکہ	پچاس ہزار

یہ جنگ عظیم اول صرف چار سال رہی۔ دوسری جنگ عظیم میں ہلاک ہونے والوں

Marfat.com

کی تعداد کچھ یوں ہے:

①	روس	دو کروڑ دس لاکھ
②	جرمنی	ساٹھ لاکھ سے سوا کروڑ تک
③	پولینڈ	۹/لاکھ
④	چین	۳۰/لاکھ
⑤	جاپان	۲۷/لاکھ سے ۶۰/لاکھ
⑥	آسٹریلیا	۷/لاکھ
⑦	رومانیہ	۷/لاکھ
⑧	فن لینڈ	ایک لاکھ ۸۳ ہزار ۱۶۶
⑨	چیکوسلاویکیہ	۶۰/ہزار
⑩	زیکوسلاویکیہ	۳۰/لاکھ ۵۰ ہزار
⑪	امریکہ	۱۰/لاکھ ۷۰ ہزار
⑫	برطانیہ	۱۰/لاکھ ۳۰ ہزار
⑬	فرانس	۱۰/لاکھ
⑭	اٹلی	۱۱/لاکھ
⑮	یوگوسلاویہ	۱۶/لاکھ ۸۵ ہزار
⑯	ہنگری	۶/لاکھ
⑰	ہالینڈ	۲/لاکھ ۷۵ ہزار
⑱	بیلجیئم	۶۰/لاکھ
⑲	فلپائن	۳۰/لاکھ

ان اعداد وشمار میں قیدیوں اور زخمیوں کی تعداد شامل نہیں اور نہ ہی ہندوستان کی مختلف کالونیوں کے لوگ شامل ہیں جنھوں نے اپنے اپنے ملکوں کی طرف سے محاذ جنگ پر جانیں قربان کیں۔ (اخبار کوثر، ۹/ستمبر ۱۹۳۵ء)

یہ ان جنگوں میں مرنے والوں کی تعداد ہے جو مہذب اور متمدن ملکوں کے

Marfat.com

ہی گئیں۔ ان جنگوں کے مقابلے میں سرکار دو عالم ﷺ کے عہد میں جو غزوات وسرایا بپا ہوئے وہ گویا ایک غیر فانی انقلاب تھا جبکہ دوسری طرف دنیا میں چار کروڑوں انسانوں کو قتل کر کے بھی ایسا انقلاب برپا نہ ہوا بلکہ ایک بے مقصد جنگ ہوتی رہی جو جاہلیت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ ان دونوں جنگوں کا نہ ہی مقصد پاکیزہ اور نیک تھا اور نہ ہی اس کے ذرائع پاکیزہ تھے۔ جو کچھ ان جنگوں میں ان مہذب اور متمدن قوموں نے کیا اس کو ''جاہلیت جدیدہ'' کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے کیونکہ جاہلیت عمدہ کھانوں، عالی شان محلات، فرنشڈ کمروں اور زرق برق لباس کے نہ ہونے کا نام نہیں، یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی جاہلیت ہوسکتی ہے، اگر انسانوں میں اخلاقی اقدار کا فقدان ہو، کیونکہ انسانیت اخلاق کی بلندی اور شرافت کا نام ہے، سر بفلک محلات، عمدہ بنگلوں، لمبی لمبی کاروں، مرغن غذاؤں اور چست لباس کا نام تہذیب نہیں ہے۔ لہٰذا ان دونوں جنگوں میں اتنی انسانی جانوں کا ضیاع بہیمیت اور جاہلیت کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور موجودہ دور میں بھی عرق اور افغانستان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ بھی انسانی اخلاقی قدروں کے برعکس ہو رہا ہے۔ لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ یورپ کے فکری قزاقوں اور مغربی قلم کاروں نے غزوات وسرایا کے روشن ترین پہلوؤں کو یک قلم نظر انداز کر کے ''نشتر جراح'' اور ''خنجر قاتل'' میں کوئی فرق نہیں کیا۔ مغربی فکری قزاقوں نے جن کو آج کل کی اصطلاح میں دانشور کہا جاتا ہے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ رسول اللہ ﷺ کی ساری زندگی جدال وقتال میں گزری۔ انھوں نے غزوات وسرایا میں سے من پسند مفہوم اخذ کیا جیسے کوئی ''دل برداشتہ'' سے ''دل'' اور ''بر'' کو حذف کر کے سارا زور ''داشتہ'' پر صرف کر دے اور اپنی ذاتی حاشیہ آرائی سے متن کو ایسا توڑ مروڑ کر پیش کر دے کہ متن کا مقصد ہی کچھ اور نظر آنے لگے۔

اسلام کا نظریہ جہاد ان سب جنگوں سے مختلف ہے۔ اس میں جنگ کا مقصد بھی نیک ہوتا ہے اور اس کے حصول کے ذرائع بھی پاکیزہ ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے اس کو ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ نام اپنے موضوع لہ پر ٹھیک دلالت کرتا ہے، اور وحشیانہ جنگ کے تصورات سے بالکل جدا ہے۔ اسلام نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈالی ہے کہ مال و دولت کے لیے جنگ نہ کی جائے، زمین و ملک کے لیے جنگ نہ کی جائے، شہرت و ناموری کے لیے جنگ نہ کی جائے۔ حمیت و عصبیت کے لیے جنگ نہ کی جائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی

Marfat.com

بلندی اور زمین میں اس کی بادشاہت قائم کرنے کے لیے جنگ کی جائے (لتکون کلمة الله هی العلیا) تمام غزوات وسرایا صرف اسی مقصد کے لیے لڑے گئے اور ان میں جو ذرائع استعمال کیے گئے ہیں وہ بھی نہایت پاکیزہ تھے۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں بکثرت ارشادات موجود ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: کہ کوئی شخص مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے جنگ کرتا ہے، کوئی شہرت و ناموری کے لیے جنگ کرتا ہے، کوئی اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کے لیے جنگ کرتا ہے۔ ان میں سے کس کی جنگ ''اللہ کی راہ'' میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

((من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا فهو فی سبیل الله))

(مسلم: ۴۶/۶، بخاری: ۲۰۶/۲)

''راہ خدا کی جنگ تو صرف اس شخص کی ہے جو صرف اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے لڑے۔''

مسلم ہی میں ایک اور روایت اس مضمون کی آتی ہے کہ ایک شخص سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور دریافت کیا: ''یا رسول اللہ! قتال فی سبیل اللہ کیا ہے، کیونکہ ہم سے کوئی جوش غضب میں لڑتا ہے اور کوئی حمیت قومی کی بنا پر جنگ کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور جواب میں فرمایا:

((من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا، فهو فی سبیل الله))

''جو شخص کلمۃ اللہ کی بلندی کے لیے لڑتا ہے اس کی جنگ اللہ کی راہ میں ہے۔''

(مسلم: ۴۶/۶)

مشہور صحابی رسول سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لڑائیاں دو قسم کی ہیں۔ جس شخص نے اللہ کی رضا کے لیے جنگ کی اور اس میں امام کی اطاعت کی، اپنا بہترین مال خرچ کیا اور فساد سے اجتناب کیا تو اس کا سونا اور جاگنا باعث اجر وثواب ہے۔ اور جس نے دنیا کے دکھاوے اور شہرت و ناموری کے لیے جنگ کی اور اس میں امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ برابر بھی نہ چھٹے گا یعنی اجر وثواب کے

Marfat.com

بجائے الٹا عذاب کا مستحق ہوگا۔" (ابوداؤد: ۳۰/۳)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے روز ایک شخص دوسرے شخص کا ہاتھ پکڑے ہوئے آئے گا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کرے گا: اے میرے رب! اس نے مجھے قتل کیا تھا۔" حق تعالیٰ شانہ پوچھیں گے تو نے اس کو کیوں قتل کیا؟" وہ کہے گا: "اے اللہ! میں نے اس کو اس لیے قتل کیا تھا کہ عزت تیرے لیے ہے۔" اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہاں عزت میرے ہی لیے ہے۔" پھر ایک دوسرا شخص ایک شخص کا ہاتھ پکڑے ہوئے آئے گا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کرے گا: "اے اللہ! اس نے مجھے قتل کیا تھا۔" حق تعالیٰ شانہ پوچھیں گے تو نے اس کو کیوں قتل کیا تھا؟" وہ کہے گا کہ میں نے اس کو اس لیے قتل کیا تھا کہ عزت فلاں کے لیے ہو۔ اس پر حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ عزت اس کا حق تو نہ تھی۔ پھر وہ اس کے گناہ میں پکڑا جائے گا۔ (نسائی: ۸۴/۷)

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

- من غزا فی سبیل الله ولم ینو الا عقالاً فله مانوی۔ (نسائی: ۲۴/۶)

"جس شخص نے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور پھر ایک اونٹ باندھنے کی رسی کی نیت بھی کرلی تو اس کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔"

سیدنا ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم ﷺ سے دریافت کیا: "اس شخص کے بارے میں آپ ﷺ کی کیا رائے ہے جو مالی فائدے اور ناموری کے لیے جنگ کرتا ہے، اس کو کیا ملے گا؟" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لا شئی له)) یعنی اسے کچھ نہیں ملے گا۔" سائل کے لیے یہ بات بڑی عجیب اور حیرت زا تھی۔ اس نے پھر یہی سوال کیا۔ آپ ﷺ نے دوبارہ وہی جواب دیا۔ اس کا اطمینان اب بھی نہ ہوا، لہٰذا اس نے تیسری اور چوتھی بار پھر یہ سوال کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو مطمئن کرنے کے لیے فرمایا:

((ان اللہ لایقبلِ من العمل الا ماکان له خالصاً وابتغی به وجهه)) (نسائی: ۲۵/۶)

"اللہ تعالیٰ کوئی عمل اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک وہ اس کی خوشنودی اور

Marfat.com

رضا کے لیے نہ کیا جائے۔"

جنگ کے بارے میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جنگ کرنے کا مقصد پاک ہو، شہرت و ناموری، مال و دولت کی ہوس، عزت و فرماں روائی کی خواہش، شخصی اور قومی عداوت اور کوئی دنیوی غرض و خواہش نہ ہو۔ جب یہ ساری خواہشات، آرزوئیں اور تمنائیں دل کے نہاں خانہ سے نکل جائیں گی تو پھر صرف ایک مقصد رہ جائے گا اور وہ ہے اللہ کی رضا۔ اور جنگ کا یہ مقصد نہایت پاکیزہ ہے۔ اس میں مظلوموں کی دادرسی، اللہ کے دین کا غلبہ، اصلاح احوال اور دفع ضرر، دنیا میں اللہ کی فرمان روائی سبھی کچھ آ جاتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر دوسرے کی طرف سے فتنہ کی ابتداء ہو تب بھی صرف اس وقت مقابلے کے لیے تلوار اٹھائی جا سکتی ہے جب کہ اصلاح احوال اور دفع ضرر کے لیے تلوار کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لا تتمنوا لقاء العدو وسلوا الله العافية، فاذا لقيتموهم فاصبروا، واعلموا ان الجنة تحت ظلال السيوف))

(بخاری: ۹۔۲۳، ابوداوٴد: ۹۶/۳)

"دشمن سے مقابلہ کرنے کی تمنا نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے امن و عافیت کی دعا کیا کرو لیکن جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو پھر جم کر لڑو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔"

اسلامی جہاد کیا ہے؟

اسلام نے انسانی جان اور انسانی خون کا بہت احترام کیا ہے اور انسان کے تمدنی حقوق میں اس کو اولین حق زندہ رہنے کا دیا ہے۔ جس دین میں انسانی جان اور خون کا احترام نہیں ہے وہ مہذب انسانوں کا مذہب نہیں ہے۔ اگر یہ حق نہ دیا جائے تو انسان پر امن زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اگر انسانی جان کی کوئی قیمت اور اس کا کوئی احترام نہ ہو تو چند لوگ بھی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ اگر امن و اطمینان اور بے خوفی نہ ہو تو کوئی تجارت، صنعت اور تجارت نہیں کر سکتا۔ دولت کمانے اور اپنی تمدنی زندگی بسر کرنے کے قابل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کو ہر وقت اپنی جان

Marfat.com

کا خوف رہے گا کہ کب کوئی سنگ دل آ کر اس کی رگ حیات کاٹ دے۔ اسلام نے مختلف طریقوں سے اور مختلف پیرایوں سے اپنے ماننے والوں کے دلوں میں انسانی جان کا احترام پیدا کیا۔ چنانچہ سورۃ المائدہ میں فرمایا:

"اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ لکھ کر دے دیا کہ جو کوئی کسی کی جان لے، بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو یا زمین میں فساد کیا ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا، اور جس نے کسی کی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچایا۔ ان لوگوں کے پاس ہمارے رسول کھلی کھلی ہدایات لے کر آئے مگر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت ایسے ہیں جو زمین میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔" (المائدہ ۵:۳۲)

ایک اور مقام پر اپنے نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا﴾ (الفرقان ۲۵:۶۸)

"وہ اس جان کو جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے بغیر حق کے ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ کیے کی سزا پائے گا۔"

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (الانعام ۶:۱۵۱)

"(اور وہ) کسی ایسی جان کو ہلاک نہیں کرتے جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے سوائے اس صورت کے کہ ایسا کرنا حق کا تقاضا ہو۔ اللہ نے ان باتوں کی تمھیں تاکید کی ہے شاید کہ تم کو کچھ عقل آئے۔"

ان آیات کے مخاطب وہ لوگ تھے جن کے نزدیک انسانی جان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ اور جو اپنے ذاتی مفادات کی خاطر نہ صرف اپنی اولاد کو بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی بے دریغ قتل کر دیتے تھے۔ چنانچہ قرآن حکیم کے علاوہ خود سرکار دو عالم ﷺ نے بھی بے گناہ لوگوں کا خون بہانے اور بغیر حق کے لوگوں کو قتل کرنے کو بدترین گناہ قرار دیا۔ چنانچہ ایک حدیث میں

Marfat.com

ارشاد فرمایا:

اکبر الکبائر الاشراك بالله، وقتل النفس، وعقوق الوالدین، وقول الزور۔

''بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے، اور کسی جان کو قتل کرنا اور والدین کی نافرمانی اور جھوٹ بولنا۔''

ایک اور حدیث میں فرمایا:-

اول مایحاسب به العبد الصلوٰة و اول مایقضیٰ بین الناس یوم القیامة فی الدماء۔

''قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اور پہلی چیز جس کا فیصلہ لوگوں کے درمیان کیا جائے گا وہ خون کے دعوے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے ان فرامین اور سرکار دو عالم ﷺ کے ان ارشادات نے لوگوں کی اخلاقی زندگی پر بڑا اثر ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی سالوں میں ایک خون خوار قوم کے اندر انسانی جان کے احترام اور امن پسندی کے لیے ایسا جذبہ پیدا ہو گیا کہ سرکار دو عالم ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق قادسیہ سے صنعا تک ایک عورت تنہا سفر کرتی تھی اور کوئی شخص اس کی جان اور مال پر حملہ نہیں کرتا تھا۔ آج دنیا میں انسانی جان کو جو حرمت کا درجہ حاصل ہوا ہے وہ اسلامی تعلیم کے اثرات کا نتیجہ ہے کیونکہ یہ خونخواری صرف عرب تک محدود نہ تھی بلکہ دنیا کے ہر ملک میں تھی جو آج کل اپنے آپ کو بڑا مہذب اور متمدن سمجھتے ہیں۔ اس دور میں اسلام نے انسانی جانوں کے احترام کا نعرہ بلند کیا اور لوگوں کو انسانی جان کی صحیح قیمت سے آگاہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی اس آواز کا دنیا کے لوگوں کے اخلاق پر بہت اثر پڑا اور جو لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور انھوں نے اس تعلیم کو حرز جان بنا لیا۔

قرآن حکیم نے قتل بالحق کو جائز قرار دیا اور اس کو جائز قرار دینا وقت کی ایک ضرورت تھی، کیونکہ ایک طرف حد سے تجاوز کرنے والا گروہ تھا جس کے نزدیک انسانی جان کی کوئی قیمت نہ تھی۔ وہ اپنی نفسانی خواہشات کے لیے بے دریغ لوگوں کا خون بہانا جائز سمجھتا تھا۔ اور دوسری طرف وہ گروہ تھا جو خون کے تقدس اور ابدی حرمت کا قائل تھا اور کسی حال میں

Marfat.com

بھی خون بہانا جائز نہ سمجھتا تھا۔ یہ بھی معاشرہ میں فساد کا باعث تھا۔ اسلام نے افراط وتفریط کی ان دونوں راہوں کے درمیان عدل ووسط کی ایک راہ نکالی جو صراط مستقیم تھی جس سے معاشرہ میں امن پیدا ہوا اور لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔

قتل بالحق بھی اگرچہ خون ریزی ہی ہے لیکن حقیقت میں ایک ناگزیر خون ریزی ہے جس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں کیونکہ اس کے بغیر نہ فساد کی جڑ کٹ سکتی ہے اور نہ دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے، اور نہ مخلوقِ خدا کو مادی اور روحانی چین مل سکتا ہے۔ بعض دفعہ افراد قتل ناحق کرتے ہیں اور بعض دفعہ جماعتیں اور اقوام سرکشی پر اتر آتی ہیں اور وہ جب فتنہ برپا کرتی ہیں تو اس میں طرح طرح کی شیطانی قوتیں شامل ہو کر ایک طوفان کی شکل میں ابھر آتی ہیں۔ اور پھر ہزاروں قسم کے فتنے ان کی بدولت اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ بعض ان میں دولت کے حریص اور لالچی کمزور اور غریب قوموں پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ ان کی تجارت پر قبضہ کرتے ہیں اور ان کی کھیتیوں اور صنعتوں کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ کمزور قوموں کے بنیادی حقوق پر ڈاکہ ڈال کر انسانوں کے خدا بن بیٹھتے ہیں۔ شریفوں اور نیکوکاروں کو دبا کر کمینوں اور رذیلوں کو سربلند کرتے ہیں۔ پھر وہ اپنے جیسے انسانوں کے خدا بن کر کمزور قوموں کی آزادیاں سلب کر لیتے ہیں اور اپنی خواہش اقتدار کو پورا کرنے کے لیے زمین میں شر وفساد پھیلاتے ہیں اور آزاد انسانوں کے گلے میں غلامی کا طوق پہناتے ہیں۔ اس صورت میں ان سے جنگ جائز ہی نہیں بلکہ فرض ہو جاتی ہے۔ اس وقت انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہی ہوتی ہے کہ ان ظالموں کے خون سے زمین کو سرخ کر دیا جائے اور ان شر پسندوں کے شر سے مظلوم اور بے بس لوگوں کو نجات دلائی جائے کیونکہ ایسے لوگوں کو دنیا میں زندہ رہنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی جسم کے کسی عضو میں زہریلا اور فاسد مادہ پیدا ہو جائے تو اس کا کاٹنا ضروری ہو جاتا ہے ورنہ اس کا زہریلا مادہ پورے جسم میں پھیل کر سارے جسم کی ہلاکت کا باعث بن جائے گا۔ لہٰذا قتل بالحق ضروری ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو فرض ہو جاتا ہے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یوں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ

Marfat.com

كَثِيْرًا﴾ (الحج ۲۲: ۴۰)

''اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو صومعے اور گرجے اور معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے، مسمار کر دیئے جاتے۔''

مقصد اس سے یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عادل اور نیک انسانوں کے ذریعے ظالم اور جابر انسانوں کو دفع نہ کرتا رہتا تو پھر اس کرۂ اغبر پر اتنا فساد ہوتا کہ مختلف مذاہب کی عبادت گاہیں تک تباہی و بربادی سے نہ بچتیں۔ اس آیت سے یہ بھی پتہ چلا کہ فساد کی سب سے بدترین اور مکروہ صورت یہ ہے کہ ایک قوم دشمنی اور فساد کے باعث دوسری قوم کی عبادت گاہوں تک کو تباہ و برباد کر دے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ جب کوئی گروہ ایسا فساد برپا کرتا ہے تو ہم دوسرے گروہ کے ذریعے اس کے شر اور فساد کا استیصال کر دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''اگر کسی وقت اور کسی حالت میں بھی ایک جماعت کو دوسری سے لڑنے بھڑنے کی اجازت نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت کی سخت خلاف ورزی ہوگی۔ اس نے دنیا کا نظام ہی ایسا رکھا ہے کہ ہر چیز یا ہر شخص یا ہر جماعت دوسری چیز یا شخص یا جماعت کے مقابلے میں اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لیے جنگ کرتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور نیکی کو اللہ تعالیٰ اپنی حمایت میں لے کر بدی کے مقابلہ میں کھڑا نہ کرتا تو نیکی کا نشان زمین پر باقی نہ رہتا۔ بد دین اور شریر لوگ جن کی ہر زمانہ میں کثرت رہی ہے، تمام مقدس مقامات اور یادگاریں ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے۔ کوئی عبادت گاہ، تکیہ، خانقاہ، مسجد، مدرسہ محفوظ نہ رہ سکتا۔ بناءً علیہ ضروری ہوا کہ بدی کی طاقتیں خواہ کتنی ہی مجتمع ہو جائیں، قدرت کی طرف سے ایک وقت مناسب پر نیکی کے مقدس ہاتھوں سے بدی کے حملوں کی مدافعت کرائی جائے، اور حق تعالیٰ اپنے دین کی مدد کرنے والوں کی خود مدد فرما کر ان کو دشمنانِ حق و صداقت پر غالب کرے۔ بلاشبہ وہ ایسا قوی اور زبردست ہے کہ اس کی اعانت و امداد کے بعد ضعیف سے ضعیف چیز بڑی سے بڑی طاقتور ہستیوں کو شکست دے سکتی ہے۔ بہرحال اس وقت مسلمانوں کو ظالم کافروں کے

Marfat.com

مقابلے میں جہاد وقتال کی اجازت دینا اسی قانون قدرت کے ماتحت تھا، اور یہ وہ عام قانون ہے جس کا انکار کوئی عقلمند نہیں کر سکتا۔ اگر مدافعت اور حفاظت کا یہ قانون نہ ہوتا تو اپنے اپنے زمانہ میں نہ عیسائی راہبوں کے صومعے قائم رہتے، نہ نصاریٰ کے گرجے، نہ یہود کے عبادت خانے اور نہ مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر بڑی کثرت سے ہوتا ہے۔ یہ سب عبادت گاہیں گرا کر اور ڈھا کر برابر کر دی جاتیں۔ پس اس عام قانون کے ماتحت کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کو ایک وقت مناسب پر اپنے دشمنوں سے لڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔" (فوائد عثمانی: ۲/ ۱۴۵)

ایک اور مقام پر اسی بات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (البقرۃ ۲: ۲۵۱)

"اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو زمین فساد سے بھر جاتی مگر دنیا والوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے (کہ وہ دفعِ فساد کا یہ انتظام کرتا رہتا ہے)۔"

سب سے بڑا فساد عبادت گاہوں کا گرانا ہے اور سورۃ حج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نہایت صفائی سے اسلامی جنگ کی غرض وغایت صرف مساجد کو بچانا نہیں بلکہ ہر قوم کی عبادت گاہوں کو بچانا بتایا ہے یہاں تک کہ عبادت گاہوں کو چھوڑ کر عبادت کرنے والوں کی کوٹھڑیوں کو بھی حفاظت میں شامل کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جنگوں میں بھی اس بات کو مدنظر رکھا جاتا تھا کہ کسی راہب کی کوٹھڑی کو اور کسی عبادت گاہ کو نقصان نہ پہنچے بلکہ بعض معاہدات کی رو سے گرجا گھروں کی حفاظت اور مرمت کا انتظام بھی بیت المال کے ذمے تھا۔ یہ اسلام کا کمال ہے کہ اس نے تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا اصول ایمان میں داخل کر دیا بلکہ دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کو بھی مسلمانوں کے فرائض میں داخل کیا۔

جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت:

اسی فساد و بدامنی، تعصب و تنگ نظری اور بغض و عداوت کی آگ کو فرو کرنے کے

Marfat.com

لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں، شرپسندوں اور فسادیوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم صادر فرمایا اور فرمایا:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ نِ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ (حج ۲۲: ۳۹-۴۰)

”جن لوگوں سے (ناحق) قتال کیا جاتا ہے ان کو (جہاد کی) اجازت دے دی گئی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ ان کی مدد کی یقیناً قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بے قصور نکالے گئے، ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔“

یہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں جن کو مکہ مکرمہ میں مشرکین مکہ بہت سخت ایذائیں پہنچاتے تھے۔ مسلمان آپ ﷺ کے پاس آتے، کسی کا سر پھٹا ہوا ہوتا، کسی کو کوڑوں سے مارا ہوا ہوتا، کسی کو تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹا ہوا ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ ان کی یہ حالت دیکھ کر ان سے فرماتے: ”صبر کرو، ابھی مجھے ان سے قتال کا حکم نہیں دیا گیا حتیٰ کہ آپ ﷺ نے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ ستر سے زیادہ آیات کفار کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنے کے متعلق نازل ہوئی تھیں، اور یہ پہلی آیت ہے جس میں کفار سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وہ تمام آیات منسوخ ہوگئیں جن میں کفار کی زیادتیوں پر صبر کا حکم دیا گیا ہے۔

جہاد کی اجازت اس وجہ سے دی گئی کہ ان پر ظلم ہوا۔ ظلم کی تفصیل یہ ہے۔ ایک وجہ ظلم کی یہ ہے کہ ان کو ان کے گھروں سے نکالا گیا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کو صرف اس لیے نکالا گیا کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”اپنی قلت اور بے سروسامانی سے نہ گھبرائیں۔ اللہ تعالیٰ مٹھی بھر فاقہ مستوں کو دنیا کی فوجوں اور سلطنتوں پر غالب کرسکتا ہے۔ فی الحقیقت یہ ایک شہنشاہانہ طرز میں مسلمانوں کی نصرت و امداد کا وعدہ تھا جیسے دنیا میں بادشاہ اور بڑے لوگ وعدہ کے موقع پر اپنی

Marfat.com

شان و وقار و استغناء دکھلانے کے لیے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہاں تمھارا فلاں کام ہم کر سکتے ہیں۔ شاید یہ عنوان اس لیے اختیار کیا جاتا ہے کہ مخاطب سمجھ لے کہ ہم ایسا کرنے میں کسی سے مجبور نہیں ہیں، جو ہم کریں گے اپنی قدرت و اختیار سے کریں گے۔"

"مسلمان مہاجرین جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ان کا کوئی جرم نہ تھا، نہ ان پر کسی کا کوئی دعویٰ تھا بجز اس کے کہ وہ اکیلے ایک خدا کو اپنا رب کیوں کہتے ہیں۔ اینٹ پتھروں کو کیوں نہیں پوجتے۔ گویا ان پر سب سے بڑا اور سنگین الزام اگر لگایا جاسکتا ہے تو یہی کہ ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کے کیوں ہو رہے۔" (فوائد عثمانی: ۲/۱۴۵)

سورۃ حج کی آیت نمبر ۳۹۔۴۰ میں بتایا گیا کہ:

① مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کی اجازت دینا گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ مسلمانوں کو مشرکین کے خلاف جہاد کی اجازت دے کر ان سے کفار اور مشرکین کو دور فرماتا ہے۔ اور اگر اللہ یہ اجازت نہ دیتا تو مشرکین مسلمانوں کی عبادت گاہوں پر قبضہ کر لیتے اور اسی وجہ سے راہبوں کی خانقاہوں، کلیساؤں اور یہودیوں کے معبد کا بھی ذکر فرمایا۔ ہر چند کہ یہ غیر اہل اسلام کی عبادت گاہیں ہیں۔

② جو مسلمان عذر کی وجہ سے جہاد نہیں کر سکتے ان سے جہاد کی مشقت کو جہاد کرنے والے مسلمانوں کے سبب سے دور فرما دیتا ہے۔

③ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی وجہ سے برے لوگوں سے عذاب کو دور فرما دیتا ہے۔ سو نمازیوں کی برکت سے بے نمازوں کے عذاب کو دور فرما دیتا ہے، اور صدقہ کرنے والوں کی وجہ سے ان سے عذاب کو دور کر دیتا ہے، جو صدقہ نہیں کرتے، اور حج کرنے والوں کی وجہ سے ان سے عذاب کو دور کر دیتا ہے جو حج نہیں کرتے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ نیک مسلمان کے سبب سے اس کے پڑوس کے سو گھروں سے مصائب کو دور کر دیتا ہے۔" (الکامل لابن عدی: ۳/۴/۲۷، مجمع الزوائد: ۸/۱۶۷)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "نیکی میں سبقت کرو، نیکی میں سبقت کرو۔ اگر نوجوان اللہ سے ڈرنے والے اور بوڑھے نمازیں

Marfat.com

پڑھنے والے اور چرنے والے چوپائے نہ ہوتے تو تم سب پر آندھیوں کا عذاب آجاتا۔"

(مسند ابی یعلی موصلی، رقم: ۶۴۰۲، سنن کبریٰ بیہقی: ۳/۳۴۵، مسند البزار، رقم: ۲۱۹۳، المطالب العالیہ، رقم: ۳۱۸۵، مجمع الزوائد: ۱۰/۲۲۷)

قرآن میں یہ پہلی آیت ہے جو قتال کے بارے میں اتری۔ اس میں جن لوگوں کے ساتھ جنگ کا حکم دیا گیا ہے ان کا قصور یہ نہیں بتایا کہ ان کے پاس ایک زرخیز ملک ہے، یا وہ تجارت کی ایک بڑی منڈی کے مالک ہیں، یا وہ ایک دوسرے مذہب کی پیروی کرتے ہیں بلکہ ان کا جرم صاف طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ظلم کرتے ہیں، لوگوں کو بے قصور ان کے گھروں سے نکالتے ہیں اور اس قدر متعصب ہیں کہ محض اللہ کو رب کہنے پر تکلیفیں پہنچاتے ہیں اور لوگوں پر مصیبتیں توڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف صرف اپنی مدافعت ہی میں جنگ کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ دوسرے مظلوموں کی اعانت وحمایت کا بھی حکم دیا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ کمزور اور بے بس لوگوں کو ظالموں کے پنجہ سے چھڑاؤ۔

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر فرمایا:

"تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے لوگ بڑے ظالم اور جفا کار ہیں، اور ہمارے لیے خاص اپنی طرف سے ایک محافظ اور مددگار مقرر فرما۔" (النساء۴: ۷۵)

ایسی جنگ کو جو ظالموں اور مفسدوں کے مقابلہ میں اپنی مدافعت اور کمزوروں، بے بسوں اور مظلوموں کی اعانت کے لیے کی جائے اللہ نے خاص راہِ خدا کی جنگ قرار دیا ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ جنگ بندوں کے لیے نہیں بلکہ خدا کے لیے ہے، اور بندوں کی اغراض کے لیے نہیں بلکہ خاص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لیے ہے۔ اس جنگ کو اس وقت تک جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک اللہ کے بے گناہ بندوں پر نفسانی اغراض کے لیے دست درازی اور جبر وظلم کرنے کا سلسلہ بند نہ ہو جائے۔ چنانچہ فرمایا: "قاتلوهم حتی لاتکون فتنه" ان سے لڑے جاؤ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ اور "حتی تضع الحرب اوزارها" یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔ اور فساد کا

Marfat.com

نام و نشان اس طرح مٹ جائے کہ اس کے مقابلے پر جنگ کی ضرورت باقی نہ رہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ اس مبنی برحق جنگ کو خون ریزی سمجھ کر چھوڑ دینے یا اس میں جان و مال کا نقصان دیکھ کر تامل کرنے کا نتیجہ کس قدر خراب ہے۔ (الجہاد فی الاسلام: ص ۴۰)

اسلامی جنگ کی مختلف صورتیں:

اسلام میں جنگ کی دو صورتیں ہیں:

(۱) دفاعی جنگ اور (۲) اصلاحی جنگ

اسلام میں جنگ کی مقصدیت کی پاکیزگی نے ہی اسلامی جنگ کو ایک انفرادیت عطا کی ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ اسلام میں جنگ کا مقصد دعوت یا تبلیغ نہیں بلکہ حریت اور دعوت اسلام کا تحفظ ہے۔

حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرۃ ۲:۲۵۶)

"دین میں کوئی زبردستی نہیں، سیدھی راہ غلط راستے سے ممتاز کر کے دکھائی جا چکی ہے۔ اب جو کوئی معبودان باطل کو چھوڑ کر اللہ پر ایمان لے آئے وہ ایک ایسے مضبوط رشتہ سے تعلق جوڑتا ہے جو ٹوٹنے والا نہیں ہے اور اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔"

اس حکم میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ دین میں کسی کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جا سکتا۔ اس آیت کی شان نزول بھی یہی ہے جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

"کسی شخص کو دین اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہ کرو کیوں کہ وہ اس قدر بین اور واضح ہے اور اس کے دلائل و براہین اس قدر روشن ہیں کہ کسی شخص کو اس میں داخل ہونے پر مجبور کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو ہدایت دی

Marfat.com

ہو اور جس کا سینہ قبول حق کے لیے کھول دیا ہو، اور جس کو بصیرت کا نور عطا کیا ہو وہ دلیل واضح کی بنا پر اسے خود اختیار کرے گا اور جس کی سماعت و بینائی پر مہر کر دی ہو اس کا مارے باندھے سے دین میں داخل ہونا بیکار ہے۔''

امام رازی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد فرمایا ہے کہ ''ہدایت گمراہی سے ممتاز کر کے دکھائی جا چکی ہے'' یعنی دلائل ظاہر کر دیئے گئے ہیں، حجتیں کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں، اب صرف جبر و زور اور اکراہ کا طریقہ باقی رہ گیا ہے سو وہ جائز نہیں کیونکہ وہ رواداری کے منافی ہے۔''

اس آیت سے قبل آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات بیان کی گئی ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ تمام آسمانوں میں صرف اس کی سلطنت ہے اور آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت سے اس کو کوئی تھکاوٹ نہیں ہوتی اور اس کو ہر چیز کا علم ہے۔ اور جب انسان نے یہ جان لیا تو پھر اس کے اسلام قبول کرنے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ اور انسان اگر اس کائنات میں غور و فکر کرے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا اور اس کو باقی رکھنے والا وہی رب عظیم ہے۔ اب اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو جاننے کے بعد انسان کو از خود اس پر ایمان لانا چاہیے اور اس کے لیے کسی جبر و اکراہ کی ضرورت نہیں ہے۔

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء نہیں کہ لوگ جبراً اسلام میں داخل ہوں۔

ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ (یونس ۱۰:۹۹)

''اور اگر آپ ﷺ کا رب چاہتا تو زمین میں جتنے لوگ ہیں سب ہی ایمان لے آتے، تو کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں گے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

Marfat.com

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (کہف ۱۸:۲۹)

''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیے کہ یہ حق ہے تمھارے رب کی طرف سے، سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔''

اس بارے میں پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

''اسلام جس طرح یہ گوارا نہیں کرتا کہ کسی کو جبراً مسلمان بنایا جائے اسی طرح وہ یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ اس کے ماننے والوں پر تشدد کر کے انھیں اسلام سے برگشتہ کرے، یا جو خوشی سے اسلام کی برادری میں شریک ہونا چاہتے ہیں ان کو ایسا کرنے سے زبردستی روکا جائے۔ اور اگر کہیں ایسی صورت پیدا ہو جائے تو اس وقت اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ ایسی حالت میں وہ ظالم قوت کا مقابلہ کریں، اور یہی اسلام کا نظریہ جہاد ہے۔ اسلام کے بعض نکتہ چین جہاد کو ''اکراہ فی الدین'' سے تعبیر کرتے ہیں اور اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں، وہ سن لیں کہ اسلام ان کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے اپنے ماننے والوں کو دشمنان دین وایمان کے جور وستم کا تختہ مشق بننے نہیں دے گا۔'' (ضیاء القرآن: ۱/۱۷۹)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ اسلام میں جہاد صرف مدافعانہ نہیں ہے اور نہ صرف فتنہ وفساد کو دور کرنے کے لیے ہے بلکہ اسلام میں جہاد اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾

(الانفال ۸:۳۹)

''اور کافروں سے قتال کرتے رہو حتیٰ کہ کفر کا غلبہ نہ رہے اور پورا دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے۔''

اس سلسلے میں بخاری میں روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کرتا رہوں جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شہادت نہ دیں، اور

Marfat.com

نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر انھوں نے ایسا کر لیا تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو بچا لیں گے ماسوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔'' (بخاری: ۸/۱)

اور اہل کتاب کے بارے میں فرمایا: ''انھیں اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ نہ مانیں تو ان سے قتال کرو، اور اگر وہ تمھارے ماتحت ہو کر جزیہ دینا قبول کر لیں تو ان کو چھوڑ دو۔ فرمایا:

''ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اس چیز کو حرام نہیں سمجھتے جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام کیا ہے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے جو کہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اہل کتاب ہیں حتیٰ کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔'' (التوبہ ۹:۲۹)

اس سلسلے میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی قوم سے اس وقت تک قتال نہیں کیا جب تک ان کو اسلام کی دعوت نہیں دی۔

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد، امام ابو یعلی اور امام طبرانی نے کئی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام احمد کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد: ۵/۳۰۴)

امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ جنگ خیبر کے ایام میں جب سرکار دوعالم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا تو انھوں نے عرض کی: ''جب تک وہ مسلمان نہیں ہوں گے ہم ان سے قتال کرتے رہیں گے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسی طرح کرنا یہاں تک کہ جب تم ان کے علاقہ میں داخل ہو تو پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا اور ان کو یہ بتانا کہ ان پر کیا احکام واجب ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر ایک شخص بھی تمھارے سبب سے ہدایت یافتہ ہو جائے تو وہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ (بخاری: ۱/۴۱۳)

جنگ کے یہ احکام صرف اسلام میں ہی نہیں بلکہ تورات میں بھی ہیں اور تورات کا کوئی حکم عیسائیوں کے نزدیک بھی منسوخ نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو استثناء: ۲۰/۱۰۔۱۸، متی: ۵/۱۷۔۱۸)

طریقِ جنگ کی پاکیزگی:

اسلام نے جہاں مقصد جنگ کی تطہیر کی ہے وہاں جنگ کرنے کے طریقے کی بھی تطہیر کی ہے۔

Marfat.com

(۱) اسلام نے جنگ کرنے والوں کو دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک اہل قتال اور دوسرے غیر اہل قتال۔ اہل قتال وہ ہیں جو عملاً جنگ میں حصہ لیتے ہیں اور غیر اہل قتال وہ ہیں جو عقلاً یا عرفاً جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے یا عموماً نہیں لیا کرتے جیسے عورتیں، بچے، بوڑھے، مجنون، راہب، زاہد، مجاور اور ایسے ہی دوسرے لوگ۔ اسلام نے اہل قتال کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے اور غیر اہل قتال کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک عورت کی لاش پڑی دیکھی۔ آپ ﷺ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا:

((ما كانت هذه تقاتل فيمن يقاتل)) (ابن ماجہ: ۹۴۸/۲)

"یہ تو لڑنے والوں میں شامل نہ تھی۔"

پھر آپ ﷺ نے لشکر کے سپہ سالار سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا:

لا تقتلن امرأة ولا عسيفاً۔ (ابوداؤد: ۱۲۲/۳)

"کسی عورت اور غلام کو ہرگز قتل نہ کیا جائے۔"

ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کی صریح لفظوں میں ممانعت فرمادی۔ فرمایا:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قتل النساء والصبيان۔

"رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا ہے۔"

(بخاری: ۲۱/۳، رقم ۳۰۱۵، سنن الدارمی: ۲۲۳/۲)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تقتلوا اشيخاً فانياً، ولا طفلاً صغيراً، ولا امرأة، ولا تغلوا وضموا غنائمكم واصلحوا، واحسنوا، ان الله يحب المحسنين۔

"نہ کسی شیخ فانی کو قتل کرو، نہ چھوٹے بچے کو اور نہ کسی عورت کو، اموال غنیمت میں چوری نہ کرو، جنگ میں جو کچھ ہاتھ آئے سب کو ایک جگہ اکٹھا کرو اور احسان کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

Marfat.com

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ہدایت فرمادی کہ کسی زخمی پر حملہ نہ کرنا، جو کوئی جان بچا کر بھاگے اس کا پیچھا نہ کرنا اور جو اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اسے امان دینا۔

(فتوح البلدان: ص ۴۷)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کہیں فوج روانہ فرماتے تو اسے ہدایت فرماتے:

لا تقتلوا اصحاب الصوامع۔ (کتاب الخراج: ص ۱۲۱)

''معابد کے بے ضرر خادموں اور خانقاہ نشین زاہدوں کو قتل نہ کرنا۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ایک مہم پر روانہ کیا۔ سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے اور خلیفۂ وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ پاپیادہ چل رہے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پاپیادہ دیکھ کر سیدنا یزید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''امیر المومنین! آپ ﷺ بھی سوار ہو جائیں یا پھر مجھے پیادہ پا چلنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''نہ مجھ کو سوار ہونے کی ضرورت ہے اور نہ تم کو سواری سے اترنے کی، میں جتنے قدم چلتا ہوں ان کو اللہ کی راہ میں شمار کرتا ہوں۔'' پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں رخصت کرتے وقت ارشاد فرمایا:

''اے یزید! شام میں تم کو بہت سے تارک الدنیا راہب ملیں گے، ان سے اور ان کی رہبانیت سے تعرض نہ کرنا۔'' پھر فرمایا: ''تم کو جنگ میں ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا جو بیچ سے سر منڈاتے ہیں، اسی حصے پر تلوار مارنا۔'' پھر فرمایا: ''میں تم کو دس نصیحتیں کرتا ہوں ان کا ہمیشہ خیال رکھنا۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا، پھلے پھولے درختوں کو نہ کاٹنا، آبادیاں ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کھانے کے علاوہ بیکار ذبح نہ کرنا، درخت نہ جلانا، کسی کو پانی میں نہ ڈبونا، خیانت اور بزدلی نہ کرنا۔'' (مؤطا امام مالک: ص ۱۷۶، تاریخ الخلفاء: ص ۴۶)

ان احکام سے فقہاء نے یہ قاعدہ اور اصول مستنبط کیا ہے کہ تمام وہ لوگ جو لڑنے سے معذور ہیں یا عادتاً معذور کے حکم میں ہیں، ان کو قتل نہ کیا جائے۔ لیکن یہ استثناء علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ عملاً جنگ میں حصہ نہ لیں۔ لیکن اگر کوئی لڑائی

Marfat.com

میں شامل ہو یا مقاتلین کے لیے کام کرے تو پھر اس کا قتل جائز ہے۔ ہر وہ شخص جو اہل قتال میں سے ہے اس کا قتل جائز ہے خواہ وہ بالفعل لڑے یا نہ لڑے۔

(فتح القدیر: ۲۹۰/۴۔۲۹۱، ہدایہ: ۲۰۳/۲، بدائع الصنائع: ۱۰۱/۷)

غفلت میں حملہ کرنے سے احتراز:

دوسری تطہیر جو اسلام نے جنگ کے طریق میں کی وہ غنیم پر غفلت میں حملہ کرنے سے احتراز ہے۔ اہل عرب رات کو اور خصوصی طور پر آخر شب میں جب کہ لوگ بے خبر سوتے ہوتے، اچانک دشمن پر حملہ کر دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کو بند فرما دیا اور قاعدہ مقرر فرما دیا کہ صبح سے قبل کسی دشمن پر حملہ نہ کیا جائے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كان اذا جاء قوماً بليل لم يغز عليهم حتى يصبح۔

''رسول اللہ ﷺ جب کسی دشمن پر رات کے وقت پہنچتے تو جب تک صبح نہ ہو جاتی حملہ نہ فرماتے تھے۔''

(بخاری، رقم: ۳۷۱، ۶۱۰، ۹۴۷، ۲۲۲۸، ۲۲۳۵، ۲۸۸۹، ۲۸۹۳، ۲۹۴۴، ۲۹۴۳، ۲۹۴۵، ۲۹۹۱، ۳۰۵۸، ۳۰۸۶، ۳۶۴۷، ۴۰۸۳، ۴۰۸۴، ۴۱۹۷، ۴۱۹۸، ۴۱۹۹، ۴۲۰۰، ۴۲۰۱، ۴۲۱۱، ۴۲۱۳، ۵۰۸۵ وغیرہ)

آگ میں جلانے کی ممانعت:

تیسری اصلاح جو سرکار دو عالم ﷺ نے طریق جنگ میں فرمائی وہ جلانے کی ممانعت تھی۔ رسول اللہ ﷺ سے قبل لوگ شدت انتقام کے باعث دشمن کو زندہ جلا دیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وحشیانہ فعل کو ممنوع قرار دے دیا اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک جنگ میں بھیجا۔ جب ہم جنگ کے لیے نکلنے لگے تو آپؐ نے فرمایا: ''میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ فلاں فلاں شخص کو آگ میں نہیں جلانا کیونکہ آگ کا عذاب سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں دے سکتا۔ اگر تم ان دونوں شخصوں کو پاؤ تو انھیں قتل کر دو۔''

(بخاری: ۲۹۵۴، ۳۰۱۶)

Marfat.com

ابوداؤد میں بھی یہ روایت ان الفاظ سے آئی ہے:

لا یبنغی ان یعذب بالنار الا رب النار۔ (ابوداؤد:۱۲۶/۳)

''آگ کا عذاب سوائے آگ پیدا کرنے والے کے اور کسی کو دینا نہیں چاہیے۔''

ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بعض زنادقہ کو آگ میں جلا دیا تھا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو فرمایا: ''اگر میں ہوتا تو میں انھیں کبھی نہ جلاتا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''اللہ کے عذاب (یعنی آگ سے) لوگوں کو عذاب نہ دو۔ میں انھیں قتل کر دیتا جیسا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے: ''من بدل دینه فاقتلوه'' جو اپنا دین بدلے یعنی دین اسلام کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے اس کو قتل کر دو۔

(بخاری، رقم: ۳۰۱۷، ۶۹۲۲)

قتلِ صبر کی ممانعت:

رسول اللہ ﷺ نے قتل صبر کی بھی ممانعت فرمادی۔ قتل صبر کا مطلب ہے کہ دشمن کو باندھ کر قتل کرنا یعنی اس کو اذیتیں دے دے کر مارنے کی بھی ممانعت فرمادی۔ سیدنا عبداللہ بن یعلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سیدنا عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ پر گئے ہوئے تھے۔ ایک موقع پر ان کے پاس غنیم کے لشکر کے چار گبر پکڑے ہوئے آئے اور انھوں نے حکم دیا کہ ان کو باندھ کر قتل کر دیا جائے۔ اس حکم کا جب سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انھوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

ینھی عن قتل الصبر، فوالذی نفسی بیده لو کانت الدجاجة ماصبر تها۔

''آپ ﷺ نے قتل صبر (باندھ کر مارنے) سے منع فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر مرغی بھی ہوتی تو میں اس کو بھی باندھ کر نہ مارتا۔''

اس بات کی خبر جب سیدنا عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انھوں نے اپنی غلطی کے کفارے کے طور پر چار غلام آزاد کر دیے۔ (ابوداؤد: ۱۳۷/۳)

Marfat.com

لوٹ مار کی ممانعت:

جنگ خیبر میں صلح ہو جانے کے بعد جب اسلامی لشکر کے کچھ نئے لوگ بے قابو ہو گئے اور انھوں نے لوٹ مار اور غارت گری شروع کر دی تو یہودیوں کا سردار سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور نہایت کرخت لہجے میں آپ کو خطاب کر کے کہنے لگا:

یا محمد! ألکم أن تذبحوا حمرنا، وتاکلوا ثمرنا وتضربوا نساء نا۔

(ابوداؤد:۴۳۶/۳)

''اے محمد! (ﷺ) کیا یہ بات آپ کے لیے زیبا ہے کہ ہمارے گدھوں کو ذبح کریں، ہمارے پھل کھائیں اور ہماری عورتوں کو ماریں؟''

یہ سن کر سرکار دو عالم ﷺ نے فوراً سیدنا عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ لشکر میں ''اجتمعوا للصلوٰۃ'' کی آواز دیں۔ جب تمام اہل لشکر اکٹھا ہو گئے تو سرکار دو عالم ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا:

''کیا تم میں سے کوئی شخص تخت غرور پر بیٹھا یہ سمجھ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سوائے ان چیزوں کے جو قرآن میں حرام کی گئی ہیں کوئی اور چیز حرام نہیں کی؟ خدا کی قسم! جو کچھ تم کو نصیحت کرتا ہوں اور جو امر و نہی کے احکام دیتا ہوں وہ بھی قرآن کی طرح یا اس سے زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے یہ جائز نہیں کیا ہے کہ اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت گھس جاؤ، ان کی عورتوں کو مارو پیٹو اور ان کے پھل کھا جاؤ حالانکہ ان پر جو کچھ واجب تھا وہ تمھیں دے چکے۔'' (ابوداؤد:۴۳۶/۳)

ایک مرتبہ سفر جہاد میں اسلامی فوج نے کچھ بکریاں لوٹ لیں اور ان کا گوشت پکا کر کھانا چاہا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے آ کر ان کی ہانڈیاں الٹ دیں اور فرمایا: ''لوٹ کھسوٹ کا مال مردار سے بہتر نہیں۔'' (ابوداؤد:۱۵۱/۳)

اسی طرح عبداللہ بن یزید الانصاری رضی اللہ عنہ نے لوٹے ہوئے مال کو حرام قرار دیا۔ فرماتے ہیں:

نھی النبی ﷺ عن النھبة والمثلة۔ (مسند احمد:۳۰۷/۴)

''رسول اللہ ﷺ نے لوٹ کھسوٹ اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔''

Marfat.com

تباہ کاری کی ممانعت:

جب کسی ملک کی افواج کسی علاقے پر چڑھائی کرتی ہیں تو اس کا اکثر و بیشتر معمول یہ ہوتا ہے کہ وہ فصلوں کو تباہ و برباد کرتی ہیں اور بستیوں میں قتل اور مکانوں کو نذر آتش کرتی ہیں۔ اسلام نے افواج کے اس فعل کو فساد سے تعبیر کیا ہے اور اس کو نہایت سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔

قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ (البقرۃ ۲:۲۰۵)

"جب اسے حکومت اور اقتدار حاصل ہوتا ہے تو وہ زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ فصلوں اور نسلوں کو تباہ و برباد کرے لیکن اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً﴾ (النمل ۲۷:۳۴)

"بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو وہاں فساد برپا کرتے ہیں اور وہاں کے عزت والے لوگوں کو ذلیل کر کے رکھ دیتے ہیں۔"

اسلام نے اس فساد اور تباہ کاری اور بربادی سے منع فرمایا اور اس کو ناجائز قرار دیا۔ روایات میں آتا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب شام اور عراق کی طرف اپنی افواج بھیجیں تو انھیں یہ ہدایت فرمائی کہ بستیوں کو ویران نہ کرنا اور فصلوں کو خراب نہ کرنا (طبری: ۲۵۲/۳) اور اس سلسلے میں بنیادی بات یہی ہے، لیکن اگر جنگی ضرورت کا تقاضا ہو تو درختوں کو کاٹ کر زمین صاف کرنے کی اجازت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳۳۳/۴، عمدۃ القاری للعینی: ۱۹۱/۸) جیسا کہ بنو نضیر کے محاصرہ میں کیا گیا۔ (بخاری: ۲۳/۵، رقم ۴۰۳۲، ۲۳۲۶، ۳۰۲۱، ۴۰۳۲) لیکن محض تخریب کاری کی نیت سے ایسا کرنا بالاتفاق ممنوع ہے۔ (فتح الباری: ۸۸/۸)

چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے کہ "یہ ایسے مواقع پر ہو سکتا ہے جب کہ جلانا اور کاٹنا بالکل ناگزیر ہو ورنہ بلا ضرورت نہیں جلانا چاہیے۔" (ترمذی: ۱۲۲/۴)

Marfat.com

مُثلہ کی ممانعت:

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل عرب جنگوں میں اپنے دشمنوں کی لاشوں کا مثلہ کر دیتے تھے یعنی ان کے مختلف اعضاء کاٹ دیتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کی سخت ممانعت فرمائی۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن النهبة والمثلة۔

(مسند احمد: ۳۰۷/۴)

''رسول اللہ ﷺ نے لوٹ مار اور لاشوں کا مُثلہ کرنے سے منع فرمایا۔''

آپ ﷺ جب اپنی افواج کو لڑائی کے لیے بھیجتے تو اور ہدایات کے علاوہ یہ بھی فرماتے:

ولا تغدروا، ولا تغلوا، ولا تمثلوا۔ (ترمذی: ۱۶۲/۴)

''بدعہدی نہ کرنا، غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور مثلہ نہ کرنا۔''

قیدی کو قتل کرنے کی ممانعت:

بعثت نبویؐ سے قبل اکثر قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا اور قیدیوں کو قتل کرنا ان کی انتظامی کارروائی کا ایک حصہ ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کو قتل کرنے کی سخت ممانعت فرما دی۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ جب فاتحانہ طور پر شہر میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اعلان کرا دیا:

''کسی زخمی پر حملہ نہ کیا جائے، کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ بھی امان میں ہے۔''

(فتوح البلدان: ص ۴۷)

قتل سفیر کی ممانعت:

اگرچہ عام قانون یہی تھا کہ سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا لیکن سپر پاورز کے لیے کسی قانون کی کوئی پابندی نہ تھی۔ وہ جب چاہتے کسی سفیر کو قتل کر دیتے۔ رسول اللہ ﷺ نے سفراء

Marfat.com

اور قاصدوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب کا قاصد عبادہ بن الحارث جب اس کا گستاخانہ پیغام لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لو لا ان الرسل لا تقتل لضربت عنقك)) (ابوداؤد:۱۹۲/۳)

''اگر قاصدوں کا قتل ممنوع نہ ہوتا تو میں تیری گردن ماردیتا۔''

اسی سے فقہائے اسلام نے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اسلامی سرحد پر پہنچ کر یہ اعلان کرے کہ وہ فلاں حکومت کا سفیر ہے تو اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے مگر یہ کہ وہ اپنا سفیر ہونا ثابت نہ کر سکے۔ (کتاب الخراج:ص۱۱۶)

بدعہدی کی ممانعت:

اسلام نے تو ویسے ہی بدعہدی کی سخت ممانعت کی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں بھی ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ (المائدہ۱:۵)

''اے ایمان والو! اپنے عقود (عہدوں) کو پورا کرو۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾

(بنی اسرائیل۱۷:۳۴)

''اور اپنے عہدوں کو پورا کرو بلاشبہ عہدوں کی بابت پرسش ہوگی۔''

حدیث میں بھی عہد کو پورا کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے بیان فرمایا: ''قیامت کے روز جب اولین وآخرین کو اللہ تعالیٰ جمع فرمائے گا تو ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلان بن فلان کی عہد شکنی کا جھنڈا ہے۔

(بخاری، رقم: ۶۱۷۷، مسلم، رقم: ۴۴۴۸، ترمذی، رقم: ۱۵۸۷، ابوداؤد، رقم: ۲۷۵۶، ابن حبان، رقم: ۷۳۴۳، مسند احمد، رقم: ۴۶۴۸، سنن کبریٰ بیہقی: ۱۵۹/۸)

اسی سلسلے میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا: ''سنو! جو امانت دار نہ ہو اس کا ایمان نہیں جو عہد پورا نہ کرے وہ دین دار

Marfat.com

نہیں۔'' (شعب الایمان، بیہقی، رقم: ۴۳۵۴)

اسی طرح آپ ﷺ نے جنگ میں بھی بدعہدی کو بدترین جرم قرار دیا۔ غدر، نقض عہداور معاہدین پر دست درازی کرنے کی برائی میں بے شمار احادیث آئی ہیں جن کی وجہ سے یہ فعل اسلام میں بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من قتل معاهداً لم يرح رائحة الجنة، وان ريحها لتوجد من سيرة الاربعين عاماً۔

''جو کوئی معاہد کو قتل کرے گا اسے جنت کی خوش بو تک نصیب نہ ہوگی حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے بھی محسوس ہوگی۔''

(بخاری، رقم: ۳۳۱۶، ۶۹۱۴ واخرجہ النسائی فی المجتبیٰ وفی الکبریٰ، ابن ماجہ، رقم: ۲۶۸۶، مستدرک حاکم: ۱۲۶/۲، مسند احمد: ۱۸۶/۲)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''چار خصلتیں ہیں جس میں وہ پائی جائیں گی وہ خالص منافق ہے۔ ایک یہ کہ جب وہ بولے تو جھوٹ بولے، دوسرے یہ کہ جب وہ وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، تیسرے یہ کہ جب وہ معاہدہ کرے تو اس کو توڑ دے اور چوتھے یہ کہ جب جھگڑے تو گالیاں بکے۔ (مسلم: ۵۶/۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''ہر غدار عہد شکن کی بے ایمانی کا اعلان کرنے کے لیے قیامت کے روز ایک جھنڈا ہوگا جو اس کے غدر کے ہم قدر ہوگا۔ یاد رکھو، جو سردار قوم غدر کرے اس سے بڑا کوئی غدار نہیں۔''

(مسلم: ۱۴۳/۵، رقم: ۲۰۷، بخاری، رقم: ۳۴، ۲۳۲۷، ۳۰۰۷، ابوداؤد، رقم: ۴۶۸۸، ترمذی، رقم: ۲۶۳۲)

ایک مرتبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بلاد روم پر حملہ کرنے کے لیے جا رہے تھے حالانکہ ابھی صلح کی مدت ختم نہ ہوئی تھی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ تھا کہ مدت ختم ہوتے ہی حملہ کر دیں، مگر ایک صحابی سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن عبسہ نے زمانۂ صلح میں جنگ کی تیاری اور سرحدوں کی طرف فوج

Marfat.com

کی روانگی کو بھی بدعہدی سے تعبیر کیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس دوڑتے ہوئے اور یہ پکارتے ہوئے پہنچے کہ "اللہ اکبر وفاء ولا غدر۔"سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے وجہ پوچھی تو کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

من کان بینہ وبین قوم عھد فلا یلحن عھداً ولا یشدنّہ حتی یمضی امدہ أو ینبذ الیھم علیٰ سواء۔

''جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ کرے تاوقتیکہ اس کی مدت گزر نہ جائے یا پھر اگر خیانت کا خوف ہو تو برابری کو ملحوظ رکھ کر اس کو ختمِ معاہدہ کا نوٹس دے دے۔''

بدنظمی کی ممانعت:

اہل عرب کی عادت یہ تھی کہ وہ جب جنگ کے لیے نکلتے تو راستہ میں جو ملتا اسے تنگ کرتے اور جب کسی جگہ اترتے تو پورے علاقے میں پھیل جاتے یہاں تک کہ راستوں پر چلنا مشکل ہو جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے آ کر اس کی ممانعت کر دی۔ ایک مرتبہ آپؐ جہاد کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے پاس شکایت آئی کہ فوج میں عہد جاہلیت کی سی بدنظمی پھیلی ہوئی ہے اور لوگوں نے منزل کو تنگ کر رکھا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے منادی کرائی کہ:

من ضیق منزلاً أو قطع طریقاً فلا جھادلہ۔ (ابوداؤد:۳/۹۵)

''جو کوئی منزل کو تنگ کرے گا یا راہ گیروں کو لوٹے گا اس کا کوئی جہاد نہیں ہوگا۔''

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان تفرقکم ھذہ الشعاب الاودیۃ انما ذالکم الشیطان۔

(مسند احمد:۴/۱۹۴)

''تمھارا اس طرح وادیوں اور گھاٹیوں میں منتشر ہو جانا بھی شیطانی فعل ہے۔''

ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس کے بعد کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ جب کبھی اسلامی فوج کسی جگہ اترتی تو اس کا گنجان پڑاؤ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر ایک چادر تان دی جائے تو سب نیچے آ جائیں گے۔ (مسند احمد:۴/۱۹۴)

Marfat.com

شور و ہنگامہ کی ممانعت:

عرب کی جنگ میں اس قدر شور و ہنگامہ برپا ہوتا کہ اس کا نام ہی ''وغی'' پڑ گیا۔'' اسلام لانے کے بعد بھی عربوں نے یہی طریقہ برتنا چاہا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت نہ دی۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور جب کسی وادی میں پہنچتے تو زور و شور سے تکبیر و تہلیل کے نعرے بلند کرتے تھے۔ اس پر سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! وقار کے ساتھ چلو، تم جس کو پکار رہے ہو وہ نہ بہرا ہے اور نہ غائب، وہ تو تمھارے ساتھ ہے، سب کچھ سنتا اور بہت قریب ہے۔''

(بخاری، رقم: ۲۹۹۲، ۴۲۰۵، ۶۳۸۴، ۶۴۰۹، ۶۶۱۰، ۷۳۸۶)

وحشیانہ اعمال کے خلاف عام ہدایات:

فوجوں کے نظم و ضبط کے ساتھ انھیں شائستہ رہنے کی ہدایات کا سلسلہ بھی نبی امی ﷺ کا ایجاد کردہ ہے۔ مغربی دنیا تو انیسویں صدی کے وسط تک اس طریقے سے ناآشنا تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ قاعدہ تھا کہ جب آپ ﷺ کسی سپہ سالار کو جنگ پر بھیجتے تو اسے اور اس کے زیر کمان سپاہیوں کو پہلے تقویٰ اور خوف خدا کی تلقین فرماتے۔ پھر فرماتے:

اغزوا بسم الله وفي سبيل الله، قاتلوا من كفر بالله، اغزوا ولا تغدروا ولا تغلوا، ولا تمثلوا، ولا تقتلوا وليداً۔

(والحدیث اخرجہ ایضاً مسلم وابوداود فی الجهاد والترمذی والنسائی فی الکبریٰ وابن حبان: ۱۱/۴۲، سنن کبریٰ بیہقی: ۹/۱۵، معرفۃ السنن والآثار: ۶/۵۲۰، سنن الدارمی: ۲/۲۱۶، شرح السنۃ بغوی: ۱۱/۱۱، المصنف عبدالرزاق: ۵/۲۱۸، مستدرک حاکم: ۴/۵۴۱، ابن ماجہ، رقم: ۲۸۵۸، شرح معانی الآثار: ۳/۱۱۸، مسند احمد: ۵/۳۵۲، معجم کبیر طبرانی: ۸/۸۴)

''جاؤ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں لڑو ان لوگوں سے جو اللہ سے کفر کرتے ہیں، مگر جنگ میں کسی سے بدعہدی نہ کرو، غنیمت میں خیانت نہ کرو، مثلہ نہ کرو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو۔''

Marfat.com

اس کے بعد فوج کو ہدایت فرماتے کہ دشمن کے سامنے تین چیزیں پیش کرنا، اول: اسلام، دوسرے جزیہ اور تیسرے جنگ۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو پھر ان پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ اگر جزیہ دے کر اطاعت قبول کرلیں تو ان کے جان و مال پر کسی قسم کی تعدی نہ کرو، لیکن اگر وہ اس سے بھی انکار کر دیں تو پھر اللہ سے مدد مانگ کر جنگ کرو۔ (ایضاً)۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب اسلامی افواج کو شام کی طرف روانہ کیا تو ان کو دس ہدایات دیں۔ وہ دس ہدایات اسلامی تعلیماتِ جنگ کا خلاصہ ہیں۔ تمام محدثین اور مؤرخین نے انھیں نقل کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ اسلام نے حصول مقصد کا طریقہ کس قدر پاکیزہ رکھا ہے۔ وہ ہدایات حسب ذیل ہیں:

(۱) عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل نہ کیے جائیں۔

(۲) کسی لاش کا مثلہ نہ کیا جائے۔

(۳) راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے اور نہ ان کے معابد مسمار کیے جائیں۔

(۴) کوئی پھل دار درخت نہ کاٹا جائے اور نہ کھیتیاں جلائی جائیں۔

(۵) آبادیاں ویران نہ کی جائیں۔

(۶) جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے۔

(۷) بدعہدی سے ہر حال میں احتراز کیا جائے۔

(۸) جو لوگ اطاعت کریں ان کی جان و مال کا وہی احترام کیا جائے جو مسلمانوں کی جان و مال کا ہے۔

(۹) اموال غنیمت میں خیانت نہ کی جائے۔

(۱۰) جنگ میں پیٹھ نہ پھیری جائے۔

امور جنگ کی ان اصلاحات کے ساتھ آپ ﷺ نے مثبت اصول بھی دیے جیسے وفائے عہد، غیر جانب داروں کے حقوق کا تعین و تحفظ، اعلان جنگ پر اسیران جنگ سے حسن سلوک، غنیمت کے مسئلے کی منصفانہ عملی صورت، صلح اور امان کی شرائط، مفتوحین کے ساتھ اچھا برتاؤ، معاہدین اور غیر معاہدین کے متعلق تفصیلی احکام، غفلت میں حملہ نہ کرنا، غیر مقاتلین پر تعدّی نہ کرنا وغیرہ۔ مختصر یہ کہ اسلام نے جنگ کو ان تمام وحشیانہ افعال سے پاک کر دیا جو اس زمانہ میں جنگ کا جزو ولاینفک تھے، اور مثبت اصولوں کے ذریعے اسے دنیا کی تمام جنگوں سے

Marfat.com

منفرد کر دیا۔ چنانچہ اسلامی جنگ اپنے مقصد اور طریق حصول مقصد کے لحاظ سے نہایت پاکیزہ اور طیب ہے۔

اگر ہم غور سے دیکھیں تو اس اصلاح کار کے سارے نظام کے پیچھے سپہ سالار اعظم سرکار دو عالم ﷺ کی شخصیت منعکس نظر آتی ہے۔ مقصد اور حصول مقصد کے طریق کو پاکیزہ بنانے کے ساتھ آپ ﷺ نے اپنی فوج کی بھی نہایت عمدہ تربیت کی اور اپنی جنگی حکمتِ عملی کو مثالی بنایا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سید مودودی کی الجہاد فی الاسلام)

Marfat.com

حربی قیادت کے اوصاف

موجودہ دور میں اور اس سے قبل بھی افواج کے قائد کے لیے کچھ اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔فوج کی قیادت کرنا ہر شخص کے بس کا روگ نہیں ہے۔ ماہرینِ جنگ نے ایک حربی قائد کے لیے جن صفات کا ہونا ضروری قرار دیا ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) اسے عزم کا پختہ اور ارادے کا پکا ہونا چاہیے۔

(۲) اس کے دل میں کسی قوم کے لیے ذاتی بغض و عناد نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر ایک کے بارے میں اس کا دل صاف ہو۔

(۳) وہ طبعی طور پر شریف، نیک طینت اور نیک نہاد ہو۔

(۴) وہ جسمانی اعتبار سے قوی اور مضبوط ہو تا کہ دوران جنگ اور جنگ سے قبل بھی ہر طرح کی مشکلات اور مصائب کو برداشت کرنے کا اس میں حوصلہ ہو اور ایسے موقع پر اپنے فوجیوں کو اکٹھا رکھ سکے۔

ایک مثالی قائد عساکر کی صفات پر ایک اور انداز سے بھی بات کی گئی ہے:

(۱) وہ ثابت قدم اور پختہ عزم ہو۔

(۲) اس میں زیادہ سے زیادہ ذاتی شجاعت، بہادری اور دلیری ہو۔

(۳) فوری طور پر صحیح اور واضح احکام کے اجراء و نفاذ کی استعداد رکھتا ہو۔

(۴) نہایت آسانی کے ساتھ مسئولیت کا متحمل ہو سکتا ہو۔

(۵) اسباب جنگ اور اس کے متعلقات سے پورے طور پر آگاہ اور آشنا ہو۔

(۶) فتح و شکست دونوں صورتوں میں اپنے آپ پر قابو رکھے۔

(۷) حد درجہ دور اندیش اور صاحب فکر و نظر ہو۔

Marfat.com

(۸) فوجی افسروں، کمانڈروں اور سپاہیوں کی نفسیات اور استعداد سے بدرجہ اتم آشنائی اور واقفیت رکھتا ہو۔

(۹) اسے اپنی فوج پر پورا پورا اعتماد ہو اور فوج کو اس پر کامل بھروسہ ہو۔

(۱۰) فوج اور قائد عساکر کے مابین خلوص و محبت کا رشتہ ہو۔

(۱۱) اقدار انسانی کو ملحوظ رکھتا ہو۔

حربی سائنس کے ماہرین نے بڑے غور وفکر کے بعد اور مختلف عسکری شخصیتوں سے باہمی بات چیت اور متعدد واقعات و حوادث کے نتائج کو مدنظر رکھ کر ایک قائد عساکر کی یہ صفات مرتب کی ہیں۔ ان تمام صفات کا حامل ہمارے خیال میں دنیا میں کوئی قاعد عساکر بمشکل ہی ملے گا۔ ہر عسکری قائد اپنے اندر ان صفات میں سے کچھ یا اکثر صفات رکھتا ہو لیکن جہاں تک سرکار دو عالم ﷺ کا تعلق ہے، بغیر کسی عقیدت کے بلکہ آپ ﷺ کی زندگی کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ صفات آپ ﷺ کے خصائص کے مقابلے میں نہایت قلیل ہیں۔ سرور کائنات ﷺ کی شخصیت ایسی صفات سے متصف ہے جن کے بارے میں دنیا کے دیگر ماہرین حرب کچھ بھی نہیں جانتے۔ وہ صفات صرف اور صرف آپ ﷺ کی ذات اقدس میں پائی جاتی ہیں اور کوئی شخصیت اس بلندی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ ذیل میں ہم آپ ﷺ کی بعض صفات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

عزم راسخ:

رسول اللہ ﷺ ارادۂ محکم اور عزم راسخ کے مالک تھے۔ اعلان نبوت کے بعد آپ ﷺ نے مشرکین مکہ کے غیظ و غضب اور ان کی مخالفتوں کا جس عزم سے مقابلہ کیا وہ آپ ﷺ ہی کا حصہ ہے۔ پھر ان کی مخالفت کوئی ایک دو روز کی نہ تھی بلکہ نزول وحی سے لے کر آخری دم تک مختلف حلقوں سے آپ ﷺ کی مخالفت ہوئی لیکن آپ ﷺ کے پائے استقلال میں معمولی سی لغزش اور تزلزل واقع نہ ہوا۔ آپ ﷺ کی اعصابی مضبوطی اور قوی اور مستحکم ارادے نے ہر خوفناک صورت حال کا نہ صرف مقابلہ کیا بلکہ اس پر قابو بھی پایا۔ آپ ﷺ نے ان تمام مصائب اور تکالیف کو نہایت صبر سے برداشت اور قیامت تک کے

Marfat.com

آنے والے مبلغین دعوت حق کے لیے ایک مثال پیش کی۔ یہ آپ ﷺ کا عزم راسخ ہی تھا کہ آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کے اندر یہودیوں اور منافقوں کی ریشہ دوانیوں کو ختم کیا۔ مدینہ کے باہر رہنے والے مشرکین کی قوت کو توڑا اور ان کو مسلمان کیا۔ جزیرۂ عرب کے نامساعد حالات میں ان کی دست گیری کی اور ان کا مقابلہ کر کے ۱۰ رلاکھ مربع میل میں اسلام کی دعوت کو پھیلایا۔ دشمنانِ اسلام کی بے اندازہ قوت کو آپ ﷺ کبھی خاطر میں نہ لائے اور نہ کبھی آپ ﷺ کے ارادہ میں تزلزل آیا اور نہ تبدیلی آئی۔ آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی اسی عزم راسخ کے تحت گزاری۔ ہجرت سے قبل ایک صحابی مشرکین مکہ کے مصائب اور تکالیف سے گھبرا کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ﷺ ہمارے لیے کیوں دعا نہیں فرماتے۔ آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا:

> ''تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان کے بدنوں پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں جس سے گوشت پوست سب الگ ہو جاتا تھا، لیکن یہ چیز بھی انھیں اپنے دین سے برگشتہ نہ کر سکی، اور ان کو آرے سے چیر کے دو ٹکڑے کر دیا جاتا، لیکن یہ آزمائش بھی انھیں اپنے دین سے باز نہ رکھ سکی۔ اللہ کی قسم! دین اسلام اپنے مرتبۂ کمال کو پہنچ کر رہے گا یہاں تک کہ صنعاء سے حضر موت تک ایک سوار اس طرح بے خطر چلا جائے گا کہ اس کو خدا کے سوا اور کسی کا ڈر نہ ہوگا۔''

(بخاری، رقم: ۳۶۱۲، ۳۸۵۲، ۶۹۴۳، ۴۸۶۳، ۳۹۷۲، ۱۰۷۰)

غزوۂ احد میں جب لشکر قریش کے بارے میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو سب نے مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی رائے دی۔ جب آپ ﷺ زرہ پہن کر تیار ہو گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احساس ہوا کہ ہم سے مشورہ میں کوتاہی ہوئی ہے، لہٰذا انھوں نے کہا کہ مدینہ میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے جیسا کہ حضور ﷺ کی رائے تھی۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''پیغمبر زرہ پہن کر نہیں اتار سکتا۔''

(طبقات ابن سعد: ۳۸/۲، طبری: ۵۰۳/۳)

یہ بھی آپ ﷺ کے عزم راسخ اور ارادۂ محکم کی ایک بین دلیل تھی۔

Marfat.com

ذاتی شجاعت:

قائد عساکر میں ذاتی شجاعت کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے، اگر اس میں ذاتی شجاعت نہ ہو گی تو وہ نازک موقعوں پر کوئی فیصلہ کن کردار ادا نہ کر سکے گا۔ رسول اللہ ﷺ میں ذاتی شجاعت سب سے زیادہ تھی۔ آپ ﷺ کی اسی شجاعت اور بہادری نے کئی مواقع پر میدان جنگ کے نقشے بدل ڈالے۔ چنانچہ اسلام کی جنگی تاریخ میں اس قسم کے کئی واقعات ملتے ہیں جب آپ ﷺ کی ذاتی شجاعت نے مسلمانوں کو شکست سے نہ صرف بچایا بلکہ دشمن کے دلوں پر مسلمانوں کی دھاک بٹھادی۔

(۱) آپ ﷺ کا معرکۂ بدر کو قبول کر لینا ہی آپ ﷺ کی ایک عجیب طرح کی شجاعت ہے کیونکہ آپ ﷺ کی فوج دشمن کی فوج کے مقابلے میں ایک تہائی تھی۔ اگر مسلمان خدانخواستہ اس جنگ میں شکست سے دوچار ہو جاتے تو اس کا اثر اسلام کے مستقبل پر فیصلہ کن ہوتا اور مسلمان پھر کبھی کفر کے مقابلے میں سر نہ اٹھا سکتے۔

(۲) اسی طرح جنگ احد میں بھی مسلمانوں کی تعداد دشمن کی تعداد سے خطرناک حد تک کم تھی۔ پھر عین موقع پر تین سو منافقین کا لشکر سے الگ ہو جانا نہایت خطرناک صورت اختیار کر سکتا تھا لیکن یہ پیغمبر ﷺ کی ذاتی شجاعت تھی جس نے حالات کو سہارا دیا اور مسلمانوں کو فتح سے ہم کنار کیا۔ یہ الگ بات تھی کہ بعد میں چند مسلمانوں کی ایک خوفناک غلطی اسلامی لشکر کے لیے بہت بڑے نقصان کا باعث بنی لیکن پھر بھی آپ ﷺ کی ذاتی شجاعت نے مسلمانوں کو شکست سے بچا لیا، اور مؤرخین کو یہ کہنا پڑا کہ "فشلت عبقرية خالد امام عبقرية رسول الله صلى الله عليه وسلم" یعنی خالد بن ولید کی عبقریت محمد رسول اللہ ﷺ کی عبقریت کے سامنے مفلوج ہو کر رہ گئی۔

(۳) جنگ احزاب میں قریش اور ان کے اتحادیوں کے دس ہزار کے لشکر کے سامنے آپ ﷺ کا ثابت قدم رہنا بھی آپ ﷺ کی ذاتی شجاعت کا مظہر ہے۔ یہود مدینہ نے اپنے معاہدات توڑ دیے تھے اور اندرونی اور بیرونی خطرات مسلمانوں

Marfat.com

کے لشکر کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ خود صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ

انا اذا اشتد الحرب واحمرت الحدق اتقينا برسول الله وهو اقربنا الى العدد۔ (مسند احمد: ۱/۱۲۶)

''جب میدان کارزار گرم ہو جاتا اور گھمسان کی جنگ شروع ہو جاتی تو ہم سرکار دو عالم ﷺ کے وجود باجُود سے اپنا بچاؤ کرتے اور آپ ﷺ ہم میں سے سب سے زیادہ دشمن کے قریب ہوتے۔''

(۴) جنگ حنین میں بھی اگر سرکار دو عالم ﷺ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ثابت قدمی نہ دکھاتے تو ہوازن اور ثقیف مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے میں اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جاتے اور امت مسلمہ ایک بہت بڑے المیے سے دوچار ہو جاتی لیکن روایات بتاتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ اس نازک بلکہ خوفناک موقع پر نہ صرف ثابت قدم رہے بلکہ آگے بڑھتے ہوئے یہ رجز وردِ زبان کیے ہوئے تھے:

انا النبی لا کذب　　　انا ابن عبدالمطلب

''میں اللہ کا نبی ہوں اس میں جھوٹ کا کوئی شائبہ نہیں اور میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں۔''

(بخاری، رقم: ۲۸۶۴، ۲۸۷۴، ۲۹۳۰، ۳۰۴۲، ۴۳۱۵، ۴۳۱۷، مسلم، رقم: ۴۵۹۱، ۴۵۹۲۔ ۴۵۹۳، تحفۃ الاشراف، رقم: ۱۸۷۲، ۴۵۲۳، ۷۰۴۳)

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ جو اس معرکہ میں شریک تھے، ان سے کسی نے پوچھا کہ حنین میں تم لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ انھوں نے جواب میں فرمایا: ''ہاں یہ سچ ہے، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی جگہ سے نہیں ہلے تھے۔ اللہ کی قسم! جب لڑائی پورے زور پر ہوتی تھی تو ہم لوگ آپ ﷺ ہی کے پہلو میں آ کر پناہ لیتے تھے، اور ہم میں سب سے بڑا بہادر وہ شمار ہوتا تھا جو آپ ﷺ کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا۔ (مسلم، رقم: ۴۵۹۲۔۴۵۹۳)

(۵) ایک رات اہل مدینہ دشمن کے حملہ سے خوف زدہ ہو گئے۔ لوگ اس آواز کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے دوڑے تو ان کو رسول اللہ ﷺ راستے میں واپس آتے

Marfat.com

ہوئے نظر آئے۔ آپ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے اور تلوار آپ ﷺ کی گردن میں حمائل تھی، اور آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''گھبراؤ نہیں، گھبراؤ نہیں۔'' اس واقعہ کے ضمن میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ شجاع اور بہادر تھے۔

(بخاری، باب الشجاعة فی الحرب: ۲۹/۳۔۴/۲۷)

(۶) ابی بن خلف سرکار دو عالم ﷺ کا سخت دشمن تھا۔ بدر میں فدیہ دے کر رہا ہوا تو ساتھ ساتھ کہتا گیا کہ میرے پاس گھوڑا ہے جس کو میں ہر روز جوار کھلایا کرتا ہوں۔ اس پر چڑھ کر محمد ﷺ کو قتل کروں گا۔ جنگ احد میں اسی گھوڑے کو دوڑاتا ہوا اور صفوں کو چیرتا ہوا آپ ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ مسلمانوں نے اس کو روکنا چاہا۔ آپؐ نے منع فرمایا اور ایک مسلمان کے ہاتھ سے نیزہ لے کر آپ ﷺ اس کی طرف بڑھے اور آہستہ سے اس کی گردن میں نیزے کی انچھو دی۔ وہ چنگھاڑتا ہوا بھاگا۔ لوگوں نے کہا: ''یہ تو کوئی بڑا زخم نہیں، تم اس قدر شور کیوں مچا رہے ہو؟'' اس نے کہا: ''سچ ہے، یہ محمد (ﷺ) کے ہاتھ کا زخم ہے۔ (شرح شفاء: ۶۳/۲)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نہایت شجاع اور بہادر تھے اور یہ کہ مسلمانوں کی کامیابی میں آپ ﷺ کی ذاتی شجاعت کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔

فوری احکام صادر کرنا:

ایک قائد لشکر کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فوری اور واضح طور پر احکام نافذ کرے۔ بعض دفعہ تاخیر سے کوئی حکم صادر کرنا فوج کو بہت بڑے نقصان سے دوچار کر سکتا ہے، خصوصی طور پر جب کہ گھمسان کی جنگ جاری ہو اور دشمن تابڑ توڑ حملے کر رہا ہو۔ احکام کے صحیح اور صریح ہونے کا انحصار دو امور پر ہے:

(۱) سپہ سالار کی قابلیت و بصیرت (۲) معلومات کا حصول

دنیا کا کوئی انسان رسول اللہ ﷺ کی عقلی قابلیت اور بصیرت کا انکار نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ کی بصیرت اور عقل و دانش کی تاریخ میں بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ آپ ﷺ

Marfat.com

حربی عمل میں جس کام کے لیے جو شخص موزوں ہوتا اسی کو منتخب فرماتے اور جس موقع پر جو طریق کار مناسب ہوتا اسی کو اختیار فرماتے۔ غزوۂ بدر میں آپ ﷺ نے صفوں کو جس طرح ترتیب دیا اور اُحد میں تیر اندازوں کو درہ پر جس طرح متعین فرمایا وہ آپ ﷺ کی بصیرت اور حربی دانش کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ فتح کے موقع پر مرالظہران کے پڑاؤ میں اسلامی لشکر جس طرح پوری وادی میں پھیلا دیا اور پھر آپ ﷺ کے حکم سے رات کے وقت خیموں کے سامنے الاؤ جلائے گئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک شہر آباد ہو گیا۔ قریش کے کچھ سالاروں کے کانوں میں یہ بھنک پڑی ہوئی تھی کہ ایک بہت بڑا لشکر آ رہا ہے۔ اس بھنک کی تفتیش کی غرض سے مخفی طور پر قریش کے چند رؤساء اور سردار ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء مکہ سے نکلے ہوئے یہاں پہنچ گئے۔ اس وسیع و عریض میدان کو جو میلوں کی وسعت کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے تھا، جگمگاتا دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ انھیں اس بات کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ یہ شان و شوکت اور آگ کے الاؤ کا یہ بحر ناپیدا کنار محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کا ہے جن کو چند سال قبل سب کچھ چھین کر نہایت کسمپرسی کی حالت میں مکہ سے نکالا گیا تھا۔ ابوسفیان بدیل بن ورقاء سے کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! میں نے جیسی آگ اور جیسا لشکر آج رات دیکھا ہے، اس سے پہلے اتنا بڑا لشکر کبھی نہیں دیکھا۔'' بدیل بن ورقاء نے کہا: ''خدا کی قسم! یہ بنوخزاعہ کا لشکر ہے۔ جنگ نے انھیں چھیل کر رکھ دیا ہے۔'' اس پر ابوسفیان نے کہا: ''خزاعہ اس سے کہیں کم تر اور ذلیل ہیں کہ یہ ان کی آگ ہو اور ان کا لشکر ہو۔'' (عیون الاثر لابن سید الناس: ۲/۲۲۸)

یہ سرکار دو عالم ﷺ کی بصیرت تھی جس کے باعث ۱۰ ہزار کے لشکر کو آپ ﷺ نے دشمن کی نگاہ میں اتنا بڑا بنا دیا کہ ابوسفیان کو کہنا پڑا کہ اتنا بڑا لشکر میں نے اس سے قبل نہیں دیکھا حالانکہ جنگ احزاب میں اس نے اتنے ہی بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملہ کیا تھا۔

صلح حدیبیہ میں بھی آپ ﷺ نے اپنی حربی بصیرت کی بنا پر غنیم سے جو معاہدہ کیا وہ بھی آپ ﷺ کی بصیرت اور مردم شناسی کا ایک زندہ ثبوت ہے حالانکہ اکثر مسلمان اس فیصلہ سے مطمئن نہ تھے لیکن آپ ﷺ نے غنیم کے سپہ سالار کو پرکھ کر اسے ایسی غلطیاں کرنے پر مجبور کرتے کہ اس کی ہمت و حوصلہ کی ساری متاع برباد ہو جاتی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری، غزوہ حدیبیہ: ۲۵۵/۹، مسلم، رقم: ۴۶۰۸_۳۴۸/۹)

Marfat.com

حربی بصیرت کے انحصار کا دوسرا امر معلومات کا حصول ہے۔ رسول اللہ ﷺ مختلف طریقوں سے یہ معلومات حاصل کرتے رہتے۔ کبھی جاسوسوں کے ذریعے، کبھی قیدیوں کے ذریعے اور کبھی جنگی طلایہ گرد دستوں کے ذریعے اور کبھی شخصی اطلاعات کے ذریعے۔ غزوۂ بدر سے پہلے کی تمام مہمات کا ایک مقصد مختلف معلومات حاصل کرنا تھا۔ مدینہ طیبہ کے اردگرد کا علاقہ، مکہ تک جانے والے مختلف راستوں کا علم اور پھر ان راستوں پر رہنے والے مختلف قبائل کے متعلق معلومات حاصل کرنا تھا۔ اسی معرکہ سے قبل آپ ﷺ نے ابوسفیان کے قافلہ کی واپسی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ایک دستہ بھیجا، اور پھر دو دستے اپنی فوجوں کے بدر پہنچنے سے قبل روانہ فرمائے بلکہ آپ ﷺ خود بھی شخصی اطلاعات فراہم کرنے کے لیے باہر نکل گئے اور قریش کی طاقت اور ان کی فوجوں کے پڑاؤ کے بارے میں معلومات لے کر واپس لوٹے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ان دو قیدیوں سے بھی معلومات حاصل کیں جنھیں ایک طلایہ گرد دستہ گرفتار کر کے بدر کی جنگ سے قبل لے آیا تھا۔ (طبقات ابن سعد: ۱۵/۲)

پھر آپ ﷺ نے ایک صحابی کی معرفت بدر کے کنویں کے پانی کی خصوصیات معلوم کیں (ایضاً) ان پر قبضہ کرنے کا اسلوب معلوم کیا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا پڑاؤ بدل دیا اور وہاں جا کر پڑاؤ ڈال لیا جہاں سے کنوؤں کے پانی پر آسانی سے قبضہ کر سکتے تھے۔

اکثر و بیشتر ایسا بھی ہوا کہ آپ ﷺ نے دشمن کے تمام ارادوں کو وقت آنے سے پہلے معلوم کر لیا اور ان ارادوں کو عملی جامہ پہنانے سے قبل آپ ﷺ نے انھیں برباد کر دیا۔ چنانچہ یہودیوں یا دوسرے قبائل نے جو بھی ارادہ کیا آپ ﷺ کو اس ارادے کی فوراً خبر ہو جاتی اور آپؐ نے اُن کے تمام عزائم کو ختم کرنے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کیں۔

انھی دو بنیادوں پر آپ ﷺ نے ہمیشہ صحیح اور سریع فیصلے کیے۔ آپ ﷺ کی تمام جنگی تدابیر اس امر کی غماز ہیں کہ آپ ﷺ نے ہر موقع اور ہر مرحلہ پر ایسا رویہ اختیار کیا کہ کسی ساتھی کو کبھی کوئی ابہام محسوس نہ ہوا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ یہ بھی آپ ﷺ کی قوت فیصلہ کی ایک دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے کئی مرتبہ جنگ کی تیاری کا حکم فرمایا اور لوگوں سے حقیقی مقصد اور حقیقی ہدف مخفی رکھا۔ (کتاب الخراج: ص ۱۲۱) کیونکہ لوگوں کو اعتماد تھا کہ بروقت فیصلہ صحیح ہوگا اور نتائج بھی ان شاء اللہ اچھے اور درست نکلیں گے۔

Marfat.com

مسئولیت کا تحمل:

ایک قائد عساکر اور امیر لشکر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام فیصلوں کی مسئولیت کا بوجھ اٹھائے۔ مسلمانوں میں کوئی ایسا آدمی نہیں تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام جنگی اور غیر جنگی اعمال وافعال میں عظیم ذمہ داری کا تحمل کر سکتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال وافعال اس قدر عظیم ہوتے تھے کہ انھوں نے تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا۔ یہ ذمے داری آپؐ نے اول تا آخر نبھائی۔ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر معاملے میں تعاون کرتے لیکن ہر چیز کی پوری پوری ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر تھی، جیسے سریہ عبداللہ بن جحش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے برعکس ایک شخص قتل ہو جاتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دیت اور خون بہا ادا کرتے ہیں۔ ابو بصیر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق کفار مکہ کو واپس کر دیتے ہیں اور وہ واپسی پر مدینہ سے باہر ایک مقام پر اپنے محافظ کو اسی کی تلوار سے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے تو آپؐ مقتول کا خون بہا ادا کر دیتے ہیں۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۳۲۷/۲)

مختصر یہ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام معاملات میں ذمہ داری قبول فرماتے۔

غیر متبدل مزاج:

ایک قائد لشکر کا مزاج غیر متبدل ہونا چاہیے یہ نہیں کہ جلدی میں کوئی فیصلہ کیا اور پھر اس کو جلد ہی تبدیل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں قدرت طمانیت تھی۔ آپ کو اپنے اعصاب پر پورا پورا کنٹرول حاصل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں دونوں حالتوں میں کبھی تغیر واقع نہیں ہوا۔ جنگ احد کی مثال آپ کے سامنے ہے کہ جب مشرکین کے لشکر نے آپ کو گھیرے میں لے لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اپنے حواس پر قابو برقرار رکھا اور مسلمانوں کی کشتی کو نہایت سلامتی سے ساحل عافیت پر جا لگایا۔ (بخاری)

اسی طرح غزوۂ خندق کے موقع پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کی کیفیت کا مظاہرہ کیا۔ یہودیوں کی عہد شکنی اور غداری نے صورت حال کو اور زیادہ خراب کر دیا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل نہیں گھبرائے بلکہ اپنے حواس کو قابو میں رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر احزاب بھی

Marfat.com

ناامید ہو کر واپس چلا گیا اور یہودیوں کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔

پھر جنگ حنین میں جب بنی ہوازن نے اسلامی لشکر پر تیروں کی بارش کر دی اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منتشر بھی ہو گئے لیکن آپ ﷺ اپنے حواس پر مکمل قابو رکھتے ہوئے نہایت جرأت اور حوصلہ مندی سے دشمن کے مقابلہ پر ڈٹے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ منتشر لوگ بھی آپ ﷺ کے گرد اکٹھے ہو گئے اور پھر آپ ﷺ نے نہایت مستقل مزاجی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا۔ یہ تو افراتفری اور پریشانی کے مواقع تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے کامیابی و کامرانی اور نہایت خوشی اور مسرت کے مواقع پر بھی نظم و ضبط کو قائم رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خود کو بھی آپے سے باہر نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے آپ ﷺ کو فتح مکہ کے موقع پر دیکھا کہ آپ ﷺ کا سر مبارک پالان پر جھکا ہوا تھا اور آپ ﷺ کے جسم کے ہر عضو سے تواضع وانکسار کا اظہار ہو رہا تھا یہاں تک کہ آپ ﷺ کی ریش مبارک سر کے جھکنے کے باعث آپؐ کی سواری کے پالان کے وسط کو چھو رہی تھی۔ اور جتنا جتنا آپ ﷺ کو اپنی اس فتح کا احساس ہوتا جاتا اسی قدر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور جھکتے اور سجدۂ شکر بجالاتے۔ ایسے حالات اور مقام پر آپ ﷺ کے اپنی طبیعت اور حواس پر قابو پانے کی قدر و قیمت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ ایسے مواقع پر قائدین عساکر اور امرائے لشکر حریف سے پورا پورا انتقام لیتے ہیں اور اپنی عظمت و جبروت کا سکہ ان کے دلوں پر بٹھاتے ہیں لیکن آپ ﷺ نے "لا تثریب علیکم الیوم" کہہ کر ان کی تمام غلطیوں کو یک قلم معاف کر دیا اور ان کی تمام زیادتیوں سے درگزر فرمائی۔ سفر و حضر اور خوشی و غمی اور کامیابی و ناکامی کے ہر موقع پر آپ ﷺ کا مزاج غیر متغیر اور غیر متبدل رہا۔ ایسا کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔

دوراندیشی اور دور بینی:

ایک قائد عساکر میں دوراندیشی اور دور بینی کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ سپہ سالار کی دوراندیشی اس کی حربی حکمت عملی کی بنیاد ہوتی ہے۔ ہر چیز کا اندازہ لگانا اور مساعد و نامساعد حالات کا صحیح احساس اور ہر قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کی استعداد بہم پہنچانا نہایت ضروری ہے۔ نگاہِ نبوت تمام کاموں میں خواہ وہ جنگی ہوں یا غیر جنگی، ہمیشہ دوراندیش

Marfat.com

اور دور بین ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر صلح حدیبیہ میں شرائط صلح کچھ ایسی تھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان میں تردّد تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس صلح کی شرائط کو دور بین نگاہ سے دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ ان شرائط میں مسلمانوں کی فتح اور ان کا فائدہ ہے۔ ان شرائط کے قبول کرنے کے چند ہی سال بعد چشم فلک نے یہ نظارا بھی دیکھا کہ فتح مکہ کے موقع پر لشکر اسلامی کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی جب کہ اس سے صرف دو سال قبل ان کی تعداد صرف چودہ پندرہ سو تھی۔ اسی طرح میثاق مدینہ آپ ﷺ کے تدبر اور دور اندیشی کی ایک بہترین مثال ہے حالانکہ آپ ﷺ نئے نئے اس شہر داخل ہوئے تھے لیکن اس میثاق مدینہ میں آپ ﷺ نے زمام کار اپنے ہاتھ میں رکھی۔ آپ ﷺ کا طریق کار یہ تھا کہ ہر چھوٹے بڑے کام میں غور و فکر کرتے اور ہر کام کے لیے اس کی پوری پوری تیاری کرتے اور احتیاط و امکان کے تمام داعیات کو ملحوظ رکھتے۔ آپؐ کی دور اندیشی نے ہمیشہ حالات کو کنٹرول میں رکھا۔

رفقائے کار اور ان کی صلاحیتوں کی معرفت:

ایک سپہ سالار لشکر کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو اپنے رفقاء کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا کامل طور پر ادراک ہو۔ آپ ﷺ میں یہ خوبی بھی بدرجۂ اتم موجود تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ اپنے اصحاب اور رفقائے کار کی نفسیات اور ان کی صلاحیتوں کی معرفت تامہ رکھتے تھے۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ آپ ﷺ انہی میں سے ایک فرد کی طرح اپنی زندگی گزارتے تھے اور رنج و راحت میں ان کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خوبیوں اور ان کے کمالات سے آشنا تھے اور ہر شخص کے سپرد وہی کام کرتے جس کے کرنے کی اس میں صلاحیت اور اہلیت ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان مہمات کو آسانی کے ساتھ سرانجام دیتے جو ان کے سپرد کی جاتیں۔ مختلف سرایا کے لیے آپ ﷺ نے جن لوگوں کو منتخب فرمایا انھوں نے اپنے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ آپ ﷺ نے جس کسی کو کسی جگہ کا والی یا قاضی مقرر فرمایا اس نے نہایت خوش اسلوبی سے اور کما حقہ اس فریضے کو انجام دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے احد کے روز ایک تلوار ہاتھ میں پکڑ لی

Marfat.com

اور فرمایا: ''اس تلوار کا حق ادا کرنے کے لیے کون شخص اس تلوار کو مجھ سے لیتا ہے؟'' اس تلوار کو لینے کے لیے بہت سے ہاتھ آگے بڑھے، ان میں ایک سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انھوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! اس تلوار کا حق کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

((أن تضرب به العدو حتى ينحى)) (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۷۱)

''تو اس سے دشمنی پر اتنی ضربیں لگا کہ تلوار ٹیڑھی ہو جائے۔''

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جب یہ تلوار مرحمت فرمانا چاہی تو میں نے بھی ہاتھ بڑھایا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے وہ تلوار سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرما دی۔ مجھے بہت تعجب ہوا کہ میں قریش کا مشہور شمشیر زن ہوں، حضور ﷺ سے رشتہ بھی نہایت قریب کا ہے۔ قریش میں سے ہوں، مہاجر ہوں، میں نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے تلوار مانگی تھی، پھر بھی آپ ﷺ نے مجھے تلوار عطا نہیں فرمائی اور میرے مقابلے میں سرکار دو عالم ﷺ نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی درخواست کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ یقیناً کوئی بات ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو مجھ پر ترجیح دی۔ اب مجھے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا پیچھا کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ میں ان کے پیچھے ہو لیا۔ دیکھا کہ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے ایک سرخ پٹی نکالی اور اس کو سر پر باندھ لیا۔ لوگوں نے کہا یہ "عصابة الموت" (موت کی پٹی) ہے۔ جب ابو دجانہ رضی اللہ عنہ مرنے مارنے کی ٹھان لیتے ہیں تب یہ پٹی باندھا کرتے ہیں۔ بہادرانہ ولولہ کا اثر رفتار میں بھی تھا اور گفتار میں بھی۔ رجز پڑھ کر دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے۔ رجز کا ترجمہ یہ ہے:

''میں نے ابن نخلستان کے دامن میں اپنے حبیب (ﷺ) سے عہد کیا ہے کہ کبھی صفوں کے پیچھے نہ رہوں گا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تلوار سے اس کے دشمنوں کو مارتا رہوں گا۔''

وہ فوجیوں کو چیرتے اور لاشوں پر لاشیں گراتے چلے جا رہے تھے۔ جو بھی ملتا ان کی تلوار کا لقمۂ اجل بن جاتا۔ ادھر مشرکین میں سے ایک شخص ہمارے جس زخمی کو پاتا اس کو ڈھیر کر دیتا تھا۔ یہ دونوں رفتہ رفتہ قریب ہو رہے تھے۔ میں نے دل میں دعا کی کہ دونوں میں مڈبھیڑ ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر ایک ایک وار کیا لیکن دوسرے

Marfat.com

ہی وار میں سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ پر ایک وجد کی کیفیت طاری تھی اور مشرکین کے لشکر میں ایک کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ وہ ان کی تلوار سے بچنے میں اپنی عافیت سمجھ رہے تھے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۷۰/۲) غرض یہ کہ سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی عطا کردہ اس تلوار سے نہایت شدید لڑائی کی۔ جب مسلمان محاصرے میں آ گئے تو ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنے جسم کو سرکار دو عالم ﷺ کے لیے ڈھال بنا دیا۔ اپنی پیٹھ آپؐ پر جھکا دی اور تیر پشت پر برستے رہے۔

رسول اللہ ﷺ اس بات سے بھی بخوبی آگاہ تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ حضرات صاحب رائے و مشورہ بھی ہیں جو دوسروں کی قیادت کر سکتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جن میں صرف ایک سپاہی بننے کی صلاحیت ہے۔ آپ ﷺ ہر ایک کو اس کی صلاحیت کے مطابق کام دیتے۔ گویا آپ ﷺ لوگوں کی نفسیات کے مطابق معاملہ کرتے۔

آپ ﷺ نے جنگ حنین کے بعد کچھ لوگوں کو مال دے کر اسلام کی طرف مائل کر لیا کیونکہ دشمنی کا مادہ ان کے دماغوں کو ماؤف کر چکا تھا۔ انھوں نے ابھی ایمان کی حلاوت نہیں چکھی تھی۔ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

مازال رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطيني من غنائم حنين و هوابغض الخلق الي حتى ماخلق الله شيئاً احب الي منه۔

(الاصابہ: ۱۸۱/۲)

”رسول اللہ ﷺ مجھ کو حنین کے مال غنیمت میں سے دیتے گئے جب کہ کیفیت یہ تھی کہ آپ ﷺ مجھ کو تمام مخلوق میں پہلے بہت زیادہ بُرے اور مبغوض معلوم ہوتے تھے، اور اب یہ حالت ہوگئی کہ آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی ہستی اللہ تعالیٰ نے میرے لیے محبوب نہیں رکھی تھی۔“

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے انصار کو غنیمت کے مال سے محروم کر دیا کیونکہ وہ دولت ایمان سے مالا مال تھے۔ اس پر انصار کے نوجوانوں نے کچھ باتیں کیں۔ آپ ﷺ کو پتہ چلا کہ انصار کے کچھ لوگوں نے شکایتاً کچھ باتیں کی ہیں تو آپ ﷺ نے انصار کو جمع کر کے ایک اثر انگیز خطبہ دیا اور مخاطب کی نفسیاتی کیفیات کی درست پہچان کی۔ آپ ﷺ نے

Marfat.com

انھیں فرمایا:

''اے گروہ انصار! آپ ﷺ حضرات نے یہ کیا چہ میگوئیاں کیں؟ دلوں میں کوئی گرہ تو نہیں پڑ گئی؟ کیا آپ لوگ بھول گئے کہ آپ راہِ ہدایت سے ناآشنا تھے اور میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو سیدھی راہ پر چلایا۔ میرے ہی تصدق میں تمھاری ناداری تونگری میں تبدیل ہوئی۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے تھے اور اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے آپ لوگوں کو ایک دوسرے کا ہمدرد بنا دیا۔''

انصار نے اس کے جواب میں عرض کیا: ''بے شک اللہ اور اس کے رسولؐ کے ہم پر بڑے احسانات ہیں۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''انصار کے لوگو! مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟'' انصار نے عرض کیا: ''یا رسولؐ اللہ! ہمارا کیا منہ جو آپ ﷺ پر کوئی احسان جتائیں جب کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احسانات کے بار دوش سے ہم سبک دوش نہیں ہو سکتے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم بھی تو یہ کہہ سکتے ہو کہ آپ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی۔ اوروں نے آپ ﷺ کو ستایا ہم نے آپ ﷺ کی حمایت کی۔ آپ کے ہم وطنوں نے آپ ﷺ کو جلا وطن کیا اور ہم نے آپ ﷺ کے لیے اپنے دروازے کھول دیئے۔ آپ ﷺ ہمارے ہاں بے یار و مددگار تشریف لائے اور ہم نے اپنی آنکھیں آپ ﷺ کے قدموں تلے بچھا دیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں کہتا جاؤں گا کہ تم بالکل سچ کہتے ہو لیکن:

''اے انصار کی جماعت! کیا تم اپنے دلوں میں دنیا کی زینت سجا رہے ہو جس سے میں نے ان لوگوں کی تالیف قلب کی ہے جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اور تم کو میں نے اسلام کے اس حصے کے سپرد کر دیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تمھاری قسمت میں لکھا ہے:

یا معشر الانصار! ان یذهب الناس الیٰ رجالهم بالشاة والبعير

Marfat.com

وتذهبون برسول الله الیٰ رحالکم۔"

"اے گروہ انصار! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر گھر لوٹو۔" اے انصار! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ لوگ کسی وادی میں جائیں میں انصار کی وادی ہی میں رہوں گا۔ انصار میرا پیرہن ہیں (میرا پوست) دوسرے لوگ عبا ہیں (جو کُرتے کے اوپر بدن سے الگ رہتا ہے) اے اللہ! انصار اور ان کی اولاد اور احفاد پر رحم فرمائیو۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ سب باتیں جس رقت اور دل سوزی کے ساتھ بیان فرمائیں ان کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ حضرات انصار بے اختیار چیخ اٹھے اور یک زبان بول اٹھے کہ ہم کو صرف محمد رسول اللہ ﷺ درکار ہیں۔ (رضینا برسول الله قسماً وخطاً)، بہت سوں کا تو یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں بھیگ گئیں۔ پھر آپ ﷺ نے حضرات انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں۔ میں نے انھیں جو کچھ دیا وہ حق کی بنا پر نہیں بلکہ تالیف قلب اور مانوس کرنے کی خاطر دیا ہے۔

(بخاری، رقم: ۳۱۴۶، ۳۱۴۷، ۳۵۲۸، ۳۷۷۸، ۳۷۹۳، ۳۷۹۳، ۴۳۳۱، ۴۳۳۳، ۴۳۳۴، ۴۳۳۷، ۵۸۶۰، ۶۷۶۲، ۷۴۴۱، عیون الاثر لابن سید الناس: ۲/۲۶۱، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۴۹۹۔۵۰۰)

آپ ﷺ نے کبھی کسی آدمی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دی۔ آپ ﷺ انسانی طبیعت کا اندازہ کرتے اور پھر اسے بہت اچھی طرح جانتے کہ اس سے کون سا کام لیا جاسکتا ہے۔ غالباً سب سے بڑا امتیاز جس سے سرکار دو عالم ﷺ دوسرے قائدین عساکر اور سپہ سالاروں سے ممتاز نظر آتے ہیں، یہ ہے کہ آپ آدمیوں کو مناسب اعمال کے لیے منتخب فرمانے پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ (الرسول القائد: ص ۳۰۷، محمود شیت خطاب)

باہمی اعتماد:

سپہ سالار اور اس کے ماتحت افسروں اور فوجیوں میں جب تک باہمی اعتماد نہ ہو جنگ میں کامیابی ناممکن ہوتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر پورا

Marfat.com

پورا بھروسہ تھا بالکل اسی طرح جیسے آپ ﷺ کو اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتماد تھا۔ اس کے لیے ہم صلح حدیبیہ اور غزوۂ بدر کو بطور مثال پیش کر سکتے ہیں۔

(تفصیل کے ملاحظہ ہو بخاری: ۹؍۲۵۷، مسلم: ۵؍۱۷۳)

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سرکار دو عالم ﷺ پر پورا پورا اعتماد نہ ہوتا تو مسلمان اس صلح کو فوراً قبول نہ کرتے اور اگر رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھروسہ نہ ہوتا تو آپ اپنی فوج کو معرکہ بدر میں مشرکین کی تین گنا سے زیادہ فوج کے مقابلے میں کبھی بھی لاکھڑا نہ کرتے کیونکہ باہمی اعتماد کے بغیر کوئی سپہ سالار بھی ایسے معرکے میں قدم نہیں رکھتا جس میں دشمن کی طاقت بہت زیادہ ہو اور حالات غیر یقینی ہوں۔

دوطرفہ محبت:

رسول اللہ ﷺ اور اصحاب رسولؐ کے مابین صرف باہمی اعتماد ہی نہ تھا بلکہ باہمی محبت کا گہرا رشتہ بھی استوار تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آپ ﷺ کی یہ محبت ایمان کا درجہ رکھتی تھی۔ اگر یہ محبت بوجہ دین نہ بھی ہوتی تو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ سے شدید محبت ہوتی کیوں کہ آپ ﷺ واقعی محبت کیے جانے کے قابل تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین۔

"تم میں سے کوئی آدمی مومن نہیں جب تک کہ میں اسے اپنے باپ، بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"

(بخاری، رقم: ۱۵، مسلم، رقم: ۱۶۷، نسائی، رقم: ۵۰۲۸، ابن ماجہ، رقم: ۶۷)

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے بے شمار واقعات ایسے ہیں جن سے باہمی محبت ومؤدت کے رشتے واضح ہوتے ہیں۔ چنانچہ اُحد میں جب ہر طرف سے مشرکین نے آپ کو گھیر لیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے گرد ہالہ بنا لیا اور مشرکین کے تیر اپنے جسموں پر روکنے لگے۔ اس میں ام عمارہؓ نے بھی رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں تلوار اٹھائی۔ یہاں

Marfat.com

تک کہ خود زخمی ہو کر گر پڑیں اور بے ہوش ہو گئیں۔ اس روز انھیں تیرہ زخم لگے تھے۔ جب ہوش آیا تو نہ اپنے خاوند کے بارے میں پوچھا اور نہ بیٹے کے بارے میں، حالانکہ یہ دونوں میدان احد میں آپ ﷺ کی حمایت میں لڑ رہے تھے، بلکہ سب سے پہلے یہ پوچھا: "کیف حال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی رسول اللہ ﷺ کس حال میں ہیں؟'' سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی اس روز دشمنوں کے مقابلے میں آپ ﷺ کا پورا پورا دفاع کیا۔ یہ اپنی نشست صحیح کر کے غنیم پر تیر برسانے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش کے تمام تیران کے سامنے ڈال دیئے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ دشمن کو تاک تاک کر تیر مار رہے تھے۔ بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ جب سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو تیر دیتے تو فرماتے:

ارم فداك ابی و امی۔ (بخاری، رقم: ۳۷۲۵، ۴۰۵۵، ۴۰۵۶، ۴۰۵۷)

''میرے ماں باپ تجھ پر قربان یہ تیر چلاؤ۔''

سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ ایک مشہور تیر انداز تھے۔ اس روز حضور ﷺ کے دفاع میں کئی کمانیں ان کے ہاتھ سے ٹوٹیں۔ اس جان نثاری میں سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ سپر بن کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے۔ (زرقانی: ۴۳/۳)

سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد کے روز میں آپ ﷺ کے چہرۂ انور کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنا چہرہ دشمنوں کے سامنے کر دیا تاکہ دشمنوں کے تیر میرے چہرے پر لگیں اور آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک ان تیروں سے بالکل محفوظ رہے۔ دشمن کا آخری تیر میری آنکھ میں ایسا لگا کہ آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل آیا جس کو میں نے اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا اور حضور ﷺ کو دکھایا۔ آپ ﷺ اسے دیکھ کر آب دیدہ ہو گئے اور دعا فرمائی کہ ''اے اللہ! جس طرح قتادہ رضی اللہ عنہ نے تیرے نبی کے چہرہ کی حفاظت کی اسی طرح تو اس کے چہرہ کی حفاظت فرما اور اس آنکھ کو دوسری آنکھ سے بھی زیادہ تیز اور خوب صورت بنا دے اور پھر آپ ﷺ نے آنکھ کو اس کے مقام پر رکھ دیا۔ اسی وقت آنکھ بالکل صحیح و سالم ہو گئی اور نظر پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئی۔ (زرقانی: ۴۳/۲، الاصابہ: ۲۲۵/۳، البدایہ والنہایہ: ۳۴/۴، خصائص کبریٰ: ۲۱۵/۱)

سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی اس روز بہادری اور جانبازی کا اندازہ نسائی کی اس

Marfat.com

حدیث سے لگایا جا سکتا ہے جس میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مشرکین نے سرکار دو عالم ﷺ کو گھیر لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے جو ان لوگوں سے نمٹے؟'' سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''میں ہوں، اے اللہ کے رسول ؐ!'' یہ کہہ کر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور گیارہ آدمیوں سے تنِ تنہا مقابلہ کیا یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پر تلوار کی ایک ایسی ضرب لگی جس سے ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ اس سے ان کے منہ سے سی کی آواز نکلی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے یہ آواز سنی تو فرمایا: ''طلحہ! اگر تم اس کے بجائے بسم اللہ کہتے تو تمھیں فرشتے اٹھا لیتے اور تم فرشتوں کو دیکھتے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو پلٹا دیا۔ (امام نسائی: ۵۲/۲، فتح الباری: ۳۶۱/۷)

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا قیس بن حازم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ دیکھا: ''وہ شل تھا۔'' اس سے انھوں نے احد کے روز سرکار دو عالم ﷺ کی حفاظت کی تھی۔ (بخاری: ۵۲۷/۱، ۵۸۱/۲)

احد سے جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ واپس تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں بنو دینار کی ایک خاتون سے ملاقات ہوئی جس کے والد، شوہر اور بھائی اس جنگ میں شہید ہوئے تھے اسے ان کی شہادت کی خبر دی گئی۔ یہ خبر سن کر ایک ہی بات اس کی زبان پر تھی کہ سرکار دو عالم ﷺ کا کیا حال ہے؟ بتایا گیا کہ آپ ﷺ بخیر ہیں۔ کہنے لگیں مجھے آپ ﷺ کا چہرۂ انور دکھلا دو۔ جونہی اس کی آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر نگاہ پڑی تو بے ساختہ پکار اٹھیں: ''کل مصیبة بعد جلل'' یعنی آپ ﷺ کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے۔''

(سیرۃ ابن ہشام: ۹۸/۲)

یہ تو صرف ایک جنگ کے چند واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ اس قسم کے واقعات سے تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کا اظہار حدیبیہ کے موقع پر قریش کے سفیر عروہ بن مسعود نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر قریش کے پاس جا کر ان الفاظ میں اس کو بیان کیا:

''اے قریش! میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں لیکن وہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی جو محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کو محمد (ﷺ) کے ساتھ

Marfat.com

ہے۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ وضو کرنے پر جو پانی گرتا ہے اس پر ان کے ساتھی ٹوٹ پڑتے ہیں۔ بلغم یا لعاب دہن گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں پر لیتے ہیں اور چہروں اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں۔ جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو اس کی بجا آوری کے لیے سب دوڑ پڑتے ہیں۔'' (زرقانی: ۱۹۲/۲)

یہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کا تذکرہ تھا۔ جہاں تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے سرکار دو عالم ﷺ کی محبت کا تعلق ہے اس کے لیے یہی کافی ہے کہ جب آپ ﷺ نے غزوۂ موتہ کے شہداء کی خبر سنی تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

(بخاری، رقم: ۶۲۶۲، ۱۲۴۶، ۲۷۹۸، ۳۰۶۳، ۳۶۳۰، ۳۷۵۷)

اور فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے کس طرح سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی حمایت کی جب کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انھیں قتل کرنے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ وہ انھیں منافق کہہ رہے تھے اور رسول ﷺ عمر رضی اللہ عنہ کو روک رہے تھے اور مسلمانوں کو حکم دے رہے تھے کہ حاطب رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کریں۔

(بخاری، رقم: ۳۰۰۷، ۳۰۸۱، ۳۹۸۳، ۴۲۷۴، ۴۸۹۰، ۶۲۵۹، ۶۹۳۹)

مختصر یہ کہ آپ ﷺ کو اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ ﷺ انھیں مسکراتے ہوئے روشن چہرے سے ملتے۔ یہ دوطرفہ محبت تھی جنھوں نے قائد عساکر اور فوجیوں کو باہم پیوست کر دیا۔

بدنی قوت:

ایک اچھے سپہ سالار کے لیے قوی جسم اور مضبوط بدن کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس میں مصائب ومشکلات برداشت کرنے کی صلاحیت بدرجۂ اتم ہونی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کی جسمانی قوت بھی حد سے زیادہ تھی۔ چنانچہ جنگ خندق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چٹان کے توڑنے میں اس کا مظاہرہ دیکھ لیا۔ آپ ﷺ ہر معاملہ میں ایسی شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ کرتے کہ آپ ﷺ کے طاقتور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس سے عاجز نظر آتے

Marfat.com

تھے۔ آپ ﷺ کی جنگی مساعی کا دور اس وقت شروع ہوتا ہے جب آپ ﷺ عمر کی پچاس منزلیں طے کر چکے تھے۔ عمر کے اس حصے میں اتنی جفاکشی اور محنت طلبی کی زندگی آپ ﷺ کی بے نظیر بدنی قوت کے لیے کافی ثبوت ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے رفقاء کو مشقت میں مبتلا کر کے اپنے لیے تن آسانی کی روش کو پسند فرمایا ہو۔

بے داغ شخصیت:

ایک سپہ سالار کے لیے ضروری ہے کہ اس کی شخصیت بھی ہر طرح سے بے عیب اور بے داغ ہوتا کہ وہ اپنے فوجیوں کے لیے نمونہ بن سکے۔ اس لحاظ سے بھی رسول اللہ ﷺ تمام سپہ سالاروں سے ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ آپؐ کی شخصیت نہایت بے داغ تھی اور آپ ﷺ کی شخصیت کو ماضی و حال کے جس پیمانہ سے بھی ناپا جائے آپ ﷺ بے مثال اور بے نظیر نظر آئیں گے، خاندانی عز و شرف کے لحاظ سے بھی اور سیرت و کردار کے لحاظ سے بھی۔ چنانچہ نزول وحی کے وقت سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے جو کہا تھا وہ آپ ﷺ کی شخصیت کی صحیح ترجمانی ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا:

کلا واللہ! لا یخزیك اللہ ابداً، انك لتصل الرحم، وتحمل الکل، وتکسب المعدوم وتقری الضیف، وتعین علیٰ نوائب الحق۔

(بخاری، رقم: ۳، ۳۳۹۲، ۴۹۵۳، ۴۹۵۵، ۴۹۵۶، ۶۹۸۲)

"(مجھے امید ہے کہ آپ ﷺ اس امت کے نبی ہوں گے) خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا اور ذلیل نہیں کرے گا۔ کیوں کہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، تھکے ماندے لوگوں کی دست گیری کرتے ہیں، عاجز لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کے کاموں میں مدد کرتے ہیں۔"

آپ ﷺ کی اس بے داغ شخصیت کو سب نے تسلیم کیا ہے۔ سر ولیم میور نے دشمنِ رسولؐ ہونے کے باوجود آپ ﷺ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

"محمد (ﷺ) کی سچائی اور اخلاص کی سب سے معتبر دلیل یہ ہے کہ اسلام میں داخل ہونے والے ذی استقامت افراد آپ ﷺ کے رشتہ دار اور اہل بیت

Marfat.com

تھے۔ وہ لوگ ایسا کبھی نہ کرتے کیونکہ یہ لوگ آپ ﷺ کی زندگی کے خاص حالات وحقائق سے تفصیلی طور پر آگاہ اور آشنا تھے۔ان سے آپ ﷺ کی کوئی حالت مخفی نہ تھی بخلاف تہمت لگانے والے مخالفوں اور منافقوں کے وہ اپنے متناقض اعمال پر پردہ ڈالتے۔ حقیقت کو چھپائے رکھتے۔ ظاہر میں کچھ کرتے اور باطن میں کچھ۔" (بحوالہ الرسول القائد: ص ۳۱۱)

یہ تو آپ ﷺ کے شخصی اوصاف تھے جو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمائے۔ ایک سپہ سالار کے شخصی اوصاف کے ساتھ دو اور امور بھی اہم ہیں جن کے بغیر کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ وہ دو امور یہ ہیں:

(۱) تربیت یافتہ فوج (۲) جنگی حکمت عملی

آپ ﷺ کی ذات گرامی ان دو امور میں بھی منفرد و یکتا تھی۔ آپ ﷺ نے جنگی حکمت عملی کی ترکیب وتیاری میں جو مثال قائم کی ہے وہ آج بھی آئیڈیل تصور کی جاتی ہے۔

Marfat.com

اچھے سپاہی کی صفات

ایک سپہ سالار کتنا ہی قابل اور اہل ہو، اس وقت تک مطلوبہ حربی نتائج حاصل نہیں کر سکتا جب تک اس کے پاس پاکیزہ اخلاق اور اعلیٰ قسم کی تربیت یافتہ فوج نہ ہو۔ فوج کی تربیت میں سپہ سالار کی شخصیت اثر انداز ہوتی ہے۔ اس وقت اس کی جنگی مہارت گو موجودہ دور کی ملٹری سائنس کی طرح شاید منظم و مرتب نہ ہو لیکن ہر شخص یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مسلمانوں کی شاندار فوجی تربیت کی۔ اس تربیت کی اہمیت اس وجہ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ عرب اس قسم کی تنظیم سے آشنا نہ تھے۔ ایک اچھی فوج کے لیے جن صفات کا ہونا ضروری ہے وہ بالعموم حسب ذیل ہیں:

عقیدۂ راسخہ:

ایک مسلمان سپاہی کی بنیادی خوبی اس کے عقیدہ کا پختہ اور محکم ہونا ہے۔ اس عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور آخرت کا اجر و ثواب ایک بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ مسلمان سپاہی کے پیش نظر نہ تو مال غنیمت حاصل کرنا اور نہ کشور کشائی تھی بلکہ اس کا مقصود زندگی اللہ کے کلمے کو سربلند کرنا تھا (لتكون كلمة الله هى العليا) سرکار دو عالم ﷺ کی شخصیت کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور شدید محبت اس عقیدے کی جان ہے۔ مسلمانوں نے جب شرک و کفر کو خیر باد کہا اور بتوں کے سامنے سر جھکانے کے بجائے ایک اللہ وحدہ لاشریک کے آگے سر جھکایا تو اس کی پاداش میں انھیں بے پناہ مظالم برداشت کرنے پڑے۔ ان پر جور و ستم کے پہاڑ توڑ دیئے گئے، لیکن ان میں ایک شخص بھی اپنے عقیدے سے پیچھے نہ ہٹا بلکہ مشرک معاشرے سے فکری تصادم کے باعث ان کے اندر ایک ایسا عزم صحیح پیدا

Marfat.com

ہو گیا تھا کہ دنیا کی ہر شے ان کی نگاہوں میں اپنے عقیدے کے مقابلے میں ہیچ ہو گئی۔ انھوں نے اپنے اس عقیدے کے مقابلے میں اپنا گھر بار بلکہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ اپنی اولاد، بہن بھائیوں اور قریب ترین رشتہ داروں کے مقابلے میں تلوار کھینچ کر میدان کارزار میں سامنے آ گئے۔ جنگ بدر اور دوسری کئی جنگوں میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ جنگ بدر میں جب سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا والد عتبہ بن ربیعہ مارا گیا۔ جب عتبہ کی لاش کو بدر کے کنویں میں پھینکا جا رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے بیٹے حذیفہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ایک نظر ڈالی تو آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ وہ حد درجہ نڈھال اور غمگین ہیں اور ان کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''حذیفہ! معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے باپ کے بارے میں کچھ سوچ رہے ہو۔''

سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا:

''نہیں، یا رسولؐ اللہ! مجھے نہ اپنے باپ کے بارے میں کبھی شبہ ہوا نہ اس کے انجام کا غم ہے، لیکن میرا باپ نہایت دانش مند، بُردبار اور صاحب فضل و کمال تھا۔ مجھے امید تھی شاید یہ چیزیں اسے بالآخر اسلام کے آستانے پر لے آئیں گی، لیکن میرے سامنے یہ منظر ہے کہ اس کی موت کفر کی حالت میں ہوئی، صرف اسی کا مجھے غم ہے۔'' (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۹۴)

اس طرح کے اور بے شمار واقعات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں موجود ہیں جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقیدۂ راسخہ کا پتہ چلتا ہے۔

قومی نظم وضبط:

فوج میں نظم و ضبط ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس ضبط کی روح سپہ سالار کی فرمانبرداری اور بے چون و چرا اطاعت ہے کہ جس کے بغیر کوئی فوج اور قائد فوج اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتا۔ مسلمان رسول اللہ ﷺ کی جس طرح اطاعت اور فرمان برداری کرتے دنیا کی تاریخ میں اس کی ڈھونڈے سے بھی مثال نہیں ملتی۔ وہ آپ ﷺ کی اطاعت کو ایمان کا ایک اہم جزو بلکہ مکمل ایمان سمجھتے تھے، لہٰذا جونہی آپ ﷺ کے منہ سے کوئی حرف نکلتا اس

Marfat.com

کی تعمیل وہ دل و جان سے کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت بتایا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء۴: ۸۰)

''جس نے رسولؐ کی اطاعت کی تو اس نے بے شک اللہ کی اطاعت کی۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو اپنے رسولؐ کی اطاعت قرار دیا ہے اور رسولؐ کی اطاعت محبت ہے۔'' امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الرسالۃ'' میں ذکر کیا ہے کہ ہر وہ کام جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرض کیا ہے جیسے حج، نماز، زکوٰۃ وغیرہ اگر رسول اللہ ﷺ ان کا بیان نہ فرماتے تو ہم ان کو کیسے ادا کرتے اور کسی بھی عبادت کو انجام دینا ہمارے لیے کس طرح ممکن ہوتا، اور جب احکام شرعیہ کا آپ ﷺ کے بیان کے بغیر ادا کرنا ممکن نہیں ہے تو پھر آپ ﷺ کی اطاعت کرنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ (الوسیط: ۲/۸۴)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

(مسلم، رقم: ۱۸۳۵، بخاری، رقم: ۷۱۳۷، ابن ماجہ، رقم: ۲۸۵۹، مسند احمد: ۲/۴۷۱)

اطاعت رسول ﷺ کے اس دینی پہلو نے مسلمانوں کو بے پناہ نظم و ضبط میں مربوط کر دیا تھا۔

تدریب جید:

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشقت اور مشکل پسندی کی زندگی کا خوگر بنا دیا تھا۔ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس طرف برابر مائل کرتے رہتے تھے۔ تیراندازی،

Marfat.com

اسپ رانی اور اسی طرح کے دوسرے امور کی ترغیب دیتے رہے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

من ترك الرمی بعد ماعلمه فانما هی نعمة کفرها۔

(شرح جامع الصغیر: ۱/۳۸۹)

''جس نے تیر اندازی سیکھی اور پھر اسے چھوڑ دیا تو اس نے ایک نعمت حاصل کی اور اسے ٹھکرا دیا۔''

آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مسلسل سفر، جنگ کے مختلف اسالیب، پہرے داری اور طلایہ گردی کے فرائض انجام دینے کی متواتر مشقیں کروا کر سخت جان بنا دیا۔ جیسے آج کل مختلف اوقات میں فوجیوں کی جنگی مشقیں ہوتی ہیں۔

تنظیم صحیح:

فوجی تربیت میں جس طرح نظم وضبط اہم اور ضروری ہے اسی طرح اس کی کامیابی کا دارومدار فوج کی صحیح تنظیم پر ہے۔ فوج کی تنظیم اس عمدہ طریقے سے ہو کہ پوری فوج ایک جسد واحد معلوم ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی فوج مہاجرین، انصار دوسرے کئی قبائل پر مشتمل تھی جسے آپ ﷺ کی تربیت نے جسد واحد بنا دیا تھا۔ جب مسلمان فوج کو کہیں کامیابی نصیب ہوتی تو وہ کسی خاص قبیلے کی کامیابی متصور نہ ہوتی بلکہ پورے لشکر اسلام کی کامیابی ہوتی۔ اس لشکر میں عربی اور عجمی، گورے اور کالے، مال دار اور فقیر سبھی شامل ہوتے۔ یہ ایک دین داری کا لشکر ہوتا جو رنگ ونسل اور نسب وزبان کے امتیاز سے ماوراء تھا۔ اور بقول شیخ محمود شیت خطاب:

''میرا عقیدہ ہے کہ یہ ایک ایسی تنظیم تھی جو صرف وحدت عقیدت پر قائم تھی۔ کسی اور طرح کے موثرات سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ ایک ایسی چیز تھی جس نے قبائل عربیہ کو ایسے حالات سے دوچار کیا کہ وہ مسلمانوں کے لشکر سے مقاومت اور مزاحمت کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے کیونکہ یہ معاملہ صرف کسی قبیلے کی لڑائی کا نہ تھا۔ یہی وہ چیز تھی جس نے مسلمانوں کی جنگی مہمات کو آسان کر دیا۔'' (الرسول القائد: ص ۳۳۱)

اسلحہ کی بہم رسانی:

اسلحہ فوج کی ایک اہم ضرورت ہے اور ایک سپہ سالار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی

Marfat.com

فوج کو ہر قسم کا اسلحہ سپلائی کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمان فوج کے ہتھیاروں کی طرف بھی پوری پوری توجہ فرمائی۔ گو ابتداء میں مسلمان فوج کے پاس اچھے ہتھیار نہ تھے لیکن آہستہ آہستہ مسلمان فوج کے پاس بھی جنگی آلات اور اسلحہ میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جنگ احزاب تک مشرکین کا تفوق رہا۔ اس جنگ کے بعد مسلمان ہر لحاظ سے کافروں پر تفوق اور غلبہ حاصل کرتے رہے۔ ویسے بھی جنگ احزاب کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا:

الآن نغزوهم ولا يغزوننا، نحن نسير اليهم۔ (بخاری، رقم: ۴۱۱۰، ۴۱۰۹)

"اب ہم ان پر حملہ آور ہوں گے اور یہ ہم پر حملہ آور نہیں ہو سکیں گے، ہم ان کی طرف جائیں گے۔"

اس روایت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنگ احزاب کے بعد کفر کمزور ہو گیا تھا اور مسلمانوں کو ہر لحاظ سے ان پر تفوق حاصل ہو گیا تھا۔

فتح مکہ کے موقع پر ایک لشکر سرکار دو عالم ﷺ کے جلو میں چل رہا تھا اور یہ لشکر مکمل طور پر آہن پوش تھا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۴۶/۴) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قائد لشکر اسلام ﷺ نے اسلحہ سازی کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

ان الله ليدخل بالسهم الواحد ثلاثة نفر الجنة: صانعه يحتسب في عمله الخير، والرامي به، و الممدبه، فارموا واركبوا، وان ترموا احب الي من أن تركبوا۔

"اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعے تین اشخاص کو جنت میں داخل کرے گا، بنانے والے کو، جو اپنے عمل میں ثواب اور اجر خداوندی کا یقین رکھتا ہو، جہاد فی سبیل اللہ میں تیر اندازی کرنے والے کو اور اس شخص کو جو اس کی معاونت کرے، پس تم تیر اندازی اور اسپ رانی میں مہارت پیدا کرو، اور ہاں تمھاری تیر اندازی مجھے تمھاری اسپ رانی سے زیادہ عزیز ہے۔"

(ابن ماجہ، رقم: ۲۸۱۱ واخرجہ ایضا ابوداؤد والترمذی والنسائی فی الجھاد والبیھقی فی السنن: ۱۳/۱۰، والحاکم: ۴۱۷/۱، وعبدالرزاق: ۳۰۹/۱۰، والطحاوی فی المشکل: ۱۱۸/۱، واحمد: ۱۴۴/۴، والطبرانی فی الکبیر: ۳۴۰/۱۷، والطیالسی: ۳۵)

Marfat.com

اس روایت میں بھی پیغمبر اسلام ﷺ نے اسلحہ سازی کی ترغیب دی ہے اور اس کو باعث اجر و ثواب قرار دیا ہے۔

معنویات عالیہ:

کوئی لشکر خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اس کے پاس ساز و سامان کی کتنی کثرت ہو، آلات اور اسلحہ جنگ کی کیسی ہی فراوانی ہو، لیکن اگر وہ لشکر عزم و استقلال سے محروم ہے، اس کا مورال پست ہے تو وہ کبھی بھی کامیاب و کامران نہیں ہو سکتا۔ دوسری جنگ عظیم میں اٹلی اور فرانس کی فوجوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ ان کے پاس سب کچھ تھا لیکن مورال پست اور ہمت و جرأت کا فقدان تھا چنانچہ وہ شکست کھا گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی فوج کے مورال کو ہمیشہ بلند رکھنے کی کوشش کی۔ جنگ بدر سے قبل آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شجاعت و جرأت کی تلقین فرمائی اور پھر دوران جنگ بھی ان کی ہمت و جرأت کو مہمیز لگاتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کثرت تعداد کے باوجود بری طرح ناکام ہوئے۔ اسی طرح جنگ میں زخمی، مجروح اور تھکے ماندے ہونے کے باوجود مشرکین کی فوج کے تعاقب میں نکل کھڑے ہونا مسلمانوں کے عزم و استقلال اور ہمت و جرأت کی علامت تھی۔ چنانچہ انہی اوصاف عالیہ کے باعث مسلمانوں نے احزاب کی جنگ اور غزوۂ موتہ اور تبوک میں وہ پامردی دکھائی کہ مؤرخین کو یہ لکھنا پڑا کہ:

> ”ہمیں یہ بات کسی صورت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ مسلمانوں کا عقیدۂ قضا و قدر ان کی ہمت اور مورال کو بلند کرنے، نتائج سے بے پروا ہونے اور موت سے بے خوف اور نڈر ہونے پر ہمیشہ اثر انداز ہوا ہے کیونکہ جو مقدر ہے وہ یقینی ہے، اور شہید جنت کا سزاوار ہوگا اور جو بچ گیا وہ غازی، اور ان بھلائیوں میں سے ایک بہر حال ان کے حصے میں آئے گی جیسا کہ کہا جاتا ہے۔“ (الرسول القائد: ص ۳۲۹)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی فوج کے مورال کو ہمیشہ بلند کرنے کی کوشش فرمائی اور اس کے ساتھ غنیم کی معنویات کو پست کرنے کی تدابیر اختیار فرمائیں۔ ان دونوں چیزوں میں آپ بے حد کامیاب ہوئے۔ چنانچہ تمام معنویاتی معرکوں جیسے غزوہ حدیبیہ، عمرۃ القضاء اور غزوہ

Marfat.com

تبوک وغیرہ میں آپ ﷺ نے غنیم کو شکست دی۔ خصوصی طور پر غزوۂ تبوک میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال جاگزین کر دیا کہ مسلمان اس قدر طاقتور اور مضبوط ہیں کہ وہ رومیوں سے بھی جو اس زمانہ کی سپر پاور تھے، پنجہ آزمائی کر سکتے ہیں۔ اگرچہ اس غزوہ میں لڑائی تو نہ ہوئی کیونکہ آپ ﷺ کا مقصد لوگوں کو مائل کرنا تھا گھائل کرنا نہ تھا، لیکن اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک سپہ سالار کی حیثیت سے اپنی فوج کو ایک بہترین انداز سے مستند اور مستحکم کیا۔

Marfat.com

جنگی حکمت عملی

سپہ سالار اور قائد لشکر کی ذاتی خصوصیات اور فوج کی اعلیٰ تربیت بے سود اور بے کار ہو کر رہ جاتی ہے اگر جنگی حکمت عملی عمدہ نہ ہو۔ یہ جنگی حکمت عملی ہی ہوتی ہے جو سپہ سالار کی صلاحیتوں اور فوج کی قوتوں اور قابلیتوں کو نتیجہ خیز بناتی ہے۔ بعض اوقات اعلیٰ ترین حکمت عملی سپہ سالار اور فوج کی چھوٹی موٹی کوتاہیوں کو ختم کر دیتی ہے۔ آپ ﷺ کے غزوات وسرایا پر اگر گہری نگاہ ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جنگی حکمت عملی میں آپ ﷺ نے جو تدابیر اختیار کیں جو کہ میدان جنگ سے پہلے اور میدان جنگ کے دوران اختیار کی جاتی ہیں، وہ نہایت اور کامیاب ترین تھیں۔ چنانچہ محمود شیت خطاب کے بقول:

''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے جنگی اعمال کی بحث کے وقت بہت سی مثالوں پر غور کیا ہے، جن سے جنگ کے ابتدائی دس مراحل کے مطابق آپ ﷺ کا ہر کام انتہائی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہ ابتدائی مراحل حسب ذیل ہیں:

(۱) مقصد کو متعین کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا

(۲) دشمن پر حملہ کرنا

(۳) غیر متوقع حملہ کرنا

(۴) طاقت فراہم کرنا

(۵) وسائل کا مناسب استعمال

(۶) امن

(۷) لشکر کشی

(۸) تعاون

Marfat.com

(۹) معنویات کا انتظام اور بندوبست

(۱۰) جنگ کے دوران پیش آنے والے امور کا فیصلہ

رسول اللہ ﷺ کے غزوات کا گہری نگاہ سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کی حکمت عملی ان تمام مراحل سے کس طرح پوری مطابقت رکھتی ہے۔

مقصد کا تعین:

رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ پہلے اپنے مقصد کو متعین فرماتے اور پھر اس مقصد تک پہنچنے کے لیے سب سے زیادہ مستحکم راستہ اختیار فرماتے اور اسے حاصل کرنے کے لیے مناسب پالیسی اختیار فرماتے۔

مقصد متعین کرنے کی واضح ترین مثال شاید وہ معاملہ ہے جو سرکار دو عالم ﷺ نے غزوۂ حدیبیہ میں انجام دیا۔ اس غزوہ کا مقصد قریش کی معنویات کو بغیر کسی جنگ کے متاثر کرنا تھا۔ آپ ﷺ احرام کی حالت میں مدینہ طیبہ سے نکلے۔ آپ ﷺ کے پاس صرف تلوار کا اسلحہ تھا۔ جب آپ ﷺ کو قریش کی فوج کے قریب آنے کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے عام راستہ چھوڑ کر غیر معروف راستہ اختیار کر لیا۔ یہ مشکل راستہ آپ ﷺ نے صرف اس لیے اختیار کیا تا کہ آپ ﷺ جنگ سے بچ سکیں۔ آپ ﷺ اپنا لشکر حدیبیہ میں لے آئے۔ یہاں جب مشرکین کے کچھ آدمیوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور مسلمانوں نے انھیں گرفتار کر لیا تو آپ ﷺ نے انھیں چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ جنگ نہ کرنے کے مقصد پر قائم رہے یہاں تک کہ معاہدۂ حدیبیہ ہو گیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری: ۶۷/۵، سیرۃ ابن ہشام: ۱۷/۳، ۳۲۳، طبقات ابن سعد: ۲۲۱/۲)

یہی صورت حال دوسرے غزوات اور مواقع پر پیدا ہوئی کہ آپ ﷺ پہلے مقصد متعین فرماتے پھر اسے حاصل کر لیتے۔

دشمن کو ختم کرنے کے لیے حملہ کرنا:

سرکار دو عالم ﷺ کے تمام غزوات کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سوائے غزوۂ احد اور غزوۂ خندق کے آپ ﷺ نے خود پیش قدمی کے طور پر دشمن پر حملہ کیا۔ ان دو

Marfat.com

جنگوں میں مشرکین نے مدینہ منورہ پر فوج کشی کی تھی اور مسلمانوں پر حملہ کیا تھا۔ آپ ﷺ دشمن پر حملہ کرنے اور اس کی ظالمانہ کارروائیوں کو ختم کرنے میں ہمیشہ کامیاب ہوتے۔ دشمن پر حملہ کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خود شرارت کر کے اسے چھیڑا جائے بلکہ اس کا مطلب حملہ آوری کی وہ روح ہے جس سے سپہ سالار آراستہ ہوتا ہے۔

غیر متوقع حملہ:

جنگ کی صورت میں ایسا موقف اختیار کیا جائے جس کی دشمن کو توقع نہ ہو اور وہ اس کے لیے ذہنی اور نفسیاتی لحاظ سے تیار بھی نہ ہو۔ غیر متوقع حملہ کرنا جنگ میں سب سے طاقتور، دیرپا اور اثر کرنے والا عامل ہوتا ہے۔ اس کی معنوی تاثیر بہت زیادہ ہوتی ہے اور نفسیاتی لحاظ سے بھی اس کے اثر کو ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ دشمن فوج کے سپہ سالار کی قوت فکر یہ کو مفلوج کر کے رکھ دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے غزوات کا اگر گہری نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو آپ ﷺ کے تمام غزوات کو غیر متوقع حملوں کے اسلوب کا بہترین نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ مدینہ طیبہ مسلمانوں کا مرکز تھا لیکن اس میں منافقین اور یہودیوں کی ایک بہت بڑی تعداد سکونت پذیر تھی اور ان کی زندگی کا مقصد ہی صرف یہ تھا کہ آپ ﷺ کے ہر منصوبے کو ناکام بنایا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ اپنے ارادوں کو ان سے مخفی اور پوشیدہ رکھنے کا اہتمام فرماتے۔ آپ ﷺ نے غزوۂ تبوک کے سوا کسی بھی غزوہ میں اپنی فوج کو بھی مقام کا نام نہیں بتایا۔ اس کی ایک بہترین مثال وہ مخفی مکتوب ہے جو آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو دے کر روانہ کیا تھا اور انھیں یہ حکم دیا تھا کہ اس خط کو دو دن کا سفر کر کے کھولا جائے۔ جب اسے کھولو تو اس کے مضمون کو سمجھ کر اس کے مطابق عمل کرو۔ آپ ﷺ نے غزوۂ فتح کے سفر کو بھی مخفی رکھا اور اس کو مخفی رکھنا ہی فائدہ مند ثابت ہوا اس لیے کہ حریف آپ ﷺ کے اس غیر متوقع اور اچانک حملہ سے بوکھلا گیا۔ اسی طرح غزوۂ بنولحیان میں بھی آپ ﷺ نے حریف پر غیر متوقع حملہ کیا۔ (طبقات ابن سعد: ۷۹/۲، سیرۃ ابن ہشام: ۲۵۶/۴)

غیر متوقع حملہ کی ایک مثال غزوہ بنوقریظہ بھی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف ایسے وقت میں کوچ کیا کہ انھیں اس وقت آپ ﷺ کے حملہ کی توقع ہی نہ تھی۔

Marfat.com

طاقت فراہم کرنا:

ایک قائد عساکر کے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنی ساری قوت کو ایک مرکز پر اکٹھا کرے تاکہ اس سے ہر حلہ اور ہر وقت کام لیا جا سکے۔ نزول وحی سے لے کر آخری دم تک سرورِ دو عالم ﷺ اپنی دعوتی جدوجہد، اپنی قوت میں اضافہ کرتے رہے اور ہجرت کے بعد پھر مدینہ طیبہ میں اس کو اکٹھا کرتے رہے۔ مدینہ منورہ کی طرف آپ ﷺ کی ہجرت دراصل تمام وسائل قوت کو ایک جگہ مرتکز کرنا تھا۔ بقول میجر جنرل اکبر خان رسول اللہ ﷺ نے اپنے دفاعی منصوبہ کا نام ہجرت رکھا تھا اور اس میں مصلحت یہ تھی کہ دشمنوں کو غلط فہمی ہو اور وہ یہ سمجھیں کہ رسول اللہ ﷺ میدان چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا علم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اسلامی سن کو واقعۂ ہجرت سے شروع کر کے اس کی اہمیت کا اعلان کیا۔ دنیا میں آج تک کسی قوم نے اپنی شکست یا کمزوری کی دائمی یاد قائم نہیں کی۔ یہ انسانی نفسیات کے خلاف ہے۔" (حدیث دفاع: ۱۸۰)

رسول اللہ ﷺ دراصل مدینہ طیبہ کو دفاعی مرکز قرار دینا چاہتے تھے۔ اس لیے اس وقت تک جہاد کی اجازت نہ ملی جب تک مدینہ طیبہ میں پوری قوت مجتمع نہ ہو گئی۔ بیعت عقبہ ثانیہ رات کی تاریکی میں ہوئی تاکہ مشرکین کو اس کا پتہ نہ چلے لیکن جب مشرکین کو اس کا حال معلوم ہو گیا تو انصار اس بات سے بالکل بے پروا تھے۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"یا رسولؐ اللہ! اس اللہ کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! اگر آپ چاہیں تو ہم کل ہی اہل منیٰ پر اپنی تلواروں سے ٹوٹ پڑیں گے۔"

لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: "ہمیں اس کی اجازت نہیں دی گئی، ابھی تم اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔"

(بخاری، باب وفود الانصار وبیعۃ العقبہ: ۲۵۱/۴، طبقات ابن سعد: ۲۲۳/۱، سیرۃ ابن ہشام: ۹۰/۲)

وسائل کا مناسب استعمال:

اس سے مراد یہ ہے کہ امن کی بحالی کے لیے کم از کم طاقت استعمال کی جائے یا دشمن کو روکنے کے لیے کم قوت سے کام لے کر اپنا مقصود حاصل کر لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے

Marfat.com

اپنے تمام غزوات میں کم قوت کو استعمال کیا ہے بلکہ قوت کو اسی وقت استعمال کیا ہے جب اس کے استعمال کو ہر لحاظ سے ضروری سمجھا۔ آپ ﷺ کی تمام جنگیں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ آپ ﷺ نے طاقت کے استعمال میں احتیاط اور اقتصاد سے کام لیا ہے۔

امن:

اس سے مراد یہ ہے کہ دشمن سے مامون و محفوظ رہنے کے لیے اپنی قوت اور ذرائع مواصلات کی پوری پوری نگرانی کی جائے تاکہ دشمن اچانک حملہ نہ کر سکے۔ دوسرے یہ کہ دشمن کو معلومات حاصل کرنے سے روکا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں تمام غزوات میں نہایت احسن انتظامات کیے اور دشمن کو معلومات فراہم نہ ہونے دینے کے لیے پوری کوشش کی۔ طلایہ گرد دستے معلومات فراہم کرنے والے اور لشکر کا ساقہ (پچھلا حصہ) جن کو رسول اللہ ﷺ غزوات سے واپسی کے وقت مقرر فرماتے تھے اور اس کی غرض صرف یہ ہوتی تھی کہ فوج کو دشمن کے ناگہانی حملہ سے محفوظ و مصئون رکھا جائے، اسی طرح پہرے داروں کو بھی فوج کی حفاظت کے لیے مقرر کیا جاتا تاکہ دشمن اچانک حملہ نہ کر دے۔ رسول اللہ ﷺ دشمن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی بہت کوشش فرماتے تھے جس کے لیے آپ ﷺ مختلف ذرائع استعمال فرماتے۔ آپ ﷺ نے اپنے تمام اعمال میں رازداری سے کام لیا (کتاب الخراج: ص ۱۲۱) اور مسلمانوں کو بھی اپنے راز محفوظ رکھنے کی ترغیب دی۔ آپ ﷺ نے یہ حکم بھی دے رکھا تھا کہ اگر کوئی اہم واقعہ رونما ہو تو سب سے پہلے مجھے اس کی اطلاع دی جائے۔ (عہد نبویؐ کا نظام حکمرانی: ص ۶۶۸)

عملِ سریع کی قوت:

ایک قائد لشکر کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی جنگی قوت کی ''نقل و حرکت'' کو اتنا تیز رکھے کہ وہ اپنی منزل مقصود پر بغیر کسی دشواری کے پہنچ سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ ''نقل و حرکت'' کو تیز رکھا، چنانچہ مسلمان فوجیں اپنے مقصد کے مطابق پوری تیزی سے حرکت کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے مسلمان فوجیں اپنی منزل مقصود پر مناسب وقت پر پہنچنے میں ہمیشہ

Marfat.com

کامیاب رہی ہیں۔ انھوں نے دشمن کی تیاریاں مکمل ہونے اور اپنے ارادے میں کامیاب ہونے کے لیے فضا سازگار بنانے سے پہلے ہی اس کی سرکشی کو ختم کر دیا۔ مسلمانوں کی فوجیں دومۃ الجندل، تبوک، طائف اور فلسطین کے علاقوں تک پہنچ گئیں اور یہ تمام مقامات مسلمانوں کے دارالخلافہ مدینہ طیبہ سے بہت دور تھے۔ اکثر سفر رات کو طے کیے گئے۔ دور دراز کے سفر میں نقل وحرکت کی مشکلات، سردی اور گرمی کی تکالیف سب برداشت کیں۔ یہ سب چیزیں دلالت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کو مشکلات پر قابو پانے کا بڑا ملکہ حاصل تھا، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی تدبیر منزل کی قوت اور آپ ﷺ کی فوج کی نقل وحرکت بے پناہ سریع تھی۔ ایسی تیزی جو اس زمانہ کے نہایت طاقتور لشکر کی تیز رفتاری سے کم نہیں۔

تعاون:

تعاون سے مراد تمام فوجوں اور ہر قسم کے کارکنوں کا ایک ہی مقصد کی طرف رخ کرنا ہے تاکہ جلد از جلد اس مقصد تک پہنچا جا سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے تعاون کی قوت کو اپنی تمام جنگوں میں برابر جاری رکھا اور اس کا سبب یہ ہے کہ ہر آدمی کو وہی خدمت سپرد کی جائے جو اس کے لائق ہو۔ اس طرح سے تمام لوگوں کی متفقہ مہم سے مطلوبہ کامیابی کی طرف پہنچنا آسان ہو جاتا ہے جیسے جنگ بدر میں تیر اندازوں کی جماعت نے تلوار چلانے والوں سے کس طرح تعاون کیا اور اس طرح مشرکین کو کس قدر نقصان پہنچایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تلوار چلانے والوں کی مہم بڑی آسان ہو گئی اور قریش کی قوت مقابلہ ختم ہو کر رہ گئی۔

جذبۂ ایثار:

مسلمان فوجیوں میں یہ سب خوبیاں پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ نے ان میں ایثار کا جذبہ بھی پیدا کیا تاکہ جہاد بالنفس کے ساتھ ساتھ جہاد بالمال کا جذبہ بھی ان میں پیدا کیا جائے کیونکہ جنگ میں جان کے ساتھ مال بھی خرچ کیا جاتا ہے لہٰذا جہاد بالنفس سے جہاد بالمال کو مقرون کیا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

Marfat.com

وَاَنْفُسِكُمْ﴾ (التوبہ۹:۴۱)

''ہلکے اور بوجھل نکل پڑو اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ (التوبہ۹:۲۰)

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کے نزدیک بہت بڑے درجے والے ہیں اور یہ لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔''

ان آیات کریمہ اور ان کے علاوہ قرآن حکیم کی اور کئی آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مال کو جان پر ہمیشہ مقدم رکھا ہے۔ یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسلام میں مال کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ اسی وجہ سے تمام مسلمانوں میں مالی ایثار اور قربانی کا عظیم جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی تو آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے بدلے میں رہن رکھی ہوئی تھی۔

(ابن ماجہ، رقم: ۲۴۳۹، اخرجہ ایضاً النسائی والترمذی فی البیوع والدارمی: ۳۵۹/۲، والبیہقی فی الکبریٰ: ۲۶/۶ واحمد: ۲۲۶/۱، وابو یعلی: ۸۹/۵ والطبرانی فی الکبیر: ۱۷۶/۲۴)

سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا تھا۔

(ترمذی: ۶۱۵/۵، طبقات ابن سعد: ۱۷۲/۳)

حالانکہ جس روز وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے اس روز وہ قریش کے دولت مندوں میں شمار ہوتے تھے۔ اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دوسروں کے مقابلے میں بہت سا مال غزوۂ تبوک اور دیگر غزوات میں خرچ کر دیا۔

(ترمذی: ۶۱۵/۵، سیرۃ ابن ہشام: ۱۶۱/۴)

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے طرز عمل سے ان لوگوں کو

Marfat.com

درماندہ کر دیا جو بعد میں آنے والے مسلمانوں میں سے ان کی پیروی کرنا چاہیں۔ضروریات زندگی کی قلت ہونے کے باوجود انھوں نے اللہ کی راہ میں آج سے چودہ سو سال پہلے رفاہ عامہ کے لیے وہ وہ قربانیاں کی ہیں جو آج بیسویں صدی کے مشرق ومغرب کے زعیم کبھی نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ حقیقت میں مزدوروں، فقیروں اور زمینداروں سے دفاع کر کے ایک قسم کی تجارت کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد اپنی زندگی نہایت عیش وآرام سے گزارتے ہیں۔(الرسول القائد:۳۲۲)

مساوات:

رسول اللہ ﷺ نے ہر چیز میں اپنے آپ ﷺ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ برابر شریک رکھا بلکہ اپنے لیے ان سے زیادہ خطرات، دگنی مشقت اور ذمہ داری پسند کی۔

مدینہ طیبہ میں جب مسجد نبویؐ تعمیر ہو رہی تھی تو آپ ﷺ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح پتھر، مٹی، اینٹ اور لکڑی اٹھا کر لاتے۔ جنگ بدر کے موقع پر حاصل شدہ اونٹ صرف ستر تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کیا۔ آپ ﷺ کے حصے میں جو اونٹ آیا اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہما بھی شریک تھے۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس پر اپنی باری سے سوار ہوتے تھے۔ جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ اونٹ میں شریک تھے انھوں نے کہا کہ ''ہم آپ ﷺ کی جگہ پیدل چلیں گے۔'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں اور میں تم دونوں سے اجر لینے سے بے نیاز اور مستغنی نہیں ہوں۔'' (سیرۃ ابن ہشام:۲/۲۶۴، طبقات:۲/۲۱)

غزوۂ خندق میں جہاں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خندق کھودتے، پتھر اٹھاتے اور مٹی اٹھاتے تھے، سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينقل التراب يوم الخندق حتى اغبر بطنه۔

''رسول اللہ ﷺ خندق کے روز مٹی اٹھا اٹھا کر لے جاتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا بطن مبارک غبار آلود ہو گیا۔''

(بخاری، رقم: ۴۱-۴۰، ۲۸۳۶، ۲۸۳۷، ۳۰۳۴، ۶۶۲۰، ۷۲۳۶

Marfat.com

اسی طرح آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کھانے پینے اور لباس وغیرہ ہر چیز میں برابر کے شریک رہتے بلکہ ان کو اپنے سے اچھی چیز دیتے۔ آپ ﷺ نے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تنہا نہیں چھوڑا بلکہ آپ ﷺ ہر موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی خدمت کرتے رہے جب کہ دوسرے سپہ سالار سپاہیوں سے خدمت کرواتے ہیں۔

مشاورت:

مشاورت قرآن حکیم کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ ہر معاملے میں خصوصی طور پر حربی معاملات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ضرور مشورہ کرتے تھے۔ ان کی رائے کو آپ ﷺ نے اکثر و بیشتر قبول ہی کیا، اگرچہ آپ ﷺ کی ذاتی رائے ان کے خلاف ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ غزوۂ احد کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

(طبقات ابن سعد: ۳۸/۲)

اور صلح حدیبیہ میں جو آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ نہ کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ ہر حال میں دعوت اسلام کے پھیلاؤ کے لیے صلح کے خواہاں تھے۔ آپ ﷺ اپنی دور اندیشی اور حالات کی کروٹیں دیکھ کر یہ سمجھ رہے تھے کہ صلح دعوت اسلامی کے پھیلاؤ کے لیے بہتر ہے۔ چنانچہ حالات نے بھی آپ ﷺ کی رائے کی تائید اور مساعدت کی۔

اسالیب جدیدہ:

ایک قائد لشکر کے لیے از حد ضروری ہے کہ وہ جنگ میں جدید اسلوب اختیار کرے یعنی جو وقت کا تقاضا ہو اس کے مطابق وہ غنیم سے جنگ کرے، یہ نہیں کہ اس توپ اور ایٹم بم کے زمانہ میں تلوار اور نیزہ لے کر دشمن کے مقابلے میں آجائے۔ انگریز اسی باعث ہندوستان میں فتح یاب ہوا کہ وہ عصری تقاضوں کے مطابق جنگی تدابیر اور اسلحہ جات کے استعمال سے بخوبی واقف تھا۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ کی زندگی کا اگر مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہر غزوہ میں حالات کے مطابق جدید اسلوب اختیار کیا۔ جنگ بدر میں آپ ﷺ نے فوج کی صف بند کر کے ایک نیا اسلوب ایجاد کیا۔ اس طریقہ سے آپ ﷺ لشکر قریش پر غالب آئے جب کہ وہ آپ ﷺ کے لشکر سے تین گنا زیادہ تھا۔ غزوۂ احد میں آپ ﷺ نے درّہ پر جو پچاس تیر اندازوں کو متعین فرمایا یہ جنگ احد کی فتح کا سبب بنا۔

Marfat.com

جنگ احزاب میں آپ ﷺ نے خندق کھود کر ایک نیا طریقہ ایجاد فرمایا۔ عرب قبل ازیں اس طریقہ سے ناآشنا تھے۔ آپ ﷺ نے غزوہ بنونضیر، غزوہ بنی قریظہ اور خیبر کی شہری جنگ میں دشمن کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے اصول سے کام لیا۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے وقت کی جنگوں میں وہ طریقے، ڈھنگ اور اسلوب اختیار کیے جو آج کل کے ترقی یافتہ دور میں ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے طائف کے محاصرہ میں دبابہ اور منجنیق سے کام لیا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۱۲۶/۴، طبقات: ۱۵۸/۲) اس وقت ان دونوں ہتھیاروں کا استعمال نہایت عجیب وغریب تھا۔ آج چودہ سو سال کے بعد یہ دونوں ہتھیار ٹینک اور توپ کی نئی شکل میں استعمال ہوتے ہیں۔ غزوۂ بدر میں آپ ﷺ نے ''العریش'' یعنی اپنے علیحدہ ٹھہرنے کے لیے ایک الگ جگہ تیار کرائی اور اپنے لیے الگ پہرے دار مقرر فرمایا جیسا کہ آج کل ہوتا ہے۔ اسی طرح اور کئی غزوات میں آپ ﷺ نے وہ اسلوب اور ڈھنگ اختیار کیے جو آج کل کی جدید جنگوں میں جدید ناموں سے رائج ہیں۔

مثالی قیادت:

سابقہ اوراق کی تمام بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مثالی قائد عساکر اور ایک بے نظیر سپہ سالار تھے اور آپ ﷺ نے چودہ سو سال پہلے لوگوں کو لڑائی کا وہ ڈھنگ سکھایا جو اس جدید زمانہ میں لوگوں نے اختیار کیا۔ جنگی مفکرین یہ بات سوچنے سے عاجز ہیں کہ کسی پس ماندہ علاقے میں کسی شخص میں سپہ سالاری کی یہ صفات کیسے پیدا ہو سکتی ہیں جن سے آپ ﷺ متصف تھے اور آپ ﷺ نے کس طرح نئے نئے اسالیب جنگ اختیار کیے، میدان کارزار میں نئے نئے ہتھیاروں کو کام میں لائے، آپ ﷺ کی ان جنگوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ ایک ماہر ترین سپہ سالار تھے جنھوں نے دنیا کو نہ صرف مبادیات جنگ سے آگاہ کیا بلکہ دنیا کو جنگ کرنے کے نئے ڈھنگ اور اسلوب بھی سکھلائے۔

(اس بحث میں ہم نے سید مودودی کی کتاب الجہاد فی الاسلام، شیخ محمود شیت کی کتاب الرسول القائد اور ڈاکٹر خالد علوی کی کتاب ''انسان کامل'' سے استفادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی مرحوم نے بھی پہلی دونوں کتابوں سے یہ ساری بحث نقل کی ہے۔

Marfat.com

اِذنِ جہاد

اسلام سلامتی کا دین ہے اور لڑائی جھگڑے کا دین قطعاً نہیں ہے۔ مغرب کے دانشوروں نے اسلام کے بارے میں یہ مشہور کر دیا ہے کہ اسلام قتل وخون ریزی اور لڑائی جھگڑے کا دین ہے۔ یہ زبردستی اور تلوار کی نوک پر لوگوں کو اسلام میں داخل کرتا ہے۔ یہ اسلام کے خلاف مغرب کا ایک غلط پروپیگنڈہ ہے۔ اسلام تو وہ دین ہے جس میں کوئی جبر نہیں بلکہ وہ دین کے بارے میں جبر واکراہ کے رجحان کو بھی ناپسند کرتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں ارشاد فرمایا:

''کیا آپ ﷺ لوگوں پر جبر کریں گے کہ وہ مومن ہو جائیں۔'' (یونس)

بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے رسول ﷺ سے یہ کہا کہ:

''(اے پیغمبرؐ!) کہہ دیجئے، اے لوگو! تمھارے پروردگار کی طرف سے حق تمھارے پاس آ گیا ہے، پس جو ہدایت کی راہ اختیار کرے گا تو وہ اپنی ہی بھلے کے لیے کرے گا اور جو بھٹکے گا تو اس کی گمراہی اس کے آگے آئے گی۔ میں تم پر نگران ومختار نہیں ہوں۔'' (یونس)

مولانا ابوالکلام آزاد نے ان آیات کے مضامین کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''اے پیغمبرؐ! اگر تیرا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی رُوئے زمین پر ہیں سب ہی ایمان لے آتے اور دنیا میں اعتقادوں کا اختلاف باقی نہ رہتا، لیکن تو دیکھ رہا ہے کہ اللہ نے ایسا نہیں چاہا۔ اس کی مشیت یہی ہوئی کہ طرح طرح کی طبیعتیں اور طرح طرح کی استعدادیں ظہور میں آئیں، اور جس طرح ان کی ظاہری صورتیں مختلف، ان کے مزاج مختلف، ان کی طبیعتیں اور جذبات مختلف ہیں جو خالق ذوالجلال کی حکمت بالغہ کی کھلی ہوئی دلیلیں ہیں، اسی طرح ان کے خیالات اور عقائد واعمال میں بھی اختلاف

Marfat.com

باقی رہے۔ یہ رنگ برنگی رخ گیتی کی زینت اور کمال ربوبیت کی دلیل ہے۔ پس اگر لوگ نہیں مانتے اور ایمان نہیں لاتے تو کیا آپ ﷺ ان پر جبر کریں گے اور ایک ایسے فعل کے خواہاں ہوں گے جو مشیت الٰہی کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔'' (ترجمان القرآن)

دین اسلام یہ کیسے حکم دے سکتا ہے کہ لوگوں کے خلاف اس لیے اعلان جنگ کر دو کہ وہ مشرک اور کافر ہیں۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے بلکہ اس کی نظر میں کچھ اور اسباب اور کچھ اور وجوہات ہوں گی جن کی بنا پر جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں فلسفۂ جہاد پر جب روشنی ڈالی گئی تو اختلاف عقائد کو نہ وجۂ جہاد قرار دیا گیا اور نہ مقصدِ جہاد بتایا گیا بلکہ جہاد کا مقصد تحفظ اور ظلم کو روکنا قرار دیا گیا، اور یہ بتایا گیا کہ اگر جہاد نہ ہوتا تو کلیسے، گرجے، خانقاہیں اور مسجدیں سبھی برباد ہو گئی ہوتیں جو اپنے زمانہ میں ہدایت اور دعوت وارشاد کے مرکز رہے ہیں۔

اسلام میں جہاد کا وہ تصور نہیں ہے جو مشرکین اور مغرب کے دانشور بیان کرتے ہیں یعنی قتل وخون ریزی، بلکہ پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی میں ۹ سال میں ۸۳ غزوات وسرایا پیش آئے۔ ان تمام لڑائیوں میں مسلمان صرف ۲۵۸ شہید ہوئے اور غیر مسلم ۷۵۹ قتل ہوئے، گویا کل ۱۰۱۷ آدمی قتل ہوئے۔ اتنے آدمیوں کے قتل سے آپ ﷺ نے تاریخ کا وہ انقلاب عظیم برپا کیا جس نے تاریخ اسلامی کے دھارے کو موڑ کر رکھ دیا، لہٰذا یہ کہنا کہ اسلام قتل و غارت گری کا دین ہے، حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔

اسلام میں جہاد کا مطلب قیام عدل و میزان ہے۔ اسی کے لیے قرآن حکیم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا بلکہ مسلمانوں کا فرض منصبی قرار دیا گیا کیونکہ برائی اگر روک دی جائے اور نیکی کو رائج کیا جائے تو دنیا کے نظم کے قوام کا اس کے علاوہ اور کیا اعتدال ہو سکتا ہے۔ عدل کے معنی ہیں عدم افراط وتفریط یعنی کسی شے کا نہ زیادہ ہونا اور نہ کم ہونا، اور یہ درجہ مقام (وسط) اور درمیانی ہے۔ دنیا میں جس قدر برائیاں ہیں غور کیجیے تو وہ افراط وتفریط کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ عدل کی پیشانی پر اگرچہ خوش نمائی کی بلندی کی جگہ سختی اور خشونت کی لکیریں ہیں لیکن دنیا کا تمام نظام صرف اسی کے دم سے ہے۔

Marfat.com

اسی نظام عدل کی اہمیت کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں:

''کارخانہ ہستی کا تمام نظام ہی عدل وتوازن پر قائم ہے۔ اگر ایک لمحے کے لیے یہ حقیقت غیر موجود ہو جائے تو تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ یہ کیا بات ہے کہ نظام شمسی کا ہر کرہ اپنی اپنی جگہ معلق ہے، اپنے اپنے دائروں میں حرکت کر رہا ہے، اور ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ذرا بھی انحراف ومیلان واقع ہو۔ یہی عدالت کا قانون ہے جس نے سب کو ایک خاص نظم میں جکڑ بند کر رکھا ہے۔ تمام کرے اپنی اپنی کشش رکھتے ہیں اور ان کے مجموعی جذب وانجذاب کے توازن سے ایسی حالت پیدا ہو گئی ہے کہ ہر کرہ اپنی جگہ قائم اور معلق ہے۔ اگر کوئی کرہ اس قانون عدالت سے باہر ہو جائے تو معاً دوسرے کروں سے ٹکرا جائے اور تمام نظام شمسی مختل ہو جائے۔'' (ام الکتاب: ص ۱۷۹)

مولانا ابوالکلام مزید فرماتے ہیں:

''دنیا میں امن، صلح اور ترک قتل وغارت کا تصور کتنا ہی خوش نما ہو مگر دنیا کی بدقسمتی سے اب تک اصل قوت تلوار کی قوت اور زندگی کا سرچشمۂ آب حیات خون کی ندیوں اور فواروں ہی میں ہے۔ دنیا پر اب تک کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا ہے کہ تلوار کی صداقت ضعیف ہوئی ہو اور امید نہیں کہ آئندہ بھی کبھی ایسا زمانہ نصیب ہو۔''

(خطبات ابوالکلام: ص ۲۳)

مولانا اس بارے میں ایک اور جگہ رقم طراز ہیں:

''پس حضرات وہ ہاتھ نہایت مقدس ہے جس میں صلح کا سفید جھنڈا لہرا رہا ہو، مگر زندہ وہی رہ سکتا ہے جس میں خون چکاں تلوار کا قبضہ ہو۔ یہی قوم کی زندگی کا منبع، قیام عدل ومیزان کا وسیلہ، انسانی سبعیت و درندگی سے بچاؤ اور مظلوم کے ہاتھ میں اس کی حفاظت کی ایک ڈھال ہے۔'' (خطبات ابوالکلام آزاد: ص ۲۳)

''اسلام نے اس چیز کا حکم کبھی نہیں دیا ہے جس کو خون ریزی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ وہ یہ حقیقت پیش کرتا ہے کہ دنیا میں خدا کی عالمگیر برادری کو قائم کرنا ہے۔ لیکن دنیا میں ایک لمحے کے لیے خدا کی محبت قائم نہیں رہ سکتی جب تک محبت مٹانے والے دنیا میں باقی ہیں۔ اس لیے عدل کے قیام کے لیے، محبت کے قیام کے لیے،

Marfat.com

نوع انسانی کی عالمگیر اخوت کے قیام کے لیے ضرور ہے کہ جنگ کا وجود ہو، لڑائی کا وجود ہو، قتال کا وجود ہو۔ جو خدا کی زمین کو پامال کرنا چاہیں، جن کا وجود دنیا میں ظلم کے لیے ہے، بلاشبہ ان کے وجود سے، ان کی زندگی سے زمین کو پاک کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ تلوار بھی ہو اور وہ سرخی بھی جو انسانوں کے خون سے تلوار پر جمتی ہے۔"

"اور ایسا کرنا قتل و خون ریزی نہیں بلکہ عین صلح و اصلاح اور امن و نظام ہے کیونکہ فساد و ظلم کے روکنے کے لیے جو شخص خون بہاتا ہے وہ دنیا کا حقیقی مصلح اور محسن ہے کیونکہ اس نے ایک جماعت کا خون بہا کر تمام کو زندگی بخش دی، اور جو شخص ظلم و فساد کو زندگی بخشتا ہے وہی دنیا کا دشمن اور انسانیت کا عدو ہے کیونکہ چند انسانوں کی خاطر تمام انسانوں سے دشمنی کر رہا ہے۔

جس طرح قانون قتل کی برائی کو روکنے کے لیے خود قتل کی برائی کو مجبوراً اختیار کرتا ہے، اسی طرح قرآن نے فتنہ و فساد سے ارض الٰہی کو پاک کرنے کے لیے تلوار سے مدد لینے کی اجازت دی ہے۔ بے شک نرمی اور نرم رفتاری کو خدا دوست رکھتا ہے لیکن سخت گیروں اور ظالموں کو سختی سے باز رکھنے کے لیے جب تک کوئی سختی نہ کی جائے نرمی قائم نہیں ہو سکتی۔ فتنہ و فساد پسند نہیں مگر فتنہ و فساد کو روکنے کے لیے اسے علاج بالمثل کرنا پڑتا ہے۔" (مضامین الہلال: ص ۳۵)

یہ تو مولانا ابوالکلام کا جہاد کے متعلق نظریہ تھا جس کو انھوں نے نہایت احسن انداز میں بیان فرمایا اور مغرب نے اسلامی جہاد کے بارے میں جو شکوک و شبہات لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے حضرت مولانا ابوالکلام رحمہ اللہ نے نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں اس کا ازالہ فرما دیا ہے۔ اب مولانا ان فوجوں کی بابت فرماتے ہیں جو دنیا سے برائی کو ختم کرنے کے لیے میدان میں نکلیں۔ دنیا نے دیکھنا چاہا کہ وہ بھی دنیا کی دوسری فاتح قوموں کی طرح اپنی قہرمانی اور فاتحانہ ظلم و استبداد کا اظہار کریں، لیکن اس قسم کے فعل و عمل کا کوئی داغ انھیں ان کے وجود پر نظر نہ آیا۔ مولانا آزاد فرماتے ہیں:

"دور قدیم اور دور جدید کے وسط میں ایک زمانہ اور بھی گزرا ہے جس میں ایک قوم صحرائے عرب سے اٹھی، سیلاب کی طرح بڑھی اور موج کی طرح تمام کرۂ ارضی پر

Marfat.com

پھیل گئی۔ دنیا نے اس سیلاب کی رو میں ظلم و درندگی کی انہی لہروں کو دیکھنا چاہا جو ہمیشہ فوجوں کے طوفان میں اٹھتی رہی ہیں، لیکن ذوق نظارہ ناکامیاب ہو کر گوشۂ چشم میں چھپ گیا۔ دنیا نے دیکھا کہ وہ مختلف مادی قوتوں سے ٹکرائی، بڑے بڑے قلعوں سے ٹکرائی، عظیم الشان پہاڑوں کو ٹھوکر لگائی اور بالآخر کرۂ ارضی کو اچھال کر رکھ دیا۔ تاہم نہ تو کسی جھونپڑی کو اجاڑا، نہ کسی گھر میں آگ لگائی، نہ کسی عظیم الشان محل کو برباد کیا، نہ تمدن کی یادگاریں مٹائیں اور نہ تہذیب کے آثار قدیمہ منہدم کیے۔ وہ فاتحانہ جوش میں سیلاب کی طرح بڑھی لیکن جب ممالک مفتوحہ میں داخل ہوئی تو گرداب کی طرح سمٹ گئی۔"

"اسلامی فوجوں کی حالت تمام دنیا کے فوجی نظام سے بالکل مختلف تھی۔ نہ تو دہل و طبل نے اس کا دل بڑھایا، نہ اس کے سامنے آتش بیانوں کی آگ بھڑکائی گئی۔ نہ سرخ و سبز جھنڈیوں کے سائے کے نیچے اس کی نمائش کی گئی۔ نہ اس کے سامنے وطن پرستی کے ترانے گائے گئے، نہ اس کے دلوں میں قومیت کی یاد تازہ کرائی گئی، اور نہ عرب کی قدیم شجاعت کی داستانوں سے اس کے خون کو گرمایا گیا۔ وہ خدا کی راہ میں حق و صداقت کے عشق میں خدا کا نام لے کر اٹھی اور قوموں اور فوجوں کے بے شمار نسلی اور ملکی مقصدوں کی جگہ صرف ایک مقصد روحانی اپنے سامنے رکھا:

لتکون کلمة الله هی العلیا۔

"تاکہ اللہ کا کلمۂ حق بلند ہو۔" (مضامین الہلال: ص ۱۸۵)

سنہ ۲ھ میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا گیا۔ کس وجہ سے یہ حکم دیا گیا؟ اور اس کے کیا اسباب تھے؟ بات دراصل یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں مسلمان کفار کے ہاتھوں گوناگوں مصائب میں مبتلا تھے کیونکہ عرب معاشرہ نہایت "بے مروت" تھا۔ ظہور اسلام سے قبل عرب معاشرہ میں منفی اور مثبت اقدار پائے جاتے تھے۔ اس دور کے صحرا نشین قدرتی آفات اور ماحول کے مصائب کا سامنا کرتے کرتے ایک خاص سانچے میں ڈھل چکے تھے۔ اگرچہ مہمان نوازی اور قبیلہ کے قوانین کے احترام کے علاوہ مظلوم کی دادرسی بھی ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ اس کے لیے انھوں نے کئی انجمنیں بھی بنائیں۔ "حلف الفضول" بھی اسی طرح کی ایک انجمن تھی جس میں مظلوموں کی

Marfat.com

دادرسی ہوتی تھی لیکن مظلوم کا مفہوم اس معاشرے میں قدرے مختلف تھا۔ ان کے ہاں مظلوم کا مفہوم یہ نہ تھا کہ جس کو ظلم و جبر کا ہدف بنایا جائے بلکہ ان کے ہاں مظلوم اس کو کہتے تھے جو اجنبی ہو اور اپنے قبیلے سے کٹ کر کسی دوسرے قبیلے میں پناہ لینے کا خواہش مند ہو، یعنی اپنی انا کو قتل کر کے پناہ کی بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائے۔ اس معاشرہ میں رحم نام کی کسی چیز کا وجود ہی نہیں تھا، اس کے باوجود اجنبی مظلوم کو پناہ دینا ہر قبیلے کے ہر فرد کا شعار ہوا کرتا تھا لیکن اس کی وجہ رحم یا ترس کھانا نہیں بلکہ اپنی بہادری، شجاعت اور مردانگی کا اظہار تھا کہ ان کے ہاں ہر قبیلے کے ہر فرد کا یہ فرض اولین تھا کہ وہ شجاع اور بہادر بنا رہے اور اپنی شجاعت اور مردانگی کے کسی موقع کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دے۔ جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سیرۃ خاتم النبیین ﷺ'' کے شروع میں دی ہے۔

اس معاشرہ میں مظلوم وہ شخص ہوتا تھا جو طاقتور دشمن سے نقصان اٹھا کر غیر قبیلہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو جائے اور کسی کو پناہ دینا مردانگی اور شجاعت شمار ہوتا تھا۔ اس تناظر میں سرکار دوعالمؐ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ظلم و جبر اور تشدد و استبداد کرنے والے اپنے خیال میں اس کو ظلم نہیں سمجھتے تھے اور نہ ان لوگوں کو مظلوم سمجھتے تھے جن پر ظلم کیا جا رہا تھا۔ اس وجہ سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ظلم و ستم ڈھانے والے اپنے آپ کو حق بجانب تصور کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس معاشرہ کی اس سوچ اور فکر کو بدلنے کے کارگراں کا بار گراں اٹھایا اور پھر افراد کے ذہنوں کو ایک قلیل عرصے میں بدل کر رکھ دیا۔

اس زمانہ کے صحرانشینوں کا مزاج شہری علاقوں کے مزاج سے مختلف تھا۔ وہ نہایت سنگ دل، آہنی مزاج اور ناقابل شکست عزائم کے مالک اور اپنے آباؤ اجداد کی روایات پر جان دینے والے تھے۔ وہ لوگ اس مزاج کے تھے کہ ٹوٹ تو سکتے تھے لیکن جھک نہیں سکتے تھے۔ حالات سے سمجھوتہ کرنا اور مصلحت اندیشی ان کے مزاج کے بالکل خلاف تھی۔ مکہ مکرمہ اگرچہ ایک سنگلاخ سرزمین تھی۔ یہ شجر سایہ دار اور اشجار ثمر بار سے یک قلم محروم خطہ تھا کیونکہ قرآن کے الفاظ میں یہ وادی غیر ذی زرع تھا، اسی لیے اہل مکہ کا مزاج اور شعار سرسبز و شاداب وادیوں اور شہروں میں بسنے والے لوگوں کی طرح نہیں تھا بلکہ صحرانشینوں کی طرح سخت اور ناقابل شکست تھا، جزیرۂ عرب میں کچھ علاقے سرسبز و شاداب بھی تھے اس وجہ سے وہ پرکشش اور اہم تھے۔ جیسے حجاز کا علاقہ کہ یہ تجارتی گزرگاہ بھی تھا اور سرسبز و شاداب بھی، لیکن اس علاقہ میں بسنے

Marfat.com

والے قبائل بھی اہل مکہ سے خراج وصول کرتے تھے جب کہ مکہ تمام قبائل عرب کے لیے مقدس اور قابل احترام تھا کیونکہ یہاں بیت اللہ واقع تھا۔ بحر احمر (Red Sea) کے کنارے شمالاً جنوباً ایک ہزار کلومیٹر کے قریب طویل پٹی سرزمین حجاز کہلاتی ہے۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں دنیا کے بہترین عربی گھوڑے پائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو سرکار دو عالم ﷺ نے جس حکمت و دانائی سے مطیع اور فرمان بردار بنایا وہ یقیناً ایک حیرت انگیز اور حیرت زا کارنامے سے کم نہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ کی مکی زندگی کے ۱۳ سالوں میں وہ وہ حیرت انگیز اور محیر العقول واقعات رونما ہوئے جن میں ظلم و ستم اور جبر و استبداد کے نئے باب رقم ہوئے اور ان ظالموں اور جابروں کے ظلم و ستم پر صبر کرنے والوں نے برداشت کا وہ مظاہرہ کیا کہ نہ صرف اس زمانہ کے لوگ بلکہ آج تک کے لوگ بھی ان کو پڑھ کر بحر حیرت و استعجاب میں غرق ہو جاتے ہیں۔ ان واقعات کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سیرت خاتم النبیین ﷺ'' میں دی ہے۔ ان واقعات میں ظلم ڈھانے والوں کی سنگ دلی اور شقاوت قلبی کا ذکر بھی ہے اور صبر کرنے والوں کی کتاب صبر و وفا کا روشن ترین باب بھی ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا نہایت ضروری ہے کہ عجیب اتفاق ہے کہ ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کی سعادت ایک خاتون سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے حصے میں آئی تو اسلام کی خاطر نقد جان کا نذرانہ پیش کرنے کا شرف اور کتاب شہادت میں اولین نام لکھوانے کا رتبہ بھی ایک خاتون سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا والدہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا۔ ابوجہل نے جس بے دردی کے ساتھ اس معصوم اور پاک باز خاتون کو شہید کیا وہ ظلم و ستم بھی چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھا۔ وہ شہید وفا تو جام شہادت نوش کر گئیں لیکن ساتھ ہی جریدہ عالم پر یہ ثبت کر گئیں کہ محبتوں کو اس قرینے سے نبھایا جاتا ہے۔ یہ ظلم کرتے ہوئے کسی نے دستانے نہیں پہنے تھے کہ لہو تلاش کرنے کے لیے وہ ہاتھ ڈھونڈا جائے۔ یہاں تو علی الاعلان مجمع عام میں لہو بہایا گیا اور اس بے دردی سے بہایا گیا کہ ہر ایک جانتا تھا کہ ع

جو ہوتا تھا وہ دیواروں پر لکھا ہم نے دیکھا ہے

یہ تو ایک داستان ظلم کی مختصر کہانی ہے۔ اس قسم کی کئی کہانیاں رسول اللہ ﷺ کی تیرہ سالہ مکی زندگی میں خود سرکار دو عالم اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کے ساتھ روا رکھے گئے ظلم کی پیش آئیں۔ گویا تیرہ سال رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ میں قریش کے ظلم و ستم کی

Marfat.com

چکی میں پستے رہے۔

ہجرت کے بعد ان کا خیال تھا کہ اب چونکہ ہم ہجرت کر کے اس سرزمین سے نکل آئے ہیں لہٰذا اب ہماری وہ تمام تکالیف اور ہمارے وہ تمام مصائب ختم ہو جائیں گے، لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ مدینہ طیبہ میں وہ مصائب دو چند ہو گئے۔ مکہ کے مصائب گو سخت تھے لیکن منفرد اور تنہا تھے، گونا گوں نہیں تھے کیونکہ محاذ ایک تھا اور مصائب کی نوعیت بھی ایک جیسی تھی۔ ظالموں کا تعلق ایک قوم سے تھا لہٰذا ان کی سوچ اور فکر اور طریقہ بھی ایک تھا۔ لیکن ہجرت کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہاں کے رہنے والوں کا تعلق ایک قوم سے نہیں تھا، اس میں سرفہرست تو یہود تھے۔ یہ قوم عادات و خصائل، لین دین اور اپنی طرز فکر کے لحاظ سے دوسری تمام قوموں سے مختلف تھی۔ دوسری قوم منافقین کی تھی۔ صاف دکھائی دینے والی مصیبت کا سامنا تو کیا جا سکتا ہے لیکن جو دکھائی نہ دے اور مار آستین ہو وہ مصیبت زیادہ خطرناک اور زہریلی ہوتی ہے۔ مکہ میں کوئی منافق نہیں تھا۔ سب لوگ علی الاعلان مخالفت کرتے تھے۔ اب منافقین جیسے آستین کے سانپوں کو جواب دینا بھی ضروری تھا۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ مدینہ میں ہجرت فرمانے سے قبل مدینہ ایک پرامن بستی تھی۔ اس میں کوئی بیرونی خطرہ درپیش نہیں تھا لیکن سرکار دو عالم ﷺ کے ہجرت فرمانے کے ساتھ ہی یہ پرامن بستی دشمنانِ اسلام کی تگ و تاز کی آماجگاہ اور ہدف بن گئی۔ لہٰذا اب نہ مہاجر یہاں مامون اور محفوظ تھے اور نہ انصار۔ دونوں بیرونی خطرات میں گھر گئے۔ ان خطرات کے آغاز میں منافقین اور یہود قریش مکہ سے سازباز کرنے لگے، لہٰذا قریش مکہ کا کام بہت آسان ہو گیا۔

اب وہ مدینہ جو امن و امان کا گہوارہ تھا یہاں اوس اور خزرج دونوں قبائل تو یہودیوں کے اکسانے پر آپس میں اکثر لڑتے رہتے، لیکن باہر سے کسی حملہ آور کا انھیں کوئی خطرہ نہ تھا۔ لیکن اب مدینہ سرکار دو عالم ﷺ کی قیام گاہ ہونے کی وجہ سے مدینہ طیبہ کی یہ پُرامن بستی قریش، یہود اور منافقین کے غیظ و غضب کا نشانہ بن گئی۔ چنانچہ جب آپ ﷺ اور آپؐ کے ساتھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو مشرکین مکہ نے عبداللہ بن ابی کو جو آپ ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے قبل رئیس الانصار شمار کیا جاتا تھا اور اوس اور خزرج کے دونوں قبیلے اسے اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے، ایک دھمکی آمیز خط لکھا جس میں دوٹوک لفظوں میں یہ لکھا:

"آپ لوگوں نے ہمارے صاحب کو پناہ دے رکھی ہے، اس لیے ہم اللہ کی قسم

Marfat.com

کھاتے ہیں کہ یا تم لوگ اس کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو، یا پھر ہم لوگ بھاری جمعیت کے ساتھ آپ لوگوں پر یورش کر دیں گے اور تمھارے مردوں کو قتل کر کے تمھاری عورتوں کی حرمت کو پامال کریں گے۔'' (سنن ابی داؤد: ۲/۶۷)

عبداللہ بن ابی کے دل میں پہلے ہی سرکار دو عالم اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کے بارے میں کینہ و بغض بھرا ہوا تھا کیونکہ اس کے کوزۂ ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ آپ ﷺ ہی کی وجہ سے اس کی بادشاہت چھینی گئی ہے۔ چنانچہ اس خط کے موصول ہوتے ہی عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے مسلمانوں سے قتال یا ان کو مدینہ منورہ سے نکالنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ ﷺ خود عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو معاملے کے نشیب و فراز سے آگاہ کیا اور بتایا کہ کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے برسر پیکار ہونا چاہتے ہو۔ یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی اور وہ منتشر ہو گئے۔

اس وقت تو عبداللہ بن ابی اپنے ارادہ سے باز آ گیا کیونکہ اس کے ساتھی اس کا ساتھ دینے سے ڈھیلے پڑ گئے تھے، لیکن آپ ﷺ کے خلاف اس کے دل میں کینے اور بغض کا لاوا پکتا رہا۔ اس نے قریش مکہ سے اپنے روابط قائم رکھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع بھی اس نے اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیا اور موقع بموقع آپ ﷺ کی مدینہ منورہ میں تحقیر بھی کرتا رہا۔ (مسلم: ۲/۹۳)

اسی زمانہ میں ایک اور واقعہ رونما ہو گیا کہ قبیلۂ اوس کے رئیس سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ گئے۔ امیہ بن خلف سے ان کا بڑا پرانا یارانہ تھا، اس لیے اس کے مہمان ہوئے۔ ایک دن امیہ انھیں دوپہر کے وقت ساتھ لے کر کعبہ کے طواف کے لیے گیا کہ راستہ میں ابوجہل سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ابوجہل نے سعد کو مخاطب کر کے کہا: ''تم تو بڑے اطمینان و سکون سے طواف کر رہے ہو جب کہ تم لوگوں نے صابیوں (یعنی مسلمانوں) کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ خدا کی قسم! اگر تم ابوصفوان (امیہ بن خلف) کے ساتھ نہ ہوتے تو تم بچ کر واپس نہیں جا سکتے تھے۔'' سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ابوجہل کی اس بات سے غصہ آ گیا۔ وہ بھی بلند آواز سے بولے: ''اگر تم لوگوں نے ہمیں حج سے روکا تو ہم تم لوگوں کو ایسی چیز سے روک دیں گے جو تم پر اس سے زیادہ گراں ہو گی (یعنی شام کی تجارت کا راستہ) (بخاری: ۲/۵۶۳)

Marfat.com

قریش کو جب مسلمانوں کے خلاف اپنی دال گلتی نظر نہ آئی تو انھوں نے جزیرہ نما عرب کے تمام قبائل میں آپ ﷺ کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے ان کو آپ ﷺ کا مخالف بنا دیا۔ چنانچہ ہجرت کے چھٹے سال تک یمن وغیرہ کے لوگ آپؐ کے پاس نہیں پہنچ سکے تھے۔

قریش نے آپ ﷺ کی مخالفت میں اور تیزی پیدا کرنے کے لیے عبداللہ بن ابی کو جس کے قریش کے ساتھ بڑے گہرے روابط تھے ایک خط لکھا کہ ہم اس کی تیاریاں کر رہے ہیں کہ مدینہ پر یورش کر کے اسلام اور اس کے ماننے والوں کا استیصال کر دیں۔ چنانچہ حالات اس قدر مخدوش ہو گئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ راتوں کو جاگا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صبح تک ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔ سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مدینہ طیبہ آنے کے بعد ایک رات رسول اللہ ﷺ جاگ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کاش آج رات میرے ساتھیوں میں سے کوئی صالح آدمی میرے ہاں پہرہ دیتا۔ آپ ﷺ کا یہ کہنا تھا کہ ہمیں اسلحہ کی جھنکار سنائی دی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کون ہے؟'' جواب آیا: ''سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ'' فرمایا: ''کیسے آئے؟'' جواب دیا: ''یا رسولؐ اللہ! میرے دل میں آپ ﷺ کے بارے میں کچھ خطرات کا اندیشہ ہوا، لہٰذا میں پہرہ دینے کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔'' آپ ﷺ نے انھیں بہت دعا دی۔ تب آپ ﷺ نے آرام فرمایا۔

(بخاری: ۱/۴۰۴، مسلم: ۲/۲۸۰)

اسی طرح ایک اور خطرہ کے موقع پر سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ رات بھر آپ ﷺ کی چوکیداری کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے ان کے حق میں ان الفاظ میں دعا کی: ''ابوایوب! خدا تمھاری اس طرح حفاظت فرمائے جس طرح تو نے اس کے نبیؐ کی نگرانی کی۔''

سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے کہ یہ سرور کائناتؐ کی دعا کا اثر تھا کہ نصاریٰ ان کی قبر کی ہر طرح حفاظت کر رہے ہیں۔ امام سہیلیؒ کی اس تحریر کے وقت قسطنطنیہ پر نصاریٰ کا قبضہ تھا۔ بعد میں ۸۵۷ھ مطابق ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد فاتح نے اس شہر کو فتح کر کے اسلامی عمل داری میں داخل کیا۔ سلطان محمد فاتح بوسنیا کے رہنے والے تھے۔ (روض الانف: ۲/۲۴۶)

ان پُر خطر حالات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت دی اور ان کی بے بسی کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا

Marfat.com

اللّٰہُ﴾ (حج ۲۲:۴۰)

''یہ وہ مظلوم ہیں جو بغیر کسی حق کے اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے۔ ان کا کوئی جرم نہ تھا اگر تھا تو صرف یہ کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے یعنی یہ لوگ اینٹ پتھروں کو کیوں نہیں پوجتے۔ گویا ان پر سب سے بڑا اور سنگین الزام اگر لگایا جا سکتا ہے تو یہ ہی کہ ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کے کیوں ہو رہے ہیں۔''

پھر اسی صورت میں ارشاد فرمایا:

''جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور جو اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ نیز مسجد حرام سے (لوگوں کو روکتے) ہیں جسے ہم نے بلا امتیاز انسانوں کے لیے (عبادت گاہ) ٹھہرایا ہے۔ خواہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے ہوں (تو انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم نے انھیں اور) ہر شخص کو جو اس میں از راہ ظلم حق سے منحرف ہونا چاہے گا دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔'' (حج ۲۲:۲۵)

اس دردناک عذاب کا مزہ چکھانے کے لیے اور وہ بھی مظلوموں کے ہاتھوں سے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی ان الفاظ میں اجازت دی:

﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ﴾ (حج ۲۲:۳۹)

''جن لوگوں کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے، اب انھیں بھی (اس کے جواب میں) جنگ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر سراسر ظلم کیا گیا اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔''

امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جہاد کی یہ اجازت ۱۲؍صفر سنہ ۲ھ کو دی گئی۔

(زرقانی: ۱/۴۴۰)

Marfat.com

غزوات وسرایا

غزوات، غزوہ کی جمع ہے۔ اصحاب سیر کی اصطلاح میں غزوہ اس مہم کو کہتے ہیں جس میں نبی اکرم ﷺ نے خود شرکت فرمائی اور سرایا، سریہ کی جمع ہے جس میں آپ ﷺ خود شریک نہیں ہوئے۔ (زرقانی: ۱/۳۸۷)

جنگ کی اجازت بارگاہِ ایزدی سے ملنے کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی فوجی مہمات کا آغاز فرما دیا۔ آپ ﷺ نے فوجی دستوں کو ترتیب دیا اور انھیں مدینہ طیبہ کے راستوں پر کڑی نظر رکھنے کی ہدایات فرمائیں اور قریش کے اموال کا خصوصی طور پر پتہ لگانے کے لیے کہا کیونکہ وہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے اور ان سے ہر وقت مدینہ کے مسلمانوں کو خطرہ تھا۔

دوسرا مقصد ان فوجی دستوں کے بھیجنے کا یہ تھا کہ مدینہ کے گردونواح میں جو قبائل آباد ہیں ان سے معاہدات کیے جائیں۔ اس سے یہ فائدہ بھی تھا کہ آس پاس کے قبائل کو مسلمانوں کی عسکری طاقت کا احساس دلایا جائے اور انھیں بتایا جائے کہ قریش کے مقابلے میں مسلمان بھی اب کمزور نہیں ہیں۔

ان سرایا کے مختصر حالات درج ذیل ہیں:

سریہ حمزہ رضی اللہ عنہ (رمضان ۱ھ مطابق مارچ ۶۲۳ء)

ہجرت کے سات ماہ بعد یعنی رمضان المبارک سنہ ۱ھ میں یا ربیع الاول سنہ ۲ھ میں (علیٰ اختلاف الاقوال) سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ۳۰ مہاجرین کو سیف البحر (ساحل سمندر) روانہ فرمایا (اس وجہ سے اسے سریہ سیف البحر بھی کہتے ہیں) تا کہ قریش کا قافلہ: شام کی

Marfat.com

طرف سے آرہا تھا اس کا پتہ لگایا جا سکے۔ اس قافلے میں تین سو آدمی تھے جس میں ابوجہل بھی تھا۔ ہجرت کے بعد یہ سب سے پہلا سریہ ہے۔ اس لشکر میں سب مہاجرین ہی تھے، انصار کا کوئی فرد اس میں نہیں تھا۔ مسلمان جب ساحل سمندر کے پاس پہنچے تو قافلہ آتا دکھائی دیا۔ چنانچہ جب دونوں جماعتوں کا آمنا سامنا ہوا تو اگرچہ قریش کے قافلے کے افراد کی تعداد زیادہ تھی لیکن مسلمان پھر بھی ان کے مقابلے کے لیے صف آراء ہو گئے۔ قبیلۂ جہینہ کے سردار مجدی بن عمرو جہنی نے جو فریقین کا حلیف تھا، اپنی کوششوں سے جنگ نہ ہونے دی اور ابوجہل قافلہ لے کر واپس مکہ چلا گیا اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔ اس سریہ میں جو علَم استعمال کیا گیا اس کا رنگ سفید تھا اور اس کے علَم بردار سیدنا ابومرثد کنانہ بن حصین غنوی رضی اللہ عنہ تھے۔

(زرقانی: ۳۹۰/۱، السیرۃ لابن ہشام: ۵۹۰/۲، البدایہ: ۲۴۴/۲، طبقات ابن سعد: ۳/۲، عیون الاثر: ۲۲۴/۱، تاریخ الخمیس: ۳۵۶/۱۔۳۵۷)

سریۂ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ (شوال ۱ھ مطابق اپریل ۶۲۳ء)

شوال سنہ ۱ھ میں سرکار دو عالم ﷺ نے مہاجرین کے ساٹھ یا اسّی (علیٰ اختلاف الروایات) افراد کا دستہ ترتیب دے کر سیدنا عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو رابغ کی طرف بھیجا۔ اس دستے میں بھی کوئی انصاری نہ تھا۔

رابغ میں ابوسفیان سے سامنا ہوا جس کے ساتھ دو سو آدمی تھے، لیکن کوئی جنگ نہ ہوئی۔ صرف سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک تیر چلایا۔ یہ اسلام میں پہلا تیر تھا جو چلایا گیا۔ اس سریہ میں قریش کے دو آدمی جو پہلے ہی سے مسلمان تھے لیکن قریش کے پنجہ میں ہونے کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکے تھے، مسلمانوں کے ساتھ آملے۔ ان میں سے ایک مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ اور دوسرے عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ تھے۔

سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ کا علَم بھی سفید تھا اور علم بردار سیدنا مسطح ابن اثاثہ رضی اللہ عنہ تھے۔

(زرقانی: ۳۹۱/۱، سیرۃ ابن ہشام: ۵۹۰/۲)

اس سریہ کو سریۂ رابغ بھی کہتے ہیں۔

Marfat.com

سریۂ سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص (ذی قعدہ ۱ھ مطابق مئی ۶۲۳ء)

ماہ ذیقعدہ سنہ ۱ھ میں بیس مہاجرین کی جمعیت پر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کر کے خرار کی طرف بھیجا گیا۔ خرار جحفہ کے قریب ایک وادی کا نام ہے، اس دستے کو بھی آپ ﷺ نے قریش کے ایک قافلے کا پتہ لگانے کے لیے روانہ فرمایا تھا اور ساتھ ہی یہ تاکید بھی فرمائی تھی کہ خرار سے آگے نہ بڑھیں۔ یہ سارے لوگ پیدل روانہ ہوئے۔ یہ حضرات رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے۔ جب پانچویں روز خرار پہنچے تو پتہ چلا کہ قریش کا قافلہ ایک روز پہلے جا چکا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ واپس مدینہ منورہ آ گئے۔

(زادالمعاد: ۸۳/۲، طبقات ابن سعد: ۳/۲)

واقدی اور ابن سعد کے نزدیک یہ تینوں سریے سنہ ۱ھ میں روانہ ہوئے لیکن محمد ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ تینوں سنہ ۲ھ غزوہ ابواء کے بعد روانہ کیے گئے۔ (ابن اثیر: ۴۳/۲)

ابن ہشام نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (ابن ہشام: ۵۹۱/۲)

غزوۂ ابواء (صفر ۲ھ مطابق اگست ۶۲۳ء)

اسلام کی تاریخ میں یہ سب سے پہلا غزوہ ہے جس میں سرکار دو عالم ﷺ ساٹھ مہاجرین کے ہمراہ تشریف خود لے گئے۔ آپ ﷺ نے سیدنا سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اس مہم کا مقصد بھی قریش کے قافلے کو راہ میں روکنا تھا۔ اس دستے میں بھی کوئی انصاری نہ تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس غزوہ کا مقصد قریش اور بنوضمرہ پر حملہ کرنا تھا۔ آپ ﷺ ابواء کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ پہلے آپ ﷺ وڈان تک پہنچے لیکن جب آپ ﷺ ابواء پہنچے تو قریش کا قافلہ نکل چکا تھا۔ بنی ضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو سے آپ ﷺ کا ایک حلیفانہ معاہدہ ہوا جس کی عبارت حسب ذیل تھی:

"یہ بنوضمرہ کے لیے محمد رسول اللہ (ﷺ) کی تحریر ہے۔ یہ لوگ اپنے مال اور جان کے بارے میں بالکل مامون رہیں گے اور جو ان پر حملہ کرے گا اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی، مگر یہ کہ خود اللہ کے دین کے خلاف جنگ کریں۔ یہ معاہدہ اس وقت تک کے لیے ہے جب تک سمندر ان کو تر کرے (یعنی ہمیشہ کے لیے ہے)

Marfat.com

اور جب رسول اللہ ﷺ ان کو اپنی مدد کے لیے بلائیں گے تو انھیں آنا ہوگا۔''

اس غزوہ کو ''غزوہ ودان'' بھی کہتے ہیں جو ابواء کے قریب چھ میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے اور یہ مدینہ سے ۲۹ میل ہے۔ اس سفر میں بھی قتال کی نوبت نہیں آئی۔ اس مہم کے پرچم کا رنگ بھی سفید تھا اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب اس کے علم بردار تھے۔

(عیون الاثر: ۱/۳۵۴، ابن ہشام: ۲/۵۹۰، زرقانی: ۱/۵۷، طبقات ابن سعد: ۲/۳، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۴۱، زادالمعاد: ۲/۲۱۲)

غزوۂ بواط (صفر ۲ھ مطابق اگست ۶۲۳ء)

بواط جہینہ کے سلسلہ کا ایک پہاڑ ہے۔ یہ مکہ سے شام جانے والی شاہراہ کے متصل اور مدینہ طیبہ سے قریباً ۴۸ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس مہم میں بھی سرکار دوعالم ﷺ بنفس نفیس شامل ہوئے اور ربیع الاول سنہ ۲ھ یا ربیع الثانی میں دوسو مہاجرین کے ساتھ قریش کے ایک قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے بواط کی طرف روانہ ہوئے۔ قریش کے اس قافلے میں ایک سو آدمی اور اڑھائی ہزار اونٹ تھے۔ امیہ بن خلف بھی اس قافلے میں موجود تھا۔ بواط پہنچ کر پتہ چلا کہ قافلہ یہاں سے جا چکا ہے۔ اس لیے کوئی معاملہ پیش نہ آیا۔ لہٰذا آپ ﷺ بلا جنگ کیے واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔

اپنی غیر موجودگی میں آپ ﷺ نے سیدنا سائب بن مظعون رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا۔ بعض روایات میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ اس غزوہ کا پرچم بھی سفید تھا اور علم بردار سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔

(عیون الاثر: ۱/۳۵۷، ابن ہشام: ۱/۵۹۸، ابن سعد: ۲/۷، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۴۶)

غزوۂ ذوی العشیرہ (جمادی الاولیٰ ۲ھ مطابق دسمبر ۶۲۳ء)

یہ غزوہ جمادی الاولیٰ سنہ ۲ھ میں پیش آیا۔ اس میں بھی آپ ﷺ نے بذات خود شرکت فرمائی اور آپ ﷺ کے ساتھ ڈیڑھ سو یا دوسو مہاجرین تھے، لیکن آپ ﷺ نے کسی کو مجبور نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ کو پتہ چلا کہ قریش کا ایک قافلہ بہت سا سامان تجارت لے کر

Marfat.com

شام جارہا ہے۔ آپ ﷺ اس کی طلب میں ڈیڑھ سو مہاجرین کا ایک دستہ لے کر نکلے۔ ذوالعشیرہ ینبوع کے اطراف میں ایک مقام کا نام ہے۔ اس کو عُشَیْرَ اور عُشَیْر (عین کی پیش کے ساتھ) دونوں طرح سے بولتے ہیں۔ بعض نے اس کو ''ذات العشیرہ'' پڑھا ہے۔ (عین کی پیش اور شین کی زیر کے ساتھ)۔ (نووی: ۱۲/۱۹۵)

آپ ﷺ کو پتہ چلا کہ قافلہ مکہ سے نکل چکا ہے۔ آپ ﷺ کے پاس صرف تیس اونٹ تھے۔ جن پر مسلمان باری باری سوار ہوتے تھے۔ آپ ﷺ جب عشیرہ پہنچے تو پتہ چلا کہ قافلہ کئی روز پہلے ہی جا چکا تھا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ وہی قافلہ ہے جسے شام سے واپسی پر نبی اکرم ﷺ نے پکڑنا چاہا تھا۔ قافلہ تو اس دفعہ بھی بچ نکلا لیکن اس کے نتیجہ میں جنگ بدر کا واقعہ پیش آ گیا۔ آپ ﷺ نے جمادی الاولیٰ اور جمادی الآخرۃ کے کچھ روز وہیں قیام فرمایا اور بنو مدلج اور بنو ضمرہ سے عدم جنگ کا معاہدہ کر کے واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ مدینہ سے اپنی غیر حاضری کے ایام میں سیدنا ابو سلمہؓ بن عبدالاسد المخزومی کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اس مرتبہ بھی اسلامی دستہ کا پرچم سفید رنگ کا تھا اور علم بردار سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب الہاشمی رضی اللہ عنہ تھے۔ (روض الانف: ۲/۵۸، عیون الاثر: ۱/۳۵۷)

غزوات میں سب سے پہلا غزوہ کون سا پیش آیا، اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ سب سے پہلا غزوہ ابواء ہے پھر بواط ہے اور پھر عشیرہ۔ صحیح بخاری میں بھی یہی ترتیب ہے اور ابن سید الناس نے بھی عیون الاثر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

غزوہ عشیرہ سے واپسی پر آپ ﷺ نے قریباً دس روز مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا تھا کہ ایک روز کرز بن جابر فہری نے مدینہ طیبہ کی چراگاہ پر شب خون مارا اور لوگوں کے اونٹ اور بکریاں جو وہاں چر رہی تھیں، ان کو لے بھاگا۔ آپ ﷺ اس خبر کو سنتے ہی اس کے تعاقب میں سفوان تک گئے جو بدر کے قریب ایک مقام ہے، لیکن کرز بن جابر وہاں سے نکل چکا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔

اس غزوہ کو غزوۂ بدر اولیٰ کا نام دیا گیا ہے اور اسے غزوۂ سفوان بھی کہتے ہیں۔ اس غزوہ میں جاتے وقت مدینہ سے اپنی غیر حاضری کے ایام میں آپ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ (ابن ہشام: ۲/۲۵۱، عیون الاثر: ۱/۲۲۷)

Marfat.com

سریہ نخلہ (رجب ۲ھ مطابق جنوری ۶۲۴ء)

ماہ رجب سنہ ۲ھ میں سرکار دو عالم ﷺ نے بارہ مجاہدین کا ایک دستہ اپنے پھوپھی زاد بھائی سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت مقام نخلہ کی طرف روانہ کیا۔ نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے۔ یہ مکہ سے ایک رات کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں جنات نے آپ ﷺ کا قرآن سنا تھا۔ (جس کا ذکر ہم نے سفر طائف سے واپسی میں کر دیا ہے۔ (زرقانی: ۱/۳۹۷)

یہ دستہ بارہ مہاجرین پر مشتمل تھا۔ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک تھے۔ باقی گیارہ کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) سیدنا ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
(۲) سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ
(۳) سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
(۴) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
(۵) سیدنا عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
(۶) سیدنا واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
(۷) سیدنا خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ
(۸) سیدنا سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ
(۹) سیدنا عمر بن ایاس رضی اللہ عنہ
(۱۰) سیدنا مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ
(۱۱) سیدنا صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ

''زرقانی'' میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجنے کا ارادہ فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میں تم پر ایک ایسے شخص کو امیر بناؤں گا جو تم میں سب سے زیادہ بھوک اور پیاس کو برداشت کرنے والا ہوگا۔ لہٰذا بعد ازاں آپ ﷺ نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا اور اسلام میں وہ پہلے امیر تھے۔

(زرقانی: ۱/۳۹۷)

Marfat.com

اس سریہ میں ہر دو دو آدمیوں کے پاس ایک اونٹ تھا۔ جس پر دونوں باری باری سوار ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے امیر سریہ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک بند تحریر دی اور ہدایت فرمائی کہ بسم اللہ کہو اور روانہ ہو جاؤ۔ جب دو دن سفر کر چکو تب اس تحریر کو کھول کر پڑھنا اور اپنے ساتھیوں کو بھی سنا دینا۔ پھر اس تحریر میں جو ہدایت دی گئی ہے اس پر عمل کرنا اور جو ساتھی آگے نہ جانا چاہے اس پر جبر نہ کرنا۔

دو روزہ سفر کر چکنے کے بعد سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس تحریر کو کھولا تو اس میں لکھا تھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: اللہ تعالیٰ کی برکت آپ کو نصیب ہو۔ آپ اور آپ کے جو ساتھی آپ کے ساتھ چلیں ان کو ساتھ لے کر روانہ ہوں یہاں تک کہ آپ بطن نخلہ پہنچ کر قیام کریں۔ وہاں قریش کے ایک قافلہ کو جو غلہ لے جا رہا ہو گا، اس کی تاک رکھیں۔ امید ہے کہ اس کی کوئی خبر لے کر آپ ہمارے پاس آئیں گے۔''

سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے تحریر پڑھتے ہی کہا ''سمعنا واطعنا'' (جو حکم ہے اس کی پوری پوری تعمیل ہو گی) پھر یہ تحریر انھوں نے اپنے ساتھیوں کو سنائی اور فرمایا کہ جو شخص شہادت کا طلب گار ہے وہ میرے ساتھ چلے، میں کسی پر اس بارے میں جبر نہ کروں گا۔ لیکن ان بارہ حضرات میں سے کوئی ایک بھی واپس ہونے کو تیار نہ ہوا۔ اب سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو لے کر آگے بڑھے، لیکن جب حجاز کے بالائی علاقے میں فرع کے اوپر ایک میدان کے قریب اس جگہ پہنچے جس کو ''نجران'' کہا جاتا تھا وہاں اتفاق سے ایک اونٹ گم ہو گیا۔ یہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عتبہ رضی اللہ عنہ بن غزوان کا اونٹ تھا۔ یہ دونوں حضرات اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے۔ باقی حضرات نے سفر جاری رکھا اور ''بطن نخلہ'' پہنچ گئے اور حسب ہدایت یہاں قیام کر کے قریش کے قافلے کا انتظار کرنے لگے۔ ان حضرات کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ قریش کا ایک قافلہ جو کشمش، کچی کھالیں اور دیگر سامان تجارت لیے ہوئے تھا، سامنے آ گیا۔ عمرو بن حضرمی، حکیم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی اور نوفل بن عبداللہ مخزومی اس قافلہ کے ممتاز شرکاء میں سے تھے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے جو سربمہر تحریر عنایت فرمائی تھی اس میں صرف خبر لانے اور حالات معلوم کرنے کی ہدایت تھی۔ حملہ کے بارے میں کوئی ہدایت نہ تھی، لیکن جس اہتمام سے

Marfat.com

اس دستہ کو بھیجا گیا اور جس اہمیت اور راز داری کے ساتھ دستے کے امیر سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو یہ تحریر دی گئی تھی، اس سے بہت کچھ سمجھا جا سکتا ہے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی تیر اندازی مشہور تھی اور سریہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ میں انھوں نے ایک تیر چلایا تھا جو اسلام میں سب سے پہلا تیر تھا جو چلایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس تیر چلانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا، اگرچہ ابھی تک حکم قتال نازل نہیں ہوا تھا لیکن اب اذن قتال کی آیت نازل ہو چکی تھی۔ دستہ کے امیر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان سب باتوں سے یہی سمجھا کہ موقع ملے تو ان کو ''اقدام'' کی اجازت ہے۔ باہمی مشورہ بھی ہوا کہ کیا کیا جائے کیونکہ آج حرام مہینے رجب کا آخری دن ہے۔ اگر ہم لڑائی کرتے ہیں تو حرمت والے مہینے کی بے حرمتی ہوتی ہے اور اگر رات بھر رک جاتے ہیں تو یہ لوگ حدود حرم میں داخل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد سب کی یہی رائے ہوئی کہ حملہ کر دینا چاہیے۔ چنانچہ مسلمانوں کے دستہ سے ایک مجاہد ''واقد بن عبداللہ سہمی رضی اللہ عنہ'' نے تیر مارا۔ وہ تیر عمرو بن حضرمی کو لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس ایک آدمی کے مرنے سے پورے قافلے کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مجاہدین فوراً آگے بڑھے اور انھوں نے کافروں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ عثمان بن عبداللہ اور حکیم بن کیسان گرفتار ہوئے اور باقی تمام لوگ بھاگ گئے۔ یہ دستہ قریش کے قافلے کا تمام سامان اور ان دونوں قیدیوں کو لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ اسلام کی پندرہ سالہ تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے ایک غیر مسلم کا قتل ہوا، بلکہ یہ بھی پہلا موقع تھا کہ اس طرح گرفتار شدہ قیدی اور ضبط شدہ سامان ہاتھ آیا ہوا۔ یہ سب کچھ سن دیکھ کر لسان نبوت سے یہ نکلا:

((ما امرتکم بقتال))

''میں نے تو تمھیں لڑنے کے لیے نہیں کہا تھا۔''

عمرو بن حضرمی کے قتل کے کیا نتائج ہوں گے یہ مسئلہ ابھی غور طلب تھا لیکن سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے فی الحال سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس ضبط شدہ مال کا کیا کیا جائے اور قیدیوں کے بارے میں کیا حکم دیا جائے؟ اسی روایت کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے جب یہ ضبط کردہ مال بارگاہِ رسالت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں فرمایا حتیٰ کہ کچھ عرصہ بعد جب جنگ بدر کی غنیمت کے متعلق احکام نازل

Marfat.com

ہوئے تب آپ ﷺ نے اس مال کو بھی انہی احکام کے مطابق تقسیم کیا۔

فدیہ ادا کر کے قیدیوں کو چھڑانے کا طریقہ عرب میں بہت پہلے سے رائج تھا۔ اسی رواج کے مطابق قریش مکہ نے فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو رہا کرانا چاہا لیکن چونکہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ جو اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے تھے، ابھی تک واپس نہیں آئے تھے اور اس بات کا شدید خطرہ تھا کہ شاید قریش نے گرفتار نہ کر لیے ہوں، اس لیے سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی واپسی سے پہلے ان قیدیوں کی رہائی کے بارے میں گفتگو مناسب نہ سمجھی۔ جب یہ دونوں حضرات بخیریت واپس آ گئے تب سرور کائنات ؐ نے ان دونوں کو رہا فرما دیا۔ تین اوقیہ یعنی چار سو اسی درہم ہر ایک اسیر کا فدیہ لیا۔ عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ تو رہا ہو کر چلا گیا اور حالتِ کفر ہی میں مر گیا۔ حکیم بن کیسان تو کچھ ایسے گرفتار ہوئے کہ رہائی پسند ہی نہ کی۔ پہلے سیاسی اسیر تھے پھر کاکلِ رسالت کے خودساختہ اسیر ہو کر مدینہ طیبہ ہی میں سکونت اختیار کر لی گویا کہ

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغِ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

دولت ایمان سے مشرف ہوئے اور زمرۂ صحابہ میں داخل ہو کر تبلیغ و تعلیم کے لیے باہر بھیجے جانے لگے، اور ایک روز بیرِ معونہ کے واقعہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

ادھر اس حادثہ سے مشرکین کو اس پروپیگنڈہ کا موقع مل گیا کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ مہینے کو حلال کر دیا ہے۔ بڑی چہ میگوئیاں ہوئیں، لیکن مسلمانوں کے دستہ نے یہ سب کچھ کوئی جان بوجھ کر نہیں کیا تھا۔ اتفاق سے ایسا ہو گیا کیونکہ یہ رجب کا آخری دن تھا۔ ان حضرات نے امن پسندانہ دستور کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ خود امیر دستہ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت پناہ میں یہ عرض کیا تھا:

ہم ابن حضرمی کو قتل کر چکے تھے، پھر جب شام ہوئی تو ہم نے رجب کا چاند دیکھا۔ اب نہیں معلوم کہ ہم نے اس کو رجب میں قتل کیا یا جمادی الآخرۃ میں۔ (تفسیر معالم التنزیل: ۹۳/۲)

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی دانست کے مطابق ماہ رجب کا پورا احترام کیا تھا۔ انھیں یہی معلوم تھا کہ یہ جمادی الآخرۃ کا مہینہ ہے۔

Marfat.com

ابھی رجب کا چاند نہیں ہوا، لیکن قریش کو پروپیگنڈے کا اچھا موقع مل گیا۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کو جو طعنہ دیا وہ یہ تھا:

"بے دین لوگو! تم نے شہر حرام کی توہین کی۔ اس مقدس مہینے میں تم نے جنگ کی۔"

اب سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے نازک احساسات کے لیے بہت سخت آزمائش کا وقت تھا۔ ایک صحابی کے لیے اس سے زیادہ صدمے اور ندامت کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی کہ اس کے عمل سے نبوت کی طبع نازک غبار آلود ہو۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا یہ جرأت مندانہ اقدام ان کے آقائے نامدار ﷺ کی پسندیدگی بھی حاصل نہیں کر سکا تھا، لہٰذا ان لوگوں کو کس قدر تشویش، ندامت اور روحانی کوفت ہوئی ہوگی، اس کا اندازہ نہایت مشکل ہے۔ چنانچہ جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جو اس واقعہ کے راوی ہیں، ان کے الفاظ پڑھنے کے قابل ہیں:

"اصحاب سریہ کو اس بات کا سخت احساس ہوا۔ وہ سمجھنے لگے کہ ہم برباد ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ کفِ افسوس ملنے لگے اور مسلمانوں نے بھی ان کے اس فعل پر انھیں ملامت کی۔" (تفسیر ابن جریر: ۱۹۵/۲)

ان کی یہ شرم ساری اور ندامت رنگ لائی اور تمام مسلمانوں کے لیے مشکل کشا بن گئی۔ چنانچہ اس معاملے کے بارے میں کچھ آیات نازل ہوئیں جن میں ہمیشہ کے لیے ماہ حرام کے احکام بیان فرما دیئے گئے۔ قریش اُشہر حرام کی حرمت کا واسطہ دے کر پروپیگنڈہ کر رہے تھے۔ وحی الٰہی نے شہر حرام کی حرمت کو ایک حد تک تسلیم کرتے ہوئے یہ راہ نمائی فرمائی کہ لکیر کا فقیر بنے رہنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ فتنہ ختم ہو۔ اگر فتنہ کو ختم کرنے کے لیے اُشہر حرام کی حرمت کو بھی قربان کرنا پڑے تو یہ قربانی درست اور صحیح ہوگی۔ وحی الٰہی نے یہ بھی واضح کیا کہ پہل عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے نہیں کی بلکہ پہل ان کی طرف سے ہو چکی ہے جن کی یہ کوششیں کئی سالوں سے چلی آ رہی ہیں اور آئندہ بھی یہ کوششیں رہیں گی کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کر دیں۔ وحی الٰہی کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:

"آپ ﷺ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ جو حرمت کا مہینہ سمجھا جاتا ہے اس میں لڑائی کرنا کیسا ہے؟ آپ ﷺ کہہ دیجیے اس میں لڑائی کرنا بہت

Marfat.com

بری بات ہے۔ (مگر یہ بھی سمجھ لو) اللہ کے راستے سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام کی راہ بند کر دینا (یعنی وہاں نہ جانے دینا) نیز حرم (مکہ) کے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دینا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برائی ہے۔ اور فتنہ (اہل مکہ جس کے علم بردار ہیں) قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ (واقعہ یہ ہے کہ یہ سوال محض پروپیگنڈہ ہے ورنہ اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کو تمھارا اسلام برداشت نہیں۔ چنانچہ یہ لوگ تم سے برابر لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر بن پڑے تو تمھیں تمھارے دین سے برگشتہ کر دیں۔ اور (دیکھو) تم میں سے جو شخص اپنے دین سے برگشتہ ہو جائے گا اور اسی حالت برگشتگی میں دنیا سے چلا جائے گا تو (یاد رکھو) اس کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں اکارت گئے اور ایسے ہی لوگ ہیں جن کا گروہ دوزخی گروہ ہے۔ ہمیشہ عذاب میں رہنے والا۔ (البقرہ۲: ۲۱۷)

اس آیت نے شہر حرام کی پوزیشن تو واضح فرما دی لیکن ان سرفروش مجاہدین کے بارے میں، جو دین حق کی حمایت اور ہادیِ برحق کی اطاعت اور اللہ کی رضا کی دولت حاصل کرنے کے شوق میں جان کی بازی لگا چکے تھے اور یہی لگن اور ولولہ تھا جس نے ان کو ایک سربند تحریر لیے ہوئے بلا سروسامان اپنے گھروں سے نکالا اور قریباً تین سو میل کی مسافت پر پہنچایا۔ وہاں انھوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کیا، وحی الٰہی کا فیصلہ کیا ہے؟ کیا انھیں حق ہے کہ وہ رضائے الٰہی کے متوقع اور رحمت خداوندی کے امیدوار ہوں۔ بعد کی آیت نے اس کی وضاحت کر دی اور انھیں رحمت خداوندی کی بشارت دے دی۔ فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾

(البقرہ۲: ۲۱۸)

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے وطن سے بے وطن ہونے کے بعد مصائب برداشت کیے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، تو بلاشبہ

Marfat.com

یہی لوگ ہیں جو (بجا طور پر) اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمتوں سے نوازنے والا ہے۔"

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۶۰۱/۲۔۶۰۵، البدایہ والنہایہ: ۲۴۸/۳، عیون الاثر: ۳۶۹/۱، زرقانی: ۳۹۷/۱، روض الانف: ۶۰/۲، زاد المعاد: ۸۳/۲۔۸۵)

یہ تھے غزوۂ بدر سے پہلے کے سرایا اور غزوات۔ ان سب غزوات و سرایا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں صرف ایک شخص ابن حضرمی مارا گیا۔ اس کے علاوہ کوئی قتل و غارت گری نہیں ہوئی۔ کسی کا مال نہیں لوٹا گیا، لیکن جب کرز بن جابر فہری مسلمانوں کے اونٹ اور ریوڑ ہانک کر لے گیا تو پھر پیغمبر اسلام ﷺ نے ان کی اقتصادی ناکہ بندی شروع کی۔

قریش مکہ کے پیغامات جو عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے نام آئے تھے، خطرہ تھا کہ وہ کہیں حقیقت کا روپ نہ دھار لیں اور وہ مسلمانوں کے لیے خطرے کا باعث نہ بن جائیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے مختلف صحابہ کو مختلف علاقوں میں بھیج کر اپنی قوت کا ان سے اعتراف کروایا۔ اور آخر میں جب سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے نخلہ میں قریش کے قافلے پر حملہ کیا تو پھر قریش کو بھی مسلمانوں کی عسکری قوت کا اعتراف ہو گیا۔

ابوجہل اور سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے درمیان مکہ میں جو تلخ کلامی ہوئی اور ابوجہل نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو جو دھمکی دی کہ:

"اگر تم امیر کی پناہ میں نہ ہوتے تو یہاں سے زندہ نہیں جا سکتے تھے۔ تم لوگوں نے بے دینوں (مسلمانوں) کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔"

اس کا جواب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے بھی اتنی ہی ترشی سے دیا کہ:

"اگر تم حرم کے دروازے ہم پر بند کرتے ہو تو ہم تمھاری شام کی تجارت بند کر دیں گے۔"

ابوجہل کی اس دھمکی نے مسلمانوں کو چوکنا کر دیا۔ اب نبی ﷺ نے قریش مکہ کو یہ بتانے کے لیے کہ اگر تم لوگ ہمارا مکہ میں داخلہ بند کر دو گے تو ہم بھی اس پوزیشن میں ہیں کہ تمھارے شام جانے والے قافلوں کا راستہ روک سکیں۔ چنانچہ قریش مکہ کو اپنی عسکری قوت کا احساس دلانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو قریش کے قافلہ کی

Marfat.com

خبر رکھنے کے لیے نخلہ بھیجا اور انھوں نے قافلہ پر حملہ کر کے ان کا سامان بھی ضبط کر لیا۔ دو آدمی قیدی بھی بنا لیے اور ایک آدمی کو جان سے بھی مار دیا۔ اس سے مکہ کی قیادت کو یہ احساس ہو گیا کہ مسلمان ہمارے تجارتی قافلوں کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کے قابل ہیں اور اگر وہ چاہیں تو تین سو میل کا راستہ طے کر کے ان کے علاقے کے اندر آ کر بھی ان کا مال ضبط کر سکتے ہیں، انھیں قید کر سکتے ہیں، ان کے آدمی مار بھی سکتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ صحیح وسالم واپس بھی جا سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کی سمجھ میں آ گیا کہ اب مسلمانوں کے ہاتھوں ہماری شامی تجارت متاثر ہو سکتی ہے۔ بلکہ اب ہم مستقل ان کے خطرے کی زد میں ہیں لیکن مکہ کی قیادت بیدار مغز نہ تھی۔ ان کے ہوش ان کے جوش کے تابع تھے۔ انھوں نے اب بھی مسلمانوں کی قوت کا احساس نہ کیا۔ وہ اب بھی مسلمانوں کو اسی طرح بے دست وپا سمجھتے تھے جس طرح وہ مکہ میں بے دست وپا تھے۔ ان کو چاہیے تھا کہ اب وہ بنوضمرہ اور جہینہ جیسے قبائل کی طرح مسلمانوں کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھاتے، لیکن انھوں نے غیظ وغضب اور عداوت وکینہ کے جوش میں مسلمانوں سے برسرِ پیکار رہنا ہی پسند کیا۔ ان کی قیادت نے ہوش کے ناخن نہ لیے اور روز بروز ان کے جوش اور طیش میں اضافہ ہوا اور یہی طیش اور جوش انھیں میدان بدر میں لے آیا۔

دوسری طرف رحمت الٰہی کب تک مسلمانوں کی بے بسی اور بے کسی کا تماشا دیکھتی۔ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے قتل وغارت گری کے لیے نہ بھیجا تھا، لیکن ان کے ہاتھوں عمرو بن حضرمی کے قتل اور حکیم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ کی گرفتاری کی توثیق اللہ تعالیٰ نے فرما دی اور پہلے تو مسلمانوں کے لیے اذن قتال تھا لیکن اب حکم قتال بھی بارگاہ رب العزت سے مل گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ○ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ

Marfat.com

فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ (البقرہ ۲: ۱۹۰ تا ۱۹۲)

''یعنی اور (بے تکلف) لڑو تم خدا کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑیں اور (حدود شریعت سے) تجاوز نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔ اور (اگر وہ خود حد سے تجاوز کریں اور عہد شکنی کریں اور تم سے لڑیں تو پھر) تم ان کو مارو جہاں کہیں بھی پاؤ۔ اور نکال دو ان کو جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا ہے، یعنی مکہ سے (یعنی تم کو اتنا ستایا کہ تم نکلنے پر مجبور ہو گئے) ایسے لوگوں کو جہاں بھی پاؤ مارو (اور یہ خیال نہ کرو کہ ماہ حرام اور سرزمین حرم میں کیسے قتل وقتال کریں۔ اس لیے کہ کفر وشرک کا) فتنہ (اور اعداء اللہ کا غلبہ اور ان کی شوکت کا فتنہ سرزمین حرم میں) قتل وقتال اور اخراج کے فتنہ سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ اور (اس کا خاص طور پر خیال رکھو کہ) مسجد حرام کے قریب ان سے نہ لڑو تاوقتیکہ وہ اس جگہ خود تم سے نہ لڑیں۔ پھر اگر وہ لڑیں تو ان کو مارو کیونکہ منکرین کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آویں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ان (کافروں) سے لڑو اس وقت تک کہ فساد باقی نہ رہے اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جائے اور اگر وہ لوگ (کفر وشرک سے) باز آ جائیں تو زیادتی نہیں مگر ظالموں پر۔''

جنگ کا یہ حکم حالات کا تقاضا تھا کیونکہ اب پورا کفر پورے اسلام کو نیست ونابود کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اب حالات کا تقاضا تھا کہ دونوں فریقوں کے درمیان کوئی فیصلہ کن معرکہ ہوتا کہ دونوں فریقوں کی حقیقی صورت حال پوری طرح کھل کر سامنے آ جائے۔

Marfat.com

غزوۂ بدر

(۱۷ر رمضان المبارک ۲ھ مطابق مارچ ۶۲۴ء)

یہ غزوہ اسلام کے غزوات میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا غزوہ ہے جس میں پورا کفر پورے اسلام کے سامنے آیا اور اسی غزوہ نے اسلام کی عزت و شہرت چار دانگ عالم میں پھیلا دی اور شرک کی اتنی ذلت و رسوائی ہوئی کہ پھر وہ کھل کر مسلمانوں کے سامنے نہ آ سکا۔ اگرچہ اس غزوہ کے بعد بھی کفر کئی مرتبہ اسلام کے سامنے آیا لیکن اتنی بے باکی کے ساتھ نہ آیا بلکہ مسلمانوں کا رعب کافروں کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسی لیے قرآن میں اس کو ''یوم الفرقان'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا یعنی اس میں حق اور باطل میں فرق اور امتیاز ہو گیا۔ لوگ کفر کی حقیقت کو بھی سمجھ گئے اور اسلام کی حقیقت سے بھی شناسائی حاصل ہو گئی اور حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کا فرق دنیا پر واضح ہو گیا۔

کتاب اللہ کا مطمح نظر سب سے پہلے مومن کا قلب ہوتا ہے۔ مومن ہوس اقتدار میں جنگ نہیں کرتا بلکہ اس کے جنگ کرنے کا مقصد رضائے الٰہی اور اللہ کے دین کی سربلندی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر کے ذکر سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی قلبی کیفیت پر روشنی ڈالی ہے کہ ''یہ کوئی جنگجو انقلابی یا پیشہ ور فوجی نہیں تھے۔ نہ ان کو اقتدار کی ہوس تھی اور نہ نمائش کا شوق تھا کہ فوجی مظاہرہ سے ان کو خوشی ہوتی اور وہ کشت و خون کو پسند کرتے۔ نہایت امن پسند اور صلح جو صاحب ایمان تھے اور وہ ان خصوصیات سے مکمل طور پر مزین تھے جو قرآنِ حکیم کی آیات مبارکہ میں بیان کی گئی ہیں۔ وہ خصوصیات یہ ہیں:

(۱) جب اللہ کا ذکر ان کے سامنے کیا جاتا تو ان کے دل دہل جاتے ہیں۔

(۲) جب اللہ تعالیٰ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کی ایمانی قوت میں وہ

Marfat.com

اضافہ کر دیتی ہیں۔

(۳) وہ ہر حال میں اپنے پروردگار پر بھروسہ اور توکّل کرتے ہیں۔

(۴) نماز قائم کرتے ہیں۔

(۵) اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے اس میں سے (حسب ہدایت خداوندی) خرچ کرتے رہتے ہیں۔

اسی امن پسندی اور صلح جوئی کا یہ اثر تھا کہ ایک گروہ کے لیے یہ سفر ایسا ناگوار تھا جیسے کسی کو زبردستی موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہو اور وہ اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔

ایک طرف مسلمانوں کا یہ خلوص، للّٰہیت اور سادگی تھی اور دوسری طرف قریش کی حالت ان کے بالکل برعکس تھی جس کو قرآن حکیم نے بڑے عجیب انداز میں بیان فرمایا ہے اور مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ تم ان کی طرح نہ ہو جانا۔ قریش کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے نکلے اور لوگوں کی نگاہوں میں نمائش کرتے ہوئے اس حال میں کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک رہے تھے اور شیطان ان کے عمل کو ان کی نگاہوں میں خوش نما کر کے دکھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ آج ان لوگوں میں کوئی نہیں جو مجھ پر غالب آ سکے اور میں تمھارا پشت پناہ ہوں۔ (انی جار لکم) (الانفال)

اسباب و وجوہات:

اس جنگ کے محرکات اور اسباب کئی تھے لیکن سب سے بڑا سبب ہمارے خیال میں ابوجہل کی وہ دھمکی تھی جو اس نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اس وقت دی جب وہ طوافِ کعبہ کے لیے امیہ بن خلف کے ساتھ جا رہے تھے اور اس نے کہا تھا کہ ''اگر تم امیہ کی پناہ میں نہ ہوتے تو یہاں سے زندہ نہ جا سکتے تھے کیونکہ تم لوگوں نے بے دینوں (مسلمانوں) کو اپنے ہاں پناہ دی ہوئی ہے۔'' اس دھمکی نے انصار مدینہ اور دوسرے مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ وہ جب تک قریش کے کسی سردار کی پناہ میں نہ ہوں اس وقت تک حرم کعبہ میں داخل نہیں ہو سکتے ورنہ وہ زندہ واپس نہیں جا سکیں گے۔

قریباً انہی ایام میں کہ جب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے دستہ کا واقعہ پیش آیا اور ایک

Marfat.com

مہاجر صحابی سیدنا واقد بن عبداللہ سہمی رضی اللہ عنہ کے تیر سے عمرو بن حضرمی مارا گیا، تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تھا، اس سے حتمی طور پر مسلمانوں کا قبلہ کعبہ کو قرار دیا گیا تھا۔ اس تحویل کعبہ کے حکم نے مسلمانوں کا رشتہ خانہ کعبہ کے ساتھ اور بھی مضبوط اور پختہ کر دیا تھا۔

اس متمدن اور مہذب دنیا کے اندر بھی کسی مطالبہ کو تسلیم کرانے کا پُرامن طریقہ اقتصادی ناکہ بندی ہے۔ مدینہ طیبہ کی بیدار مغز قیادت نے یہ طریقہ استعمال کیا۔ چنانچہ مختلف سرایا اور غزوات میں قریش کے تجارتی قافلوں کے تعاقب میں جو دستے روانہ ہوئے ان کا منشاء اور مقصد صرف یہ تھا کہ قریش کو مجبور کر دیا جائے کہ مسلمانوں کا مکہ میں داخلہ بے خطر ہو سکے، لیکن قریش مکہ کو مسلمانوں کی یہ بیدار مغزی اور جسارت کب برداشت ہو سکتی تھی۔

مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ گئے تو قریش نے اہل مدینہ کو یہ حکم دیا تھا کہ محمد (ﷺ) سے جنگ کر و یا پھر انھیں اپنے ہاں سے نکال دو وگرنہ تمھارے نوجوانوں کو قتل اور تمھاری عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا جائے گا۔ اہل مدینہ نے قریش کا یہ حکم بالکل تسلیم نہ کیا، اب قریش کے لیے یہ وقار کا سوال پیدا ہو گیا تھا، کیونکہ اب اگر وہ مدینہ پہنچ کر ان کے جوانوں کو قتل اور عورتوں کو لونڈیاں نہ بنائیں تو ان کے وقار کی پوری عمارت دھڑام سے زمین پر آ گرتی تھی اور سرزمین عرب میں ان کی تسلیم شدہ عظمت و قیادت خطرہ میں پڑ جاتی تھی، لیکن اب مسلمانوں کی پوزیشن وہ نہیں تھی جو زعیم قریش ابوجہل سمجھتا تھا، کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی جو سیاسی تدابیر اختیار کی تھیں اور بقائے باہمی کے اصول پر معاہدات کا جال پھیلا کر ظاہر بینوں کے لیے مادی اسباب میں بھی ایک طاقت بنا لی تھی، اس نے قریش کو باور کرا دیا کہ مسلمان اتنا تر لقمہ نہیں ہیں کہ ان کو آسانی کے ساتھ نگلا جا سکے، بلکہ اب انھیں مکمل تیاری کر کے مدینہ کا رخ کرنا چاہیے۔

جنگ کی تیاری کے لیے سرمایہ کی ضرورت تھی اور اتنا سرمایہ ان کے پاس اگرچہ تھا لیکن کفر کے بخل کی وجہ سے وہ اتنا سرمایہ لگانا نہیں چاہتے تھے۔ چندہ اکٹھا کرنا انھوں نے مناسب نہ سمجھا۔ لہٰذا منصوبہ یہ بنایا گیا کہ چندہ کے بجائے تجارت کے ذریعے سرمایہ فراہم کیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ شام بھیجا جائے۔ اس تجارتی قافلے میں مکہ کا ہر شخص خواہ وہ عورت ہو یا مرد، سرمایہ لگائے اور اس سے جو منافع حاصل ہو اس کو

Marfat.com

مسلمانوں کے خلاف جنگ میں صرف کیا جائے۔ چنانچہ تجارت کے نام پر قریش کے ایک ایک فرد نے اس قافلے میں اپنا مال لگایا۔ عورتیں جو تجارت میں بہت کم حصہ لیتی تھیں، انھوں نے بھی اس میں اپنی رقم لگائی۔ صرف ایک شخص ایسا تھا جو اس سے الگ رہا۔ اس کا نام حویطب بن عبدالعزیٰ تھا۔ (البدایہ والنہایہ:۲۵۶/۳)

دوسرا جذبہ یہ تھا کہ جس کسی کے پاس تھوڑی سے تھوڑی رقم بھی تھی اس نے بھی وہ اس تجارتی قافلے میں لگا دی۔ چنانچہ ابوسفیان جو اس قافلہ کے سردار تھے، انھوں نے خود بیان کیا ہے کہ:

مامن قرشي ولا قرشية له نش وصاعداً الا بعث به معنا۔

(طبقات بن سعد:۲/۷)

''قریش کے کسی مرد یا عورت کے پاس ایک نش یا نش کے قریب بھی تھا تو اس نے وہ ہمیں دے دیا۔''

نش نصف اوقیہ بیس درہم کا ہوتا ہے جس کا وزن قریباً پونے چار تولے چاندی کے بقدر ہوتا تھا۔ اس طرح مجموعی رقم جو اکٹھی ہوئی تاریخ کے رپورٹر اس کی مالیت پچاس ہزار دینار بیان کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے اٹھارہ ہزار سات سو پچاس تولے سونا اس قافلے کا سرمایہ تھا جو آج کل کے حساب سے ساڑھے نو کروڑ روپے کا بنتا ہے۔

قریباً ہر ایک قبیلہ کا نمائندہ اس میں شریک ہوا۔ اس طرح صرف سربراہوں کی تعداد چالیس (معالم التنزیل بغوی) اور ایک روایت کے مطابق ستر تھی۔ (درمنثور:۱۶۴/۳)

ابوسفیان کو رئیس قافلہ مقرر کیا گیا کیونکہ اسے تجارتی قافلوں کا زیادہ تجربہ تھا۔ اتنے سرمایہ کا ساز وسامان لے کر یہ قافلہ مکہ سے شام کی طرف روانہ ہوا۔

دوسری طرف یہ منصوبہ بنایا گیا کہ جب تک باقاعدہ جنگ کی تیاری ہو، اس وقت تک مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھی جائے اور مدینہ میں ان کو امن واطمینان کا موقع نہ دیا جائے۔ کرز بن جابر فہری نے مدینہ طیبہ کی چراگاہ پر جو شبخون مارا تھا، یہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

اتنا بڑا قافلہ جس میں پچاس ہزار دینار کا ساز وسامان بار کیا ہوا ہو اور ایک ہزار اونٹ اور قریش کے چالیس سے ستر اکابر کے ہاتھ میں اس کی زمام کار ہو تو اس کا مکہ سے نکل کر شام

Marfat.com

تجارت کے لیے جانا کوئی سربستہ راز نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کی تمام خبریں مدینہ منورہ پہنچ رہی تھیں اور قدرتی بات ہے کہ یہ خبریں اہل مدینہ کے دلوں میں خوف و ہراس کی لہریں پھیلا رہی تھیں، لہٰذا نبوی بصیرت نے قریش کے اس منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے غزوہ ذوالعشیرہ میں ڈیڑھ سو یا دوسو مہاجرین کی معیت میں خود اس کا تعاقب فرمایا لیکن آپ ﷺ کے عشیرہ پہنچنے سے پہلے ہی وہ قافلہ وہاں سے جا چکا تھا۔ اس طرح وہ آپ ﷺ کی گرفت سے بچ نکلا۔ رمضان المبارک میں وہ قافلہ بے شمار مال سے لدا پھندا واپس مکہ آ رہا تھا۔ آپ ﷺ کو اس کی واپسی کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو اس کے حالات کا پتہ چلانے کے لیے شمال کی جانب روانہ کیا۔ یہ دونوں صحابی مقام حوراء تک گئے۔

سرکار دو عالم ﷺ کا یہ اقدام ہر لحاظ سے مناسب تھا۔ یہ اقدام لوٹ مار میں شمار نہیں ہوتا بلکہ یہ دشمن کی اقتصادی ناکہ بندی کہلاتا ہے کیونکہ اپنے آپ کو دشمن کے شر سے بچانا نہایت ضروری ہے۔ قریش کے عزائم اچھے نہیں تھے۔ انھوں نے تمام اہل مدینہ کو الٹی میٹم دیا تھا کہ اگر تم لوگوں نے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ سے باہر نہ نکالا تو تمھارے نوجوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ قریش اگر مدینہ طیبہ پر حملہ کرتے تو مسلمان ہی ان کے ظلم وستم کا نشانہ نہ بنتے بلکہ مدینہ کے تمام باشندے اور باسی بھی ان کے حملے کا ہدف ہوتے۔ ایک باحوصلہ، بہادر اور بیدار مغز قائد کے لیے یہ نہایت ضروری ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے آدمیوں کا بلکہ اپنے حلیف اور معاہد شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کا انتظام بھی کرے۔ جنگی تدابیر، لڑائی کے پینترے اور اسٹرے ٹیجی (Strategy) اور مقابلے کی چالیں وہ قابل قدر خوبیاں ہیں جو ایک بہادر جرنیل کے کمالات میں شمار ہوتی ہیں۔ سیدنا سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ رئیس اوس مکہ مکرمہ میں ابوجہل کو جو چیلنج دے کر آئے تھے کہ ''ہم تمھاری تجارت کا راستہ بند کر دیں گے''، اس کو کامیاب کرنے کا سب سے اہم اور سب سے زیادہ نازک وقت یہی تھا۔ چنانچہ آپ نے بروقت، برمحل اور بجا طور پر یہ قصد فرمایا کہ اس قافلے کا راستہ روکا جائے۔

تجارتی قافلے کی واپسی شام سے کب ہوگی اور وہ کس راستہ سے واپس جائے گا، اس کا علم کسی کو نہیں تھا۔ جانے کا راستہ تو معلوم تھا لیکن اس بات کا قوی امکان تھا کہ واپسی کا راستہ تبدیل ہو جائے اور مدینہ طیبہ کے قریب سے گزرنے کے بجائے اس شاہراہ سے گزرے

Marfat.com

جو ساحل سمندر کو چھوتی ہوئی ینبع کے قریب سے بدر کی جانب مڑتی ہے۔ بدر ایک جنکشن تھا جہاں مدینہ کو بھی راستہ جاتا تھا اور مکہ مکرمہ کو بھی۔ لہٰذا سرکار دو عالم ﷺ نے دونوں طرف آدمی روانہ فرما دیئے۔ بسبس رضی اللہ عنہ بن عمرو جہنی کو بدر کی جانب اس راستہ پر بھیجا اور عدی رضی اللہ عنہ بن ابی الرغباء کو اس راستہ پر بھیجا جو مکہ کو جاتا تھا، اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبیداللہ اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو شام کی جانب روانہ فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۶۲/۳)

یہ دونوں حضرات شمال کی طرف روانہ ہوئے لیکن انھیں اس قافلے کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا۔ وہ پھر اسی راستے کی طرف مڑ گئے جو ساحل سمندر کو چھوتا ہوا گزرتا ہے۔

(تفسیر مظہری: ۱۱/۴)

ابن سعد نے طبقات میں روایت نقل کی ہے کہ جب یہ دونوں حضرات تجبار پہنچے جو حوراء کے علاقہ میں ہے تو قافلہ کی آمد آمد تھی۔ کشد جہنی اس علاقہ کا رئیس تھا۔ قبیلۂ جہینہ سرکار دو عالم ﷺ کا حلیف تھا۔ یہ دونوں حضرات کشد جہنی کے ہاں مقیم ہو گئے۔ یہ دونوں حضرات ابن سعد کی روایت کے مطابق دس روز تک حوراء میں ٹھہرے رہے۔ (عمرو بن شیبہ کی روایت کے مطابق خرار ہے، یہ دونوں شام کے قریب قریب تھے) حوراء ینبع سے قریباً پچاس میل کے فاصلے پر تھا اور ینبع مدینہ سے ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر تھا۔

دس روز گزر گئے لیکن یہ دونوں حضرات مدینہ واپس نہ آئے۔ البتہ بسبس بن عمرو جہنی رضی اللہ عنہ جن کو مکہ کی طرف جانے والے راستے پر بھیجا گیا تھا، وہ واپس تشریف لے آئے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سیدنا بسبس رضی اللہ عنہ جب واپس پہنچے تو انھوں نے تنہائی میں سرکار دو عالم ﷺ سے ملاقات کی اور اس وقت آپ ﷺ کے اور میرے سوا گھر میں اور کوئی نہ تھا۔ (ما فی البیت احد غیری و غیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

(البدایہ والنہایہ: ۲۷۷/۳)

تنہائی کی اس بات چیت میں کیا کیا باتیں ہوئیں، تاریخ کے اوراق اس کے بارے میں خاموش ہیں۔ البتہ اس کے فوراً بعد ہی سرکار دو عالم ﷺ نے روانگی کا اعلان فرما دیا اور اعلان کچھ اس طرح فرمایا کہ "جن کی سواریاں یہاں موجود ہیں وہ ہمارے ساتھ چلیں" گویا جانے میں نہایت جلدی کا اظہار فرمایا۔

Marfat.com

انصار مدینہ کے پاس سواری کے اونٹ تو تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ ان کو لے کر اتنی جلدی مدینہ طیبہ سے نکلے کہ وہ اپنی چراگاہوں سے جو کہ مدینہ طیبہ کے گردونواح میں آٹھ میل تک پھیلی ہوئی تھیں، اپنے اونٹ نہ لا سکے۔ انھوں نے بارگاہ رسالت میں عرض بھی کیا کہ وہ اپنے اونٹ اپنی چراگاہوں سے لے آئیں لیکن انھیں اجازت نہ ملی۔

(ملاحظہ ہو بخاری: ۸/۷۱، عمدۃ القاری للعینی، مسند احمد وغیرہم)

مدینہ منورہ سے اس طرح دفعتاً روانگی کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ناگوار بھی گزری کیوں کہ وہ فراست نبوی ﷺ کا ادراک نہ کر سکے تھے، اور دوسرے قریش کے قافلے کی شان و شوکت اور جاہ وجلال کا جو نقشہ ان کے ذہنوں میں تھا یا جو ان کو بتایا گیا تھا وہ اس سے خائف تھے۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ﴾ (الانفال ۸:۵)

''جیسے تیرے رب نے تجھے باہر نکالا تیرے گھر سے صحیح وجہ سے حالانکہ اہل ایمان کا ایک گروہ اس سے ناخوش تھا۔''

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے تخلیہ کی وہ بات بیان نہیں فرمائی، ہوسکتا ہے انھوں نے یہ بات سنی ہی نہ ہو، لیکن آپ ﷺ کے بعد کے اقدامات نے اس تنہائی کی گفتگو کی نشاندہی فرما دی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے شام کی طرف کوچ نہ فرمایا بلکہ اس جانب کوچ فرمایا جہاں سے اب قافلے کے گزرنے کا امکان تھا۔ یہ بدر کے قریب کا راستہ تھا جو ساحل سمندر کو چھوتا ہوا اس راستے سے جا ملتا تھا جس کو ابوسفیان نے اب اختیار کیا تھا۔ جہاں سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہ پہنچے ہوئے تھے اور ابھی تک واپس نہ آئے تھے۔

سرکار دوعالم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر باہر نکلے لیکن صحابہ کو معلوم نہیں تھا کہ کہاں جانا ہے۔ منزل متعین نہیں تھی۔ نتیجۃً سفر کا اندازہ نہیں تھا، لیکن مدینہ سے اتنی جلدی نکلنے کی وجہ سے یہ معلوم تھا کہ سفر نہایت اہم ہے۔ تبھی تو اتنی جلدی رخت سفر باندھا ہے اور ہمیں اپنی سواریاں لینے کے لیے بھی وقت نہیں دیا گیا۔

Marfat.com

آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ مدینہ سے باہر جب بھی سفر پر جاتے تو مدینہ سے باہر نکل کر کسی جگہ قیام فرماتے۔ وہاں ضروری انتظامات کا جائزہ لیتے۔ رفقائے سفر کو شمار کرتے اور ان کی ضروریات کا بھی جائزہ لیتے۔ اس دفعہ جو آپ ﷺ رفقائے سفر کو لے کر نکلے تو مدینہ طیبہ سے ایک میل باہر ''بئر ابی عتبہ'' پر قیام فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ اونٹوں کو پانی پلایا جائے۔ پکھالوں میں پانی بھر لیا جائے اور ایک صحابی سیدنا قیس بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ کنویں پر کھڑے ہو جائیں اور رفقائے سفر اور ان کی سواریوں کو شمار کریں۔

انھوں نے رفقائے سفر کو جو شمار کیا تو ان کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ جن میں ۷۴ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ ان تین سو تیرہ کے پاس کل ستر اونٹ تھے اور کل دو گھوڑے تھے۔ ایک سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کے پاس اور دوسرا سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے پاس۔ ابن سعد نے ایک اور گھوڑے کا بھی ذکر کیا ہے جو سیدنا مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ تمام اصحاب کا یہ خیال تھا کہ بہت سے آدمی پیچھے رہ گئے ہیں، اس لیے انھیں یہ خیال نہیں تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ کو جنگ پیش آئے گی اور خود سرکار دو عالم ﷺ نے بھی انھیں جانے کے لیے کوئی زور نہ دیا تھا بلکہ صرف یہ فرمایا کہ جس کے پاس سواری موجود ہو وہ ہمارے ساتھ چلے۔ ارباب سیر اور مورخین نے لکھا ہے کہ اس سفر میں کئی مواقع پر حضرات انصار نے افسوس کا اظہار کیا اور بعد میں بھی افسوس کا اظہار کرتے رہے کہ اگر اس وقت جنگ کا خیال ہوتا تو انصار کی بہت بڑی تعداد آپ ﷺ کی ہم رکابی کے شرف سے محروم نہ رہ جاتی۔

۱۲ر رمضان المبارک کو آپ ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور جمعہ کے روز غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ ان پانچ چھ روز میں آپؐ نے قریباً ۸۰ میل کی مسافت طے کی جو عموماً اس سے زیادہ دنوں میں طے کی جاتی تھی۔ یہ تیز رفتاری صرف اس لیے اختیار کی گئی تا کہ اس تجارتی قافلے کا مال ضبط کیا جا سکے جو بعد میں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں کام آنا تھا۔ آپ ﷺ کا اس طرح بے سروسامانی کی حالت میں نکلنا اس بات کی صاف غمازی کرتا ہے کہ آپؐ جنگ کے لیے نہیں نکلے تھے بلکہ قافلہ کے تعاقب اور جستجو میں اتنی تیز رفتاری سے آئے تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ کچھ نوخیز نوجوان بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو لیے تھے۔ چنانچہ مدینہ کے باہر ''بئر ابی عتبہ'' پر جب آپ ﷺ نے رفقائے سفر کا جائزہ لیا تو ان

Marfat.com

نوخیز اور نوعمر بچوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ مدینہ طیبہ واپس چلے جائیں، ان نوخیز مجاہدوں کے نام حسب ذیل ہیں:

① سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

② سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

③ سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ

④ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ

⑤ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

⑥ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ

⑦ سیدنا عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وغیرہم۔

جب ان سب کو واپس جانے کا حکم ہوا تو سیدنا عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ حکم سنتے ہی رونا شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو روتے دیکھ کر مجاہدین میں شامل فرمالیا۔ چنانچہ جنگ بدر میں انھوں نے صرف سولہ سال کی عمر میں جامِ شہادت نوش فرمایا اور اسلامی شہداء میں ایک امتیاز حاصل کیا۔

آپ ﷺ کا یہ دستور تھا کہ جب بھی کوئی دستہ بھیجا جاتا خواہ آپ ﷺ خود اس میں موجود ہوتے یا نہ ہوتے، آپ ﷺ اس کو پرچم ضرور دے کر بھیجتے۔ اس موقع پر بھی آپ ﷺ نے اس سنت کو قائم رکھا۔ دو سیاہ اور سفید جھنڈے آپ ﷺ کے سامنے رہتے تھے۔ ایک علم بردار سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہوتے تھے۔ آپ کے پاس جو جھنڈا تھا اس کا نام "عقاب" تھا۔ دوسرے علم بردار انصاری ہوتے تھے۔ ایک علم سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا ہوا تھا اس کا رنگ سفید تھا۔ اور ایک جھنڈا مستقل طور پر حضرات انصار کے لیے تجویز تھا۔ سیدنا سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ انصار کے علم بردار تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۶۰/۳)

میدان بدر کی طرف سفر:

اونٹ صرف ستر تھے اور گھوڑے دو یا تین اور دستہ کے آدمی تین سو تیرہ (بعض روایات میں ۳۱۴ اور ۳۱۵ بھی آیا ہے) اس لیے سرکار دو عالم ﷺ نے مجاہدین کے گروپ بنا

Marfat.com

دیئے اور ہر گروپ کو ایک ایک اونٹ دے دیا گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے گروپ میں تھے۔ اس گروپ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ سوار ہو جائیں اور ہم خدام آپ ﷺ کے ساتھ چلیں گے۔ لیکن عدلِ مجسم ﷺ نے ان کی اس درخواست کو قبول نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''نہ آپ لوگوں مین مجھ سے زیادہ چلنے کی طاقت ہے اور نہ میں تم سے زیادہ ثواب سے بے نیاز ہوں۔''

گویا بتایا کہ جتنی تمھیں ثواب واجر کی ضرورت ہے اتنی مجھے بھی ہے۔ لہٰذا میں بھی تمھارے ساتھ ہوں۔ اپنی باری پر سوار ہوں گا۔ اپنی کوئی امتیازی شان میں تمھارے ساتھ برتنا نہیں چاہتا۔

اللھم انھم حفاہ فاحملھم، وعراہ فاکسھم، وجاع فاشبعھم۔

(ابن سعد)

''اے اللہ! یہ برہنہ پا ہیں ان کو سواری عطا فرمایا، یہ ننگے بدن ہیں ان کو لباس عطا فرما، یہ تہی شکم ہیں ان کو سیر فرما۔''

مدینہ کا انتظام اور امامت سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد کی، لیکن مقام روحاء سے سیدنا ابولبابہ بن عبدالمنذ ر رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کا منتظم اور حاکم بنا کر واپس بھیج دیا اور عاصم رضی اللہ عنہ بن عدی کو مدینہ کی بالائی آبادی عالیہ پر نگران مقرر فرمایا۔

آپ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ان دنوں سخت بیمار تھیں۔ اس لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں رہنے کے لیے حکم فرمایا۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ان کی مدد کے لیے مامور فرمایا۔ سیدنا بسبس بن عمرو رضی اللہ عنہ، سیدنا عدی رضی اللہ عنہ بن ابی الرغباء، جن کو پہلے قافلہ کا پتہ چلانے کے لیے شام کی شاہراہ پر بھیجا گیا تھا یہاں سے دوبارہ ان کو قریش کے قافلہ کا پتہ چلانے کے لیے بھیجا گیا۔

یہ دونوں حضرات بدر پہنچ کر ایک ٹیلہ کے قریب ٹھہر گئے۔ پھر بدر کے چشمہ پر جہنی گئے۔ مجدی بن عمرو جہنی یہاں کا رئیس تھا، وہ بھی چشمہ پر موجود تھا۔ وہاں دو لونڈیاں بھی پانی بھرنے آئی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک نے دوسری سے قرض کی رقم لینی تھی۔ چنانچہ وہ

Marfat.com

دوسری عورت کو پکڑے ہوئے اپنے قرض کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مقروض لونڈی نے اس کو یہ کہہ کر یقین دلا دیا کہ کل پرسوں قریش کا ایک تجارتی قافلہ آنے والا ہے، میں اس میں محنت مزدوری کر کے کچھ رقم جمع کرلوں گی اور تمھارا قرضہ ادا کر دوں گی۔ مجدی بن عمرو نے اس شرط پر ان کا جھگڑا طے کرا دیا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۶۱۷)

رسول اللہ ﷺ کے ان دونوں صحابہ نے ان عورتوں کی باتوں کو سن لیا اور وہ تمام معلومات ان سے اخذ کرلیں جو انھیں درکار تھیں۔ ان دونوں بزرگوں نے بھی اپنے اونٹوں کو پانی پلایا اور سیدھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور پوری رپورٹ پیش خدمت کی۔ ان کی رپورٹ سے یہ معلوم ہوگیا کہ ابوسفیان کا قافلہ ابھی بدر سے نہیں گزرا۔

ادھر یہ معاملہ ہو رہا تھا ادھر یہ خبریں آنا شروع ہوگئیں کہ قریش مکہ سے ایک لشکر جرار لے کر آ رہے ہیں۔ اس خبر نے ایک نازک صورت حال پیدا کر دی کیونکہ آپ ﷺ کے تمام ساتھی تو قریباً بالکل غیر مسلح تھے۔ وہ تو صرف قریش کے قافلے کو مرعوب کرنے کے لیے آئے تھے۔ نہ ان کے پاس گھوڑے تھے اور نہ تلواریں اور نہ نیزے جو میدان جنگ میں کام آتے ہیں۔ اس لیے سرکار دو عالم ﷺ کو سخت تشویش لاحق ہوئی، لیکن اس سے قبل کہ آپ ﷺ اپنی کسی رائے کا ان کے سامنے اظہار فرمائیں آپ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ رفقائے سفر سے اس بارے میں کوئی عندیہ معلوم کیا جائے۔

زرقانی کی روایت ہے کہ جب آپ ﷺ روحاء سے چل کر صفراء پہنچے تو بسبس رضی اللہ عنہ اور عدی رضی اللہ عنہ نے آ کر آپ ؐ کو قریش کے لشکر کی مکہ سے روانگی کی اطلاع دی۔ (زرقانی: ۱/۱۱۴) اس وقت آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کو مشورہ کے لیے جمع فرمایا۔

حافظ ابن کثیر نے بھی اس بارے میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہماری اس جماعت نے سفر شروع کیا تو ایک یا دو روز بعد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا:

"ہماری روانگی کا علم اہل مکہ کو ہو گیا ہے، اگر وہ جنگ کے لیے آ جائیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس وقت جنگ کے لیے تیار نہیں تھے، اس لیے کچھ حضرات نے یہی عذر پیش کیا کہ ہمارے سامنے تو صرف قافلے کا معاملہ تھا، ہم جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں

Marfat.com

آئے۔ (مالنا طاقة لقتال العدو ولكنا اردنا العير) لیکن یہ صرف چند حضرات کی بات تھی۔ اکثریت کے دلوں میں ایک اور جذبہ بھی موجزن تھا یعنی ان کے قلوب میں ایک اور ولولہ بھی انگڑائیاں لے رہا تھا جس کا اظہار سیدنا مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کی زبان حق ترجمان سے ہوا جو اس وقت وہاں پہنچ گئے تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم آپ ﷺ کے ہر حکم کی اطاعت کے لیے دل و جان سے حاضر ہیں۔ اس کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر اظہار جاں نثاری کیا۔ بخاری کی روایت ہے کہ سیدنا مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جس بات کا حکم فرمایا ہے، آپ ﷺ اس کو پورا کیجیے، ہم دل و جان سے آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ تم اور تمھارا رب جا کر لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں، بلکہ ان کے برعکس یہ کہیں گے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کا پروردگار جہاد و قتال کرو، ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد و قتال کریں گے۔ ہم تو آپ ﷺ کی داہنی جانب بھی لڑیں گے اور بائیں جانب بھی اور آپ ﷺ کے آگے بھی اور پیچھے بھی۔''

(زرقانی: ۱/۴۱۲، بخاری: ۱/۵۶۴، فتح الباری: ۷/۲۲۳، عیون الاثر: ۱/۳۸۵، ابن ہشام: ۱/۶۰۳، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۶۲)

اس روایت کے راوی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک طرف تو یہ فرماتے ہیں کہ سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے سرکار دو عالم ﷺ کا چہرۂ انور خوشی اور مسرت سے چمک اٹھا، دوسری جانب اپنے جذبہ کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''میں نے سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کی ایسی ہمت مردانہ کا مشاہدہ کیا کہ اگر یہ مجھے نصیب ہوتی تو ایسی خوش نصیبی ہوتی جو مجھے ہر ایک دولت سے زیادہ محبوب ہوتی۔''

(بخاری: ۱/۵۶۴)

یہ صرف سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی دلی خواہش اور تمنا نہیں تھی بلکہ انصار کی جماعت کے ایک ترجمان سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

''ہماری انصار کی جماعت کی یہ تمنا ہوئی کہ سیدنا مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ نے اپنے جذبات کا جن الفاظ میں اظہار فرمایا ہے، کاش وہ ہمارا بیان ہوتا، تو اس بات سے بہت محبوب تھا کہ ہمیں کوئی بڑی دولت مل جاتی۔'' (البدایہ والنہایہ: ۲۶۲/۳)

ابن ہشام میں محمد ابن اسحاق کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ نے یہ تقریر مقام صفراء میں فرمائی لیکن بخاری اور نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن یہ تقریر کی تھی۔ (فتح الباری: ۲۲۳/۷)

ان دونوں روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ممکن ہے کہ انھوں نے دونوں مقامات پر یہ تقریر کی ہو۔

مسند احمد میں سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی جواب منقول ہے جو سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے جواب ملنے کے باوجود آپ ﷺ نے تیسری بار پھر یہی ارشاد فرمایا:

اشیروا علی ایھا الناس۔

''اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔''

انصار کے رئیس سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا اس سوال کے دہرانے کا کیا مقصد ہے، لہٰذا انھوں نے فوراً عرض کیا یا رسول اللہ! شاید آپ ﷺ کا روئے سخن انصار کی طرف ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ بار بار آپ ﷺ انصار کی طرف دیکھتے۔ چنانچہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھے اور انصار کی طرف سے بارگاہ رسالت میں یوں عرض کی:

''یا رسول اللہ! ہم آپ ﷺ مدینہ سے کسی اور ارادہ سے نکلے تھے، لیکن یہاں آ کر اللہ تعالیٰ نے دوسری صورت پیدا فرما دی۔ اب آپ ﷺ کی جو مرضی ہے وہ کیجیے اور جس سے چاہیں تعلقات استوار کریں اور جس سے چاہیں تعلقات منقطع فرمائیں۔ جس سے چاہیں صلح کا ہاتھ بڑھائیں اور جس سے چاہیں دوستی کا ہاتھ کھینچ لیں، ہم ہر حال میں آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے اموال میں سے جس قدر چاہیں لیں اور جس قدر چاہیں ہمیں عطا فرمائیں (گویا ہمارے اموال اصل میں

Marfat.com

آپ ﷺ کی ملکیت ہیں) اور مال کا جو حصہ آپ ﷺ لیں گے وہ اس حصے سے ہمیں زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو گا جو آپ ﷺ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے اور آپ ﷺ ہم کو جو حکم دیں گے ہم بسروچشم اس کی تعمیل کریں گے۔ اگر آپ ﷺ ہم کو برک الغماد جانے کا حکم دیں گے تو ہم ضرور آپ ﷺ کے ساتھ جائیں گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ﷺ ہم کو سمندر میں کود جانے کا حکم دیں گے تو ہم اسی وقت بے خوف و خطر کود جائیں گے اور ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم دشمنوں سے مقابلہ کرنے کو ناپسند نہیں سمجھتے۔ اگر جنگ ہوئی تو ہم بڑے صبر اور حوصلے سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ ﷺ دیکھیں گے کہ ہم کس طرح جم کر لڑتے ہیں اور دعویٰ شجاعت کی تصدیق کس طرح اپنے عمل سے پیش کرتے ہیں۔ ہمیں پوری امید ہے کہ ہمارے کارنامے آپ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوں گے۔ آپ ﷺ خدا کا نام لیجیے اور آگے قدم بڑھایئے۔"

(زرقانی: ۱/۴۱۳، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۶۴، عیون الاثر: ۱/۳۸۶، السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۱/۲۴۸)

مسلم کی روایت میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی بجائے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔ راوی کو سعد کے نام سے وہم ہو گیا۔ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ حافظ ابن کثیر اور دیگر اصحاب سیر نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔

(ملاحظہ ہو زرقانی: ۱/۴۱۴، سیرۃ الحلبیہ: ۳/۱۶۷، البدایہ والنہایہ: ۳/۳۱۹)

مہاجرین وانصار کے نمائندوں کے بیانات سے جبین نبوت نور مسرت سے چمک اٹھی اور ارشاد فرمایا:

"مجھے بشارت دی گئی ہے کہ دو جماعتوں میں سے ایک پر کامیابی یقینی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جماعت یہی ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ قریش کے بڑے بڑے سردار جو چڑھ کر آرہے ہیں، یہیں ڈھیر ہوں گے اور مجھے ان کے پچھاڑے جانے کی جگہیں دکھلا دی گئی ہیں کہ فلاں شخص فلاں جگہ اور فلاں شخص فلاں جگہ پچھاڑا جائے گا۔"

(زرقانی: ۱/۴۱۴، عیون الاثر: ۱/۳۸۶، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۶۴)

Marfat.com

لشکر قریش کی مکہ سے روانگی:

ابوسفیان ایک ہوشیار اور بیدار مغز تاجر تھے اور وہ صرف تاجر ہی نہیں تھے بلکہ ایک حوصلہ مند جرنیل اور صاحب ہوش وحواس لیڈر بھی تھے۔ اسی وجہ سے اہل مکہ نے انھیں اس قافلہ کا رئیس بنایا تھا حالانکہ عمرو بن ابن عاص جیسے ہوشیار اور صاحب فراست لوگ بھی اس قافلہ میں شامل تھے۔ ابوسفیان کو بخوبی علم تھا کہ قریش نے مسلمانوں سے جنگ کا جو منصوبہ اور پلان بنایا ہے، یہ تجارتی قافلہ بھی اس کا ایک حصہ ہے اور چونکہ تمام اہل مکہ کا سرمایہ اس میں لگا ہوا ہے اس وجہ سے سب کی ہمدردیاں بھی ان کے ساتھ ہیں، اور وہ ان کے جذبات سے بخوبی کھیل سکتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے دو کام کیے۔

ایک تو اس قافلے کو مسلمانوں کی دَست بُرد سے بچانے کے لیے مناسب تدابیر کیں۔ دوسرے اہل مکہ کو بھی ہوشیار کر دیا کہ وہ بھی قافلے کے سرمایہ کو تاخت وتاراج ہونے سے بچائیں۔

اس کے لیے انھوں نے ایک وقت میں یہ دو کام کیے۔ قافلے کو مسلمانوں کی دست برد سے بچانے کے لیے انھوں نے یہ تدبیر کی کہ مدینہ کا راستہ چھوڑ کر انھوں نے وہ راستہ اختیار کیا جو ساحل سمندر کو چھوکر گزرتا ہوا ینبع کے قریب سے گزرتا تھا۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے دو صحابی سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ قافلہ کی جستجو میں جب حوراء کے علاقے میں ''کشد'' کے پاس پہنچے تو قافلہ یہاں سے گزر رہا تھا۔ وہ یہاں سے بدر کی طرف مڑا جہاں مشہور فرودگاہ تھی، اور یہاں سے ہر طرف کو شاہراہیں جاتی تھیں۔ ایک شاہراہ مکہ مکرمہ کی طرف جاتی تھی۔ ابوسفیان کا اصل راستہ بدر سے یہی شاہراہ تھی اور قریش کی فوج بھی مکہ سے بدر اسی شاہراہ سے آئی تھی، لیکن ابوسفیان نہایت بیدار مغزی اور ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے پہلے قافلہ کے بغیر خود تنہا بدر پہنچا تا کہ وہاں کے رئیس شیخ مجدی سے حالات معلوم کرے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے دو مخبر سیدنا بسبس بن عمرو رضی اللہ عنہ اور سیدنا عدی بن ابی الرغباء رضی اللہ عنہ قافلہ کا پتہ لگانے کے لیے بدر کے چشمہ پر پہنچے جہاں دو لونڈیاں آپس میں جھگڑ رہی تھیں اور شیخ مجدی بن

Marfat.com

عمرو ان کے پاس کھڑا ان کا جھگڑا چکا رہا تھا۔ ان دونوں حضرات نے ان دونوں لونڈیوں کی گفتگو سے حالات کو بھانپ لیا۔ انھوں نے شیخ مجدی سے کوئی گفتگو نہ کی بلکہ اپنے اونٹ کو پانی پلا کر اور مشکیزہ میں پانی بھر کے واپس چلے آئے تھے۔ ابوسفیان جب تنہا بدر پہنچا اور شیخ مجدی بن عمرو سے دریافت کیا کہ کیا مدینہ کے لوگ ادھر آئے ہیں؟ آپ کو ان کے بارے میں کچھ علم ہے؟ شیخ مجدی نے جواب دیا: ''مدینہ کا کوئی آدمی اس طرف نہیں آیا۔ جو لوگ اس طرف سے گزرے ہیں ان کو میں بخوبی پہچانتا ہوں۔ البتہ دو شخص ایسے آئے تھے جن کو میں نہیں پہچان سکا۔ انھوں نے یہاں بات چیت تو کوئی نہیں کی، بلکہ یہاں پہنچ کر ٹیلہ کے قریب اونٹ بٹھایا، پھر اس طرف آئے۔ پانی بھرا اور واپس چلے گئے۔ میں نہیں بتا سکتا کہ وہ کون تھے؟''

ابوسفیان کو ان دونوں حضرات کے بارے میں شبہ ہوا۔ وہ فوراً وہاں گیا جہاں انھوں نے اونٹ بٹھایا تھا۔ وہاں کچھ مینگنیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک مینگنی کو اٹھا کر توڑا تو اس میں سے ایک گٹھلی نکلی۔ اس نے گٹھلی دیکھی تو گھبرا کر بولا:

هذا والله علائف يثرب۔

''اللہ کی قسم یہ تو یثرب کے راتب کی مینگنی ہے۔''

پھر فوراً واپس قافلہ میں پہنچا۔ رفقائے قافلہ کو بتایا اور اس راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے کو ہولیا۔ جب آگے چل کر پوری طرح اطمینان ہو گیا کہ قافلہ مسلمانوں کی دست برد سے کلی طور پر محفوظ ہو گیا ہے تو ابوجہل کو پیغام بھیجا کہ قافلہ چونکہ محفوظ ہو گیا ہے، لہٰذا آپ لوگ بھی جنگ کا ارادہ ترک کر کے واپس ہو جائیں۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب میدان بدر میں فریقین کا مقابلہ ہوا تو ابوسفیان کا قافلہ نشیبی حصہ میں سمندر کے کنارے کنارے مکہ جا رہا تھا۔

ایک طرف تو ابوسفیان نے قافلے کو اس تدبیر سے محفوظ کر لیا۔ دوسری طرف اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر ایک شخص ضمضم بن عمرو غفاری کو سونے کے بیس مثقال دیئے جن کا وزن آج کل کے حساب سے ساڑھے سات تولے ہوتا ہے، اور اس کو پٹی پڑھائی کہ وہ فوراً مکہ پہنچ کر اپنے اونٹ کی ناک کاٹ دے۔ اپنے تمام کپڑے پھاڑ کر برہنہ ہو جائے۔ اونٹ پر الٹا بیٹھ کر (یعنی منہ دم کی طرف کر کے) پورے شہر مکہ میں شور مچاتا ہوا گھوم جائے اور یہ آواز لگا دے کہ محمد (ﷺ) نے ابوسفیان کے تجارتی قافلے پر حملہ کر دیا ہے۔ ضمضم خود بھی بہت ہوشیار

Marfat.com

اور چالاک آدمی تھا۔ لہٰذا اس نے بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے ابوسفیان کی اس تدبیر پر عمل کیا۔ یہ طریقہ عرب میں اس زمانہ میں لوگوں کو ہوشیار کرنے کا ہوتا تھا۔

ضمضم مکہ آیا اور اس نے وہی کچھ کیا جو ابوسفیان نے اس سے کہا تھا۔ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگوں کے جذبات میں اشتعال پیدا ہوا۔ ایسا اشتعال جس کو اب کوئی روک نہیں سکتا تھا کیونکہ قافلے پر حملے سے پورا ملک متاثر ہوتا تھا، اس لیے جذبات کی ایک گھٹا اٹھی اور گھرے بادلوں کی طرح پورے ملک پر چھا گئی۔ ضمضم بن عمرو غفاری نے تو وادی مکہ میں اونٹ پر کھڑے ہو کر آواز لگائی کہ اے جماعت قریش! تمھارا قافلہ تمھارا مال جو ابوسفیان کے ہمراہ ہے اس پر محمد ﷺ اور اس کے ساتھی حملہ کرنے والے ہیں لہٰذا مدد......مدد......اس آواز نے پورے ملک کو چونکا دیا۔ مرد و زن پریشان حال گھروں سے نکل آئے۔ وہ یہ سن کر حواس باختہ ہو گئے کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی قریش کے اس قافلہ پر دھاوا بول دیں گے۔ لوگوں میں عجیب قسم کے جذبات امنڈ آئے۔ کئی لوگوں کی زبانوں سے یہ جملہ بھی سنا گیا کہ محمد (ﷺ) اور اس کے رفقاء یہ سمجھتے ہیں کہ یہ قافلہ بھی ابن حضرمی کے قافلے جیسا ہے؟ لات وعزیٰ کی قسم انھیں پتہ چل جائے گا کہ ہمارا معاملہ کچھ اور ہے۔

اب تو دارالندوہ کے اجتماع کی بھی ضرورت نہیں تھی کہ وہاں جمع ہو کر سوچا جائے کہ کیا کیا جائے۔ اب تو ہر شخص دارالندوہ بنا ہوا تھا۔ اب ابوجہل ان کا لیڈر تھا اور تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ ابوجہل اور ابولہب سے زیادہ اسلام کا اور کوئی دشمن نہیں تھا۔ اب پورے مکہ کی زمام کار ابوجہل کے ہاتھ میں تھی۔ اس کو لوگوں کے جذبات کے ساتھ کھیلنے کا ایک موقع ہاتھ آ گیا۔ اس نے فوراً تیاری کا حکم دے دیا۔ چنانچہ دو تین دن کے اندر قریش کی ایک اچھی خاصی تعداد اسلحہ سے لیس ہو کر روانگی کے لیے تیار ہو گئی۔

عاتکہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب کا خواب:

انہی دنوں میں رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی عاتکہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب کو جو سیدنا عباس کی بہن تھیں، ایک خواب آیا۔ ان دونوں بہن بھائی کے دلوں میں ایمان کی لہریں تو اٹھ رہی تھیں اور بھتیجا ہونے کے ناطے سرکار دو عالم ﷺ سے یہ دونوں محبت بھی کرتے تھے،

Marfat.com

لیکن ابھی باقاعدہ طور پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان نہیں کیا تھا۔

اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ جس روز ابوسفیان کا قاصد ضمضم غفاری مکہ مکرمہ کے قافلے کے بارے میں اطلاع دینے کے لیے پہنچا، اس سے تین روز قبل عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک نہایت بھیانک خواب دیکھا۔ خواب ایسا تھا جس کو وہ ہر ایک سے بیان نہیں کر سکتی تھیں۔ دماغ کا بوجھ اور دل کی گھبراہٹ کو ہلکا کرنے کے لیے انھوں نے اپنے بھائی عباس رضی اللہ عنہ سے اپنا وہ خواب بیان کیا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی تاکید کر دی کہ یہ خواب کسی سے بیان نہ کریں کیونکہ لوگ پہلے ہی ہمارے خاندان کے مخالف ہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ اور زیادہ مخالف ہو جائیں یا پھر مذاق اڑائیں۔

انھوں نے بھائی عباس رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک شتر سوار آیا ہے اور ابطح کے میدان میں اونٹ کو بٹھا کر اور زور زور سے چیخ کر کہنے لگا:

''اے دھوکہ بازو! اپنی قتل گاہوں کی طرف تین دنوں کے اندر اندر دوڑو۔ میں نے دیکھا کہ لوگ اس آواز دینے والے کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ پھر وہ اپنا اونٹ لیے ہوئے مسجد حرام گیا۔ مجمع بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ مسجد حرام میں پہنچ کر خانہ کعبہ کی پشت پر اس نے اونٹ کو کھڑا کر دیا اور یہاں بھی اسی طرح اس نے بلند آواز سے یہی کہا۔ پھر وہ جبل بوقبیس کی چوٹی پر چڑھ گیا اور وہاں سے بھی اس نے یہی آواز لگائی۔ پھر اس نے پہاڑ کی چوٹی سے پتھر کی ایک چٹان نیچے پھینکی۔ جب وہ چٹان پہاڑ کے دامن میں پہنچی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، اور مکہ کا کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں اس کا کوئی ٹکڑا جا کر نہ گرا ہو۔ عاتکہ رضی اللہ عنہا نے یہ خواب اپنے بھائی عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے کے بعد کہا: بھائی! خدا کی قسم! مجھے اندیشہ ہے کہ تیری قوم پر کوئی بڑی مصیبت نازل ہونے والی ہے۔'' عباس رضی اللہ عنہ نے بہن سے کہا کہ میں تو اس خواب کا کسی سے تذکرہ نہیں کروں گا، مگر عاتکہ! تم بھی کسی اور سے یہ خواب بیان نہ کرنا۔''

عباس رضی اللہ عنہ جب گھر سے باہر نکلے تو انھوں نے اپنے دوست ولید بن عتبہ سے یہ خواب بیان کر دیا اور اسے تاکید کی کہ اس خواب کو کسی اور سے بیان نہ کرنا، لیکن وہ بھی اپنے پیٹ میں یہ راز نہ رکھ سکا اور اس نے یہ خواب اپنے باپ عتبہ بن ربیعہ

Marfat.com

سے بیان کر دیا۔ اسی طرح ایک دو روز میں یہ بات تمام مکہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ دو تین روز بعد عباس رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں گئے تو دیکھا کہ ابوجہل چند لوگوں کے ساتھ وہاں بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی کہا:

''اے بنو عبدالمطلب! تم میں یہ نبیہ کب پیدا ہوئی ہے؟

عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کون نبیہ؟'' کہا ''عاتکہ''، عباس نے انجان بن کر پوچھا: ''عاتکہ کیا کہہ رہی ہے؟'' اس نے اس بات کا تو کچھ جواب نہ دیا، کہنے لگا: ''اے بنو عبدالمطلب! تمھارے مردوں نے تو نبوت کا دعویٰ کیا ہی تھا اب تمھاری عورتیں بھی نبی بننے لگی ہیں، اور دیکھو، خواب میں تین دن کی مدت بتائی گئی ہے۔ اگر تین دن کے اندر اندر کوئی واقعہ پیش نہ آیا تو ہم ایک تحریر کے ذریعے یہ اعلان کر دیں گے:

انکم اکذب اھل بیت فی العرب۔

؟؟ یعنی تمام ملک عرب میں تمھارا گھرانا سب سے جھوٹا گھرانا ہے۔''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بے بس ہو کر اس خواب کا انکار کرنا پڑا۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے غصے سے اسے کہا: ''اے بزدل! جھوٹ تجھ میں ہے یا تیرے خاندان میں۔ میں نے اسے کہا کہ عاتکہ نے کوئی ایسا خواب نہیں دیکھا اور اپنے دل میں بھی کہتا رہا کہ کاش عاتکہ نے کوئی ایسا خواب نہ دیکھا ہوتا، لیکن جب گھر پہنچا تو خاندان بنو عبدالمطلب کی عورتوں نے مجھے گھیر لیا اور غصے سے ہر عورت مجھے یہی کہتی کہ تمھاری غیرت کہاں جاتی رہی؟ یہ خبیث ابوجہل مردوں پر تو زبان درازی کرتا ہی رہتا تھا اب اس نے عورتوں پر بھی زبان درازی شروع کر دی اور ہمیں نہایت افسوس ہے کہ تم چپ چاپ اس کی باتیں سنتے رہے اور اس کو کوئی جواب نہ دیا۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوجہل کی باتوں سے مجھے غصہ بھی آیا اور کچھ ندامت بھی ہوئی۔ اب میں نے یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ ابوجہل نے اگر پھر ایسی کوئی بات کی تو میں اس کا منہ توڑ جواب دوں گا۔ میں نے خاندان کی عورتوں کو بھی اطمینان دلایا اور ان کے غصے کو ٹھنڈا کیا۔ اگلے روز میں (خواب کے دیکھنے کے تیسرے روز) حرم کعبہ میں گیا۔ دل میں یہ ٹھانی ہوئی تھی کہ اگر آج ابوجہل نے بات کی تو اس کو ایسا جواب دوں گا کہ اسے پھر ایسی بات

Marfat.com

کرنے کی ہمت نہ ہوگی۔ میں جیسے ہی حرم میں داخل ہوا تو ابوجہل مجھے نظر پڑا۔ میں اس کی طرف چلا اور دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر آج اس نے خود اس بات کو نہ چھیڑا تو میں خود اس سے بات کروں گا اور اگر آج بھی اس نے کل والے الفاظ دہرائے تو اس کی بات کا ایسا جواب دوں گا کہ اس کی ساری تیزی ختم ہو جائے گی۔ ابوجہل نہایت تیز طرار آدمی تھا۔ زبان بھی تیز تھی اور نظر بھی تیز تھی، لیکن اس روز معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ ابوجہل میری طرف دیکھنے کے بجائے نہایت تیزی کے ساتھ مسجد حرام کے دروازے کی طرف دوڑتا ہوا گیا۔ وہاں ابوسفیان کا فرستادہ ضمضم زور زور سے چلا رہا تھا: ''اے گروہ قریش! اپنے کارواں کی خبر لو اور جلد از جلد ابو سفیان کے قافلے کی مدد کو پہنچو۔'' اس کی آواز میرے کانوں میں تو نہ پڑی لیکن ابوجہل نے سن لی تھی، اس لیے وہ میری طرف آنے کی بجائے دروازہ کی طرف دوڑ کر گیا تھا کیونکہ ضمضم غفاری وادی میں کھڑا چیخ رہا تھا:

اللطیم اللطیم ای ادرکوا اللطیم وھی العیر تحمل الطیب، والبر واموالکم مع ابی سفیان قد عرض لھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی اصحابہ، لا ادری ان تدرکوھا، الغوث الغوث۔

''اللطیم، اللطیم، اپنے اس قافلے کو بچاؤ جس پر خوشبو، بزازی اور دیگر اموال تجارت لدے ہوئے ہیں اور ابوسفیان اس کے ساتھ ہے۔ اس پر حملہ کرنے کے لیے محمد (ﷺ) اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے چڑھائی کر دی ہے۔ میرے گمان میں یہ ممکن نہیں کہ تم بروقت وہاں پہنچ جاؤ گے۔ فریاد پھر فریاد۔''

(البدایہ والنہایہ: ۲۵۷/۳، سیرت دحلان: ۳۶۲/۱)

اس نئے حادثے نے مجھے بھی اور اسے بھی یوں مصروف کر دیا کہ پھر ہم اس موضوع پر کوئی بات نہ کر سکے۔

اب قریش کے ہر شخص کو اپنی فکر لگ گئی تھی اور عاتکہ کے خواب کا معاملہ دوسری حیثیت اختیار کر گیا۔ اب ہر شخص کے ذہن میں قافلہ کو بچانا تھا، اس لیے ہر شخص جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ضمضم غفاری جب مکہ آیا تو قریش کو عاتکہ کے

Marfat.com

خواب سے ڈر پیدا ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۲۵۸)

ہر چھوٹا بڑا اب تیاری میں مصروف تھا اور مکہ سے نکل کر ابو سفیان کے قافلہ کی حفاظت کی فکر میں تھا۔ قریش نے جب تیاری شروع کی تو انھیں خیال آیا کہ بنو بکر سے ہمارا کئی سالوں سے جھگڑا چل رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم قافلے کو بچانے کے لیے مکہ سے باہر نکلیں اور ہماری غیر موجودگی میں بنو بکر پیچھے سے حملہ کر دے۔ وہ اسی سوچ میں تھے کہ ایک شخص سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کی شکل میں ان کے پاس آیا۔ لوگ اسے سراقہ ہی سمجھتے رہے، اس نے انھیں اطمینان دلایا کہ میں اس بات کا ذمہ دار ہوں کہ تمھاری غیر موجودگی میں بنو بکر تم پر حملہ نہیں کریں گے۔ مفسرین کا خیال ہے کہ وہ ابلیس لعین تھا اور وہ قریش کو مسلمانوں سے ضرور بھڑانا چاہتا تھا۔

مکہ میں ہر شخص کے دل میں اس قافلے کے تحفظ کے لیے ایک ولولہ تھا۔ اس لیے یا تو خود وہ جنگ میں جا رہا تھا یا اپنی جگہ کسی اور کو بھیج رہا تھا۔ تمام سرداران قریش جنگ میں جانے کے لیے تیار ہو گئے لیکن ابولہب اس میں شریک نہ ہوا اور ایک شخص عاصی ابن ہشام کو اپنے بدل میں بھیج دیا۔ عاصی بن ہشام دیوالیہ ہو گیا تھا پھر بھی لوگوں کے چار ہزار درہم اس کے ذمہ باقی تھی۔ قرض خواہ ہر روز اس سے تقاضا کرتے تھے۔ وہ ان تقاضوں سے سخت پریشان تھا۔ ابولہب نے اسے کہا کہ تمھارا قرض میں ادا کر دیتا ہوں، تم میری جگہ پر جنگ میں چلے جاؤ۔ عاصی پہلے ہی تقاضا کرنے والوں سے پریشان تھا۔ اس لیے ابولہب کی جگہ جنگ میں چلا گیا۔ یہ عاصی بن ہشام ابوجہل کا بھائی تھا۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ عاصی بن ہشام ابولہب ہی کا چار ہزار درہم کا مقروض تھا۔ (ابن سعد: ۲/۷)

اسی طرح امیہ بن خلف نے بھی جنگ پر جانے سے انکار کیا لیکن پھر ابوجہل کے اصرار پر چلا گیا۔ بعض نے عقبہ بن معیط کے طعنہ پر اس کا جنگ میں جانا لکھا ہے۔ امیہ بن خلف کا واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں لکھا ہے کہ ہجرت نبوی کے بعد سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مکہ عمرہ کے لیے گئے۔ امیہ بن خلف ان کا پرانا دوست تھا، اس لیے اسی کے ہاں قیام کیا۔ حرم میں طواف کے دوران ان کی ابوجہل سے درشت کلامی ہو گئی۔ ابوجہل نے ان کو دھمکی دی۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے دھمکی کا جواب دھمکی سے دیا۔ امیہ بن خلف نے سعد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم ابوالحکم (ابوجہل) پر اپنی آواز بلند نہ کرو کیونکہ یہ اس وادی کا سردار ہے۔ سیدنا

Marfat.com

سعد رضی اللہ عنہ نے نہایت ترشروئی سے کہا: ''امیہ بس رہنے دو، خدا کی قسم میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے سنا ہے کہ تو ''آپ ﷺ کے اصحاب کے ہاتھ سے قتل ہوگا۔'' امیہ نے پوچھا: ''کیا میں مکہ میں مارا جاؤں گا؟'' سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''یہ مجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں اور کس جگہ مارا جائے گا۔'' یہ سن کر امیہ بہت ڈر گیا اور کہا ''خدا کی قسم محمد ﷺ کبھی غلط نہیں کہتے'' اور قریب تھا کہ خوف و ہراس کی وجہ سے امیہ کا پاخانہ خطا ہو جائے۔

(فتح الباری: ۲۲۰/۷)

امیہ نے اس خوف و ہراس کی وجہ سے اس بات کا پکا ارادہ کر لیا کہ کبھی مکہ سے باہر نہیں نکلے گا۔ چنانچہ جب ابوجہل نے لوگوں کو بدر کی طرف چلنے کو کہا تو امیہ نے انکار کر دیا۔ ابوجہل اس کے پاس آیا اور چلنے کے لیے سخت اصرار کیا اور کہا کہ آپ سردار ہیں، اگر آپ نہیں جائیں گے تو آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی نہیں نکلیں گے۔ جب امیہ کسی صورت نہ مانا تو آخر میں ابوجہل نے یہ کہا: ''ابوصفوان! تیرے لیے نہایت عمدہ اور تیز گھوڑا خریدوں گا تاکہ جہاں خطرہ محسوس کرو فوراً واپس آ جاؤ۔'' امیہ اس خیال سے جانے کے لیے تیار ہو گیا کہ تھوڑی دور جانے کے بعد واپس آ جاؤں گا۔ چنانچہ گھر میں آ کر اپنی بیوی سے سفر کا سامان تیار کرنے کے لیے کہا۔ بیوی نے کہا: ''تمھیں اپنے یثربی بھائی کا قول یاد نہیں رہا؟'' امیہ نے بیوی سے کہا کہ: ''میرا ارادہ تھوڑی دور جا کر واپس آ جانے کا ہے۔'' چنانچہ اسی ارادہ سے وہ گیا لیکن اس نے بدر میں قتل ہونا تھا اس لیے قضا و قدر نے واپس نہ آنے دیا اور میدان بدر میں لے جا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں قتل کرایا۔

بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ امیہ کا ارادہ جنگ میں جانے کا بالکل نہیں تھا، لیکن عقبہ ابن معیط نے اس کو ایسا طعنہ دیا کہ اپنی عزت کی خاطر اسے میدانِ جنگ میں جانا پڑا۔

امیہ ایک بھاری بدن کا سن رسیدہ شخص تھا۔ یہ حرم کعبہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ عقبہ دھونی دینے کی انگیٹھی اور لوبان (بخور) لے کر اس کے پاس پہنچا کہ اگر تم اس قومی جنگ میں شرکت نہیں کرتے ہو تو عورتوں کی طرح کپڑوں میں خوشبو بسائے رہو۔ اس بات سے امیہ کی رگ حمیت پھڑکی۔ وہ گھر پہنچا اور بیوی سے کہا کہ ''میں جا رہا ہوں۔'' اس نے محمد ﷺ کی پیشین گوئی یاد دلا کر روکا، لیکن امیہ نے کہا اس وقت تو مجھے جانا ہی ہے البتہ راستہ

Marfat.com

سے واپس آنے کی پوری پوری کوشش کروں گا۔ (بخاری: ۱/۵۶۳)

مختصر یہ کہ تین دن میں تیاری مکمل ہوئی اور جنگجو بہادروں پر مشتمل فوج اس شان سے مکہ سے روانہ ہوئی کہ ہر طرف جھنڈیاں لہرا رہی تھیں۔ سوشہ سوار آراستہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ روسائے قریش نہایت شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ آگے تھے۔ قریش کے ۹ معزز آدمی اس کی رسد کے ذمہ دار تھے۔ ایک دن نو اور ایک دن دس اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔ جیسے ہی مکہ سے نکلے تو ابوجہل نے دعوت کی اور دس اونٹ ذبح کرائے۔ ابوجہل نے پہلی منزل یعنی مرالظہران کے مقام پر دعوت کی۔ جب اونٹ ذبح کیے جا رہے تھے تو ایک اونٹ زخمی حالت میں ہاتھ سے نکل کر خیموں کی طرف بھاگا، اس کے سینے سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا۔ اس خون کے چھینٹے تمام خیموں میں پہنچے۔ کوئی ایک خیمہ بھی اس خون سے نہ بچا۔ یہ گویا عاتکہ اور جہیم بن الصلت کے خوابوں کی تعبیر کا ایک حصہ تھا۔ ''سیرۃ حلبیہ'' میں ہے کہ بنوعدی نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر جنگ میں شرکت نہیں کی اور راستے ہی سے واپس آ گئے۔ بنوعدی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ تھا۔

یہ قافلہ عسفان پہنچا تو امیہ بن خلف نے نو اونٹ ذبح کر کے دعوت کی۔ تیسرے دن قدید پر سہیل بن عمرو نے دس اونٹ ذبح کرائے۔ تیسرے روز یہیں شیبہ بن ربیعہ نے نو اونٹ ذبح کرائے۔ پھر جب جحفہ پہنچے تو شیبہ کے چھوٹے بھائی عتبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ ذبح کروائے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بھی ایک قیام پر دس اونٹ ذبح کرا دیے تھے۔ جب یہ لشکر چشمۂ بدر کے قریب پہنچا تو ابوالبختری نے دس اونٹ ذبح کرائے۔ (عیون الاثر: ۱/۲۸۸)

مختصر یہ کہ یہ مشتعل لشکر قرآن کے بقول ''بطرورئاء'' یعنی اکڑ اور ٹھاٹ کے ساتھ، اتراتے ہوئے اور اپنی شان وشوکت دکھاتے ہوئے مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوا۔ گویا پورا کفر پورے اسلام کے مقابلے میں جا رہا تھا۔ جوش انتقام سے چُور اور جذبہ غضب وحمیت سے مخمور، نہایت تیز رفتاری بلکہ برق رفتاری کے ساتھ چلے جا رہے تھے۔ جب وادی عسفان اور قدید کی وادیوں کو طے کر کے جحفہ پہنچے تو ابوسفیان کا نیا پیغام آن پہنچا کہ قافلہ کو بچا لیا گیا ہے۔ اب اسے کوئی خطرہ نہیں لہٰذا اب آپ لوگ واپس چلے جائیں۔

قریش کی فوج کے امن پسند سرداروں نے اس پیغام کو قبول کیا۔ چنانچہ بنوزہرہ اور بنوعدی کے شیوخ نے ابوجہل سے نہایت اصرار کے ساتھ کہا کہ اب ہمیں واپس جانا چاہیے۔

Marfat.com

کیونکہ مال و اسباب اور آدمی محفوظ ہو گئے ہیں، لہٰذا اب آگے جانے کا کوئی فائدہ نہیں، لیکن ابوجہل نے جس کے رگ و پے میں سرکار مدینہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی مخالفت بھری ہوئی تھی ان لوگوں کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس وقت جذبات کے اشتعال سے فائدہ اٹھایا جائے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر کے عرب پر قریش کی دھاک بٹھا دی جائے۔ چنانچہ اس نے سفر پر اصرار کیا اور اس کی مصلحت اور فائدہ یہ بیان کیا:

''عرب کے کانوں تک ہماری شان و شوکت، رعب و داب، ہمارے سفر، ہمارے اتحاد اور ہماری یک جہتی کی جب خبریں پہنچیں گی تو اس سے وہ بہت متاثر ہوں گے اور وہ ہم سے ہمیشہ مرعوب اور ہیبت زدہ رہیں گے۔'' (عیون الاثر: ۳۸۹/۱)

ابوجہل کی اس مصلحت اور اس پروگرام کے ساتھ بنوزہرہ اور بنوعدی کے لوگوں نے اتفاق نہ کیا۔ اخنس بن شریق نے واپس جانے کے لیے لوگوں کو کہا لیکن ابوجہل کے ہم نوا لوگ واپس جانے کے لیے راضی نہ ہوئے۔ چنانچہ وہ بنوزہرہ کے لوگوں کو ساتھ لے کر چلا گیا، کیونکہ وہ بنوزہرہ کا حلیف اور اس لشکر میں ان کا سردار تھا۔ بنوزہرہ کے آدمیوں کی تعداد تین سو تھی۔ بنوزہرہ کے واپس جانے کی وجہ سے بنوہاشم نے بھی واپس جانا چاہا لیکن ابوجہل کے اصرار نے انھیں روک لیا۔

بنوزہرہ کے علاوہ بنوعدی کے لوگ بھی واپس چلے گئے۔ اب قریش کے اس لشکر کی تعداد ایک ہزار رہ گئی۔ مختصر یہ کہ قریش کے لشکر نے اپنا سفر جاری رکھا اور بدر کے قریب پہنچ کر ایک ٹیلے کے پیچھے پڑاؤ ڈالا۔ یہ ٹیلہ وادیِ بدر کی حدود پر جنوبی دہانے کے پاس واقع تھا۔

اخنس بن شریق بنوزہرہ کے سرداروں میں سے تھے۔ انھیں جب ابوسفیان کا پیغام پہنچا کہ قافلہ بحفاظت ہے تو انھوں نے ابوجہل سے تنہائی میں گفتگو کی کہ محمد (ﷺ) کے پیچھے تم کیوں پڑے ہو؟ کیا وہ جھوٹے ہیں؟ ابوجہل نے جواب دیا۔ قطعاً نہیں۔ وہ تو زبان اور ہاتھ کے اتنے سچے اور صادق ہیں کہ ہم نے ان کا لقب ''الصادق الامین'' تجویز کیا تھا۔ لیکن بات یہ ہے کہ حرم کعبہ کے خاص منصب سقایہ، رفادہ اور مشورہ خاندان عبدالمطلب کے پاس پہلے سے تھے۔ اب منصب نبوت بھی اسی خاندان کے حصے میں آ گیا تو ہم کہاں جائیں اور ہمیں کیا ملا۔

(سیرۃ حلبیہ: ۱۷۱/۲)

Marfat.com

اس سے شاید اخنس سمجھ گئے کہ یہ جنگ کسی حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ حسد اور بغض کی بنیاد پر ہے، لہٰذا ہمیں اس میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ بعد میں جنگ کے نتائج دیکھ کر انھیں نہایت خوشی اور مسرت ہوئی کہ ہمارا فیصلہ بروقت اور صحیح تھا۔

جہیم بن الصلت کا خواب:

قریش کا لشکر جب جحفہ پہنچا تو عبد مناف کے ایک شخص جہیم بن الصلت (جو بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے) نے ایک خواب دیکھا۔ وہ کچھ جاگ رہے تھے، کچھ سو رہے تھے۔ اس حالت میں وہ چونک کر اٹھے اور گھبرا کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے، وہ سوار کہاں گیا؟ ساتھیوں نے کہا یہاں تو کوئی سوار نہیں۔ کہنے لگے میں تو ابھی ایک سوار کو دیکھ رہا تھا جو گھوڑے پر سوار تھا اور ایک اونٹ اس کے ہمراہ تھا، وہ آ کر کھڑا ہوا اور کہہ رہا تھا عتبہ بن ربیعہ قتل ہوا۔ ابوالحکم بن ہشام قتل ہوا، امیہ بن خلف قتل ہوا اور فلاں فلاں قتل ہوا، اس کے بعد اس شخص نے اونٹ کو ایک برچھا مارا اور اس کو لشکر میں چھوڑ دیا۔ وہ زخمی اونٹ جس سے خون کے چھینٹے اڑ رہے تھے لشکر میں بھاگتا پھر رہا تھا اور لشکر میں کوئی خیمہ ایسا نہ رہا جس پر اس کے خون کے چھینٹے نہ پڑے ہوں۔

ابو جہل کو جب اس خواب کی اطلاع ہوئی تو وہ نہایت برہم ہوا اور اس نے جہیم بن الصلت کا یہ کہہ کر مذاق اڑایا کہ بنی مطلب میں ایک اور نبی پیدا ہو گیا۔ کل کو جب مقابلہ ہو گا تب اس کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ میں ہم سے کون کون قتل ہو گا۔

(البدایہ والنہایہ: ص ۲۶۵، عیون الاثر: ۱/۳۸۹، ابن ہشام: ۱/۶۱۸)

بہر حال قریش کے لشکر نے بدر کی وادی میں ایک نشیبی کنارے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ ممکن تھا کہ وہ وہاں ابو جہل کے پروگرام کے مطابق جشن مناتے لیکن انھیں پتہ چلا کہ اسلامی لشکر پہنچ گیا ہے، لہٰذا اب انھوں نے جشن منانے کے بجائے جنگ کی تیاری شروع کر دی جو کہ بعد میں ان کی موت کی تیاری ثابت ہوئی۔

دوسری طرف سرکار دو عالم ﷺ بھی اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بدر میں پہنچ گئے، لیکن قریش مکہ نے بدر میں پہلے پہنچ کر پانی کے چشمے پر قبضہ کر لیا اور بہترین جگہوں کو اپنے لیے منتخب کر لیا۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو نہ تو پانی کی کوئی جگہ ملی اور نہ قیام کے لیے ہی مناسب

Marfat.com

جگہ ملی۔ وہ جگہ ملی تو ایسی کہ جہاں ریت ہی ریت تھی جس میں چلنے سے پاؤں دھنس جاتے تھے۔قرآن حکیم نے اس بات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾(الانفال ۸:۴۲)

''(یہ وہ دن تھا) جب تم قریب کے ناکے پر تھے اور وہ (دشمن) دور کے ناکے پر تھا اور قافلہ تم سے نچلے حصے میں تھا۔ (یعنی قافلہ سمندر کے کنارے کنارے جا رہا تھا)۔''

قریش نے مکہ سے آ کر ایک جانب پڑاؤ ڈالا تھا۔اس کو قرآن نے دور کا ناکہ (العدوة القصویٰ) کہا ہے۔اور دوسری جانب سرکار دو عالم ﷺ کا پڑاؤ تھا۔مدینہ سے جاتے ہوئے یہ پہلے پڑتا تھا اس وجہ سے اس کو قریب کا ناکہ (العدوة الدنیا) کہا گیا۔ سیدنا خباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! یہ جگہ جو آپ ﷺ نے پڑاؤ کے لیے منتخب فرمائی ہے یہ وحی ربانی کی ہدایت کے تحت ہے یا اتفاقی طور پر۔ ارشاد فرمایا: ''یہ اتفاقی طور پر ہے۔ وحی کے تحت نہیں ہے۔عرض کی کہ میں یہاں کے چشموں اور کنوؤں سے بخوبی واقف ہوں۔قریش کے پڑاؤ کے قریب ایک چشمہ ہے۔ اگر آپ ﷺ چاہیں تو ہم آگے بڑھ کر اس پر قبضہ کر لیں۔ وہاں ایک میٹھے پانی کا کنواں بھی ہے تاکہ ہمیں پانی کی سہولت رہے اور آس پاس کے کنویں بند کر دیں گے۔اگرچہ یہ بات آپ ﷺ کے مزاج کے خلاف تھی لیکن مصلحت وقت کے تحت آپ ﷺ نے سیدنا خباب بن منذر رضی اللہ عنہ کی یہ تجویز منظور فرمالی۔ (طبقات ابن سعد: ۹/۳)

چشموں پر قبضہ کر لینے سے پینے کے لیے پانی کی فراہمی کا مسئلہ تو حل ہو گیا، لیکن پھر بھی پانی اتنا وافر نہ تھا کہ مجاہدین اسلام غسل وغیرہ کر سکیں۔ بدر کا میدان نہایت ریتلا تھا۔ دشمن تو گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار تھے۔اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی اکثریت پیدل تھی۔ چلتے وقت ان کے پاؤں ریت میں دھنستے تھے۔ان کے پاؤں جم نہیں رہے تھے۔ پھر اسلحہ اور تعداد دونوں کی کمی تھی۔ممکن تھا کہ ہمتوں میں پستی نمودار ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ اب حق کو مستحکم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ فضل الٰہی نمودار ہوا۔ وہ اس طرح کہ بادل امنڈ آئے۔ زور کی بارش ہوئی۔

Marfat.com

موسم نہایت خوشگوار ہو گیا۔ ریت جم گئی۔ زمین سخت ہو گئی۔ پیروں کے دھنسنے کا خطرہ جاتا رہا، بارش کا پانی چھوٹے چھوٹے حوضوں میں اکٹھا کر لیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غسل کیا۔ سفر کی تھکاوٹ اور تکان دور ہوئی۔ ہر صحابی تازہ دم اور چاق و چوبند ہو گیا۔ اسی شگفتگی کے عالم میں ایسی نیند آئی کہ رات بھر آنکھ نہ کھلی۔ اس نیند نے بھی ساری تکان دور کر دی جس کا تذکرہ قرآن مجید نے سورۂ انفال میں یوں کیا ہے:

> "جب اللہ تعالیٰ نے چھا جانے والی غنودگی تم پر طاری کر دی تھی کہ اس کی طرف سے یہ تمھارے لیے بے خوفی اور تسکین کا سامان تھا اور اس نے تم پر آسمان سے پانی برسا دیا تاکہ تم کو پاک وصاف ہونے کا موقع فراہم کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دور کر دے تاکہ تمھارے دلوں کو مضبوط اور تمھارے قدموں کو جما دے۔"

اللہ تعالیٰ کے دست غیب سے جو سامان ان کی کامیابی کے لیے مہیا ہوئے، اللہ تعالیٰ کی وحی نے ان کو اس آیت میں بیان فرما دیا۔ یہ اگرچہ دیکھنے میں معمولی سامان تھے لیکن ان کے اثرات جنگ پر بہت گہرے پڑے اور انہی نے جنگ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔

یہ پانی مسلمانوں نے اگرچہ اپنی ضرورت کے لیے جمع کیا ہوا تھا لیکن نبی اکرم ﷺ نے اپنے دشمنوں کو بھی پینے کی اجازت دی۔ قریش چونکہ نشیبی علاقے میں تھے اس لیے ان پر بارش کا اثر الٹا ہوا۔ بارش ہونے کی وجہ سے وہاں کیچڑ اور دلدل ہو گئی اور چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔

جاسوسی کا نظام:

میدانِ جنگ میں دشمن کی معلومات حاصل کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے تاکہ پھر اسی کے مطابق جنگ کا اقدام کیا جا سکے۔ سرکار دو عالم ﷺ میدانِ بدر میں پہنچتے ہی اپنے رفیق غار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر خود دشمن کے بارے میں معلومات کی فراہمی کے لیے نکل پڑے۔ آپ ﷺ ابھی دور ہی سے قریش کے کیمپ کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک بوڑھا عرب آپ ﷺ کو مل گیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس سے قریش کے لشکر اور محمد ﷺ اور ان کے رفقاء کے بارے میں دریافت فرمایا۔ (دونوں لشکروں کے بارے میں پوچھنے کا مقصد

Marfat.com

یہ تھا کہ آپ ﷺ کی شخصیت کا اس بوڑھے کو پتہ نہ چلے) بوڑھے نے جواب دیا کہ جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ تمھارا کس قوم سے تعلق ہے، میں آپ ﷺ کے سوال کا ہرگز جواب نہیں دوں گا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم ہمیں ہمارے سوال کا جواب بتا دو گے ہم بھی تمھیں بتا دیں گے ہمارا کس سے تعلق ہے۔

اس نے کہا: مجھے پتہ چلا ہے کہ محمد ﷺ اور ان کے رفقاء فلاں روز مدینہ سے نکلے ہیں۔اگر میری یہ بات درست ہے تو آج وہ فلاں جگہ ہوں گے اور ٹھیک اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں اس وقت مدینہ کا لشکر تھا۔وہ بوڑھا پھر بولا کہ مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ قریش کا لشکر فلاں روز نکلا ہے۔اگر مجھے خبر دینے والے نے صحیح خبر دی ہے تو وہ آج فلاں جگہ ہوں گے اور اس نے ٹھیک اسی جگہ کا نام لیا جہاں اس وقت قریش کا لشکر تھا۔جب بوڑھا اپنی بات ختم کر چکا تو اس نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا: ''اچھا بتاؤ تم دونوں کس سے ہو؟'' سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ''ہم لوگ پانی سے ہیں۔'' اور یہ کہہ کر آپ ﷺ واپس چل پڑے۔بوڑھا کہتا رہا؟'' پانی سے ہیں، کیا عراق کے پانی سے ہیں؟''

شام ہوئی تو سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو قریش کی خبر کے لیے روانہ فرمایا تا کہ پتہ چل سکے کہ ان کی تعداد کتنی ہے اور کون کون شریک لشکر ہیں۔اتفاقاً انھیں دو غلام ہاتھ لگ گئے۔ان کو لا کر ان سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔سرکار دو عالم ﷺ اس وقت نماز پڑھنے میں مشغول تھے۔ان دونوں غلاموں نے کہا کہ ہم قریش کے لشکر کے لیے پانی لانے نکلے ہیں۔ ہمیں لشکر کے بارے میں کوئی زیادہ معلومات نہیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان لوگوں کی بات کا کچھ یقین نہ آیا اور ان کے ساتھ معمولی سی مار پیٹ بھی کی تا کہ شاید اس خوف سے ابوسفیان کا کچھ حال بتائیں۔ مار پڑنے پر انھوں نے کہا کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو مارنا چھوڑ دیا۔سرکار دو عالم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ کہ جب ان غلاموں نے سچ کہا تو تم نے ان کو مارا اور جب جھوٹ کہا تو انھیں مارنا چھوڑ دیا۔ بخدا! یہ قریش کے آدمی ہیں یعنی ابوسفیان کے ساتھیوں میں سے نہیں ہیں۔آپ ﷺ نے ان سے پوچھا قریش کہاں ہیں؟ ان غلاموں نے جواب دیا: ''بخدا! اس ٹیلے کے پیچھے ہیں۔''

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''ان کی تعداد کتنی ہے؟'' انھوں نے کہا: ''بہت ہیں، مگران کی صحیح تعداد ہمیں معلوم نہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''روزانہ کھانے کے لیے کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟'' انھوں نے کہا: ایک روز نو اور ایک روز دس۔'' آپ ﷺ نے فوراً فرمایا: ''ہزار اور نو سو کے درمیان ہیں۔''

بعد میں آپ ﷺ نے مزید یہ پوچھا کہ ''سرداران قریش میں سے کون کون ان کے ساتھ ہیں؟'' انھوں نے کہا: ''عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، زمعہ بن اسود، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج، سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدود۔ ان سب سرداران قریش کے نام سن کر سرکار دو عالم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''مکہ نے آج اپنے جگر گوشوں کو تمھاری طرف پھینک دیا ہے۔''

(عیون الاثر: ۱/۳۸۷۔۳۸۸، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۶۱۵۔۶۱۷، انساب الاشراف: ۱/۱۳۵)

اس طرح سے آپ ﷺ کو قریش کا حال معلوم ہو گیا۔

میدان جنگ میں قریشی لشکر میں اختلاف:

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ قریشی لشکر وادی کے دہانہ کے باہر تھا۔ رات اس لشکر نے وہیں گزاری۔ صبح اپنے تمام دستوں کے ساتھ ٹیلے سے اتر کر بدر میں آئے۔ ان دستوں میں سے ایک دستہ رسول اللہ ﷺ کے حوض کی طرف بڑھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے روکنا چاہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، انھیں چھوڑ دو۔ لیکن ان میں سے جس جس نے بھی اس حوض سے پانی پیا وہ اس جنگ میں مارا گیا۔ صرف حکیم بن حزام باقی بچا جو بعد میں مسلمان ہونے کے بعد جب بھی کبھی پختہ قسم کھاتے تو کہتے:

"لا والذی نجانی من یوم بدر۔" (عیون الاثر: ۱/۳۹۱)

''اس ذات کی قسم جس نے مجھے بدر کے دن سے نجات دی۔''

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے تو قریش نے عمیر بن وہب جمحی کو مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا۔ عمیر اس معاملہ میں بڑا سمجھ دار آدمی سمجھا

Marfat.com

جاتا تھا۔ اس نے گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کے کیمپوں کا چکر لگایا اور ان کی تعداد کا اندازہ لگا لیا۔ پھر دور تک وادی میں گھوڑا دوڑاتا ہوا نکل گیا۔ اس نے واپس آ کر قریش کو رپورٹ دی کہ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد کم و بیش تین سو ہے۔ یہ بھی خطرہ نہیں کہ انھیں کہیں سے کوئی کمک پہنچے۔ ان کے پاس سامان بھی پورا نہیں۔ صرف تلواریں ہیں۔ لیکن اے گروہ قریش! کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصائب کے لشکر ان کے ساتھ ہیں۔ (البلایا تحمل المنایا) یثرب کی اونٹنیاں موت کے انبار لادے ہوئے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کی ساری حفاظت خود ان کی تلواریں ہیں۔ ان کی صورتوں سے وحشت برستی ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں صرف قربان ہونے کے لیے آئے ہیں۔ اہل و عیال میں واپس جانے کا تصور بھی ان کو نہیں ہے۔ خدا کی قسم، ان کا کوئی آدمی تمھارے آدمی کو مارے بغیر نہیں مرے گا۔ غور کرو اگر تمھارے خاص خاص آدمیوں کو مار کر ہی وہ مرے تو پھر تمھاری زندگی کیا ہوگی؟ تمھارے کتنے عزیز ختم ہو چکے ہوں گے۔ اس لیے ذرا اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔

عمیر بن وہب جمحی کے اس تجزیہ نے سرداران قریش کے مابین ایک معارضہ کھڑا کر دیا۔ چنانچہ سنجیدہ مزاج لوگوں کا مطالبہ تھا کہ اب جنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ہمارا قافلہ بحفاظت مکہ پہنچ گیا ہے۔ ہم مکہ سے صرف اس کی حفاظت کے لیے نکلے تھے، لہٰذا اب بغیر جنگ کیے واپس چلے جانا چاہیے۔ اس بات میں حکیم بن حزام سب سے آگے تھے کہ جنگ نہ ہو۔ کیونکہ اب جنگ کا کوئی بہانہ نہیں۔ ہم نے پہلے بھی راستے میں یہ کہا تھا کہ قافلے کی حفاظت کا ہمارا مقصد پورا ہو گیا ہے، لہٰذا اب ہمیں واپس چلے جانا چاہیے لیکن ابوالحکم (ابوجہل) نے یہ کہا تھا کہ ہم بدر میں پہنچ کر جشن کریں۔ اب جشن کا کوئی امکان نہیں رہا۔ اب جنگ کا بہانہ اگر ہے تو وہ صرف حضرمی کا خون ہے۔ عرب کے دستور کے مطابق ہم اس کا خون بہا دلوا دیتے ہیں اور جنگ کا قصہ ختم کیا جائے۔ حکیم بن حزام نے اس معاملے کے بارے میں اور لوگوں کو بھی اپنے اعتماد میں لے لیا۔ سب نے اس کی تائید کی۔ پھر وہ عتبہ بن ربیعہ کے پاس گیا اور کہا: ''ابوالولید! آپ قریش کے بڑے واجب الاطاعت رئیس ہیں۔ پھر آپ کیوں نہ ایک ایسا اچھا کام کر جائیں کہ تمام مکہ آپ کو یاد کرے۔'' عتبہ نے پوچھا: ''حکیم! وہ کون سا کام ہے؟'' حکیم بن حزام نے جواب دیا: ''کہ آپ لوگوں کو واپس مکہ لے جائیں اور اپنے حلیف عمرو بن حضرمی، جو

Marfat.com

سریۂ نخلہ میں مارا گیا ہے، اس کی دیت اپنے ذمہ لے لیں۔" عتبہ نے کہا، مجھے منظور ہے۔ میں اس کی دیت کا ذمے دار ہوں اور اس کا جو مال ضائع ہوا ہے اس کا بھی ذمہ دار ہوں۔

عتبہ قریش کا سب سے بڑا سردار، ممتاز رئیس اور سب سے زیادہ جہاں دیدہ آدمی تھا۔ عمر میں بھی وہ قریباً سب سے زیادہ تھا۔ اس وقت فوج کا سپہ سالار بھی وہی تھا۔ طبیعت کے لحاظ سے بھی امن پسند اور سنجیدہ تھا۔ چنانچہ اس کی سنجیدگی پر لسان نبوت کی یہ گواہی کافی ہے کہ جب عتبہ اپنے سرخ اونٹ پر میدان بدر کے چکر لگا رہا تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ کی نگاہ اس پر پڑی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لشکر قریش میں کوئی بھلا آدمی ہے تو یہی سرخ اونٹ والا ہے۔ اگر اس کے مشورہ پر وہ عمل کریں تو انھیں سعادت میسر آ جائے" (ان یطیعوہ یرشدوا)۔

(البدایہ والنہایہ: ۲۶۸/۳)

عتبہ عمرو بن حضرمی کا حلیف تھا۔ عرب کے دستور کے مطابق اگر کوئی حلیف اپنے پاس سے یا قاتل سے وصول کر کے خون بہا ادا کر دیتا تھا تو قصاص کا معاملہ ختم ہو جاتا تھا۔

عتبہ نے حکیم بن حزام سے کہا کہ تم ابوجہل کے پاس جاؤ اور اس سے یہ بات کرو کیونکہ مجھے معاملات کو بگاڑنے اور لوگوں کے جذبات کو بھڑکانے میں اس سے زیادہ کسی اور سے کوئی خطرہ اور خوف نہیں۔ اس کے بعد عتبہ نے کہا:

"عزیزو! مجھے بالکل اس بات کا یقین نہیں کہ تم محمد ﷺ اور ان کے رفقاء کو نیست و نابود کر دو گے۔ صرف یہی کر سکو گے کہ کچھ لوگوں کو ان میں سے مار ڈالو۔ لیکن یہ بھی تو سوچو کہ وہ مرنے والے کون ہوں گے؟ اگر وہ تمھارے ہی بھائی بند ہوں گے اور یقیناً وہی ہوں گے تو یاد رکھو کہ ان کے رشتہ داروں کا سلوک تمھارے ساتھ کیا ہوگا جس کے بھائی یا بیٹے کو تم مارو گے۔ ان کے عزیز رشتہ دار جو تمھارے اپنے ہی ہوں گے تم سے ہمیشہ نفرت کیا کریں گے۔ جب بھی ان کے ساتھ تمھاری ملاقات ہوا کرے گی تو یہ احساس ان کے ذہن میں تازہ ہو جایا کرے گا کہ یہ میرے فلاں عزیز کا قاتل ہے، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ جنگ کا ارادہ ملتوی کر کے واپس چلے چلو اور محمد (ﷺ) اور سارے عرب سے کنارہ کش ہو رہو۔ اگر عرب نے انھیں مار لیا تو وہی چیز ہوگی جسے تم چاہتے ہو اور اگر دوسری صورت پیش

Marfat.com

آئی تو محمد (ﷺ) تمھیں اس حالت میں پائیں گے کہ تم نے جو سلوک ان سے کرنا چاہا تھا، اسے کیا نہ تھا۔''

تمام حاضرین نے عتبہ کی اس بات سے اتفاق کیا۔ اب حکیم بن حزام ابوجہل کے پاس پہنچے۔ ابوجہل اس وقت ترکش سے تیر نکال کر درست کر رہا تھا۔ حکیم بن حزام نے کہا: ''ابوالحکم! مجھے عتبہ نے تمھارے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا ہے۔'' ابوجہل عتبہ کا پیغام سن کر آگ بگولا ہو گیا اور نہایت طنزیہ انداز میں کہا: ''خدا کی قسم! محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر ابوالولید (عتبہ) کی ہمت ختم ہو گئی ہے۔ بخدا ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے۔ عتبہ کے پیٹ میں اس لیے مروڑ اٹھ رہا ہے کہ اس کا بیٹا (سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ) مسلمان ہو چکا ہے۔ اس کو خطرہ ہے کہ کہیں وہ نہ مارا جائے۔'' پھر اس نے عمرو بن حضرمی کے بھائی عامر بن حضرمی کو بلایا اور کہا کہ تمھارے بھائی کا حلیف عتبہ تمھارے بھائی کے خون کا معاملہ ختم کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا اگر تم اپنے بھائی کا قصاص لینا چاہتے ہو تو اٹھو اور اپنا مطالبہ لوگوں کے سامنے پیش کرو۔ چنانچہ عامر نے عربوں کے دستور کے مطابق اپنی سرین سے کپڑا اٹھا کر زور زور سے کہا ''ہائے عمرو، ہائے عمرو۔'' عامر بن حضرمی کی اس آواز نے ساکن سمندر میں پھر طوفان پیدا کر دیا اور لشکر کے جذبات گرم ہو گئے اور ارادۂ جنگ پختہ ہو گیا اور ہوش پر جوش غالب آ گیا۔ حکیم بن حزام نے جو کچھ بات چیت جنگ نہ کرنے کے بارے میں کی تھی، سب اکارت گئی۔

عتبہ کو جب ابوجہل کے جواب کے بارے میں پتہ چلا تو اس نے ابوجہل کو گالی دے کر کہا کہ کل جنگ ہوئی تو ابوجہل دیکھ لے گا کہ جنگ سے کون جی چراتا ہے اور پیٹ میں مروڑ کس کے اٹھ رہا ہے؟ اور اس کے بعد اس نے بھی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

(عیون الاثر: ۱/۳۹۱، ابن اثیر: ۱/۱۵۶)

مسلمان لشکر کے لیے دعا:

دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ کفر اور اسلام ایک دوسرے کے آمنے سامنے خیمہ زن تھے۔ صبح کیا کچھ ہونے والا تھا یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ کون کون خاک و خون میں لیٹے گا، اس کا بھی کسی کو علم نہیں تھا۔ قریش کا لشکر رنگ رلیوں میں مصروف تھا کیونکہ

Marfat.com

اسے اپنی تعداد کے بل بوتے پر یہ یقین تھا کہ فتح ان کی ہوگی۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھی سکون کی نیند سو رہے تھے۔ مگر ایک ذات تھی جس کی آنکھیں نیند سے ناآشنا تھیں، وہ قائد لشکر ؐ کی ذات ستودہ صفات تھی۔ سردار دو جہاں، سرورِ کونین ﷺ ایک درخت کے نیچے رات بھر یاد خدا میں مصروف رہے۔ دل پُر سوز، چشم پُرنم، زبان پر ذکر اللہ، پوری رات اسی طرح گزار دی۔ صبح ہوئی تو لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کے لیے نہایت پُر سوز تقریر فرمائی۔

(البدایہ والنہایہ: ۳/۲۶۷)

اصحاب سیرت نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جب قریش کے لشکر کو پورے ساز و سامان کے ساتھ میدان کارزار میں دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں رسول اللہ ﷺ یوں دعا گو ہوئے:

((اللهم هذه قريش قد اقبلت بخيلاء ها و فخرها تجادلك وتكذب رسولك۔ اللهم فنصرك الذي وعدتني، اللهم احنهم الغداه))

(ابن ہشام: ۱/۶۲۱، فتح الباری: ۷/۳۲۵)

”اے اللہ! یہ قریش ہیں جو اپنے پورے غرور اور تکبر کے ساتھ آئے ہیں۔ یہ تیری مخالفت کرتے ہوئے اور تیرے بھیجے ہوئے رسول ؐ کی تکذیب کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔ اے اللہ! اپنی فتح ونصرت نازل فرما جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ اے اللہ! آج انھیں ہلاک کر دے۔“

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ہمیں رات ہی میں تیار کر دیا تھا کہ کون لوگ کہاں رہیں گے۔ آپ ﷺ نے تین پارٹیوں کے علم تین حضرات کو دے دیے۔ مہاجرین کا علم سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو، اوس کا علم سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اور قبیلۂ خزرج کا علم سیدنا خباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو دیا۔

روایات میں ہے کہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے سے آپ ﷺ کے قیام کے لیے ٹیلے پر ایک چھپر بنایا گیا۔ کیونکہ انھوں نے بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کیا تھا کہ ”اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم آپ ﷺ کے لیے ایک چھپر نہ بنا دیں جس پر آپ ﷺ تشریف رکھیں اور سواریاں آپ ﷺ کے قریب تیار رکھیں۔ پھر ہم دشمن سے جا کر لڑیں۔

Marfat.com

اگر اللہ نے ہماری تمنا اور خواہش کے مطابق ہمیں دشمن پر غلبہ عطا فرمایا تو بہت اچھا، لیکن اگر خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئی تو آپ ﷺ سوار ہو کر ہماری قوم کے دوسرے لوگوں سے جاملیں۔ اے اللہ کے نبی ﷺ! ہم ان سے زیادہ آپ ﷺ کے محبّ نہیں۔ اگر ان لوگوں کو کسی وجہ سے بھی یہ گمان ہوتا کہ آپ ﷺ کو جنگ کا سامنا ہوگا تو وہ بھی ہرگز پیچھے نہ رہتے۔ شاید حق تعالیٰ شانہ ان کے ذریعہ آپ ﷺ کی حفاظت فرماتا اور وہ نہایت اخلاص کے ساتھ آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرتے۔

یہ کلماتِ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے منہ سے رسول اللہ ﷺ سن کر بہت خوش ہوئے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی بڑی تعریف فرمائی اور ان کے حق میں بہت دعا کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے لیے وہ عریش بنایا گیا۔ یہ ایک بلند ٹیلے پر بنایا تھا جس پر سے تمام میدان کارزار نظر آتا تھا۔ یہ عریش کھجور کی شاخوں کا تھا۔

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ مخلصانہ جذبہ قابل قدر تھا۔ آپ ﷺ نے بھی اس جذبہ کی قدر کی، لیکن یہ آپ ﷺ کی افتادِ طبع کے خلاف تھا۔ چنانچہ جب بدر میں گھمسان کا رن پڑا تو سرور کائنات ﷺ "عریش" میں نہیں بلکہ میدانِ کارزار میں تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرور کائنات ﷺ کے لیے جو عریش (چبوترہ) تیار کیا تھا اس کی حفاظت اس دستہ نے اپنے ذمہ لی جس کے علم بردار سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے۔ جنگ کے موقع پر آپس کی پہچان کے لیے کچھ الفاظ مقرر فرمائے جن کو اس زمانہ کی اصطلاح میں "شعار" کہا جاتا تھا۔ چنانچہ مہاجرین کا شعار "یا بنی عبدالرحمٰن" مقرر فرمایا۔ بنوخزرج کا شعار "یا بنی عبداللہ" اور قبیلہ اوس کا "یا بنی عبیداللہ" اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احد احد اور گھوڑے کا شعار "خلیل اللہ" مقرر فرمایا۔ (البدایہ: ۳/۲۷۴)

رمضان کا مہینہ تھا یعنی جمعہ ۱۷ر رمضان المبارک سنہ ۲ھ تھا۔ اس لیے افطار کا حکم دے دیا۔

نماز صبح کے بعد آپ ﷺ نے جہاد کے موضوع پر تقریر فرمائی، لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی۔ پھر صف بندی کا حکم دیا۔ صفوں کی نگرانی خود فرمائی۔ دست مبارک میں ایک تیر تھا۔ اس تیر کے اشارہ سے صفوں کو درست فرما رہے تھے کہ ایک عجیب معاملہ پیش آ گیا۔ ایک

Marfat.com

صحابی سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ صف سے کچھ آگے نکلے ہوئے تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے پیٹ پر تیر کا دباؤ ڈالتے ہوئے فرمایا: سواد! صف برابر کرو۔ میدان کارزار میں ایسا ہو ہی جاتا ہے، لیکن اس صحابی رضی اللہ عنہ نے کچھ عجیب بات کہہ دی۔ عرض کی: ''یا رسول اللہ! آپ ﷺ معدن عدل و انصاف ہیں۔ آپ ﷺ نے اس سے مجھے دبایا ہے۔ یہ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ میں اس زیادتی کا بدلہ لوں گا۔'' اب ذرا چشم تصور سے دیکھئے۔ کیسا عجیب منظر ہوگا کہ سامنے دشمن کی فوج کھڑی ہے جو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو ختم کرنے کے درپے ہے اور ایک مجاہد اپنے قائد اور کمانڈر سے بدلے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ کوئی اور ہوتا تو اسی وقت کورٹ مارشل کر دیتا۔ لیکن عدل و انصاف کے مجسم نے فوراً بدلہ کے لیے اپنے آپ ﷺ کو پیش کر دیا۔ سواد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ میرا پیٹ ننگا تھا۔ آپ ﷺ بھی قمیص ہٹائیے، تب انتقام صحیح ہوگا۔'' آپ ﷺ نے اسی وقت اپنا کرتہ ہٹا دیا۔ سیدنا سواد رضی اللہ عنہ نے شکم مبارک پر لب رکھ دیئے اور آپ ﷺ کے شکم مبارک کے بوسے لینے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سواد! اس حرکت پر تمھیں کس بات نے آمادہ کیا؟'' عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! ہم یہاں آپ ﷺ پر قربان ہونے کے لیے حاضر ہیں، میری تمنا ہوئی کہ اس آخری وقت میں اس حقیر جسم کی جلد آپ ﷺ کی طاہر اور مطہر جلد سے چھو جائے۔'' (لہٰذا معاف فرمائیں، بعض دفعہ محبت گستاخ ہو جاتی ہے) سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا سواد رضی اللہ عنہ کے لیے بڑی دعائیں فرمائیں۔

سب صفیں درست ہو چکیں تو آپ ﷺ نے لشکر کو ہدایت فرمائی کہ جب تک آخری احکام موصول نہ ہو جائیں جنگ شروع نہ کی جائے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جب دشمن جمگھٹا کر کے تمھارے قریب آ جائیں تو اس وقت ان پر تیر چلانا، اور اپنے تیر فضول تیر اندازی کر کے ضائع نہ کرنا۔ (بخاری: ۲/۵۶۸) اور جب تک وہ تم پر چھا نہ جائیں تلوار نہ کھینچنا۔

(ابوداؤد: ۲/۱۳)

میدان جنگ میں قریش مکہ کے لشکر اور اسلامی لشکر کی نسبت ایک اور تین کی تھی۔ پھر ان کے پاس اسلحہ جنگ بھی قریش کے مقابلہ میں بہت کم تھا۔ ایسی حالت میں ایک دو آدمی کا اضافہ بھی بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے اور آدمی اس اضافہ کو ہر قیمت پر قبول کرتا ہے۔ لیکن ایسے

Marfat.com

موقع پر بھی آپ ﷺ نے اسلامی اصولوں کو قائم رکھا۔ چنانچہ میدان جنگ میں ایک نامی گرامی بہادر حاضر ہوا اور کہا کہ میں مسلمانوں کی خدمت کروں گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی یہ پیشکش سن کر بہت خوشی ہوئی، لیکن سرور کائنات ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمیں کسی مشرک کی مدد کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ وہ واپس چلا گیا۔ یہ گفتگو ''حرۃ الوبرۃ'' کے مقام پر ہوئی تھی۔ پھر وہ دوبارہ دوسرے مقام ''الشجرۃ'' پر آیا اور یہی بات بارگاہ رسالت میں عرض کی۔ آپ ﷺ کا جواب پھر وہی تھا۔ تیسری مرتبہ وہ ''بیدار'' کے مقام پر حاضر خدمت ہوا اور پھر وہی بات خدمت نبوی ﷺ میں عرض کی۔ حضور ﷺ نے پھر وہی سوال کیا کہ کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس مرتبہ خوش بختی نے اس کی راہنمائی کی اور اس کے منہ سے نکلا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو مانتا ہوں۔ تب ارشاد ہوا کہ ہاں تم ساتھ چل سکتے ہو۔ اس کا نام حبیب بن لیاف تھا۔ (مسلم: ۱۱۸/۲، سیرۃ حلبیہ: ۱۶۵/۲)

اسی طرح آپ ﷺ کے دو صحابی سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ابوالحسین رضی اللہ عنہ کہیں سے آرہے تھے کہ راستہ میں قریش نے روک لیا کہ تم دونوں محمد ﷺ کی مدد کو جارہے ہو۔ انھوں نے جان چھڑانے کے لیے کہا کہ نہیں، ہم ان کی مدد کو نہیں جارہے، ہم مدینہ جارہے ہیں۔ انھوں نے ان دونوں سے آپ ﷺ کی مدد نہ کرنے کا وعدہ لیا اور ان دونوں نے وعدہ بھی کر لیا کہ ہم جنگ میں شریک نہ ہوں گے۔ یہ دونوں حضرات میدان بدر میں آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ سارا واقعہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا اور ساتھ ہی جنگ میں شرکت کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے۔ ہمیں صرف خدا کی مدد درکار ہے۔'' (مسلم: ج ۲)

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ اگرچہ مسلمانوں نے پانی پر قبضہ کر لیا تھا لیکن سرکار دوعالم ﷺ کی طرف سے دشمنوں کو پانی پینے کی پوری اجازت تھی۔ اس بارے میں قریش نے پہلا حربہ یہ اختیار کیا کہ پانی کو برباد کیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے حوضوں پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام مہجع رضی اللہ عنہ کے آکر تیر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ یہ اس جنگ کے سب سے پہلے شہید ہیں۔ (ابن ہشام: ۶۲۷/۱) لیکن

Marfat.com

ابن سعد کی روایت یہ ہے کہ مہجع کو مقتول ابن حضرمی کے بھائی عامر نے مقابلے میں شہید کیا تھا۔ پھر حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ جو حوض سے پانی پینے جا رہے تھے، ان کو ایک تیر آ کر لگا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ (ابن ہشام: ا/۶۲۷)

پھر ابو جہل کے خاندان کا ایک شخص اسود بن عبدالاسد المخزومی جو کہ ایک نہایت بدطینت اور بدخلق انسان تھا، یہ کہتے ہوئے میدان میں آیا ''میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ ان کے حوض کا پانی پی کر رہوں گا یا پھر اس حوض کو منہدم کر دوں گا یا پھر اس کے لیے اپنی جان دے دوں گا۔'' جب یہ میدان میں نکلا تو مسلمانوں کی طرف سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نکلے پھر ان دونوں میں حوض سے پرے ہی مڈ بھیڑ ہو گئی۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس شقی پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کا پاؤں نصف پنڈلی سے کٹ گیا اور وہ پیٹھ کے بل گر گیا۔ اس کے پاؤں سے خون کا فوارہ نکل رہا تھا جس کا رخ اس کے ساتھیوں کی طرف تھا۔ اس کے باوجود وہ گھٹنوں کے بل گھسٹ کر حوض کی طرف بڑھا اور وہ اس میں داخل ہوا ہی چاہتا تھا کہ اتنے میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے تلوار کی دوسری ضرب ایسی لگائی کہ وہ حوض کے باہر ہی ڈھیر ہو گیا۔ (ابن ہشام: ا/۶۲۴)

میدان بدر میں بنو غفار کے ایک رئیس خفاف بن ایماء بن رمضہ نے اپنے بیٹے کے ہاتھ ابو جہل کو کچھ اونٹ بھیجے اور یہ پیغام بھی بھجوایا کہ اگر مزید مدد کی ضرورت ہو تو اسلحہ اور آدمی دونوں مہیا کر سکتے ہیں۔ ابو جہل نے اس رئیس کا شکریہ ادا کیا اور مزید کمک کے بارے میں جواب دیا کہ ''اگر معاملہ صرف آدمیوں سے مقابلہ کا ہے تو ہماری طاقت مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ ہمیں کسی مدد کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن اگر معاملہ خدا سے مقابلہ کا ہے جیسا کہ محمد ﷺ کہتے ہیں تو خدا کے مقابلے میں ہماری ہر قسم کی طاقت بے کار ہے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اندر سے ابو جہل بھی یہ سمجھ رہا تھا کہ اگر خدا سے مقابلہ ہوا تو پھر ہم جتنی مرضی طاقت لے آئیں وہ سب بے کار ہو گی اور ہم مسلمانوں کے ہاتھوں شکست سے نہیں بچ سکتے۔

مبارزت:

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ میدان بدر میں عتبہ بن ربیعہ نے جب عمرو بن حضرمی کے خون بہا کا ذمہ لیا اور لوگوں سے بغیر لڑائی کے واپس جانے کے لیے کہا تو ابو جہل نے اسے طعنہ

Marfat.com

دیا، اس پر عتبہ نے کہا کہ کل کو اگر جنگ ہوئی تو ابوجہل دیکھ لے گا کہ لڑائی سے کون جی چراتا ہے اور پیٹ میں مروڑ کس کے اٹھ رہا ہے۔ پھر جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ سر پر رکھنے کے لیے خود منگوایا، لیکن سر بڑا تھا خود چھوٹا تھا تو سر پر چادر ہی باندھ لی۔ محمد ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اسود بن عبدالاسد المخزومی جب قتل ہوا تو عتبہ بن ربیعہ میدان میں آ گیا۔ عتبہ بڑی آن بان کا شخص تھا۔ اسی لیے وہ سج دھج کر سب سے پہلے میدان میں اس شان سے آیا کہ ایک طرف اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ تھا اور دوسری طرف اس کا بیٹا ولید۔ عرب کے دستور کے مطابق اس نے دعوت مبارزت دی۔ اس کی اس دعوت پر تین انصاری مقابلہ کے لیے نکلے۔ عوف بن حارث رضی اللہ عنہ، معوذ بن حارث رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ۔

عتبہ نے ان کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم انصار میں سے ہیں۔ (رھط من الانصار) یہ سن کر عتبہ نے کہا کہ ہم کو ان لوگوں سے کوئی مطلب نہیں، ہم تو اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں جو ہمارے برابر اور جوڑ کے ہوں۔ پھر اس نے اونچی آواز سے کہا:

یا محمد! اخرج الینا اکفاء نامن قومنا۔

"اے محمد ﷺ ہماری قوم میں سے ہمارے برابر کے لوگ لڑنے کے لیے بھیجو۔"

عتبہ کی بات سن کر سرکار دو عالم ﷺ نے انصار کو واپس بلا لیا اور مہاجرین میں سے سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نگاہ نبوت کا اشارہ پاتے ہی میدان کارزار میں نکل آئے۔ تینوں کا تعلق بنو ہاشم سے تھا۔ طبقات ابن سعد کی روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا تھا:

"اے بنو ہاشم! اٹھو، اس حق کے ساتھ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبیؐ کو دے کر بھیجا ہے۔ یہ لوگ باطل کو لے کر اللہ کے نور کو بجھانے کے لیے آئے ہیں۔"

(طبقات ابن سعد:۱۰/۲)

بعض روایات میں ہے کہ ان تینوں حضرات نے اپنے اوپر چادریں اوڑھی ہوئی تھیں، اسی وجہ سے عتبہ انھیں پہچان نہ سکا۔ پوچھا: "تم کون ہو؟"

ان مجاہدین میں سے ایک نے اپنا نام خود بتایا۔ عتبہ نے کہا: نعم اکفاء کرام بالکل درست، تم ہمارے برابر کے ہو اور محترم ہو۔

Marfat.com

عتبہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں، ولید سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اور شیبہ سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ کے مقابل ہوئے۔ بعض روایات میں ہے شیبہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اور عتبہ سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں نکلے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ ولید کے مقابلے میں نکلے۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تو چشم زدن میں اپنے اپنے مقابل عتبہ اور ولید کو قتل کر ڈالا لیکن سیدنا عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نے اپنے مقابل شیبہ کو زخمی کیا لیکن خود بھی زخمی ہو گئے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے اپنے مقابل سے فارغ ہو کر سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ کی مدد کو پہنچے اور ان کے مقابل شیبہ کو قتل کر دیا اور عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھے۔ ''سیرۃ حلبیہ'' کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے دس سال عمر میں بڑے تھے۔ (جلد۲ص ۱۷۸) یہ حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے تھے یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرح نبی اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی۔

سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ کی پنڈلی سے خون جاری تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کا سر اپنے زانو مبارک پر رکھ لیا۔ شہید عشق نے پوچھا: ''یا رسولؐ اللہ! کیا میں شہید ہوں؟'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''بے شک۔'' اس پر سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اگر آج ابو طالب زندہ ہوتے تو انھیں ماننا پڑتا کہ ان کے اس شعر کا مستحق سب سے زیادہ میں ہوں:''

ونسلم حتی نصرح حوله
ونزهل عن ابنائنا والحلائل

یعنی ہم محمد ﷺ کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کر سکتے ہیں کہ ہم سب ان سے پہلے قتل کر دیئے جائیں اور اپنے بیٹوں اور عورتوں سے بے خبر ہو جائیں۔

(زرقانی: ۱/۴۱۷، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۷۴)

اس کے بعد بڑے مزے سے راہ حق میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ تو شہید ہے۔'' (اشهد انك شهيد) حضور ﷺ کے قدموں میں جان دینے والا یہ اسلام کا پہلا شہید ہے۔

بچہ ناز رفتہ باشد زیں جہاں نیاز مندے
کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

Marfat.com

روایات میں ہے کہ عتبہ اور شیبہ جنگ سے جی چراتے تھے۔ اس کی وجہ ایک تو عاتکہ بنت عبدالمطلب اور جہم بن الصلت کے خواب تھے۔ لیکن ان دونوں سے زیادہ بڑی وجہ یہ تھی کہ مکہ سے چلتے وقت ان کے غلام سیدنا عداس رضی اللہ عنہ نے جو سرکار دو عالم ﷺ کے طائف سے واپسی پر آپ ﷺ کے دست مبارک پر ایمان لے آئے ہوئے تھے، ان دونوں بھائیوں (عتبہ اور شیبہ) سے کہا:

''میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، اللہ کی قسم! محمد ﷺ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں اور تم دونوں بھائی اپنی قتل گاہ کی طرف ہانکے جا رہے ہو۔''

شیبہ کے بیٹے عاص نے جب عداس رضی اللہ عنہ کو روتے دیکھا تو ان کے رونے کا سبب پوچھا۔ عداس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''بیٹا! میں اپنے ان آقاؤں کی وجہ سے روتا ہوں کہ یہ دونوں اللہ کے رسولؐ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔'' عاص نے پوچھا: کیا واقعی وہ اللہ کے رسول ہیں۔ عداس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں، خدا کی قسم، وہ اللہ کے رسول ہیں جو تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔'' (الاصابہ ترجمہ عداس)

عداس رضی اللہ عنہ کی یہ بات عتبہ اور شیبہ کے دلوں میں اتر چکی تھی، اس لیے وہ جنگ سے جی چراتے تھے۔ صرف ابوجہل کے طعن وطنز کی وجہ سے کہ عتبہ بزدل ہے، یہ دونوں بھائی پہلے میدان میں آئے تاکہ بزدلی اور نامردی کا طعنہ دور کریں۔

اس جنگ کا آغاز ہی مشرکین کے لیے نہایت برا ہوا کہ پہلے ہی حملہ میں ان کے تین سورما موت کے گھاٹ اتر گئے اور عتبہ جیسا رئیس مکہ اور بہادر شخص اپنے بھائی اور بیٹے کے ساتھ خاک وخون میں تڑپ رہا تھا۔ یہ قریش کے لیے ایک بہت بڑا دھچکا تھا۔ اس سے سارے لشکر کے پاؤں اکھڑ سکتے تھے۔ ویسے بھی عتبہ تمام لشکر کا سپہ سالار تھا اور سپہ سالار کا قتل ہو جانا پورے لشکر کی شکست ہوتی ہے، لیکن ابوجہل موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے فوراً میدان میں کود پڑا اور اپنے لشکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا: ''یہ لوگ (عتبہ اور اس کا بھائی اور بیٹا) جلد بازی میں اپنی جانیں کھو بیٹھے ہیں۔ تم لوگ گھبراؤ نہیں بلکہ آگے بڑھو۔ مسلمانوں کی کیا حقیقت ہے؟ تم ان سے تین گنا زیادہ ہو۔ یہ تمھارے مقابلے میں مٹھی بھر ہیں۔ ان کو موت کے گھاٹ اتار دو۔ انھیں زندہ پکڑو اور پہاڑوں میں دھکیل دو جہاں یہ زندگی بھر بھوکے پیاسے رہیں اور سسک سسک کر

Marfat.com

اپنی جانیں دیں۔ میں لات وعزیٰ کی قسم دیتا ہوں، انھیں بتادو کہ لات وعزیٰ کو چھوڑ کر وہ کس طرح ذلیل وخوار ہوئے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۸۳/۳)

کبھی جوش میں آ کر کہتا: ''لات وعزیٰ کی قسم، میں انھیں ابھی ان کے کرتوتوں کا مزا چکھاتا ہوں۔'' کبھی یہ رجز پڑھتا جس کا ترجمہ یہ ہے:

''دہشت انگیز جنگوں کو میری یہ بات ناگوار نہیں ہے کہ میں پختہ کار اور تجربہ کار نوجوان ہوں۔ میری ماں نے مجھے اس قسم کے معرکوں کے لیے جنا ہے۔''

(سیرۃ ابن ہشام: ۶۳۴/۱)

کبھی لشکر کے مذہب پرستوں کو متاثر کرنے کے لیے کہتا:

اللهم اولانا بالحق فانصره۔

''اے اللہ! ہم میں سے جو حق سے زیادہ قریب ہے اس کی مدد فرما۔''

ابوجہل یہ ساری باتیں بوکھلاہٹ میں کہہ رہا تھا کیونکہ آغاز جنگ ہی میں عتبہ جیسے آدمی کا قتل ہو جانا، قریش کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان تھا۔ وہ لشکر کو بھاگنے سے بچانا چاہتا تھا اس لیے اس قسم کی باتیں کر رہا تھا۔ چنانچہ اس کی یہ تدبیر کامیاب رہی اور قریش کے پاؤں جم گئے اور وہ میدان میں ڈٹے رہے۔ ان کے حوصلے پست نہ ہوئے۔ مسلمانوں کے حوصلے اگرچہ پہلی جیت کی کامیابیوں میں بلند ہوئے لیکن انھیں اپنی تعداد اور بے سروسامانی کا خیال تھا۔ صرف نصرت الٰہی پر بھروسہ تھا۔ دونوں طرف عجیب وغریب جذبات تھے۔ ایک طرف اپنی تعداد اور اسلحہ پر بھروسہ تھا اور دوسری طرف ذات الٰہی پر۔ چنانچہ مسلمانوں نے جب ابوجہل کی اس جوش دلانے والی تقریر سے کفر کو بپھرتا ہوا دیکھا تو وہ اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں کرنے لگے۔ مسلمانوں کی اسی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ﴾ (الانفال ۸:۹)

''یعنی (وہ وقت یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے۔''

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے انداز میں بارگاہ رب العزت میں گڑگڑا رہے تھے جو

Marfat.com

زمین وآسمان کا رب ہے اور جو دعاؤں کو سنتا اور مصائب کو دور کرتا ہے۔"

(البدایہ والنہایہ: ۲۷۲/۳)

ادھر اللہ کا رسولؐ بھی عریش پر سجدہ ریز تھا۔ عتبہ اور شیبہ اور ولید کے قتل کے بعد میدان کارزار گرم ہو گیا۔ اپنے ان سرداروں کے قتل ہونے کے بعد ابوجہل کی تقریر سے قریش میں ایک جوش پیدا ہو گیا۔ سرکار دو عالم ﷺ عریش سے نیچے اترے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں صف بندی کی اور پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عریش پر واپس تشریف لے گئے اور سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عریش کے باہر اس کی حفاظت کے لیے تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا میں مشغول ہو گئے کہ "اے اللہ! میں تیرے عہد اور وعدہ کی درخواست کرتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو تیری پرستش نہ ہو۔" حضور ﷺ نہایت تضرع اور ابتہال سے دعا فرماتے تھے۔ لشکر اسلام کی فتح ونصرت کے لیے دعائیں فرماتے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن میں میدان جنگ سے آپ ﷺ کی طرف آیا۔ دیکھا کہ آپ ﷺ سجدے میں ہیں اور "یاحی یاقیوم" کا ورد زبان مبارک پر جاری ہے۔ میں واپس چلا گیا اور پھر جنگ میں مصروف ہو گیا۔ کچھ دیر بعد پھر آیا تو آپ ﷺ کو اسی حال میں دیکھا، پھر تیسری دفعہ آیا تب بھی ویسا ہی پایا کہ آپ ﷺ سائلانہ انداز میں دامن پھیلا پھیلا کر فتح ونصرت کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ چوتھی مرتبہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمادی۔ (زرقانی: ۴۱۹/۱، فتح الباری: ۲۱۵/۷)

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میدان بدر میں جب زور کا رن پڑا تو آپ ﷺ عریش پر تشریف لے گئے اور قبلہ رُو ہو کر بارگاہ الٰہی میں یوں گویا ہوئے:

((اللھم انجزلی ما وعدتنی ، اللھم ان تھلك ھذہ العصابه من اھل الاسلام لاتعبد فی الارض))

"اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اس کو پورا فرما۔ اے اللہ! اگر مسلمانون کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر زمین میں تیری عبادت نہ ہو گی۔"

آپ ﷺ دیر تک ہاتھ اور دامن پھیلائے ہوئے یہی دعا کرتے رہے۔ آپ ﷺ اتنی محویت سے یہ دعا فرماتے تھے کہ چادر دوش مبارک سے گر پڑتی تھی۔

Marfat.com

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ردا مبارک دوش نبویؐ پر ڈالتے ہوئے آپ ﷺ کی کمر سے چمٹ گئے اور عرض کی: ''اے اللہ کے رسولؐ! بس کافی ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ کے حضور بہت الحاح وزاری کی۔'' پیغمبر اسلامؐ نہایت بے تابی اور اضطراب سے دامن پھیلا کر اور پُرنم آنکھوں کے ساتھ دست بدعا تھے۔ اللہ کی عظمت اور اس کا جلال آپ ﷺ کی نظروں میں تھا۔ آپ ﷺ کی اس حالت کو دیکھ کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ کی دعا قبول ہو گئی ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ''یا رسولؐ اللہ! بس اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ کا یہ سوال کافی ہے۔ وہ آپ ﷺ سے کیے گئے اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا۔''

ادھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا:

''میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم اہل ایمان کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دلوں میں (تمھارا) رعب ڈال دوں گا۔'' (الانفال ۸:۱۲)

پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ وحی بھیجی:

﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (الانفال ۸:۹،۱۰)

''اس وقت کو یاد کرو جب تم اللہ سے فریاد کر رہے تھے۔ پس اللہ نے تمھاری دعا قبول کر لی کہ میں تمھاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا جو پے در پے آنے والے ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس امداد کو تمھاری بشارت بنا دیا تا کہ تمھارے دل مطمئن ہو جائیں۔ مدد درحقیقت اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔''

(زرقانی:۱/۴۲۱، فتح الباری:۷/۲۷۵)

ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ پر کچھ غنودگی طاری ہوئی۔ پھر

Marfat.com

آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور فرمایا: ''ابو بکر رضی اللہ عنہ! خوش ہو جاؤ۔ یہ جبریل امین علیہ السلام گرد و غبار میں اٹے ہوئے ہیں۔'' ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابو بکر رضی اللہ عنہ! خوش ہو جاؤ۔ تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی نصرت آ گئی۔ یہ جبریل امین علیہ السلام ہیں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اور گرد و غبار میں اٹے ہوئے ہیں۔''

اب سید الانبیاء ﷺ کی ہمت بے پناہ تھی کیونکہ آپ ﷺ کو یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کا رابطہ اپنے رب سے نہایت مضبوط ہے۔ پھر آپ ﷺ عریش سے باہر تشریف لائے اس حالت میں کہ زرہ جسم مبارک پر ڈھلک رہی تھی (اس زرہ کا نام ذات الفضول تھا اور تلوار جو آپ ﷺ حمائل کیے ہوئے تھے اس کا نام عضب تھا۔ (سیرۃ حلبیہ: ۱۶۵/۲) اور آپ ﷺ کی زبان پر وہی آیت مبارکہ تھی جو چند سال قبل مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکی تھی جب کہ جنگ کا تصور تھا اور نہ دشمن کی ہزیمت کا خیال:

﴿سیھزم الجمع ویولون الدبر﴾

''عنقریب کافروں کی یہ جماعت شکست کھائے گی اور پشت پھیر کر بھاگے گی۔'' (زرقانی: ۴۱۹/۱، فتح الباری: ۲۴۲/۷، البدایہ والنہایہ: ۲۷۸/۳)

یہ آیت پڑھتے ہوئے آپ ﷺ دشمنوں میں گھس گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے جان نثار بھی دشمن پر ٹوٹ پڑے اور گھمسان کا رن پڑا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے کنکریلی مٹی لی اور قریش کے لشکر کی طرف رخ کر کے فرمایا: چہرے بگڑ جائیں (شاھت الوجوہ) اور اس کے ساتھ مٹی ان کی طرف پھینک دی۔ لشکر قریش میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں، نتھنوں اور منہ میں اس مٹی میں سے کچھ نہ گیا ہو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے جوابی حملے کا حکم فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا: ''شدوا'' (ان پر چڑھ دوڑو) اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، ان میں جو آدمی بھی ڈٹ کر، ثواب سمجھ کر، آگے بڑھ کر اور پیچھے نہ ہٹ کر لڑے گا اور مارا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں داخل کرے گا۔

(لا یقاتلھم الیوم رجل فیقتل صابرا محتسبا مقبلا غیر مدبرا لا دخله الله الجنه)

Marfat.com

رحمت عالم ﷺ نے پوری زندگی اپنی تلوار کو کسی کے خون سے رنگین نہیں کیا۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کا غضب سب سے زیادہ اس شخص پر ہوتا ہے جو کسی نبیؑ کے ہاتھ سے مارا جائے۔ اس وجہ سے آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو بدبخت بنانا پسند نہیں فرمایا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ یہ بھی دیکھا کہ جنگ میں خاص گھمسان کے وقت آپ ﷺ دشمن کے نرغہ میں چٹان کی طرح جمے ہوئے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پناہ گاہ بنے رہتے تھے۔ (بخاری:۵۸۱۳/۲، البدایہ والنہایہ:۲۷۹/۳)

اس غزوہ میں بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے مطابق آپ ﷺ دشمن سے بہت زیادہ قریب ہم سب کی پناہ بنے ہوئے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے برابر تھے۔ دشمن نرغہ کرتا تو ہم آپ ﷺ کی پناہ لیتے تھے۔'' (مسند احمد، البدایہ والنہایہ:۲۷۹/۳)

اس جوابی حملہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک عجیب بات دیکھی جس کی ان کو ہمیشہ حیرت رہی۔ وہ یہ کہ وہی دشمن جس کو اپنی تعداد اور اسلحہ پر ناز تھا وہ دفعتاً اپنی ہمت ہار چکا تھا۔ اس کی قوت ختم ہو چکی تھی، اس کی وہ گردنیں جو نخوت و غرور سے اکڑی ہوئی تھیں، مولی گاجر کی طرح کٹ کٹ کر گر رہی تھیں۔ وہ ہیل تن جو کئی لوگوں کے قابو میں نہیں آتے تھے ان کی مشکیں ایک نحیف و کمزور صحابی کس رہا تھا۔ یہ سب اس نصرت الٰہی کے کرشمے تھے جو فرشتوں کے نزول کی صورت میں آئی تھی۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ﴾ (الانفال۸:۱۷)

''تم نے انھیں جنگ میں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انھیں قتل کیا۔''

﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ (الانفال ۸:۱۷)

''(اے پیغمبر) تم نے جب میدان جنگ میں مٹھی بھر خاک پھینکی تو حقیقت یہ ہے کہ وہ تم نے نہیں پھینکی تھی بلکہ خدا نے پھینکی تھی۔''

جب زور کا رن پڑا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو قتال پر ابھارتے ہوئے یہ فرمایا: ''لوگو اس جنت کی طرف بڑھو جس کی پنہائیاں آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہیں۔''

آپ ﷺ کی اس بات کو سن کر سیدنا عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بہت خوب، بہت خوب۔'' سرکار دو عالم ﷺ نے پوچھا کہ ''بہت خوب، بہت خوب کیوں کہہ رہے

Marfat.com

ہو۔'' انھوں نے عرض کی: ''یا رسولؐ اللہ! سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ مجھے توقع ہے کہ میں بھی انہی اہل جنت میں سے ہوں گا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا تم بھی انہی جنت والوں میں سے ہو۔ اس کے بعد وہ اپنے توشہ دان سے کچھ کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔ پھر کہنے لگے اگر میں اتنی دیر تک زندہ رہا کہ اپنی یہ کھجوریں کھالوں تو یہ تو لمبی زندگی ہو جائے گی۔ چنانچہ ان کے پاس جو کھجوریں تھیں، انھیں پھینک دیا۔ پھر دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (مسلم:۱۳۹/۲)

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ نے توشہ دان سے کچھ کھجوریں نکالیں کہ پیٹ میں ان کا سہارا لے کر دشمن پر حملہ کروں گا لیکن پھر دفعتاً خیال آیا کہ انھیں کھانے میں تو دیر لگ جائے گی، اس لیے جنت میں داخل ہونے میں دیر کیوں کی جائے۔ چنانچہ کھجوریں پھینکیں اور تلوار سنبھال کر دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے۔ کئی دشمنوں کو قتل کر کے داخل جنت ہو گئے۔ جب عمیر رضی اللہ عنہ نے کھجوریں پھینک کر تلوار سنبھالی تو لوگوں نے ان کی زبان سے یہ رجز سنا:

رکضا الی اللہ بغیر زاد　　الا التقی وعمل المعاد
والصبر فی اللہ علی الجھاد　　وکل زاد عرضہ النفاد
غیر التقی والبر والرشاد

یعنی بغیر کسی زادراہ کے اللہ کی طرف دوڑ رہا ہوں
ہاں مگر توشہ ہے تقویٰ اور وہ کام جو آخرت کے لیے کیے ہیں
اور اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے صبر واستقلال
اور جو بھی توشہ اور زادراہ ہے وہ ختم ہو جانے والا ہے
باقی رہ جانے والا توشہ تقویٰ، نیکی اور ہدایت ہے۔ (سیرۃ حلبیہ:۱۸۵/۲)

اب ملائکہ کا نزول ہو رہا تھا اور نصرت خداوندی آ رہی تھی۔ دشمن کے حوصلے پست ہو رہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہمتیں بلند ہو رہی تھیں۔ کوئی صحابی کسی دشمن پر تلوار اٹھاتا تو اس کے تلوار مارنے سے پہلے دشمن کا سر کٹ جاتا۔ چنانچہ ابن سعد کی روایت ہے اور روایت کرنے والے عکرمہ رضی اللہ عنہ ہیں، فرماتے ہیں کہ اس دن دشمن کا سر کٹ کر گرتا لیکن یہ پتہ نہ چلتا کہ اسے

Marfat.com

کس نے مارا ہے اور دشمن کا ہاتھ کٹ کر گرتا اور یہ پتہ نہ چلتا کہ کس نے کاٹا ہے۔

(عیون الاثر: ۳۹۶/۱، طبقات ابن سعد: ۲/۲۵۔۲۶)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا کہ اچانک اس مشرک کے اوپر کوڑا پڑنے کی آواز آئی۔ اور ایک شہ سوار کی آواز سنائی دی جو کہہ رہا تھا ''حیزوم! آگے بڑھ۔'' مسلمان نے مشرک کو اپنے آگے دیکھا کہ وہ چت گرا۔ مسلمان نے اسے دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ کا نشان تھا۔ چہرہ پھٹا ہوا تھا جیسے وہ کوڑے سے مارا گیا ہو۔ اس انصاری نے بارگاہ رسالت پناہ میں آ کر یہ واقعہ بیان فرمایا تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''تم سچ کہتے ہو یہ تیسرے آسمان کی مدد تھی۔'' (مسلم: ۹۳/۲)

امام زرقانی نے لکھا ہے کہ حیزوم حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے۔

(زرقانی: ۴۲۶/۱)

اب آسمان سے فرشتوں کا نزول ہو رہا تھا۔ اول ایک ہزار، پھر تین ہزار اور پھر پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے آسمان سے نازل ہوئے۔ فرشتوں کے نزول سے جہاں مشرکین کے سر قلم ہوئے وہاں مسلمانوں کو بھی روحانی طور پر تقویت پہنچی اور اب وہ بڑھ بڑھ کر قریش کے لشکر پر حملہ کر رہے تھے۔ چنانچہ ایک مجاہد مہاجر سیدنا معبد بن وہب رضی اللہ عنہ نے دونوں ہاتھوں میں تلواریں پکڑ رکھی تھیں۔ یہ ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے بہنوئی تھے۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ سیدنا ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے مقتولین میں سے کچھ مقتول ایسے بھی تھے جن کی گردنوں اور بدن کے جوڑوں پر ایسے نشان تھے جیسے آگ سے جل گئے ہوں اور جن لوگوں کو مسلمان مجاہدین نے قتل کیا تھا ان میں یہ بات نہیں تھی۔ یہ فرشتوں اور مجاہدین کے مقتولین میں امتیازی نشان تھا۔ (خصائص: ۲۰۱/۱)

سیدنا ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے اختتام کے بعد تین آدمیوں کے سر میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے لا کر رکھے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول، ان دو کو تو میں نے قتل کیا ہے اور اس تیسرے کو ایک لمبے قد والے سفید رنگ کے آدمی نے قتل کیا تھا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ فرشتہ تھا۔'' (خصائل کبریٰ: ۲۰۱/۱)

فرشتوں کو حکم دیا گیا تھا کہ

Marfat.com

﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾(الانفال۸:۱۲)

''ان کی گردنوں کو مارو اور ہاتھ پاؤں کی ایک ایک پور پر مارو۔''

اسی وجہ سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فرشتوں نے بھی قتال میں حصہ لیا۔ بدر کے علاوہ دوسرے غزوات میں فرشتے نصرت اور مدد کرتے رہے۔ ان کی آمد سے مجاہدین اسلام کے حوصلے بلند ہوئے اور ان کی ہمتیں بڑھیں۔ (خصائص کبریٰ، بیہقی:۱/۲۰۱، عیون الاثر:۱/۴۰۱)

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب بھی اس جنگ میں قریش کی طرف سے شریک تھے۔ یہ نہایت بھاری بھرکم شخص تھے۔ دراز قد اور جسم گٹھا ہوا۔ ایک لاغر اور خستہ و پستہ اندام انصاری ابوالیسر رضی اللہ عنہ، کعب بن عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں پکڑ کر ان کی مشکیں کس دیں۔ کوئی شخص باور نہیں کرسکتا تھا کہ ابوالیسر جیسا نحیف ونزار شخص انھیں گرفتار کرسکتا ہے۔ خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابوالیسر رضی اللہ عنہ کو عباس رضی اللہ عنہ مٹھی میں بند کرسکتے تھے۔ (خصائص:۱/۲۰۴) سرکار دو عالم ﷺ نے ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے عباس کو کیسے گرفتار کیا۔ عرض کیا: ''یا رسولُ اللہ! ایک شخص نے میری مدد کی۔ وہ ایک اجنبی شخص تھا۔ نہ میں نے اسے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ بعد میں وہ کبھی نظر آیا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ فرشتہ تھا۔'' خود سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ''غزوہ بدر میں مجھے جس شخص نے گرفتار کیا وہ ایک کشادہ پیشانی والا حسین وجمیل انسان تھا جو ایک چتکبرے گھوڑے پر سوار تھا۔ اب میں اسے لوگوں میں نہیں دیکھ رہا ہوں۔'' (البدایہ والنہایہ:۳/۲۷۸)

اس غزوہ میں مسلمانوں کا ایثار بھی حیرت انگیز تھا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں اپنے عزیز واقارب اور جگر کے ٹکڑوں کی بھی پروا نہ کی اور چشم فلک نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تلواریں ان کے مقابلے کے لیے اٹھ رہی ہیں۔

عتبہ بن ربیعہ میدان میں آیا تو اس کے بیٹے ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ میں نکلنے لگے لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے منع فرما دیا۔ (سیرۃ حلبیہ:۲/۱۹۹)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لختِ جگر ''عبدالرحمٰن'' نے میدان میں نکل کر مبارزت کی

Marfat.com

آواز دی تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیٹے کے مقابلہ میں میدان میں نکلنے کے لیے تیار ہو گئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے روک لیا اور فرمایا کہ میرے پاس سے نہ ہٹیں۔

سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ اعظم کی تلوار ان کے ماموں کے خون سے رنگین ہوئی۔ ان کے ماموں کا نام عاص بن ہشام تھا۔ (البدایہ: ۲۹۰/۳)

سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے والد نے بیٹے پر حملہ کیا۔ بیٹے نے مدافعت کی تو بیٹے کی تلوار سے باپ قتل ہو گیا۔ (سیرۃ حلبیہ: ۱۸۸/۲)

اس قسم کے کئی واقعات اس جنگ میں پیش آئے لیکن مسلمانوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کو ہر ایک پر ترجیح دی۔ کچھ اس وجہ سے بھی اس دن کو ''یوم الفرقان'' کہا جاتا ہے۔

ابلیس کا میدان سے فرار:

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ابلیس لعین بھی اس غزوہ میں سراقہ بن مالک مدلجی کی شکل میں آیا ہوا تھا، لیکن جب اس نے فرشتوں کا نزول دیکھا تو الٹے پاؤں بھاگنے لگا مگر حارث بن ہشام نے اسے پکڑ لیا کیونکہ وہ اسے واقعی سراقہ سمجھ رہا تھا لیکن ابلیس نے حارث کے سینے پر ایسا دو ہتڑ مارا کہ وہ گر گیا اور ابلیس بھاگ نکلا۔ اس کو بھاگتا دیکھ کر مشرکین نے کہا کہ سراقہ تم کہاں بھاگے جا رہے ہو، تم تو ہمارے مددگاروں میں سے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ''میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی سخت سزا والا ہے'' اور اس کے بعد بھاگ کر سمندر میں جا رہا۔

ملائکہ کے سامنے شیطانی طاقتیں ہرگز نہیں ٹھہر سکتیں، چنانچہ جب ملائکہ کا نزول ہوا تو شیطان کا کیا حشر ہوا؟ قرآن حکیم نے اس کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

> ''جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو شیطان الٹے پاؤں واپس ہوا اور کہنے لگا مجھے تم سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔''

اور شیطانی فطرت ہی ایسی ہے کہ پہلے وہ انسان کو برائی پر آمادہ کرتا ہے پھر مدد کرنے کے وقت اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے، چنانچہ قرآن حکیم نے بیان کیا ہے کہ ''شیطان ایسا

Marfat.com

کرتا ہے کہ وہ انسان کو کہتا ہے کفر کر، پس جب وہ کفر میں مبتلا ہوتا ہے تو پھر یہ کہتا ہے کہ میں تم لوگوں سے بری الذمہ ہوں کیونکہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔"

علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ چونکہ اس جنگ میں ابلیس بھی اپنے لاؤلشکر کے ساتھ مشرکین کی مدد کے لیے آیا ہوا تھا اور اس نے اپنے ہم جنسوں اور ہم نواؤں کو اطمینان دلایا تھا:

﴿لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ﴾

(الانفال۸:۴۸)

"ان لوگوں میں سے کوئی بھی آج تم پر غالب نہ سکے گا اور میں تمھارا مددگار اور پشت پناہ ہوں۔"

اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی امداد کے لیے جبریل، میکائیل اور اسرافیل کی قیادت میں آسمان سے فرشتوں کا لشکر نازل فرمایا۔ ابلیس کے آدمی بنی مدلج کے مردوں کی شکلوں میں تھے اور اللہ نے فرشتوں کو بھی انسانوں کی شکل میں بھیجا۔

(زرقانی: ۱/۴۲۳، روض الانف: ۲/۹۹، خصائص: ۱/۲۰۴)

ابواسید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر میں فرشتے زرد رنگ کے عماموں میں اترے تھے اور ان کے عماموں کے شملے مونڈھوں کے درمیان تھے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بھی غزوہ بدر کے روز زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ (عیون الاثر: ۱/۱۴۰، ابن ہشام: ۱/۶۳۳۔۶۳۴)

فرشتوں کا نزول اس جنگ میں نہ صرف مسلمانوں نے دیکھا تھا بلکہ کافروں کو بھی اس کا احساس ہو گیا تھا۔ چنانچہ غزوۂ بدر سے شکست کھا کر جب قریش کے آدمی واپس مکہ پہنچے تو کچھ لوگوں نے ابولہب سے روئیداد جنگ بیان کرتے ہوئے کہا کہ "ہم نے دیکھا کہ بہت سے گورے چٹے آدمی جو چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے، زمین سے لے کر آسمان تک فضا میں چھائے ہوئے تھے۔"

اس کے برعکس جب مسلمانوں کے فاتح اور کامیاب لشکر کو مدینہ کے لوگ مبارک باد دے رہے تھے تو سیدنا سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مبارک باد کی کیا بات ہے۔ واللہ جو ہمارے مقابلہ پر تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بوڑھی عورتیں ہیں یا پابستہ اونٹنیاں۔ یہ سب فرشتوں کے نزول کی برکت تھی۔

Marfat.com

ابوجہل کا قتل:

جب مسلمان مشرکین کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے اور مشرکین بوڑھی عورتوں کی طرح ان کے سامنے کٹ رہے تھے اور ان کی صفوں میں ایک اضطرابی کیفیت تھی۔ مشرکین بھاگنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور مسلمانوں کا جارحانہ حملہ ان کے لیے ناقابل برداشت ہو رہا تھا، اور فرشتوں کے نزول کی وجہ سے شیطان جو سراقہ بن مالک مدلجی کی شکل میں ان کی مدد کے لیے اپنے آدمی لے کر آیا ہوا تھا بھاگ گیا تو مشرکین مکہ سخت پریشانی کے عالم میں گرفتار تھے، اور ان کی صفوں میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ابوجہل نے جب اپنی صفوں کی یہ اضطرابی کیفیت دیکھی تو چاہا کہ اس سیلاب کے سامنے ڈٹ جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے لشکر کے اس اضطراب کو دور کرنے کے لیے للکارا اور نہایت اکڑ اور تکبر کے ساتھ انھیں ترغیب دی کہ وہ اپنی اپنی جگہ ڈٹ کر اسلامی لشکر کا مقابلہ کریں۔ اس نے لشکر کو مخاطب ہو کر کہا کہ ''تمھیں سراقہ بن مالک مدلجی کے بھاگنے سے پست ہمت نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس نے اسلامی لشکر کے ساتھ پہلے ہی ساز باز کر رکھی تھی۔ لات وعزیٰ کی قسم! ہم واپس نہ ہوں گے جب تک یہاں کے ان مسلمانوں کو رسیوں میں جکڑ نہ لیں۔ مسلمانوں کو قتل کرنے کے بجائے انھیں پکڑو اور گرفتار کرو تاکہ ہم انھیں پھر مزہ چکھا سکیں۔'' لیکن قریشی لشکر کے پاؤں اکھڑ چکے تھے۔ اب ابوجہل کی للکار کی مسلمانوں کے حملہ کی تندی کے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی۔ قریش کے لشکر کی صفوں میں دراڑیں پڑنا شروع ہو گئی تھیں۔ آخر میں ابوجہل نے اپنے گرد تلواروں کی باڑھ اور نیزوں کا جنگل قائم کر لیا لیکن اسلامی لشکر کی آنکھوں نے اس باڑھ کو بھی بکھیر کر رکھ دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے دیکھا کہ وہ ایک گھوڑے پر چکر کاٹ رہا ہے۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے میدان جنگ میں جو نظر ڈالی تو دو نوجوان میرے دائیں بائیں تھے۔ یہ دونوں ناتجربہ کار اور نوخیز تھے۔ یہ دونوں انصاری تھے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ لوگ مجھ کو دو لڑکوں کے درمیان دیکھ کر نہ آ گھیریں۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں ان کو بچاؤں گا یا اپنی حفاظت کروں گا۔

میں یہی سوچ رہا تھا کہ ان میں سے ایک نے چپکے سے پوچھا: ''چچا! ابوجہل کون سا

Marfat.com

ہے؟'' میں نے کہا: ''بھتیجے! تم ابوجہل کا پوچھ کر کیا کرو گے؟'' اس لڑکے نے جواب دیا: ''میں نے اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ اگر ابوجہل کو دیکھ پاؤں تو اس کو قتل کر دوں یا خود مارا جاؤں۔ اس لیے کہ مجھے پتہ ہے کہ وہ ہمارے پیغمبر کا سخت دشمن ہے اور ان کی شان میں سبّ وشتم کرتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں اسے دیکھ پاؤں تو میرا سایہ اس کے سایہ سے اس وقت تک الگ نہیں ہوگا جب تک ہم میں سے ایک نہ مارا جائے۔'' دوسرے لڑکے نے بھی یہی سوال کیا۔ اس نے بھی میرے سوال کے جواب میں وہی کچھ کہا تھا۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ابوجہل سامنے آ گیا۔ میں نے ان دونوں کو اشارہ کیا اور کہا کہ جس کی تمھیں تلاش ہے وہ یہ ہے۔ میرا اشارہ کرنا تھا کہ وہ دونوں نوجوان شاہین کی طرح اس پر جھپٹے اور اس کو گھیر لیا۔ ان نوجوانوں کا نام معاذ اور معوذ تھا۔ ان کی والدہ کا نام عفراء رضی اللہ عنہا اور باپ کا نام حارث تھا۔ مگر یہ دونوں ماں کے نام سے مشہور تھے۔ ان کو ابن عفراء رضی اللہ عنہا کہا جاتا تھا۔ یہ عفراء رضی اللہ عنہا بھی بڑی خوش قسمت عورت تھیں۔ یہ خود بھی صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عفراء رضی اللہ عنہا کی ایک خاص خصوصیت تھی جو کسی اور صحابیہ میں نہیں ملتی۔ وہ یہ کہ عفراء رضی اللہ عنہا نے پہلا نکاح حارث سے کیا۔ حارث سے تین بیٹے ہوئے۔ عوف، معوذ اور معاذ۔ حارث کے بعد انھوں نے بکیر بن یالیل سے نکاح کیا۔ ان سے چار لڑکے پیدا ہوئے۔ ایاس، عاقل، خالد اور عامر۔ ان دونوں شوہروں سے یہ ساتوں بیٹے غزوۂ بدر میں شریک تھے۔
(زرقانی: ۴۱۶/۱)

معاذ رضی اللہ عنہ نے ابوجہل پر تلوار سے ایسا وار کیا کہ وہ بری طرح زخمی ہو گیا۔ لیکن ابوجہل بھی کوئی پست ہمت نہ تھا۔ ایک بہادر سردار تھا۔ اس نے پلٹ کر حملہ کیا اور معوذ کو شہید کر دیا۔ لیکن معاذ نے بڑھ کر ابوجہل کا کام تمام کر دیا۔

ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے آگے بڑھ کر معاذ رضی اللہ عنہ کے مونڈھے پر اس زور سے تلوار ماری کہ اس کا بازو مونڈھے سے کٹ گیا۔ صرف ایک تسمہ باقی رہ گیا۔ معاذ رضی اللہ عنہ عکرمہ پر جھپٹے تو عکرمہ وہاں سے نکل گیا۔ معاذ میدان سے پھر بھی نہ ہٹے۔ لٹکے ہوئے بازو کو پیچھے ڈال لیا اور دشمنوں سے لڑنا شروع کر دیا اور شام تک اسی حالت میں لڑتے رہے۔ جب ہاتھ کے لٹکنے سے تکلیف زیادہ ہو گئی تو ہاتھ پاؤں کے نیچے دبا کر تسمہ الگ کر دیا۔ اب یہ سخت جان انصاری مجاہد

Marfat.com

ہلکا تھا اور ایک ہی ہاتھ سے لڑتا رہا۔ معاذ رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ معوذ ابوجہل کے قتل سے فارغ ہو کر لڑائی میں مشغول رہا اور پھر جام شہادت نوش کیا۔ (فتح الباری: ۷/۲۴۳)

بخاری کی روایت میں معوذ رضی اللہ عنہ اور معاذ رضی اللہ عنہ ہی کو ابوجہل کا قاتل بتایا گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو بخاری: ۱/۴۴۴، بخاری: ج ۲ باب غزوہ بدر، البدایہ والنہایہ: ج ۳)

لیکن بخاری کی کتاب الجہاد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ معاذ و معوذ کے ساتھ معاذ بن عمرو بن الجموح بھی ابوجہل کے قتل میں شریک تھے، بلکہ معاذ بن عمرو بن الجموح ہی نے قتل میں زیادہ حصہ لیا تھا۔ (فتح الباری: ۷/۲۳۰، زرقانی: ۱/۴۲۸، ابن سعد: ۳/۱۰۸)

ابن ہشام نے اپنی سیرۃ میں لکھا ہے کہ جس وقت بدر کے قیدی مدینہ پہنچے تو سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ام المومنین اس وقت عفراء رضی اللہ عنہا کے یہاں ان کے دونوں بیٹوں معوذ اور عوف کی تعزیت کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۹۳، مصر)

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عفراء رضی اللہ عنہا کا بیٹا عوف بھی ابوجہل کے قتل میں شریک تھا۔

جب جنگ کا بادل چھٹا تو سرکار دو عالم ﷺ نے ابوجہل کے بارے میں پوچھا کہ اسے کیا ہوا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہے کوئی جو ابوجہل کی خبر لائے؟“ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لاشوں میں جا کر تلاش کیا تو دیکھا کہ مردود بری طرح زخمی پڑا ہے لیکن زندگی کی کچھ رمق ابھی اس میں باقی ہے۔ فرماتے ہیں میں نے اس کی داڑھی پکڑ کر کہا: ”ذلیل اور رسوا کیا تجھے اللہ نے اے دشمن خدا۔“ ابوجہل نے اسی رنگ میں جواب دیا: ”کیا اس مرد بہادر (ابوجہل) سے بھی کوئی بڑا ہے جس کو تم نے قتل کیا ہو؟ پھر بولا: ”مجھے کسانوں نے مار ڈالا اس کا بہت افسوس ہے، کاش میرا قاتل کوئی اور ہوتا۔“

مکی زندگی میں ابوجہل سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بہت برا بھلا کہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے آپ رضی اللہ عنہ کو لات بھی ماری تھی۔ وہ ساری باتیں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کے سامنے ایک فلم کی طرح پھرنے لگیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اس کی وہ اکڑفوں بھی پھرنے لگی اور اب یہ بے بسی بھی وہ دیکھ رہے تھے۔ آپ نے ابوجہل کی گردن پر پاؤں رکھا تو ابوجہل

Marfat.com

نے چونک کر کہا: ''او ذلیل بکری چرانے والے، دیکھ کہاں پاؤں رکھ رہا ہے۔'' (ابن ہشام: ج۱)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر کاٹنا چاہا لیکن ان کی تلوار بہت خراب تھی اور ابوجہل کی تلوار نہایت تیز اور عمدہ تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ خود ابوجہل نے اشارہ کیا تھا کہ اس کند تلوار سے نہیں بلکہ میری تیز اور عمدہ تلوار سے میرا سر کاٹو۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۸۸/۳)

بہر حال انھوں نے ابوجہل کی تلوار ہی سے اس کا سر کاٹا۔

ابوجہل کا سر کاٹ کر رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں لا کر رکھ دیا اور عرض کیا: ''یہ سر اللہ کے دشمن ابوجہل کا ہے۔'' سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ ابوجہل ہی کا سر ہے؟'' سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''ہاں قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، یہ ابوجہل ہی کا سر ہے۔'' یہ سن کر آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا:

((الحمدلله الذی اعزا لاسلام واهله))

''سب تعریفیں اس ذات کی ہیں جس نے اسلام اور مسلمانوں کو عزت بخشی۔''

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ یہ میرا اور میری امت کا فرعون تھا۔ جس کا شر اور فتنہ موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے شر اور فتنہ سے بڑھ کر تھا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے فرعون نے تو مرتے وقت ایمان کا کلمہ پڑھا لیکن اس امت کے فرعون نے مرتے وقت بھی کفر اور تکبر کے کلمات ہی اپنی زبان سے نکالے۔

ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب ابوجہل کا سر کاٹ رہے تھے تو ابوجہل نے انھیں یہ پیغام دیا کہ جب تم محمد ﷺ کی طرف واپس ہو تو انھیں میرا یہ پیغام دینا کہ میرے دل میں پہلے کی نسبت آج تمھاری عداوت اور بغض وکینہ کہیں زیادہ ہے۔

آپ ﷺ نے ابوجہل کی تلوار جس سے اس کا سر کاٹا گیا تھا، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرما دی۔ (السیر الکبیر سرخسی: ۷/۲)

روایات میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے ابوجہل کے بارے میں پوچھا تو معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہما اور معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ جو ایک ہی نام کے تھے، آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ تھا کہ ابوجہل کو میں نے قتل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے دونوں کی تلواریں منگوا کر دیکھیں۔ ان پر ابھی خون جما

Marfat.com

ہوا تھا۔ پھر دونوں کی دل جوئی کے لیے فرمایا: ''تم دونوں نے ہی اسے قتل کیا ہے'' لیکن آپ ﷺ نے سلب (یعنی چھینا ہوا مال) کے لیے معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کو نامزد فرمایا کیونکہ کاری زخم انہی کی تلوار کا تھا۔ (بخاری: ۱/۴۴۴)

اس لڑائی میں سیدہ عفراء رضی اللہ عنہا نے اپنے دو لخت جگر قربان کیے، ایک معوذ اور دوسرا عوف۔ بیہقی کی روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ ان دونوں کے جنازوں میں تشریف لے گئے اور فرمایا:

((رحم الله بنی عفراء فهما شرکاء فی قتل فرعون هذه الامة))

''اے اللہ عفراء رضی اللہ عنہا کے بیٹوں پر رحم فرمائے کہ یہ دونوں اس امت کے فرعون کے قتل میں شریک تھے۔''

سیدہ عفراء رضی اللہ عنہا کے اخلاص کی یہ برکت تھی کہ اس جنگ میں بھی زبانوں پر یہی تھا اور بعد میں بھی سیرۃ کی کتابوں میں یہی لکھا کہ ابو جہل کو عفراء رضی اللہ عنہا کے دو بیٹوں نے قتل کیا حالانکہ حقیقت میں جان لیوا اور کاری زخم اسے سیدنا معاذ بن عمرو ابن الجموح رضی اللہ عنہ کی تلوار سے لگا اور سرکار دو عالم ﷺ نے مال غنیمت کے قاعدہ کے مطابق ''سلب'' بھی انہی کو عطا فرمایا اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس مردود کا سر کاٹا۔

امیہ بن خلف کا قتل:

امیہ بن خلف قریش کا ایک رئیس تھا اور رسول اللہ ﷺ کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا۔ یہ وہی امیہ بن خلف ہے جو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر مشقِ ستم کیا کرتا تھا۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جو واقعہ ہم نے گزشتہ صفحات میں نقل کیا ہے کہ امیہ ان کا زمانہ جاہلیت کا دوست تھا لیکن جب وہ ہجرت نبویؐ کے بعد ایک دفعہ مکہ عمرہ کے لیے آئے اور امیہ بن خلف کے ہاں مقیم ہوئے تو کعبہ میں ان کی ابو جہل کے ساتھ درشت کلامی ہوگئی۔ (یہ واقعہ گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے) اس واقعہ کے وقت سیدنا سعد بن معاذؓ کی زبانی معلوم ہوگیا تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اس کے قتل کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد جنگ بدر کا واقعہ پیش آ گیا۔ اس پیشین گوئی کے پیش نظر امیہ بن خلف جنگ سے جان چراتا تھا۔ ابو جہل کے اصرار

Marfat.com

پر وہ جنگ کے لیے تیار ہو گیا۔ جب وہ گھر گیا تا کہ اپنی بیوی ام صفوان سے کہے کہ میرے سفر کا سامان تیار کر دے تو اس کی بیوی نے اسے کہا کہ تمھیں اپنے یثربی بھائی (سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ) کا قول یاد نہیں رہا۔ امیہ نے کہا: مجھے اس کا قول اچھی طرح یاد ہے۔ میں صرف تھوڑی دور جاؤں گا پھر موقع پا کر راستہ ہی سے واپس آ جاؤں گا، لیکن کار پردازانِ قضا وقدر اس کو کشاں کشاں بدر لے آئے۔ (فتح الباری: ۲۲۱/۷، جامع الاصول: ۱۴۶/۹۔۱۴۷)

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کے پرانے دوست تھے، جب وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت ان کا امیہ بن خلف سے ایک کاروباری معاہدہ ہوا تھا۔ وہ یہ کہ مدینہ طیبہ میں وہ امیہ کے مال کی حفاظت کریں گے جب کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا جو مال مکہ میں رہ گیا ہے اس کی حفاظت کا ذمہ دار امیہ بن خلف ہو گا۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب امیہ کو میدان بدر میں دیکھا تو ان کی خواہش یہ تھی کہ امیہ قتل نہ ہو بلکہ گرفتار ہو جائے۔ شاید اس بہانہ سے اسے ہدایت کا راستہ مل جائے۔ چنانچہ جب مسلمان جنگ میں مصروف تھے اور کافر گاجر مولی کی طرح کٹ رہے تھے اور قریش کے بڑے بڑے سردار قتل کیا جا چکے تھے تو سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نظر بچا کر امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کو ایک پہاڑی پر لے گئے۔ اتفاق سے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے امیہ کے بیٹے کو ان انصاری مجاہدین کے آگے کر دیا۔ انصار نے اسے قتل کر دیا۔ لیکن ان انصاری مجاہدین اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا اصل ہدف تو امیہ تھا۔ لہٰذا اس کو چھوڑ دینا ان کو گوارا نہ تھا۔ امیہ بھاری بھرکم آدمی تھا۔ دوڑنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ وہ بیٹھ گیا اور سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس کو بچانے کے لیے اس کے اوپر لیٹ گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے امیہ سے کہا کہ تم بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گیا اور میں اس کے اوپر اوندھا پڑ گیا تا کہ اس کی جان بچ جائے۔ مگر انصار نے اسی حالت میں پاؤں کے نیچے سے تلواریں چلا کر اس کو قتل کر دیا۔ اس کو بچانے میں سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر ایک زخم بھی آیا جس کا نشان مدتوں باقی رہا۔

یہ واقعہ بیان کر کے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ بلال رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، میری زرہیں بھی گئیں اور میرے قیدی بھی گئے۔ کیونکہ امیہ کو بچانے سے پہلے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں کچھ زرہیں تھیں جو انھوں نے کافروں سے چھینی تھیں۔ ان کو وہ

Marfat.com

زمین پر رکھ کر امیہ کو بچانے میں مصروف ہو گئے۔

بعض روایات میں ہے کہ جنگ بدر کے دن امیہ بن خلف اپنے لڑکے علی کا ہاتھ پکڑے کھڑا تھا کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھ لیا، اس نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا: ''عبدالرحمٰن! کیا تمھیں میری ضرورت ہے؟ میں تمھاری ان زرہوں سے بہت بہتر ہوں۔ آج جیسا ہیبت ناک منظر تو میں نے پوری زندگی نہیں دیکھا۔ کیا تمھیں دودھ کی حاجت نہیں؟'' مطلب یہ تھا کہ جو مجھے قید کرے گا میں اسے فدیہ میں خوب دودھ دینے والی اونٹنیاں دوں گا۔ یہ سن کر عبدالرحمٰن نے زرہیں پھینک دیں اور دونوں باپ بیٹے کو گرفتار کر کے آگے بڑھے۔

امیہ نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم لوگوں میں وہ کون آدمی ہے جس نے سینے پر شترمرغ کا پر سجا رکھا ہے؟ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا: ''وہ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں۔'' امیہ نے کہا یہی شخص ہے جس نے ہمارے اندر تباہی مچا رکھی ہے۔

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں امیہ اور اس کے بیٹے کو لے جا رہا تھا کہ اچانک بلال رضی اللہ عنہ نے امیہ کو میرے ساتھ دیکھ لیا۔ بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ کے وہ سارے ظلم و ستم یاد آ گئے جو وہ مکہ میں ان پر ڈھایا کرتا تھا۔ چنانچہ امیہ کو دیکھ کر انھوں نے کہا: ''یہ کافروں کا سرغنہ ہے، اب یا تو یہ بچے گا یا میں بچوں گا۔'' میں نے کہا: ''بلال رضی اللہ عنہ! یہ دونوں میرے قیدی ہیں۔'' لیکن بلال رضی اللہ عنہ نے انصار کو آواز دی اور انھوں نے ہمیں کنگن کی طرح گھیرے میں لے لیا۔ میں ان دونوں کا بچاؤ کر رہا تھا کہ ایک شخص نے امیہ کے بیٹے کو تلوار کی ایک ضرب لگائی جس سے وہ زمین پر گر گیا۔ اتنے میں امیہ نے اس زور سے چیخ ماری کہ میں نے ویسی چیخ کبھی نہ سنی تھی۔ میں نے کہا: ''بھاگ جاؤ، لیکن آج بھاگنے کی گنجائش نہیں۔ بخدا! میں آج تمھارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اس کے بعد لوگوں نے اپنی تلواروں سے ان دونوں کا کام تمام کر دیا۔''

(بخاری: ۱/۳۰۸، کتاب الوکالہ، البدایہ والنہایہ: ۲۸۶/۳، ابن ہشام: ج۱، زاد المعاد: ۸۹/۲)

عبیدہ بن سعید بن العاص کا قتل:

غزوۂ بدر میں جہاں اور بڑے بڑے اساطین کفر مارے گئے وہاں عبیدہ بن سعید بن العاص بھی بری طرح مارا گیا۔ یہ بڑی ہمت کر کے اور سر سے لے کر پاؤں تک لوہے میں غرق ہو کر

Marfat.com

میدان میں آیا۔ اس کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے میدان میں نکل کر مسلمانوں کو پکارا اور کہا ''میں ہوں ابو ذات الکرش۔'' اس کی للکار سن کر سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور برچھی سے پہلا وار اس طرح تاک کر اس کی آنکھ میں کیا کہ برچھی اس کی آنکھ میں گڑ گئی اور وہ مردود فوراً ٹھنڈا ہو گیا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر بڑی مشکل سے برچھی اس کی آنکھ سے نکالی لیکن برچھی کے دونوں سرے ٹیڑھے ہو گئے۔

''ابو ذات الکرش'' کے قتل سے فارغ ہو کر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ ہجوم میں گھس گئے اور مشرکین کے لشکر کے ساتھ اتنا لڑے کہ تلوار میں دندانے پڑ گئے اور خود بھی زخموں سے چور ہو گئے لیکن بدن پر دو زخم ایسے لگے جو تاریخی نشان بن گئے۔ ایسا ہی ایک زخم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جنگ یرموک میں بھی آیا تھا۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی یہ دندانے دار تلوار ایک یادگار بن گئی۔ ''ابو ذات الکرش'' کو جس برچھی سے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے مارا تھا وہ جنگ کے اختتام پر سرکار دو عالم ﷺ نے آپ سے مانگ لی۔ یہ برچھی چاروں خلفاء میں منتقل ہوتی رہی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ برچھی ان کے صاحبزادوں کے پاس تھی۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ برچھی باپ کی نشانی کے طور پر ان سے لے لی۔ جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اس وقت یہ برچھی ان کے پاس تھی۔ وہ تلوار جس کو غزوۂ بدر میں دندانے پڑ گئے تھے وہ بھی سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان کے پاس تھی۔ ان کا وہ سامان جو حملہ آور فوج نے ضبط کیا تھا یہ تلوار اس سامان میں تھی۔ امیر المومنین عبدالملک بن مروان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بھائی عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''تم وہ تلوار پہچان لو گے؟'' انھوں نے کہا: ''ضرور۔'' عبدالملک نے پوچھا کہ اس کی کیا شناخت ہے؟ عروہ نے کہا: ''وہ دندانے جو غزوۂ بدر میں پڑ گئے تھے، وہ اس کی شناخت ہیں۔'' عبدالملک کو اس جواب نے بہت متاثر کیا، چنانچہ فوراً انھوں نے نابغہ ذبیانی کے شعر کا وہ مصرع پڑھا: بھن فلول من قراع الکتائب۔ پھر یہ تلوار انھوں نے سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس تاریخی تلوار کی قیمت تین ہزار تک لگائی گئی لیکن ہم نے وہ تلوار نہ دی۔ پھر بعد میں ہمارے خاندان کے ایک شخص نے اس تلوار کو فروخت کر دیا جس کا مجھے بہت افسوس ہوا۔ (بخاری: ۲/۵۶۶-۵۷۰)

Marfat.com

تابناک نقوش:

اس غزوہ میں مجاہدین اسلام نے بڑے تابناک نقوش تاریخ کے صفحات پر مرتسم کیے۔ جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

(۱) سیدہ عفراء رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے عوف بن حارث رضی اللہ عنہ نے عین لڑائی کے وقت سرور کائنات ﷺ سے سوال کیا: ''یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی کس بات سے خوش ہو کر مسکراتا ہے؟'' آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''اس بات سے کہ بندہ خالی جسم بغیر حفاظتی ہتھیار پہنے اپنا ہاتھ دشمن کے اندر ڈبو دے۔'' سرکار دو عالم ﷺ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر سیدنا عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے بدن سے زرہ اتار پھینکی اور تلوار لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ یہ وہی عوف رضی اللہ عنہ بن حارث ہیں جن کو ابو جہل نے شہید کیا تھا۔

(۲) جنگ کے خاتمہ کے بعد سیدنا مصعب بن عمیر عبدری رضی اللہ عنہ اپنے بھائی ابو عزیز بن عمیر کے پاس سے گزرے۔ ابو عزیز نے مشرکین کا ساتھ دیا تھا اور مسلمانوں کے خلاف یہ جنگ لڑی تھی۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک انصاری صحابی اس کے ہاتھ باندھ رہا ہے۔ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اس انصاری کو آواز دی کہ اس شخص کے ہاتھ مضبوطی سے باندھنا کیونکہ اس کی ماں بڑی مالدار ہے۔ وہ تمھیں بہت بھاری فدیہ دے گی۔ یہ سن کر ابو عزیز نے اپنے بھائی مصعب رضی اللہ عنہ سے کہا: ''کیا میرے بارے میں تمھارے یہی خیالات ہیں؟'' سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بالکل یہی خیالات ہیں۔ تمھاری بجائے یہ انصاری میرا بھائی ہے۔''

(۳) اس جنگ میں عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ یہ نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ ایک دفعہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔ سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی یہ بات سن کر فوراً کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

مجھے ان لوگوں میں سے کر دے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو انہی میں سے ہے۔'' اس پر انصار کا ایک شخص کھڑا ہو گیا اور اس نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عکاشہ رضی اللہ عنہ تم پر سبقت لے گیا۔''

(بخاری مع فتح الباری: ۱۱/۴۰۵)

ان عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ کی تلوار عین معرکہ جنگ میں ٹوٹ گئی۔ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک لکڑی کا پھٹا دے دیا۔ اور فرمایا: ''عکاشہ! اسی سے جنگ کرو۔'' سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ نے اسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر جو ہلایا تو وہ ایک لمبی، مضبوط اور چمکتی ہوئی تلوار میں تبدیل ہو گیا۔ پھر وہ اسی سے دشمنوں کو قتل کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرما دی۔ اس تلوار کا نام عون (مدد) رکھا گیا۔ (ابن ہشام: ۱/۶۳۷)

یہ تلوار مستقل طور پر سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ کے پاس رہی اور وہ اسے اپنی تمام لڑائیوں میں استعمال کرتے رہے۔ چنانچہ وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدعی نبوت طلحہ اسدی کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ اس وقت بھی یہ تلوار ان کے پاس تھی۔

بعض لوگوں کے قتل کی ممانعت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عین معرکہ جنگ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا کہ مجھے پتہ ہے کہ بنو ہاشم وغیرہ کے کچھ لوگ بادل نخواستہ جنگ میں آئے ہیں۔ ان کو زبردستی لایا گیا ہے۔ لہٰذا بنو ہاشم کا اگر کوئی شخص کسی شخص کی تلوار کی زد میں آجائے تو وہ اسے قتل نہ کرے۔ چنانچہ عباس رضی اللہ عنہ میں عبدالمطلب اور ابوالبختری بن ہشام کا خاص نام لے کر فرمایا کہ ان دونوں کو ہرگز قتل نہ کیا جائے۔ اگر قابو میں آجائیں تو انھیں اسیر کر لیا جائے۔ اس پر عتبہ رئیس مکہ کے صاحبزادے سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ نکل گیا کہ ''کیا ہم اپنے باپ، بیٹوں، بھائیوں اور قبیلہ کے لوگوں کو قتل کریں گے اور عباس کو چھوڑ دیں گے۔ اللہ کی قسم، اگر میری ان سے مڈ بھیڑ ہو گئی تو میں تو انھیں تلوار کی لگام پہنا دوں گا۔''

ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ آپؐ نے

Marfat.com

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا رسول اللہ (ﷺ) کے چچا کے چہرے پر تلوار ماری جائے گی؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسولؐ اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں؟'' لیکن آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ بعد میں سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے اس روز میں نے جو بات کہہ دی تھی اس کی وجہ سے مجھے برابر خوف لگا رہتا ہے۔ صرف یہی صورت ہے کہ میری شہادت اس کا کفارہ بن جائے۔ چنانچہ وہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا گیا اور کسی شخص نے انھیں گزند پہنچانے کی کوشش نہ کی۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اگرچہ ابھی تک اپنے اسلام کا اعلان نہیں فرمایا تھا لیکن ابو طالب کی وفات کے بعد مکہ میں انہی کی ذات آپ ﷺ کی پشت پناہ بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ بیعت عقبہ ثانیہ کے وقت جب انصار مدینہ نے آپ ﷺ کو مدینہ تشریف لے چلنے کی درخواست کی تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے جو اس رات کی تاریکی میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے، انصار سے یہی فرمایا تھا:

''اے اہل مدینہ! اگر تم آخری دم تک محمد ﷺ کا ساتھ دے سکو تو انھیں لے جاؤ، ورنہ محمد ﷺ اپنے شہر میں اور اپنے خاندان میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ ہم ان کے لیے ہمیشہ سینہ سپر رہے ہیں اور رہیں گے۔''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی انہی خدمات کے اعتراف کے طور پر آپ ﷺ نے انھیں قتل نہ کرنے کا اعلان فرمایا تھا۔

دوسرا شخص جس کا نام لے کر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس کو قتل نہ کیا جائے وہ ابو البختری تھا۔ یہ شخص مکہ کے ان سرداروں میں سے تھا جو کبھی کبھی مسلمانوں کی ایذا رسانی میں آڑ بن جاتا تھا۔ اس نے کبھی آپ ﷺ کو مکی زندگی میں تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔ چنانچہ جب آپ ﷺ خاندان بنو ہاشم کے ساتھ تین سال تک شعب بنی ہاشم میں محصور رہے اور مختلف مصائب و تکالیف سے دوچار رہے تو اس معاہدہ کو ختم کرنے کی جن لوگوں نے کوششیں کیں ان میں بھی مطعم بن عدی کے بعد ابو البختری کا نام نمایاں ہے۔ مختصر یہ کہ وہ معاہدہ انہی لوگوں کی وجہ سے ختم ہوا لیکن ابو البختری قتل کر دیا گیا۔

ہوا یہ کہ جنگ میں ابو البختری کی سیدنا مجذر بن زیاد انصاری رضی اللہ عنہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

Marfat.com

اس کے ساتھ ان کا ایک ساتھی بھی تھا۔ سیدنا مجذر رضی اللہ عنہ نے اسے بتا دیا کہ ہمارے آقا و مولا سرکار دو عالم ﷺ کا یہ حکم ہے کہ تمھیں قتل نہ کیا جائے بلکہ گرفتار کر لیا جائے۔ ابوالبختری نے کہا کہ میرے ساتھ جنادہ بن ملیحہ بھی ہے جو مکہ سے میرے ساتھ ہی اونٹ پر آیا ہے، لہٰذا اس کو بھی قتل نہ کیا جائے۔ سیدنا مجذر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بخدا! ہم آپ کے ساتھی کو نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ بارگاہ رسالت سے صرف آپ کو ہی چھوڑنے کی ہدایت ملی ہے۔'' یہ بات یقینی ہے کہ اگر معاملہ بارگاہ نبوت میں جاتا تو آپ ﷺ ابوالبختری کے ساتھ اس کے ساتھی کو بھی چھوڑ دیتے لیکن ہوا یہ کہ ابوالبختری نے جیسے ہی سیدنا مجذر رضی اللہ عنہ کا جواب سنا اس کا مزاج بگڑ گیا۔ وہ غصہ میں آ گیا اور بولا: ''یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مکہ کی عورتیں یہ طعنہ دیں کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کی خاطر اپنے ساتھی جنادہ کو چھوڑ دیا۔'' یہ کہہ کر اس نے یہ رجز پڑھا اور سیدنا مجذر رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر آ گیا۔ رجز یہ تھا:

لن یسلم ابن حرہ زمیلہ

حتی یموت او یری سبیلہ

''ایک شریف زادہ اپنے ساتھی کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا یہاں تک کہ اپنی جان دے دے یا اپنا راستہ دیکھ لے۔''

اب سیدنا مجذر رضی اللہ عنہ کے لیے سوائے مقابلے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے ابوالبختری اور جنادہ دونوں کو قتل کر دیا۔ جب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو نادم تھے۔ قسم کھا کر کہا، اے اللہ کے رسول ؐ! میں نے انھیں گرفتار کرنے کی بہت کوشش کی لیکن انھوں نے حملہ کر دیا تو میں انھیں قتل کرنے پر مجبور ہو گیا۔

(ابن ہشام: ۶۲۹/۱، البدایہ والنہایہ: ۲۸۵/۳)

مقتولین کا انجام:

جب جنگ کے بادل چھٹے اور یہ معرکہ مسلمانوں کی فتح مبین اور کافروں کی شکست فاش پر منتج ہوا تو مقتولین کو گنا گیا۔ مسلمانوں کے چودہ آدمی شہید ہوئے جن میں چھ مہاجرین کے اور آٹھ انصار کے تھے لیکن اس کے مقابلے میں مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے جو عموماً

Marfat.com

ان کے سردار اور سربرآوردہ لوگ تھے۔ یہ ان کے لیے ایک بڑا بھاری نقصان تھا۔ جنگ میں اس بہت بڑی کامیابی کے بعد آپ ﷺ نے تین روز تک وہاں قیام فرمایا۔ اسی عرصہ میں آپ ﷺ نے شہداء کے دفن کا کام بھی سرانجام دیا جو بہت ضروری تھا۔

قریش مکہ تو اپنی لاشیں بھی چھوڑ کر بھاگ گئے لہٰذا ان کے مقتولین کی لاشوں کو بھی دفن کرنا تھا۔ ویسے بھی امام بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ کا غزوات کے بارے میں یہ دستور تھا کہ کسی بھی انسان کی نعش پر آپ ﷺ کا گزر ہوتا تو آپ ﷺ اس کے دفن کرنے کا حکم فرماتے۔ اور یہ ہرگز نہ پوچھتے کہ یہ مومن تھا یا کافر۔'' (سیرۃ حلبیہ: ۱۹۹/۲)

آپ ﷺ کا یہ بھی طریقہ تھا کہ اگر ہر ایک کے لیے قبر کھودنا دشوار ہوتا تو ایک ایک قبر میں کئی کئی دفن کر دیئے جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے پہلے مسلمان شہداء کو دفن کیا کیونکہ ان کی تعداد صرف چودہ تھی۔ مشرکین کی تعداد ستر تھی، اس وجہ سے ان کے لیے علیحدہ علیحدہ قبریں کھودنا بہت مشکل تھا۔ لہٰذا کئی کئی مشرکین کو ایک ایک جگہ دفن کیا گیا۔ وہاں قبیلہ بنی نار کے کسی شخص نے ایک کنواں کھودا ہوا تھا جو اب بالکل خراب پڑا تھا۔ یہ نہایت گندہ اور خبیث کنواں تھا۔ آپ ﷺ نے ۲۴ سرداران قریش کی لاشیں اسی کنویں میں پھنکوائیں جن میں ابوجہل کی لاش بھی تھی۔ گرمی کے دن تھے۔ اس وجہ سے لاشوں کے رنگ بھی بدل چکے تھے۔ امیہ بن خلف کی لاش پھول گئی ہوئی تھی۔ مجاہدین نے اس کی زرہ اتارنی چاہی تو اس کی لاش ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ لہٰذا اس کی لاش کے لیے وہیں جگہ کھود کر اسے اس میں دبا دیا گیا۔

(بخاری: ۵۶۵/۲، ۵۶۶، فتح الباری: ۲۴۰/۷، سیرۃ حلبیہ: ۱۹۹/۲، زرقانی: ۴۳۲/۱، ابن ہشام: ۶۳۸/۱)

جب عتبہ بن ربیعہ کی لاش کو پھینکنے کے لیے اٹھا رہے تھے تو سرور کائنات ﷺ نے اس کے بیٹے ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر حزن وملال کے آثار دیکھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ! کیا باپ کو اس حالت میں دیکھ کر تمھیں یہ غم اور ملال ہوا ہے؟'' عرض کی: ''یارسول اللہ! مجھے اپنے باپ کے قتل سے ذرہ برابر بھی صدمہ اور ملال نہیں ہوا۔ صدمہ اس بات کا ہوا ہے کہ میرا باپ بڑا دانشور، فکر ودانش کا مجسمہ، حلیم وبُردبار اور اصابت رائے رکھنے

Marfat.com

والا شخص تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس کی یہ فہم و فراست اور دانشوری اسے اسلام کی طرف راہنمائی کرے گی اور وہ ایک روز مسلمان ہو جائے گا اور اس کا یہ فضل و کمال اور فکر و دانش جو اب کفر کے لیے صرف ہو رہی ہے، کسی روز اسلام اور مسلمانوں کے کام آئے گی، لیکن کفر پر اس کی موت نے میری امید کو ختم کر دیا۔'' آپ ﷺ نے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ان احساسات کی تحسین فرمائی اور ان کے لیے دعائے خیر کی۔ (البدایہ والنہایہ:۲۹۴/۳، سیرۃ ابن ہشام:۶۴۰/۱۔۶۴۱)

قرآن حکیم میں ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ﴾ (ابراهيم ١٤:٢٨)

''کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کا کفر کر کے اسے بدل ڈالا اور اپنے گروہ اور قوم کو ہلاکت کے گھر میں جا اتارا۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ روسائے قریش اس آیت کا مصداق ہیں۔ (بخاری:۵۶۵/۲، ابن ہشام:۶۴۰/۱۔۶۴۱)

اس غزوہ میں اگرچہ فتح مبین ہو چکی تھی اور صنادید کفر مارے جا چکے تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ ان کی لاشوں کو مختلف گڑھوں میں پھینکوا چکے تھے، لیکن رحمت عالم ﷺ کے جذبات شفقت و رحمت پر کیا گزر رہی ہوگی، اس کا اندازہ ہر شخص نہیں کر سکتا۔ یہ سارے لوگ آپ ﷺ کی امت دعوت تھے۔ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ ﷺ ہر وقت کڑھتے تھے کہ یہ جہنم کی طرف جا رہے ہیں۔ ابو جہل کتنا بڑا دشمن اسلام تھا، لیکن آپ ﷺ اس کے لیے بھی کئی بار دست بدعا ہوئے اور کار پردازان قضا و قدر نے ایک بار نہیں بلکہ بار بار یہ الفاظ زبان رسالت سے سنے کہ ''اے اللہ! عمرو بن ہشام یا عمر بن الخطاب کے ذریعے اسلام کو عزت اور تقویت عطا فرما۔'' اس بات کا اندازہ وہ جج ہی کر سکتا ہے جس نے اپنے بیٹے کے خلاف سزائے موت کا فیصلہ صادر کیا ہو۔

آپ ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب کبھی آپ ﷺ کسی قوم یا قبیلہ پر غلبہ حاصل کرتے تو تین دن وہاں قیام فرماتے۔ ان تین دنوں میں آپ ﷺ کے ساتھیوں کو کچھ

Marfat.com

آرام بھی مل جاتا۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کا انتظام بھی ہو جاتا، فوج میں نظم ونسق کی کچھ صورتیں بھی قائم ہو جاتیں اور شہداء کے دفن کا بھی انتظام ہو جاتا۔ اسی عادت کے مطابق سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب تیسرا روز ہوا تو آپ ﷺ نے سواری پر زین کسنے کا حکم صادر فرمایا۔ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق سواریاں تیار کی گئیں۔ سفر کے لیے قدم اٹھنے ہی والے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے ہیں۔ وہ سمجھے کہ آپ ﷺ شاید کسی ضرورت سے جا رہے ہیں۔ اسی لیے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ کے پیچھے ہو لیے۔ دیکھا کہ آپ ﷺ اس کنویں کے کنارے پر جا کر کھڑے ہو گئے جہاں صنادید قریش اور اساطین کفر کی لاشوں کو پھینکا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کا نام لے لے کر انھیں پکارا کہ اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے ابوجہل......:

"کیا تمھارے لیے یہ بات اچھی نہ تھی کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے۔ ہم سے ہمارے رب نے جس شے کا وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو سچ اور حق پایا۔ کیا تم نے بھی دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ سچ ہے۔"

(بخاری:۲/۵۶۶)

یہ تو بخاری کی روایت ہے لیکن محمد ابن اسحاق کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"اے گڑھے والو! تم اپنے نبی ﷺ کے قبیلہ اور خاندان کے بہت برے لوگ ثابت ہوئے۔ تم نے میری تکذیب کی تم لوگوں نے مجھ سے قتال کیا جبکہ دوسروں نے میری مدد کی۔ ایک امین کو تم نے خائن کہا اور ایک صادق کو کاذب کا نام دیا۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی بُری جزا دے گا۔"

یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ ایسے جسموں سے کیا باتیں کر رہے ہیں جن میں روح ہی نہیں۔" آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو مگر یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے۔

(بخاری: ج۲، مسلم:۲/۳۸۷، زرقانی:۱/۴۴۳، البدایہ والنہایہ:۳/۲۹۲، مسند احمد:۳/۱۰۴، ۱۴۵)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مردے قبر میں سنتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں

Marfat.com

علمائے اسلام نے اپنی کتابوں میں تفصیل سے بحث کی ہے۔

(ملاحظہ ہو کتاب الروح لابن القیم: ص ۵۵)

حافظ ابن تیمیہ جو کہ ان معاملات میں بہت سخت واقع ہوئے ہیں، وہ بھی لکھتے ہیں:

سماع المیت للاصوات من السلام والقرأة حق۔

''مردے کا سلام اور قرأت کی آوازوں کو سننا حق ہے۔''

(اقتضاء الصراط المستقیم: ص ۱۸۱)

امام شوکانی نے ''نیل الاوطار: ۲۹۴/۳'' پر بھی سماع موتی کی تائید کی ہے۔ بہر حال اس موقع پر اس مسئلے کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا یہی مذہب ہے۔ (مدارج النبوۃ: ۱۳۲/۲ کی مراجعت بھی مفید ہوگی اور اس کے لیے احقر کی کتاب ''نقش ممات'' کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔)

ان ستر مقتولین کے علاوہ ستر آدمی قریش مکہ کے مسلمانوں نے گرفتار بھی کیے جن میں عباس بن عبدالمطلب، ابوالعاص (سیدہ زینبؓ بنت رسولؐ اللہ کے شوہر) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل بن ابی طالب قابل ذکر ہیں۔

مدینہ میں فتح کی خوشخبری:

سرکار دو عالم ﷺ نے اہل مدینہ کو فتح کی خوشخبری سنانے کے لیے دو قاصد روانہ فرمائے۔ ایک سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو عوالی مدینہ یعنی بالائی بستیوں میں گشت کر کے اطلاع دینے کی ہدایت فرمائی اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اہل سافلہ یعنی نشیبی بستیوں میں اطلاع کے لیے بھیجا۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے اپنی اونٹنی قصواء پر روانہ کیا۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ مدینہ طیبہ میں منافقین کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا۔ ان کا ایک کام جھوٹی افواہیں پھیلانا بھی تھا۔ انھوں نے مدینہ طیبہ میں ایک جھوٹی خبر پہلے سے ہی پھیلا رکھی تھی کہ سرکار دو عالم ﷺ میدان بدر میں قتل کر دیے گئے ہیں۔ اس خبر سے مسلمان نہایت شکستہ خاطر تھے۔ اسی دوران رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا

Marfat.com

جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے حبالہ عقد میں تھیں، انتقال فرما گئیں۔ اس سے مسلمانوں کا حزن وغم دوگنا ہو گیا جبکہ آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے تیمارداری کے لیے مدینہ میں ہی چھوڑ دیا تھا لیکن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بیماری سے جانبر نہ ہو سکیں اور انتقال فرما گئیں۔

سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جب آپ ﷺ کی اونٹنی قصواء پر سوار فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو ایک منافق نے انھیں دیکھ لیا۔ وہ اونچی آواز سے کہنے لگا کہ مسلمانوں دیکھو محمد ﷺ کی اونٹنی پر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ چلے آ رہے ہیں۔ اس لیے ہماری یہ بات یقینی تھی کہ آپ ﷺ (نصیب دشمناں) شہید ہو گئے ہیں۔ اس بات نے مسلمانوں کو اور بھی پریشان کر دیا۔

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو وہ بھی اور لوگوں کی طرح پریشان حال ہو گئے لیکن جب وہ عیدگاہ کے میدان میں پہنچے تو اپنے والد سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو وہاں کھڑے پایا۔

روایات میں ہے کہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں اس وقت پہنچے جس وقت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کو لوگ مٹی دے رہے تھے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا اور ان سے جنگ کی تفصیلات پوچھ رہے تھے اور وہ انھیں بتا رہے تھے کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، زمعہ بن اسود، امیہ بن خلف اور ابوالبختری وغیرہ مارے گئے ہیں اور سہیل بن عمرو وغیرہ گرفتار ہو گئے۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی اپنے والد کی زبان سے یہ باتیں سنیں، لیکن منافقین کی افواہ میرے کوزۂ ذہن میں کچھ ایسی بیٹھ گئی تھی کہ مجھے یقین نہ آیا۔ چنانچہ میں نے اپنے والد کو علیحدگی میں لے جا کر دریافت کیا کہ واقعی آپ کی بیان کردہ خبر صحیح ہے۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا: بیٹا! اس میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنے ابا سے اس خبر کی تصدیق کر لی تو میں نے اس منافق سے کہا کہ تم نے یہ غلط افواہ کیوں پھیلائی۔ میں رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں تمھاری شکایت کروں گا۔ اس نے مجھے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ صرف اتنا کہا کہ میں نے ایسا ہی سنا ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۳۰۴)

سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی خبر سے مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ مسلمان فتح یاب ہو گئے

Marfat.com

ہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ ہر طرف مسرت وشادمانی کی ایک لہر دوڑ گئی اور مدینہ طیبہ کے در و بام تہلیل وتکبیر سے گونج اٹھے اور مدینہ کے سربرآوردہ مسلمان سرکار دو عالم ﷺ کو اس فتح مبین کی مبارکباد دینے کے لیے بدر کے راستہ پر نکل پڑے۔

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں فتح کی خوشخبری دینے کے لیے جب روانہ کیا گیا تو اس کے بعد آپ ﷺ بھی اسیران بدر کے قافلے کے ساتھ مدینہ کی طرف چل پڑے اور مال غنیمت آپ ﷺ نے عبداللہ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔ جب آپ ﷺ مقام روحاء میں پہنچے تو مدینہ کے وہ لوگ جو آپ ﷺ کو اس فتح کی مبارک باد دینے کے لیے مدینہ سے نکلے تھے، ملے۔ انھوں نے نہایت مسرت وشادمانی کے ساتھ آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو فتح کی مبارک باد دی۔ اس پر سیدنا مسلم بن سلامہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم لوگ کسی چیز کی مبارکباد دیتے ہو۔ خدا کی قسم! ہمیں تو بوڑھیوں سے پالا پڑا۔ رسی میں بندھے ہوئے اونٹوں کی طرح ان کو ذبح کر کے ڈال دیا۔ سرکار دو عالم ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا: ''یہی تو مکہ کے اشراف اور سادات تھے۔'' (ابن ہشام: ۱/۶۴۳)

مکہ میں شکست کی خبر:

شکست سے دوچار ہونے کے بعد قریش مکہ اس طرح قافلے کی شکل میں واپس نہیں آئے جس طرح وہ جنگ کرنے کے ارادے سے مکہ سے نکلے تھے۔ میدان جنگ سے وہ تتر بتر ہوئے اور پھر غیر منظم شکل میں وہ مکہ آئے۔ ندامت کی وجہ سے ان کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ کیسے مکہ میں داخل ہوں اور مکہ والوں کو کیا کہیں اور کیا منہ دکھائیں۔

محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مکہ میں سب سے پہلے قریش کی شکست کی اندوہناک خبر جو شخص لے کر آیا وہ حیسمان بن عبداللہ الخزاعی تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ کیا خبر لائے؟ اس نے کہا: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالحکم (ابوجہل) بن ہشام، امیہ بن خلف، زمعہ بن الاسود، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج اور ابوالبختری بن ہشام اور مزید کچھ سرداروں کا نام لیا اور کہا کہ یہ سب قتل کر دیئے گئے ہیں۔ جب اس نے اشراف قریش کو مقتولین کی فہرست

Marfat.com

میں گننا شروع کیا، تو صفوان بن امیہ نے جو اس وقت حطیم میں بیٹھا ہوا تھا، کہا: ''خدا کی قسم اگر یہ شخص ہوش وخرد میں ہے تو اس سے میرے بارے میں پوچھو۔ لوگوں نے اس سے پوچھا: اور صفوان بن امیہ کا کیا ہوا؟ اس نے جواب دیا: وہ تو حطیم میں بیٹھا ہوا ہے۔ بخدا! اس کے باپ اور بھائی کو میں نے اپنی آنکھوں سے قتل ہوتے دیکھا ہے۔؟'' (ابن ہشام: ۶۴۶/۱)

محمد ابن اسحاق ہی نے نقل کیا ہے کہ ابو رافع مولیٰ رسول اللہ ﷺ کا بیان ہے کہ میں ان دنوں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ اسلام ہمارے گھر میں داخل ہو چکا تھا۔ میں، سیدہ ام الفضل، زوجہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے تھے، لیکن سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا سلام چھپا رکھا تھا کیونکہ ان کی قوم اور مکہ میں حالات کچھ ایسے ہی تھے۔ ہمارے ان جذبات سے قریش بخوبی آشنا تھے، اس لیے وقتاً فوقتاً ہمیں پریشان بھی کرتے رہتے تھے۔ ابولہب جنگ بدر میں خود تو نہ گیا لیکن اپنی جگہ پر عاصی بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا۔ ایسے ہی ہر اس شخص نے جو جنگ بدر میں نہ گیا اپنی جگہ پر کسی آدمی کو بھیجا ہوا تھا۔ جب اسے لشکر قریش کی شکست کی خبر ملی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ذلت ورو سیاہی طاری کر دی اور ہمیں قدرتی طور پر اپنے اندر ایک قوت اور عزت محسوس ہوئی۔

سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک کمزور آدمی تھا۔ میں بھی لشکر قریش میں شریک نہ ہوا۔ میں تیر بنایا کرتا تھا۔ زمزم کے قریب ایک حجرہ تھا، میں اس میں بیٹھ کر اپنا کام کیا کرتا تھا۔ جس روز یہ خبر پہنچی اس روز میں حجرہ میں بیٹھ کر تیر چھیل رہا تھا۔ میرے پاس سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا تشریف فرما تھیں اور جو خبر آئی اس سے ہم نہایت خوش تھے، اتنے میں ابولہب بھی اپنے پاؤں گھسیٹتا ہوا وہاں آ گیا اور حجرہ کے ستون کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ وہ ابھی آ کر بیٹھا ہی تھا کہ دفعتاً شور اٹھا کہ مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب (جس کو ابوسفیان بن حارث بھی کہتے تھے) مقام بدر سے واپس آ گیا۔ لوگ اس کے پاس اکٹھے ہو گئے، لیکن مغیرہ بن حارث ابھی کچھ کہنے نہیں پایا تھا کہ ابولہب نے اس کو دیکھ لیا اور فوراً اپنے پاس بیٹھنے کو کہا۔ وہ ابولہب کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور باقی لوگ کھڑے تھے۔ پھر اس نے پوچھا: ''بھتیجے بتاؤ لوگوں کا کیا حال رہا؟'' مغیرہ بن حارث نے کہا:

''؟ چچا! عجیب ماجرہ دیکھنے میں آیا۔ ہماری فوج ایک بے جان بھیڑ تھی۔ تھوڑے سے مسلمان ہم پر پوری طرح حاوی تھے۔ ہم نے گویا اپنے شانے اور اپنی گردنیں

Marfat.com

ان کے حوالے کر دی تھیں کہ جس طرح چاہیں قتل کر دیں اور جس طرح چاہیں ہمیں گرفتار کر لیں اور ہماری مشکیں کس لیں۔ میں اپنے آدمیوں کو ملامت بھی نہیں کر سکتا۔ بخدا! عجیب بات یہ تھی کہ ہماری مڈ بھیڑ کچھ ایسے گورے چٹے لوگوں سے ہوئی جو چتکبرے گھوڑوں پر سوار آسمان تک چھائے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے نہ کوئی شے ٹھہر سکتی تھی اور نہ ہی کوئی ان کا مقابلہ کر سکتا تھا۔''

سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مغیرہ کی زبان سے جیسے ہی یہ الفاظ نکلے، میں نے اپنے ہاتھ سے خیمے کا کنارہ اٹھا کر کہا: (تلك واللہ الملائکہ) خدا کی قسم وہ تو فرشتے تھے۔ میرے ان الفاظ سے ابولہب جھنجھلا گیا اور اس نے میرے منہ پر ایک زوردار تھپڑ مارا۔ میں اگرچہ کمزور تھا لیکن پھر بھی ابولہب سے الجھ گیا۔ اس نے مجھے اٹھا کر پٹخ دیا اور میرے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور میری کوکھوں میں زوردار مکے مارنے لگا۔ سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا نے جب یہ حالت دیکھی تو مجھے بچانے کے لیے وہ اٹھیں اور ایک کھونٹا اٹھا کر اس زور سے انھوں نے ابولہب کے سر پر مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ اسی جلالی حالت میں بولیں: اس کا مالک (سیدنا عباس رضی اللہ عنہ) یہاں موجود نہیں اس لیے تو نے اسے کمزور سمجھ لیا ہے اور اس کو جان سے مار ڈالنا چاہتا ہے۔ ابولہب ذلیل و رسوا ہو کر چلا گیا، مگر خدا کی قسم پھر وہ صرف سات دن ہی زندہ رہا۔ ایک قسم کے طاعون (عدسہ) نے اس کا خاتمہ کر دیا۔

عدسہ کی گلٹی کو عرب بہت منحوس اور برا خیال کرتے تھے۔ اس لیے اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹوں نے اسے یونہی چھوڑ دیا۔ کوئی اس کے قریب بھی نہیں جاتا تھا۔ دو تین روز اس کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی اور کسی نے اس کی تجہیز و تکفین نہ کی۔ پھر جب اس کے بیٹوں نے یہ محسوس کیا کہ اس کی لاش کو اس طرح چھوڑنے پر لوگ انھیں ملامت کریں گے تو اس کی لاش کے قریب ایک گڑھا کھود کر ایک لکڑی سے اس کی لاش اس میں دھکیل دی اور دور ہی سے پتھر پھینک پھینک کر اس کو چھپا دیا۔ اس طرح برے طریقے سے اس کی موت واقع ہوئی۔

(سیرت ابن ہشام: ص ۶۴۶)

یہ ابتدائی خبر تھی جس پر یہ ہنگامہ ہوا۔ تفصیل کا اس وقت لوگوں کو کوئی خاص علم نہ ہوا لیکن جب رفتہ رفتہ حالات کی تحقیق ہوئی اور اپنے مرنے والوں کا تفصیلی علم ہوا تو گھر گھر ماتم

Marfat.com

کدہ بن گیا اور عاتکہ بن عبدالمطلب کا خواب جو انھوں نے قریش کا لشکر جانے سے پہلے دیکھا تھا، اس کی تعبیر لوگوں کی نظروں کے سامنے آ گئی۔ قریش کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں جنگ کا چھینٹا نہ پڑا ہو۔ کئی کئی گھروں کے دو دو تین تین آدمی مارے گئے تھے۔ اگرچہ عرب میں نوحہ اور ماتم کا عام دستور تھا مگر اس موقع پر قریش نے غیرت اور شماتت کی وجہ سے اعلان کر دیا کہ کوئی شخص اپنے مرنے والوں کو نہ روئے۔

اس جنگ میں ایک شخص اسود بن مطلب کے تین لڑکے زمعہ، عقیل اور حارث مارے گئے تھے۔ اس کا دل رونے کے لیے امنڈ تا رہتا تھا لیکن قومی غیرت اور شماتت کی وجہ سے وہ رو نہیں سکتا تھا۔ وہ خود اندھا تھا، اتفاق سے ایک روز کسی طرف سے رونے کی آواز آئی۔ جھٹ اس نے اپنے غلام کو بھیجا کہ جاؤ دیکھو، رونے کی اجازت مل گئی ہے تاکہ میں بھی اپنے بیٹوں پر جی بھر کر رو لوں۔ غلام نے واپس آ کر بتایا کہ ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے، وہ اس پر نوحہ وگریہ کر رہی ہے۔ اسود کی زبان سے بے اختیار کچھ شعر نکلے جن کا ترجمہ یہ ہے:

(۱) کیا وہ اس لیے روتی ہے کہ اس کا اونٹ گم ہو گیا ہے اور اس غم پر بے خوابی نے اس کی رات کی نیند حرام کر رکھی ہے۔

(۲) تو اونٹ پر نہ رو بلکہ بدر پر رو جہاں ہمتیں پست ہو گئیں اور قسمتیں پھوٹ گئیں۔

(۳) ہاں بدر پر رو۔ بنی ہصیص کے سرداروں پر رو اور بنی المخزوم اور ابو الولید کے لوگوں پر گریہ وماتم کر۔

(۴) اگر تم نے رونا ہی ہے تو عقیل پر رو اور حارث پر نوحہ کر جو شیروں کا شیر تھا۔

(۵) تو ان لوگوں پر رو اور سب کا نام نہ لے اور ابو حکیم پر ماتم ونوحہ کر جس کی ٹکر کا کوئی نہیں تھا۔

(۶) ہاں دیکھو، بدر کے معرکہ کے بعد وہ لوگ سردار بن گئے کہ اگر بدر کا معرکہ نہ ہوتا تو ان کو پوری زندگی کبھی سرداری نہ ملتی۔ (ابن ہشام: ۱/۶۴۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں داخلہ:

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ روحاء کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کے سربرآوردہ لوگوں

Marfat.com

سے ملاقات ہوئی جو مدینہ سے چل کر آپ ﷺ کے استقبال کے لیے اور فتح مبین کی مبارک باد دینے کے لیے آئے تھے۔ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے خدمت اقدس میں عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! سب حمد وثناء اس اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے آپ ﷺ کو اس جنگ میں کامیابی سے ہمکنار کیا اور آپ ﷺ کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی۔ اللہ کی قسم، یہ سمجھتے ہوئے بدر سے پیچھے نہ رہا تھا کہ آپ ﷺ کا دشمن سے تصادم ہوگا۔ میں تو صرف یہ سمجھ رہا تھا کہ بس قافلے کے معاملہ ہے، اگر میں یہ سمجھتا کہ آپ ﷺ کا دشمن سے ٹکراؤ ہوگا تو میں ہرگز پیچھے نہ رہتا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: "تم نے بالکل سچ کہا۔"

اس کے بعد آپ ﷺ مدینہ طیبہ میں مظفر و منصور داخل ہوئے۔ آپ ﷺ کی فتح سے بہت لوگ اسلام میں داخل ہو گئے کیونکہ اب پورے علاقے میں آپ ﷺ کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔

عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں نے بھی اب دکھاوے کے لیے اسلام قبول کر لیا۔

اب سب سے پہلے مال غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ درپیش ہوا۔ اس سے قبل مال غنیمت کی تقسیم کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اس وجہ سے مال غنیمت کی تقسیم میں کچھ اختلاف واقع ہو گیا۔ نوجوانوں کا کہنا تھا کہ مال غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم نے اپنے زور بازو سے کافروں کو قتل کیا ہے۔ عمر رسیدہ حضرات نے چونکہ قتل وقتال میں زیادہ حصہ نہیں لیا لیکن ان کا مطالبہ یہ تھا کہ مال غنیمت میں سے ہمیں بھی حصہ دیا جائے کیونکہ اس فتح میں ہماری پلاننگ (Planing) کو بھی دخل ہے اور جو جماعت سرکار دو عالم ﷺ کی حفاظت پر مامور تھی وہ بھی مال غنیمت کی طالب تھی۔

اسلام سے قبل کسی امت میں جہاد کی فرضیت کے بعد مال غنیمت جائز نہیں تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

((لم تحل الغنائم لسود الرؤس غيرنا))

"ہمارے سوا کسی کالے سردار کے لیے غنیمت حلال نہیں کی گئی۔"

مال غنیمت سب سے پہلے آپ ﷺ کی امت کے لیے جائز قرار دیا گیا جیسا کہ بخاری اور مسلم کی روایات میں ہے کہ میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا، مجھ سے پہلے کسی

Marfat.com

کے لیے حلال نہیں کیا گیا تھا۔

چنانچہ یہ ارشاد ہوا:

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ﴾

(الانفال۸:۱)

”آپ ﷺ سے یہ لوگ مال غنیمت کے حکم کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔“

مطلب یہ تھا کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور اللہ کا رسولؐ اللہ کا نائب ہونے کی حیثیت سے اس کو جس طرح مناسب سمجھے تقسیم کردے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے یہ مال تمام مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ (زرقانی:۱/۴۴۹، البدایہ والنہایہ:۳/۳۰۱)

اس آیت کے نزول نے مال غنیمت کا مطالبہ کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نہ صرف گردنوں کو اس حکم کے سامنے جھکا دیا بلکہ ان کے دل بھی جھک گئے اور جس مال کی تقسیم پر وہ اختلاف کا شکار تھے اس کی ایک ایک شے انھوں نے بارگاہ نبوت میں لاکر پیش کر دی۔ نہ کوئی تلخی تھی اور نہ کوئی ناگواری بلکہ خوشی اور مسرت کے ساتھ وہ احکام الٰہی کی تعمیل کر رہے تھے۔

اس مال غنیمت میں سے آپ ﷺ نے ان آٹھ آدمیوں کو بھی حصہ دیا جو آپ ﷺ کے حکم کے تحت بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔ ان میں ایک تو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے جن کو آپ ﷺ ان کی اہلیہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے مدینہ چھوڑ گئے تھے۔ دوسرے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور تیسرے سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ تھے۔ ان دونوں کو آپ ﷺ نے قافلہ کی خبر لینے کے لیے بھیجا تھا۔ چوتھے ابولبابہ رضی اللہ عنہ تھے، اُن کو آپ ﷺ نے مدینہ کے انتظام کے لیے بھیجا تھا۔ پانچویں عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کو آپ نے کسی وجہ سے بنی عمرو بن عوف کی طرف واپس لوٹا دیا تھا۔ اور ساتویں حارث رضی اللہ عنہ بن الصمۃ اور آٹھویں خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ ان سب کو جنگ میں شریک نہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے اصحاب بدر میں شامل فرمایا اور بدر کے مال غنیمت میں سے حصہ دیا۔

امام بخاری وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ بدر کے مال غنیمت میں سے خُمس بھی نکالا گیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ:۳/۳۰۱۔۳۰۳ وغیرہ۔

Marfat.com

اسلام کے مشہور جرنیل اور فاتحہ ایران وعراق سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں میں نے سعید بن العاص کو قتل کیا اور اس کی نہایت عمدہ تلوار جس کا نام اس نے ''ذوالکتیعہ'' رکھا ہوا تھا، میں نے لے لی۔ سرورکائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یہ تلوار مجھے مرحمت فرما دیجیے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ تلوار نہ میری ہے اور نہ تمھاری۔ اس کو مال غنیمت کے مال میں رکھ دو۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے افسوس ہوا اور میں نے خیال کیا کہ نہ معلوم یہ تلوار کس کو مل جائے گی کیونکہ جو کام میں اس تلوار سے لے سکتا ہوں شاید اور کوئی نہ لے سکے، چنانچہ میں نے اس تلوار کو مال غنیمت کے انبار میں رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے پھر بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ یہ تلوار مجھے عنایت فرما دی جائے۔ آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا اور سختی سے فرمایا کہ تلوار وہیں رکھ دو۔ اب مجھے اور زیادہ صدمہ اور افسوس ہوا۔ میرے بھائی عمیر اسی جنگ میں شہید ہوئے تھے اور ان کی شہادت کا بھی مجھے صدمہ تھا اور اس تلوار کے نہ ملنے کا افسوس بھی۔ میں کبیدہ خاطر واپس آ رہا تھا کہ مجھے بلایا گیا۔ میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے مجھے یہ آیات سنا کر فرمایا کہ پہلے یہ تلوار میری نہیں تھی اور مجھے دینے کا حق بھی نہیں تھا۔ اسی لیے میں نے تمھیں کہا کہ اس کو اپنی جگہ رکھ دو، لیکن اب اللہ تعالیٰ کی وحی نے مجھے اختیار دے دیا ہے لہٰذا اب میں یہ تلوار تمھیں دیتا ہوں۔ (درمنثور: ۱۵۸/۳)

بعض روایات میں ہے کہ غنائم کی تقسیم آپ ﷺ نے صفراء کے مقام پر کی اور بعض میں ہے کہ مدینہ طیبہ میں کی۔

ذوالفقار:

بدر کے مال غنیمت میں ایک اور تلوار بھی حاصل ہوئی جس کا نام ''ذوالفقار'' (فا کے فتحہ اور کسر دونوں کے ساتھ) یہ تلوار عاص بن منبہ یا نبیہ بن حجاج کافر کی تھی۔ اس کافر کو محمد ابن اسحاق کی روایت کے مطابق سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس تلوار کو ابوجہل کی تلوار بتایا ہے۔ (منہاج السنۃ: ۱۷/۳)

ابن سعد کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے یہ تلوار بدر کے مال غنیمت میں سے اپنے لیے منتخب فرمائی۔ (طبقات ابن سعد: ۳۶۰/۱، ۳۲۸، ۲۷۲/۲)

Marfat.com

اس تلوار کا نام پہلے ہی ''ذوالفقار'' تھا۔ آپ ﷺ نے اس کا نام برقرار رکھا۔ عربی زبان میں ''فقار'' ریڑھ کی ہڈی میں جڑے ہوئے مہروں کے اتار چڑھاؤ کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس تلوار کی آرائش و زیبائش کے لیے اوپر کی جانب کنگورے بنائے گئے تھے۔ اس لیے اس کو ''ذوالفقار'' یعنی کنگورے دار تلوار کہا جاتا تھا۔

یہ تلوار غزوۂ بدر کے بعد مستقل طور پر آپ ﷺ کی ملکیت میں رہی اور آپ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کے متروکات میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی زندگی میں یہ تلوار سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دے دی تھی۔ یہ قول بخاری کی روایت کے خلاف ہے، لہٰذا قابل قبول نہیں۔

ایک خاص گروہ نے اس تلوار کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ آسمان سے نازل ہوئی تھی اور یہ معجزاتی اوصاف کی حامل تھی۔ چنانچہ محمد بن یعقوب کلینی نے روایت نقل کی ہے:

''راوی کہتا ہے کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ ذوالفقار شمشیر کہاں سے آئی تھی؟ فرمایا: جبرائیل علیہ السلام آسمان سے لائے تھے اور اس کا قبضہ چاندی کا تھا۔''

(الشافی ترجمہ اصول کافی: ۱/۲۶۷)

اسیرانِ بدر کا معاملہ:

اس جنگ میں ستر قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ ان میں سے ایک قیدی نضر بن حارث کو قتل کرنے کا حکم آپ ﷺ نے صفراء میں دیا اور جب آپ ﷺ عرق الظبیہ پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کی گردن ماری گئی۔ (زرقانی: ۱/۴۴۹)

یہ دونوں رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھے۔ عقبہ ابن ابی معیط نے ایک مرتبہ آپ ﷺ پر اونٹ کی اوجھڑی رکھی تھی، اور آپ ﷺ کا گلا گھونٹا تھا اور آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر تھوکا تھا۔

باقی قیدیوں کو لے کر آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔

مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے قیدیوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیا اور فرمایا کہ ان قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ (زرقانی: ۱/۴۳۱)

Marfat.com

آپ ﷺ کے اس ارشاد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس طرح عمل کیا کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلے ان قیدیوں کو کھانا کھلاتے اور بعد میں اگر کچھ بچ جاتا تو خود کھاتے ورنہ خود کھجوروں پر گزارا کرتے۔

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بھائی ابوعزیز بن عمیر بھی قیدیوں میں تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں انصار کے جس گھر میں تھا، صبح وشام جوان کے گھر میں پکتا وہ تو مجھے کھلا دیتے اور خود کھجوروں پر اکتفا کرتے۔ میں ان کی یہ حالت دیکھ کر ندامت محسوس کرتا اور اصرار کرتا کہ آپ لوگ روٹی کھائیں لیکن وہ جواب دیتے کہ نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے۔ (مجمع الزوائد: ۶/۸۶)

چند روز کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کے بارے میں کیا کرنا چاہیے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ یا رسولؐ اللہ! یہ لوگ اپنے خاندان اور قبیلے کے لوگ ہیں، ہوسکتا ہے کہ آگے چل کر یہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں اور پھر یہی لوگ کافروں کے مقابلے میں ہمارے مددگار ہوں۔ اسی لیے میری رائے یہ ہے کہ انھیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح ان کے ساتھ حسن سلوک بھی ہوگا اور ہمیں اپنی اقتصادی حالت کی بہتری کے لیے رقم بھی مل جائے گی۔ (مسند احمد: ۳/۲۴۳، مجمع الزوائد: ۶/۸۷)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس رائے کے بعد آپ ﷺ نے عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا کہ اس بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! واللہ میری وہ رائے نہیں ہے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ ائمہ کفر ہیں۔ ان کی تمام کوششیں اسلام کے خلاف رہی ہیں، ان کو ختم کر دینا چاہیے تاکہ کفر کا زور ٹوٹے۔ حدیث میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جو الفاظ منقول ہیں وہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ عرض کی:

یا رسول الله! كذبوك واخرجوك و قاتلوك فاضرب اعناقهم۔

"اے اللہ کے رسول! ان لوگوں نے آپ ﷺ کو جھٹلایا، آپ کو آپ کے وطن سے نکالا اور آپ سے جنگ کی، پس ان کی گردنیں مارنے کا حکم فرمایئے۔"

(ترمذی: ۲/۱۴۴، ۱/۲۰۴)

یہ بھی عرض کیا کہ ان کو قتل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عزیز کو خود قتل

Marfat.com

کرے۔ علی رضی اللہ عنہ کو فرمائیں کہ وہ اپنے بھائی عقیل کو قتل کریں اور مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے عزیزوں کو قتل کروں کیونکہ یہ لوگ صنادید کفر ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ ہمارے دلوں میں جس طرح شرک کے لیے بیزاری کے جذبات ہیں اسی طرح مشرکین کے لیے بھی کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ کسی وادی میں آگ بھڑکا کر ان سب کو نذر آتش کر دیا جائے۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں محمد ابن اسحاق کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عریش پر تشریف فرما تھے تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قریش کو گرفتار کرنے میں مشغول ہیں اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار تھے۔ آپ ﷺ نے وہ آثار محسوس فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا! ''سعد! غالباً تجھے قریش کا گرفتار کرنا ناگوار ہے؟'' سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''ہاں رسول اللہ! یہ پہلا حادثہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر نازل فرمایا۔ میرے نزدیک خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والوں کو قتل کرنا ان کے زندہ چھوڑنے سے زیادہ اچھا اور پسندیدہ ہے۔''

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ ساری رائیں سنیں اور پھر حجرہ میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر تشریف لائے اور مختصر سے خطاب میں فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کسی دل کو اتنا نرم کر دیتا ہے کہ دودھ سے بھی زیادہ رقیق اور نرم ہو جاتا ہے اور کسی کے دل کو پتھر سے بھی زیادہ سخت کر دیتا ہے۔''

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبات کی مذمت نہیں فرمائی بلکہ سب کی تحسین فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میکائیل سے اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی۔ گویا کہ سب کے جذبات کی تحسین فرمائی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تجویز پسند آئی اور میری بات پسند نہ آئی، چنانچہ آپ ﷺ نے فدیہ لینا پسند فرمایا۔

حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرما ہی رہے تھے کہ جبریل امین نازل ہوئے اور عرض کی کہ آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل اور فدیہ کا اختیار دے دیں۔

Marfat.com

ایک روایت میں ہے کہ جبریل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! بدر کے قیدیوں کے بارے میں آپ ﷺ اپنے صحابہ کو اختیار دیں۔ چاہیں انھیں قتل کریں اور چاہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیں، لیکن شرط یہ ہے کہ آئندہ سال تم میں سے اتنے ہی آدمی قتل کیے جائیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قریش سے فدیہ لیا اور آئندہ سال اپنے قتل ہونے کو اختیار کیا۔ (فتح الباری: ۲۴۹/۷، زرقانی: ۴۴۲/۱، طبقات ابن سعد: ۱۴/۲)

مختصر یہ کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے اور ان کے ہم نوا دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے کو پسند فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے فدیہ لینے کا فیصلہ تو کر لیا اور حکم بھی صادر فرما دیا۔ فدیہ لینے سے بعض لوگوں کا مقصد، ممکن ہے کہ مال و منال کا حصول ہو، لیکن اس پر بارگاہ رب العزت سے عتاب نازل ہوا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگلے روز میں صبح ہی صبح سرکار دو عالم ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ وہ دونوں رو رہے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے رونے کی وجہ دریافت کی اور عرض کیا کہ اگر مجھے رونے کی وجہ معلوم ہو گئی تو میں بھی روؤں گا اور اگر وجہ نہ مل سکی تو آپ حضرات کے رونے کی وجہ سے روؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فدیہ قبول کرنے کی وجہ سے تمھارے اصحاب پر جو شے پیش کی گئی ہے اس کی وجہ سے رو رہا ہوں اور آپ ﷺ نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: مجھ پر ان کا عذاب اس درخت سے بھی زیادہ قریب پیش کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (الانفال۸:۶۷-۶۸)

”کسی نبی کے لیے یہ درست نہیں کہ اس کے پاس قیدی آئیں یہاں تک کہ ان کو قتل کرے اور زمین میں اچھی طرح ان کا خون بہائے۔ تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو اس چیز کے بارے

Marfat.com

میں جو تم نے لی ہے، ضرور تم کو بڑا عذاب پہنچتا۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نوشتہ مقدر ہو چکا تھا وہ یہ تھا:

﴿فَاِمَّا مَنًّا م بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً﴾(محمد ٤٧:٤)

''یعنی مشرکین کو جنگ میں گرفتار کرنے کے بعد یا تو احسان کرو یا فدیہ لے لو۔''

چونکہ اس نوشتہ میں قیدیوں سے فدیہ لینے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قبول فدیہ پر عذاب نہیں دیا گیا بلکہ صرف عتاب کیا گیا اور عتاب بھی اس لیے کیا گیا کہ انھوں نے کفار کو اچھی طرح کچلنے اور پامال کرنے سے پہلے قیدی بنا لیا تھا اور اس لیے بھی کہ انھوں نے ایسے مجرمین جنگ سے فدیہ لینا قبول کر لیا تھا جو صرف جنگی قیدی نہ تھے بلکہ جنگ کے ایسے بڑے مجرم تھے جنھیں جدید قانون بھی مقدمہ چلائے بغیر نہیں چھوڑتا۔ چونکہ ان لوگوں کا جرم تمام جنگی قیدیوں سے بڑا ہوتا ہے، لہٰذا مقدمہ چلانے کی صورت میں بھی فیصلہ عموماً سزائے موت یا عمر قید کی صورت میں ہوتا ہے۔ (احکام القرآن: ۳/۷۲)

مسلم کی حدیث کے مطابق عذاب صرف دکھلایا گیا اتارا نہیں گیا کیونکہ حق تعالیٰ شانہ کا مقصود صرف تنبیہ تھا۔

حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر اس وقت عذاب آتا تو سوائے عمر رضی اللہ عنہ کے اور کوئی نہ بچتا اور ایک روایت میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا نام بھی ہے۔ (زرقانی: ۱/۴۴۱) کیونکہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے تھی کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ منشائے خداوندی بھی یہی تھا کہ کافی خونریزی کی جائے تاکہ اسلام کی شوکت اور ہیبت دلوں میں بیٹھ جائے اور کفر کی بیخ کنی ہو جائے اور پھر وہ مقابلہ کے لیے اسلام کے سامنے سر نہ اٹھا سکے۔ اسی لیے اس غزوہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر مسلمانوں کو مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا:

﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾

(الانفال ۸:۱۲)

''کافروں کی گردنوں پر مارو اور ان کے ہر پور کو کاٹ ڈالو۔''

اسی وجہ سے علامہ طیبی نے مشکوٰۃ کی شرح میں فرمایا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف

Marfat.com

سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قتل اور فدیہ کا اختیار دیا گیا تھا تو پھر فدیہ لینے پر عتاب الٰہی اس لیے نازل ہوا کہ یہ اختیار فقط ظاہری اور صوری تھا لیکن معنوی اور حقیقی لحاظ سے وہ ایک امتحان تھا کہ دیکھیں اللہ کے دشمنوں کے قتل کو اختیار کرتے ہیں یا ''عرض حیات دنیا'' یعنی سامان دنیا کو۔ جیسا کہ سورہ احزاب میں ظاہراً ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اختیار دیا گیا کہ خواہ دنیا اور اس کی زینت کو اختیار کرلیں یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور آخرت کو اختیار کرلیں لیکن حقیقت میں اختیار نہیں تھا بلکہ امتحان تھا۔

مقدار فدیہ:

فدیہ کی مقدار حیثیت کے مطابق مقرر کی گئی جو کہ چار ہزار درہم سے لے کر ایک ہزار درہم تک تھی۔ اور جو لوگ قلاش اور نادار تھے اور فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے ان کو کسی فدیہ کے بغیر رہا کر دیا گیا اور جو لوگ ان میں سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور فدیہ ادا کرنے کے قابل نہ تھے، ان سے یہ شرط ٹھہری کہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو انھیں آزاد کر دیا جائے گا چنانچہ مشہور صحابی سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی طرح لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔

(زرقانی: ۱/۴۴۲، طبقات ابن سعد: ۲/۱۴)

قریش مکہ کو پہلے فدیہ ادا کرنے میں سخت ندامت محسوس ہوئی کہ وہ فدیہ ادا کر کے اپنے عزیزوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں رہا کرائیں۔ چنانچہ زرقانی وغیرہ میں ہے کہ قریش کو جب اپنے عزیزوں کے قتل کا حال معلوم ہوا تو گریہ وزاری شروع کر دی۔ ایک ماہ تک وہ گریہ و زاری کرتے رہے، لیکن بعد ازاں یہ اعلان کروا دیا کہ کوئی شخص نوحہ وزاری نہ کرے کیونکہ ہمارے رونے پیٹنے کی جب محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو خبر پہنچے گی تو وہ بہت خوش ہوں گے اور یہ بھی اعلان کیا کہ کوئی شخص اپنے قیدیوں کا فدیہ بھی نہ دے، کہیں محمد ﷺ فدیہ کی مقدار نہ بڑھا دیں، علاوہ ازیں ان کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ (زرقانی: ۱/۴۵۲، ابن ہشام: ۱/۶۴۸) لیکن قریش کے اس اعلان کے باوجود بنو سلیم کے ایک رئیس اور تاجر مطلب بن ابی وداعہ سہمی جس کا باپ ابو وداعہ بن ضبیرہ سہمی بھی قید تھا، اس نے قریش کی اس مصلحت بینی کی پروانہ کی اور رات کی تاریکی میں مکہ سے نکلا اور سیدھا مدینہ طیبہ پہنچ گیا اور اپنے باپ کو چار ہزار

Marfat.com

درہم کا فدیہ دے کر مکہ لے آیا۔ بس پھر اس کے بعد سلسلہ آگے چل نکلا اور لوگوں نے فدیہ دے کر اپنے اپنے اعزا و اقارب کو چھڑوانا شروع کر دیا۔ (ابن ہشام: ۱/۶۴۹)

ان قیدیوں میں آپ ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کو کعب بن عمرو ابوالیسر نے گرفتار کیا تھا۔ (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے) کچھ لوگوں کو خیال ہوا کہ انھیں قتل کر دیا جائے۔ اس بارے میں جب سرکار دو عالم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ کو بڑی تشویش ہوئی کیونکہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نہ صرف آپ ﷺ کے لیے محترم تھے بلکہ دل سے مسلمان تھے اور سرکار دو عالم ﷺ کے بہت بڑے معاون و مددگار تھے، لیکن بعض مصلحتوں کی وجہ سے انھوں نے اپنے اسلام کو چھپایا ہوا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اشارہ فرمایا کہ اس بات کی روک تھام کریں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس پہنچے اور ان کو منشائے نبوت سے مطلع کیا۔ سب نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

(مسند احمد وابن ابی شیبہ، بحوالہ تفسیر مظہری: ۴/۱۱۱)

سرکار دو عالم ﷺ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی نہ صرف چچا ہونے کے ناطے بلکہ اپنے معاون ہونے کے ناطے سے بھی بڑی قدر فرماتے تھے۔ ایک روز سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی بندش ذرا سخت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی جب کراہ سنی تو نیند اڑ گئی۔ انصار کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ کی گرہ ڈھیلی کر دی اور جب سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبوت کے یہ احساسات دیکھے تو نہ صرف عرض کی بلکہ اصرار کیا کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کوئی فدیہ نہ لیا جائے کیونکہ یہ ہمارے بھانجے ہیں۔ ان لوگوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھانجا اس لیے کہا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دادی اور خواجہ عبدالمطلب کی والدہ انصار میں سے تھیں۔

(فتح الباری: ۷/۲۴۸)

لیکن حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''خدا کی قسم! اس سے ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔'' (بخاری: ج۲)

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے جب فدیہ کے لیے کہا گیا تو انھوں نے اپنی ناداری کا عذر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ مال کہاں ہے جو تم نے اور تمھاری بیوی ام الفضل نے دفن کیا تھا۔'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ لسان نبوت سے یہ الفاظ سن کر حیران رہ گئے اور عرض کیا کہ بے شک میں

Marfat.com

گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں کیونکہ اس مال کے بارے میں میرے اور میری بیوی ام الفضل کے سوا اور کسی کو بھی علم نہ تھا۔ (متدرک حاکم: ۳۲/۳)

چنانچہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا جو بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ تمام قیدیوں میں سے سب سے زیادہ فدیہ تھا۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۹۹/۳)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی سیدنا عقیل بن ابی طالب بھی گرفتاران جنگ میں سے تھے۔ یہ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ ان کا فدیہ بھی چار ہزار درہم سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ہی سے وصول کیا گیا۔

ابوسفیان کا ایک لڑکا عمرو بن ابی سفیان بھی اس جنگ میں گرفتار ہوا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کو گرفتار کیا تھا۔ اس کو بھی فدیہ کے لیے کہا گیا لیکن ابوسفیان نے اس کا فدیہ نہ بھیجا اور جواب دیا کہ دو نقصان ایک ساتھ میرے لیے قابل برداشت نہیں ہیں۔ ایک تو میرا بیٹا حنظلہ بن ابی سفیان جنگ میں مارا گیا دوسرا میں عمرو کا فدیہ ادا کروں، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مسلمان جو چاہیں کریں۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ابوسفیان کی طبیعت میں بخل تھا۔ چنانچہ اس کی بیوی ہند نے بھی مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے ابوسفیان کے اس عیب کی شکایت کی کہ ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے۔ اپنی اولاد پر خرچ نہیں کرتا۔ (بخاری وغیرہ)

اتفاق سے بنو عمرو بن عوف کا ایک شخص سعد بن نعمان عمرہ کی غرض سے مکہ گیا۔ یہ شخص شرک تھا لیکن چونکہ بنو عمرو بن عوف مسلمانوں کا حلیف قبیلہ تھا، اس لیے اس کی حفاظت واعانت کی ذمہ داری مسلمانوں پر تھی۔ چنانچہ ابوسفیان نے سعد بن نعمان کو پکڑ لیا اور سرکار دو عالم ﷺ کو کہلا بھیجا کہ میں سعد بن نعمان کو اس صورت میں رہا کروں گا اگر مسلمان میرے بیٹے عمرو بن ابی سفیان کو رہا کر دیں۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ نے ابوسفیان کے بیٹے کو مکہ بھجوا دیا اور اس کے بدلے میں سعد بن نعمان کو رہائی دلوادی۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲۱۴/۲، ابن ہشام: ۶۵۰/۱)

اسیران جنگ میں آپ ﷺ کے بڑے داماد ابو العاص بن الربیع بھی تھے۔ یہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے یعنی ان کی بہن ہالہ کے بیٹے تھے۔ ایک صاحب حیثیت تاجر اور قریش کے اونچے خاندان سے ان کا تعلق تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ ان کی شرافت ونجابت کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی درخواست پر ہی یہ رشتہ رسول اللہ ﷺ نے منظور فرمایا

Marfat.com

تھا۔ ان کا یہ نکاح بعثت نبویؐ سے پہلے ہوا تھا۔ بعثت کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ان کی تمام بیٹیاں ایمان لائیں لیکن ابوالعاص شرک پر قائم رہے۔ مگر میاں بیوی کے درمیان بہت محبت تھی۔ چنانچہ ابوالعاص کہا کرتے تھے کہ میں زینب رضی اللہ عنہا جیسی شریف عورت کے مقابلے میں دنیا کی کسی عورت کو پسند نہیں کرتا۔

ابوالعاص اگرچہ مالدار تھے لیکن اس موقع پر ان کے پاس فدیہ کی رقم نہیں تھی۔ انھوں نے اپنی اہلیہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو فدیہ بھیجنے کے لیے پیغام بھجوایا۔ انھوں نے مکہ سے اپنے شوہر کی رہائی کے لیے جو فدیہ بھیجا اس میں وہ ہار بھی تھا جو ان کی والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ابوالعاص سے شادی کے وقت انھیں دیا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ کی نظر جونہی اس ہار پر پڑی تو اپنی جانثار بیوی کی یاد تازہ ہوگئی جس نے اپنا سب کچھ اسلام کے لیے قربان کر دیا تھا۔ واقعات کی رفتار نے ایک عجیب رقت انگیز صورت پیدا کر دی تھی۔ وہ حق پرست خاتون جس نے اپنی ساری دولت، محبت اور توانائیاں دعوت دین کی تائید میں صرف کر دی تھیں، آج جب نخل اسلام پروان چڑھا اور اس کی سب سے پہلی فتح ہوئی تو آپ ﷺ کی باوفا، جانثار اور آپ ﷺ کے رنج و غم میں دلداری کرنے والی خاتون کا ہار جو اس نے نہایت محبت و شفقت سے اپنی بیٹی کو دیا تھا، ایک قیدی کے فدیہ میں پیش ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ کی آنکھیں اس ہار کو دیکھ کر آب دیدہ ہوگئیں اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''اگر مناسب سمجھو تو اس ہار کو واپس کر دو اور اس قیدی کو چھوڑ دو۔'' اسی وقت سر تسلیم خم ہوگئے۔ قیدی بھی رہا کر دیا گیا اور ہار بھی واپس ہوگیا۔

پیغمبر اسلام اور رحمت عالم ﷺ اس موقع پر سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی وفاداری، خلوص اور اسلام کے لیے جانثاری کی بنا پر خود اپنی رائے سے بھی یہ ہار واپس کر سکتے تھے اور ابوالعاص کو کسی فدیہ کے بغیر رہائی دلوا سکتے تھے لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا کیونکہ اس معاملے کا تعلق آپ ﷺ کی ذات سے تھا۔ آپ ﷺ کی بیٹی اور داماد کا معاملہ تھا، لہٰذا ضابطہ اور قاعدہ کی پابندی اور آج کل کی اصطلاح میں جمہوری تقاضے کو پیش نظر رکھا۔

آپ ﷺ نے یہ معاملہ مسلمانوں کے سامنے رکھا۔ چنانچہ جیسے ہی انھیں اس رقت انگیز صورت حال کا احساس ہوا تو سب نے خود کہا کہ ماں کی یادگار بیٹی کو واپس کر دی جائے اور

Marfat.com

ابوالعاص کو بلا فدیہ رہا کر دیا جائے۔ حالانکہ آپ ﷺ کو بخوبی علم تھا کہ آپ ﷺ کے ایک اشارۂ ابرو پر مسلمان اپنی جانیں چھڑکنے کو سعادت ابدی سمجھتے ہیں۔

اب تک اگرچہ مسلم و مشرک کا باہمی نکاح حرام نہیں ہوا تھا اس وجہ سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مکہ میں مسلمان ہوتے ہوئے ابوالعاص کے یہاں رہتی تھیں لیکن اب آپ ﷺ نے مناسب یہی سمجھا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مدینہ آ جائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ابوالعاص سے وعدہ لے لیا کہ وہ مکہ پہنچ کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں گے۔ سرور کائنات ﷺ نے غزوۂ بدر سے قریباً ایک ماہ بعد سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ لے آئیں۔ ان کے ساتھ ایک انصاری کو بھیجا۔ یہ حضرات مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ قریش اور مسلمانوں کے مابین نئی نئی جنگ ہوئی تھی۔ مکہ کے قریب ایک جگہ بطن یاجج آپ ﷺ نے بتا دی تھی کہ وہاں پوشیدہ طور پر ٹھہر جائیں اور جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا وہاں پہنچیں تو انھیں لے کر مدینہ طیبہ چلے آئیں۔

ابوالعاص وفائے عہد کا پتلا تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ اس نے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کیا۔ چنانچہ حسب وعدہ اس نے اپنے بھائی کنانہ بن ربیع سے کہا کہ وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اس جگہ پہنچا آئیں جہاں سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کا انصاری ساتھی ان کے منتظر تھے۔

اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ عرب کی معزز خواتین ہودج میں سفر کیا کرتی تھیں۔ معزز خواتین کا یہ ایک امتیازی نشان ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ کنانہ بن ربیع نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ہودج میں نہایت احترام اور اعزاز کے ساتھ سوار کرایا۔ تیر اور ترکش ساتھ لیا۔ دوسرے اونٹ پر خود سوار ہوا اور دوپہر کے وقت مکہ سے روانہ ہوا کیونکہ دوپہر کے وقت زیادہ گرمی ہونے کی وجہ سے عرب لوگ کم سفر کرتے ہیں۔ اس وقت سفر کرنے سے شاید ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ لوگوں کو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے مدینہ جانے کا علم نہ ہو۔

کنانہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو لے کر ابھی ذی طویٰ ہی پہنچے تھے کہ قریش کے کچھ لوگ پیچھے پہنچ گئے اور انھوں نے سیدہ رضی اللہ عنہا کے ہودج کو گھیر لیا۔ قریش کے ایک شخص ہبار بن اسود نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے اونٹ کو نیزہ مارا جس سے اونٹ تڑپا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا زمین پر گر

Marfat.com

گئیں۔ سیدہ چونکہ حاملہ تھیں اس لیے گرنے سے حمل ساقط ہو گیا۔

کنانہ بن ربیع کی توقع کے خلاف یہ سب کچھ ہوا۔ انھوں نے جب ہنگامہ دیکھا تو فوراً ترکش سنبھال کر تیر اندازی شروع کر دی لیکن ہبار بن اسود بچ کر نکل گیا۔ ابو سفیان بھی کچھ آدمیوں کو لے کر موقع پر پہنچ گیا۔ اس نے جب دیکھا کہ کنانہ تیر اندازی کر رہا ہے تو اس نے اشارہ سے کنانہ کو تیر اندازی سے روکا۔ پھر پاس آ کر کنانہ سے کہا: ”برخوردار! ہم نہیں چاہتے کہ زینب رضی اللہ عنہا کو اس کے باپ سے الگ کر دیں، مگر تمھاری یہ حرکت ہمارے لیے ناقابل برداشت ہے۔ اگر تم (سیدہ) زینب رضی اللہ عنہا کو رات کے اندھیرے میں نکال کر لے جاتے تو اور بات تھی لیکن تم نے دن دیہاڑے جو یہ کام کیا یہ اچھا نہیں۔ اس سے لوگ یہی کہیں گے کہ قریش اتنے بزدل اور مرعوب ہو چکے ہیں کہ ان کے سامنے کھلم کھلا عورتیں نکال لی جاتی ہیں اور وہ دم نہیں مار سکتے۔ اس میں ہماری بھی بدنامی ہے اور تمھاری بھی۔ لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ اس وقت تم زینب رضی اللہ عنہا کو واپس لے چلو۔ پھر کسی روز ہم سے بے خبر رات کی تاریکی میں اس کو نکال لے آنا۔

کنانہ ذہین آدمی تھا۔ موقع کی نزاکت کو سمجھ گئے۔ چنانچہ وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو واپس لے آئے۔ پھر چند روز بعد موقع پا کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو کسی اور جگہ پہنچا دیا جہاں سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کا انصاری ساتھی انتظار کر رہے تھے۔ چنانچہ وہ پروگرام کے مطابق سیدہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے۔ اس طرح سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مدینہ پہنچیں۔

ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اب مدینہ میں رہنے لگیں اور ابوالعاص مکہ میں مقیم رہے۔ ابوالعاص چونکہ ایک تاجر آدمی تھے۔ فتح مکہ سے قبل بڑے ساز و سامان کے ساتھ تجارت کے لیے شام روانہ ہوئے۔ چونکہ اہل مکہ کو آپ کی دیانت اور امانت پر اعتماد تھا۔ اس لیے دوسرے لوگوں کا سرمایہ بھی شریک تجارت تھا۔ شام سے واپسی پر مسلمانوں کے ایک دستہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ سارا سامان مسلمانوں نے ضبط کر لیا اور ابوالعاص مشکل سے جان بچا کر مدینہ میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس بھاگ آئے۔ ابوالعاص سخت پریشان تھے کہ مکہ میں جا کر لوگوں کو کیا منہ

Marfat.com

دکھائیں گے۔ ان کی سمجھ میں یہی آیا کہ مدینہ میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس جایا جائے اور اس بارے میں ان کی مدد حاصل کی جائے۔ اسی وجہ سے وہ رات کے اندھیرے میں بھاگ کر مدینہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے پاس آگئے تھے اور ان کے ذریعے ''امان'' کی درخواست کی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی انھیں امان دے دی اور صبح کی نماز کے وقت جیسے ہی جماعت شروع ہوئی، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ''صفۃ النساء'' سے آواز دی: ''لوگو! میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دی ہے۔''

رحمت عالم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر ارشاد فرمایا:

''لوگو! میرے کانوں نے جو آواز سنی ہے کیا تم نے بھی وہ آواز سنی ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے اس کا کوئی علم نہیں، جو اور جس وقت تم نے سنا وہی میں نے سنا، لہٰذا یہ سمجھ لو کہ مسلمانوں کا ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی پناہ دے سکتا ہے۔ اب جبکہ ایک مسلمان خاتون (زینب رضی اللہ عنہا) امان دے چکی ہیں تو اس کو تسلیم کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ہدایت فرمائی کہ بٹی! ابوالعاص کی خاطر مدارت تو پوری طرح کرو لیکن خلوت سے اجتناب کرو کیونکہ تو اب اس کے لیے حلال نہیں۔

ابوالعاص کو اگرچہ جان کی امان تو مل گئی تھی لیکن مال کی پریشانی اب بھی باقی تھی کیونکہ اس مال میں مکہ کے دوسرے لوگ بھی شریک تھے۔ چنانچہ ایک روز آپ ﷺ نے مسلمانوں سے ارشاد فرمایا کہ تم کو ابوالعاص کا تعلق تو ہم سے معلوم ہی ہے، لہٰذا اگر مناسب سمجھو تو اس کا مال بھی اسے واپس کردو۔ آپ ﷺ کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی تسلیم و انقیاد کی گردنیں جھک گئیں اور ابوالعاص کے مال کا ایک ایک دھاگا تک واپس کردیا گیا۔

ابوالعاص وہ سارا مال لے کر مکہ مکرمہ روانہ ہوگئے اور اس مال میں جس جس شخص کا حصہ تھا وہ اس کو واپس کیا۔ جب سب شرکاء کو ان کا مال دے چکے تو فرمایا: ''اے گروہ قریش! کیا کسی شخص کا کچھ مال میرے ذمہ باقی رہ گیا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا نہیں۔ اللہ تجھے جزائے خیر دے۔ ہم نے تجھے وفادار اور شریف پایا۔ ابوالعاص ایک بہادر شریف زادے تھے۔ میدان بدر میں تلواروں کی جھنکار نے ان پر جو اثر نہیں کیا تھا وہ آپ کے حسن سلوک اور

Marfat.com

اخلاق حسنہ نے کر دیا۔ آپ نے اب تمام گروہ قریش کو مخاطب کر کے فرمایا:

''سن لو، میں نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اب تک میں صرف اس وجہ سے مسلمان نہیں ہوا تھا کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ میں نے لوگوں کا مال کھانے کے لیے ایسا کیا ہے۔ اب جب کہ میں نے ہر ایک کی چکتائی کر دی ہے اور اس بار دوش سے سبکدوش ہو گیا ہوں اس لیے اب مسلمان ہوتا ہوں۔''

بعد ازاں آپ مکہ سے مدینہ چلے آئے اور سرکار دو عالم ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو پھر ان کی زوجیت میں دے دیا۔

سہیل بن عمرو سے معاملہ:

قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو بھی تھا۔ یہ قریش میں بڑا زبان آور اور شعلہ بیان خطیب تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ! سہیل بن عمرو کے اگلے دو دانت تڑوا دیجیے اس سے اس کی زبان پلٹ جایا کرے گی اور پھر وہ کسی جگہ خطیب بن کر آپ ﷺ کے خلاف کھڑا نہیں ہو سکے گا۔'' لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ درخواست مسترد کر دی اور فرمایا کہ میں مُثلہ کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں نبی ہوں لیکن مثلہ ایسا فعل ہے کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں خود میرا مثلہ نہ کر دیں۔

مکرز بن حفص نے اس کی رہائی کی کوشش کی مگر زر فدیہ پاس نہیں تھا۔ چنانچہ مکرز نے خود اپنی ضمانت پیش کر دی کہ میرے پاؤں میں تسمہ ڈال دیا جائے اور سہیل کو رہا کر کے مہلت دی جائے کہ وہ زر فدیہ فراہم کر کے لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مکرز کی یہ ضمانت منظور فرمالی اور سہیل بن عمرو کو رہا کر دیا گیا کہ وہ زر فدیہ فراہم کرے۔ (ابن ہشام: ج ۱)

محمد ابن اسحاق نے ایک روایت یہ بھی کی ہے کہ سہیل سیدہ سودہ بنت زمعہ ام المومنین کے عزیز تھے۔ جب اسیران بدر مدینہ لائے گئے اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی نگاہ ان پر پڑی تو بے ساختہ زبان سے نکل گیا:

''تم نے عورتوں کی طرح مشکیں کسوالیں لیکن یہ نہ ہو سکا کہ لڑ کر مر ہی جاتے۔''

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ قریب ہی تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے سودہ رضی اللہ عنہا کے یہ جملے سنے تو فرمایا: ''سودہ! میرے مقابلے پر اشتعال پھیلا رہی ہو؟''

یہ سن کر سیدہ سودہؓ دم بخود ہو گئیں۔ فوراً معذرت کی کہ یا رسولؐ اللہ! یہ جملے بے اختیار زبان سے نکل گئے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ج۱)

اسیران بدر میں ایک نوفل بن حارث بھی تھے۔ جب ان سے فدیہ لانے کے لیے کہا گیا تو اس نے یہ جواب کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نوفل! وہ نیزے کہاں ہیں جو تم جدہ میں چھوڑ آئے ہو۔'' نوفل نے جواب دیا: ''خدا کی قسم! اس بات کا علم میرے سوا کسی اور کو نہیں تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ نوفل وہ نیزے لے آئے اور ان کو اپنے فدیہ میں دیا۔ ان نیزوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔ سرکار دوعالم ﷺ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور نوفل رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم فرما دیا۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی وہ دونوں آپس میں دوست تھے اور تجارت میں شریک تھے۔ اب اسلام کے بعد بھی دونوں کا رشتہ بدستور قائم رہا۔ (زرقانی: ۱/۴۴۳، مستدرک حاکم: ص ۲۴۶)

قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک:

اسلام سے قبل قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا وہ ناگفتنی ہے۔ اسلام کے پیغمبر نے جہاں اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی، وہاں قیدیوں کے بارے میں بھی تاکید فرمائی کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ عربوں کے ہاں جیل خانہ نہیں ہوتا تھا۔ ان کے ہاں جب بھی کوئی قیدی آتا وہ اس کو تسمہ سے باندھ دیا کرتے تھے۔ تسمہ کو عربی میں ''اسر'' کہا جاتا ہے اس وجہ سے قیدی ''اسیر'' کہلاتے تھے۔ چنانچہ جو شخص قید ہو کر آتا اس کو تسمہ سے باندھ دیا جاتا۔ اس کی حفاظت بھی وہی شخص کرتا اور اس کے خورد ونوش کا انتظام بھی اسی کے ذمہ ہوتا۔

غزوۂ بدر سے جو قیدی آئے ان کی تعداد ستر تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیا اور ساتھ ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

(استوصوا بالاساری خیرا) (سیرۃ ابن ہشام: ج۱)

Marfat.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے پیغمبرؐ کے اس فرمان پر اس طرح عمل کیا کہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ خود بھوکے رہتے لیکن ان قیدیوں کو کھلاتے۔ چنانچہ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بھائی قید ہو کر آئے۔ جن انصار کے یہاں وہ قید تھے، وہ بیچارے نہایت تنگدست تھے۔ قیدی کا بیان ہے کہ جب وہ کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے تھے، مجھے یہ دیکھ کر ندامت ہوتی چنانچہ روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا لیکن وہ روٹی مجھ ہی کو واپس کر دیتے۔ (ابن ہشام: ج ۱)

ابوعزہ عمرو الجمحی مشہور شاعر تھا۔ وہ اکثر سرکار دو عالم ﷺ کی ہجو میں شعر کہا کرتا تھا۔ وہ بھی غزوۂ بدر میں قیدی ہو کر آیا۔ جب اس سے فدیہ کا مطالبہ کیا گیا تو کہنے لگا میں تو تہی دست ہوں۔ پانچ لڑکیوں کا خرچہ میرے ذمہ ہے۔ لہٰذا مجھے بغیر فدیہ کے ہی رہا کر دیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس کا عذر قبول فرماتے ہوئے بلا فدیہ رہا کر دیا۔ وہ آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ سے متاثر ہوا۔ مکہ جا کر آپ ﷺ کی تعریف میں اشعار اور قصیدے لکھے، لیکن پھر بدبختی اور شقاوت دامن گیر ہوئی اور جنگ احد کے موقع پر مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز اشعار لکھے۔ جنگ احد میں پھر گرفتار ہوا اور قتل ہوا۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۲۲)

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو قید کی حالت میں مسجد میں رکھا گیا۔ وہ تسمہ جس سے بندھے ہوئے تھے، وہ سخت کسا ہوا تھا۔ اس تکلیف کی وجہ سے رات کو کراہ رہے تھے کہ آپ ﷺ کے گوش مبارک میں ان کے کراہنے کی آواز پہنچ گئی۔ بس پھر کیا تھا پیغمبر ﷺ کی آنکھوں سے نیند جاتی رہی۔ سخت پریشان اور بے چین تھے۔ اس بے چینی کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احساس ہوا تو پتہ چلا کہ بے چینی کی وجہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا کراہنا تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عم محترم کا تسمہ ڈھیلا کر دیا لیکن اس کے ساتھ تمام دوسرے اسیروں کے تسمے بھی ڈھیلے کر دیئے گئے۔

جنگی قیدیوں کے پاس کپڑے نہیں تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں کپڑے دلوائے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا قد بہت لمبا تھا۔ کسی صحابی کا کرتہ ان کے بدن پر ٹھیک نہ آیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول کا قد اتنا ہی تھا جتنا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اس نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا کرتہ دیا، لیکن سرکار دو عالم ﷺ کسی کا احسان رکھنے والے نہیں تھے، ان کی احسان شناسی کا تو یہ عالم تھا کہ مطعم بن عدی کے چند احسانوں کی بنا پر آپ ﷺ نے اسی

Marfat.com

جنگ کے خاتمہ پر میدان بدر میں فرما دیا تھا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان جنگی قیدیوں کے لیے سفارش کرتا تو میں سب کو چھوڑ دیتا۔ اس احسان شناس پیغمبرؐ نے، صحیح بخاری: جلد اص ۴۴۲ کی روایت کے مطابق، عبداللہ بن ابی کے کفن کے لیے جو اپنا کرتہ عنایت فرمایا وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا۔

فتح بدر پر نجاشی کا اظہار مسرت:

غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو فتح مبین عطا فرمائی، اس سے اسلام کی آئندہ تاریخ پر گہرے اثرات پڑے۔ گردونواح کے قبائل کے دلوں پر مسلمانوں کی ایک ہیبت اور دھاک بیٹھ گئی۔ قریش مکہ کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ وہ پریشان تھے کہ یہ ان کے ساتھ ہو کیا گیا ہے، ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ہمارا مسلمانوں سے تین گناہ بڑا لشکر شکست کیسے کھا گیا؟

نجاشی شاہ حبشہ کو جب مسلمانوں کی اس فتح کا علم ہوا تو وہ بہت خوش ہوا اور اس کے ملک میں جو مسلمان مہاجر رہتے تھے اس نے ان کو بلا کر مبارک باد دی۔ چنانچہ امام بیہقی کے حوالے سے حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی حضرات چونکہ مکہ معظّمہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے، وہ ابھی حبشہ میں ہی تھے کہ مدینہ میں بدر کا معرکہ پیش آ گیا۔ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے کہ ایک روز نجاشی نے ہمیں اپنے محل میں بلایا۔ ہم جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ نجاشی پرانے کپڑے پہنے ہوئے مٹی پر بیٹھا ہوا ہے۔ ہمیں نجاشی کی یہ حالت دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور تشویش بھی کہ ماجرا کیا ہے جو ایک بادشاہ وقت پرانے کپڑے پہن کر مٹی پر بیٹھا ہے؟ لیکن نجاشی کے چہرے پر افسوس اور حسرت کے بجائے خوشی اور مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ہم سے کہا کہ میں نے آپ حضرات کو ایک خوشخبری دینے کے لیے بلایا ہے۔ ہم سب کے کان نجاشی کے منہ سے خوشی اور مسرت کی یہ بات سننے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ نجاشی نے کہا کہ ہماری انٹیلی جنس (Intelligence) کا جو عملہ حجاز میں رہتا ہے، انھوں نے سرکاری طور پر ہمیں اطلاع دی ہے کہ مسلمانوں کی قریش مکہ سے جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور قریش کو شکست فاش ہوئی ہے اور قریش کے فلاں فلاں سردار اس جنگ میں مارے گئے اور فلاں فلاں گرفتار ہوئے۔

Marfat.com

نجاشی نے مزید یہ کہا کہ میدان بدر میرا دیکھا ہوا ہے۔ یہاں اراک کے بہت درخت ہیں۔ جب میں بنوضمرہ کے ایک سردار کا غلام تھا تو اس کے اونٹ وادیٔ بدر میں چرایا کرتا تھا۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ ہم نے اس خبر پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ پھر نجاشی سے دریافت کیا کہ آپ نے یہ کیا صورت بنا رکھی ہے کہ آپ میلے کچیلے کپڑے پہن کر مٹی پر تشریف فرما ہیں؟ نجاشی نے جواب دیا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر جو وحی نازل ہوا کرتی تھی، اس میں یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کا یہ فرض ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی انعام میسر آئے تو وہ انتہائی عاجزی اور تواضع کا اظہار کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے نبیِ برحق کو فتح عطا فرمائی، اس لیے میں نے اظہار تشکر کے لیے یہ صورت اختیار کی۔ (البدایہ والنہایہ: ۳۰۷/۳)

شہدائے بدر:

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے، غزوۂ بدر میں چودہ مسلمان شہید ہوئے جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔

(۱) شہدائے بدر میں سب سے پہلے اس کم سن مجاہد کا نام زبان قلم پر آتا ہے جس کا نام عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھا اور جس کو سرکار دو عالم ﷺ بئر ابی عتبہ سے واپس بھیج رہے تھے، لیکن وہ کچھ ایسے مچلے کہ انھیں لشکر کے ساتھ چلنے کی اجازت مل گئی۔ یہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران وعراق کے چھوٹے بھائی تھے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ جب بدر کے لیے لوگ جمع ہوئے تو میں نے اپنے بھائی عمیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ادھر ادھر چھپتا پھر رہا ہے۔ میں نے پوچھا بھائی! کیا ہوا؟ کہا مجھ کو اندیشہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھ کو دیکھ پائیں اور کم سن سمجھ کر واپس نہ کر دیں اور میں آپ ﷺ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ مجھ کو شہادت نصیب فرمائے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بئر ابی عتبہ پر لشکر اسلام کا معائنہ فرمایا تو عمیر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرمایا: ''تم ابھی بچے ہو، لہٰذا واپس گھر چلے جاؤ۔'' عمیر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رونے لگے۔ ان کی یہ گریہ و زاری کام آ گئی۔ آپ ﷺ کو اس کی حالت گریہ پر رحم آ گیا اور ساتھ چلنے کی اجازت مرحمت فرما

Marfat.com

دی۔ بالآخر جنگ میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا اور ابدی سعادت حاصل کی۔

(۲) دوسرے شہید بھی انہی کے نام کے تھے یعنی عمیر بن حمام انصاری رضی اللہ عنہ، ان کے بارے میں صحیح مسلم میں ہے کہ بدر کے دن سرکار مدینہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: ''لوگو! اٹھو اس جنت میں داخل ہونے کے لیے جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے۔'' سیدنا عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسولؐ اللہ! کیا جنت کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''واہ، واہ۔'' آپ ﷺ نے پوچھا: ''عمیر! تمھیں کس شے نے واہ واہ کرنے پر آمادہ کیا؟'' عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی! ''یا رسولؐ اللہ! خدا کی قسم، مجھے یہ الفاظ کہنے پر صرف اس امید نے آمادہ کیا کہ شاید میں بھی اہل جنت میں سے ہو جاؤں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ تو اہل جنت میں سے ہے۔'' بعد ازاں سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ نے کھجوریں نکال کر کھانا شروع کیں، لیکن پھر فوراً ہی پھینک دیں اور یہ کہا کہ ''اگر اس کے کھانے میں مصروف ہو گیا تو پھر زندگی بڑی طویل ہے۔'' اور اتنا صبر نہ ہو سکا کہ کھجوریں کھالیں۔ چنانچہ انھیں پھینک کر جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (زرقانی: ۱/۴۴۲، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۷۷ وغیرہ)

(۳) تیسرے شہید سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الحارث بن مطلب تھے۔ یہ سرکار دو عالم ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے اور شرکائے بدر میں عمر میں سب سے زیادہ تھے۔ غزوۂ بدر میں شبیہ بن ربیعہ کے ہاتھوں پاؤں کٹ گیا۔ مقام صفراء میں پہنچ کر وفات پائی۔ (بعض روایات میں ہے کہ بدر ہی میں وفات پائی) رسول اللہ ﷺ نے وہیں دفن فرمایا۔ وفات کے وقت سر مبارک حضور ﷺ کے زانو پر تھا۔

حافظ ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے رفقاء کے ساتھ مقام صفراء میں نزول فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسولؐ! ہم یہاں جنت کی خوشبو محسوس کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تعجب ہے تمھیں پتہ نہیں یہاں ابو معاویہ (عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ) کی قبر ہے۔ (الاستیعاب، ترجمہ عبیدہ بن الحارث)

(۴) حارث رضی اللہ عنہ بن سراقہ: یہ دونوں باپ بیٹا صحابی بھی ہیں اور دونوں شہید بھی ہیں لیکن

Marfat.com

بیٹا باپ سے پہلے اس سعادت سے سرفراز ہوا۔ بیٹا جنگ بدر میں شہید ہوا اور باپ سراقہ جنگ حنین میں۔ حارث غزوۂ بدر میں بالکل جوان تھے۔ حوض پر پانی پی رہے تھے کہ اچانک مشرکین کا تیر آ کر لگا اور شہید ہو گئے۔ ان کی والدہ ربیع بن نضر رضی اللہ عنہا کو تشویش تھی کہ حارث جب معرکہ میں نہیں مارے گئے تو درجہ شہادت معلوم نہیں میسر آیا یا نہیں؟ لہٰذا آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: ''یا رسولؐ اللہ! آپ ﷺ کو بخوبی علم ہے کہ مجھے حارث رضی اللہ عنہ سے کس قدر محبت تھی۔ پس اگر اس کو جنت نصیب ہوئی ہے تو میں صبر کروں اور اللہ تعالیٰ سے ثواب و اجر کی امید رکھوں اور اگر خدانخواستہ ایسا نہیں ہے تو پھر اس پر روؤں۔ آپ ﷺ نے مشفقانہ بے تکلفی سے فرمایا: ''کیا بیوقوف ہو گئی ہے۔'' کیا جنت صرف ایک ہے؟ جنتیں بہت سی ہیں اور وہ جنت الفردوس میں ہے۔'' (بخاری، غزوۂ بدر: ج ۱)

۵ عاقل بن البکیر رضی اللہ عنہ: یہ سابقین اولین میں سے تھے اور دار ارقم میں حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ اسلام لانے سے قبل ان کا نام غافل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے نام تبدیل کر کے عاقل رکھا۔ (الاصابہ: ۲/۲۴۷) غزوۂ بدر میں شہید ہوئے، اس وقت عمر ۳۴ سال تھی۔

۶ ذوالشمالین بن عمرو رضی اللہ عنہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک صحابی کا نام ذوالیدین رضی اللہ عنہ تھا اور دوسرے کا نام ذوالشمالین رضی اللہ عنہ۔ بعض حضرات دونوں نام ایک ہی شخص کے بتاتے ہیں لیکن جمہور محدثین کے نزدیک یہ دو شخص ہیں۔ ذوالشمالین تو جنگ بدر میں شہید ہوئے جبکہ ذوالیدین کافی عرصہ تک زندہ رہے۔

۷ مہجع بن صالح رضی اللہ عنہ: یہ سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے اور جنگ بدر کے سب سے پہلے شہید تھے۔

۸ صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ: شرکائے بدر میں سے ہیں اور اکثر کے نزدیک شہید بھی غزوۂ بدر میں ہوئے۔

۹ سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ: یہ بھی باپ بیٹا صحابی بھی ہیں اور دونوں شہید بھی ہیں۔ سعد غزوۂ بدر میں شہید ہوئے جبکہ خیثمہ رضی اللہ عنہ نے جنگ احد میں جام شہادت نوش کیا۔ روایات

Marfat.com

میں ہے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ ابو سفیان کے قافلے کے لیے مدینہ سے نکلے تو خیثمہ رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بیٹا! گھر کے حالات کچھ ایسے ہیں کہ ہم میں ایک کا گھر میں بچوں اور عورتوں کی حفاظت کے لیے ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا تم نوجوان ہو۔ تم ایثار کرو اور مجھے حضور ﷺ کے ساتھ جانے دو اور تم گھر میں ٹھہرو۔
سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

”جنت کے سوا اگر کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں ضرور ایثار کرتا، لیکن میں اس سفر میں اپنے شہید ہونے کی پوری پوری امید رکھتا ہوں۔“

باپ بیٹا دونوں بضد تھے۔ آخر دونوں میں قرعہ اندازی ہوئی۔ خوش قسمتی سے قرعہ سعد رضی اللہ عنہ کے نام کا نکلا اور وہ نہایت مسرت کے ساتھ حضور ﷺ کے ساتھ میدان بدر کی طرف روانہ ہوئے اور جنگ بدر میں عمرو بن عبدود کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔

(طبقات ابن سعد: ۳/۴۷)

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بیعت عقبہ ثانیہ میں بھی موجود تھے اور آپ ﷺ نے انھیں بنی عمرو کا نقیب بنایا تھا۔

۱۰ رافع بن معلیٰ رضی اللہ عنہ: یہ غزوۂ بدر میں عکرمہ بن ابی جہل کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

۱۱ مبشر بن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہ۔

۱۲ یزید بن حارث انصاری رضی اللہ عنہ۔

۱۳ عوف بن حارث انصاری رضی اللہ عنہ۔

۱۴ معوذ بن حارث انصاری رضی اللہ عنہ۔

موخر الذکر دونوں عفراء رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے۔ یہ دونوں میدان بدر میں ابو جہل کی تلوار سے شہید ہوئے۔

یہ چودہ حضرات شہدائے بدر ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل حضرات مہاجر تھے۔ باقی حضرات انصار میں سے ہیں:

۱ سیدنا عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ

۲ سیدنا عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

Marfat.com

③ سیدنا ذوالشمالین بن عبد عمرو الخزاعی رضی اللہ عنہ

④ سیدنا صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ

⑤ سیدنا عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ

⑥ سیدنا مجع بن صالح رضی اللہ عنہ

اللہ تعالیٰ نے بدر میں شریک ہونے والے حضرات کا مرتبہ اس قدر بلند فرمایا ہے کہ ”بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف نگاہ فرمائی اور انھیں یہ کہہ دیا کہ تم جو چاہو کرو، جنت تمھارے لیے واجب ہو چکی ہے۔“ (بخاری، باب فضل من شہد ابدر)

اس کے بارے میں ایک اور روایت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مسند احمد میں منقول ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لن یدخل النار احد شهد بدرا))

”جو شخص بدر میں حاضر ہوا وہ کبھی بھی جہنم میں نہ جائے گا۔“ (فتح الباری: ۲۳۷/۷)

اس بارے میں ایک اور روایت بخاری ہی میں ہے کہ سیدنا رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جبرائیل امین علیہ السلام حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ سوال کیا کہ ”اہل بدر کو آپ ﷺ کیا سمجھتے ہیں؟“ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”سب سے افضل اور بہتر سمجھتے ہیں۔“ جبرائیل امین علیہ السلام نے کہا: ”اسی طرح وہ فرشتے جو بدر میں حاضر ہوئے سب فرشتوں سے افضل ہیں۔“ (بخاری، باب شہود الملائکہ بدر)

جب بدر میں حاضر ہونے والوں کی فضیلت اور منقبت یہ ہے تو ان لوگوں کی فضیلت کیا ہوگی جنھوں نے جنگ بدر میں اپنی جانیں جان آفرین کے سپرد کیں؟ اس سے ان شہداء کے مناقب کا اندازہ فرمالیں۔ اس بارے میں ایک بات اور ذہن نشین فرمالیں کہ علمائے حدیث کا عقیدہ ہے کہ اصحاب بدر کے اسمائے گرامی باعث برکت ہیں۔ جب ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور جو دعا مانگی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے۔ امام دوانی فرماتے ہیں کہ اس کا تجربہ بارہا ہو چکا ہے۔

ذکر الامام الدوانی انه سمع من مشائخ الحدیث ان الدعاء عند ذکرهم مستجاب وقد جرب ذالك۔ (سیرۃ حلبیہ: ۱۶۳/۲، زرقانی: ۴۰۹/۱)

Marfat.com

عمیر بن وہب جمحی کا قبول اسلام:

عمیر بن وہب جمحی اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا۔ مکہ کے زمانہ میں وہ سرکار دو عالم ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو بہت پریشان کیا کرتا تھا۔ غزوۂ بدر کے قیدیوں میں ایک اس کا بیٹا وہب بن عمیر بھی تھا۔

ایک روز یہ عمیر اور صفوان ابن امیہ حطیم میں بیٹھ کر معرکۂ بدر کی باتیں کر رہے تھے۔ ان دو کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ لہٰذا بڑی راز و نیاز کی باتیں ہو رہی تھیں۔ صفوان بن امیہ نے کہا: ''خدا کی قسم! اب جینے کا کوئی مزہ نہیں کیونکہ زندگی بے لطف ہوگئی ہے۔'' عمیر نے کہا: ''صفوان، تم ٹھیک کہتے ہو۔ اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بچوں کی فکر نہ ہوتی تو میں مدینہ جا کر محمد (ﷺ) کو قتل کر آتا۔ میرا بیٹا بھی وہاں قید ہے۔'' صفوان عمیر کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوا اور بولا: ''تم قرض اور بچوں کی فکر نہ کرو۔ اس کا میں ذمے دار ہوں۔'' یہ سن کر عمیر نے کہا کہ ''اچھا میں جاتا ہوں، لیکن ان باتوں کا ذکر آپ کسی سے نہ کریں۔'' صفوان نے کہا: ''یہ راز میرے اور تمھارے درمیان ہی رہے گا۔''

عمیر اسی وقت گھر آیا۔ تلوار صیقل کرائی اس کو زہر میں بجھایا اور مدینہ کی راہ لی۔ عمیر مدینہ طیبہ پہنچا تو جیسے ہی اس نے مسجد نبویؐ کے دروازہ کے سامنے اونٹنی بٹھائی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ کسی ناپاک ارادے سے آیا ہے۔ یہ تلوار لگائے ہوئے تھا۔ انھوں نے تلوار پر قبضہ کیا اور تلوار کے پرتلہ کو جو اس کی گردن میں تھا کھینچتے ہوئے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے دیکھا عمیر بن وہب کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گریبان سے پکڑے ہوئے اس طرف کھینچتے ہوئے لا رہے ہیں۔ اتنے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمیر کو حضور ﷺ کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمر رضی اللہ عنہ! اسے چھوڑ دو۔'' پھر عمیر سے فرمایا: میرے قریب آؤ۔

سرکار دو عالم ﷺ نے عمیر کو پاس بٹھا کر پوچھا: ''کیسے آئے ہو؟'' عمیر نے کہا: ''میرا لڑکا آپ ﷺ کے پاس قید ہے اسے چھڑانے کے لیے آیا ہوں۔'' فرمایا: ''یہ تلوار

Marfat.com

کیوں حمائل ہے؟'' عرض کی: ''تلوار لے تو آیا ہوں لیکن یہ تلوار کس کام کی ہے۔ بدر میں اس نے کیا کام کیا؟'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''باتیں نہ بناؤ۔ سچ سچ بتاؤ۔ کیا تم نے اور صفوان بن امیہ نے حطیم میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی؟ کیا تم صفوان سے یہ عہد کر کے نہیں آئے؟ کیا تم اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نہیں آئے؟ کیا تم نے میرے قتل کا ذمہ اس شرط پر نہیں لیا تھا کہ صفوان تیرے قرض کی ادائیگی کا ذمہ لے اور تیرے بال بچوں کی خبر گیری کرے۔''

عمیر لسان نبوت سے یہ بات سن کر سناٹے میں آ گیا اور بے اختیار ہو کر بولا: ''محمد (ﷺ) بے شک آپ ٹھیک کہتے ہیں اور میں اس بات پر گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ خدا کی قسم صفوان اور میرے درمیان اس بارے میں جو بات ہوئی تھی اس کا کسی کو علم نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دی، لہٰذا میں اللہ اور اس کے رسول ؐ پر ایمان لایا اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری آنکھیں کھول دیں۔''

''الحمدلله الذی هدانی للاسلام وساقنی هذا المساق ثم تشهد۔''

عمیر رضی اللہ عنہ جب حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''اپنے بھائی عمیر کو اپنے پاس رکھو، اسے دین کی باتیں بتاؤ اور قرآن حکیم کی تعلیم دو اور اس کا قیدی چھوڑ دو۔'' چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی وقت اس کے بیٹے وہب کو رہا کر دیا۔

عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ! میں نے اللہ کے نور کو بجھانے کی بہت کوشش کی اور ان لوگوں کو طرح طرح سے اذیتیں دیں جنھوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کیا۔ اب مجھے اجازت فرمائیں کہ میں مکہ واپس جا کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اسلام کی دعوت دوں۔ شاید اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت نصیب فرمائے۔'' آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی۔

عمیر جب مکہ سے مدینہ روانہ ہوا تھا تو صفوان بن امیہ لوگوں سے کہتا پھرتا تھا کہ عنقریب میں تم لوگوں کو ایک ایسی خوشخبری سناؤں گا جو تمھیں بدر کا صدمہ بھلا دے گی اور ہر آنے جانے والے سے وہ عمیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا لیکن چند ہی روز کے بعد اسے خبر ملی کہ عمیر رضی اللہ عنہ تو حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہے۔ یہ خبر صفوان پر بجلی بن کر گری۔ وہ غصے میں آپے سے

Marfat.com

باہر ہوگیا اور قسم کھالی کہ عمیر رضی اللہ عنہ سے نہ تو کبھی بات کروں گا اور نہ اسے کوئی فائدہ پہنچاؤں گا۔

عمیر رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہو کر بہادرانہ انداز میں مکہ میں داخل ہوئے۔ یہاں کا ہر فرد مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا کیونکہ غزوۂ بدر کی شکست فاش کے زخم ابھی تازہ تھے، لیکن عمیر رضی اللہ عنہ کے دل کی دنیا تبدیل ہوچکی تھی۔ ان کو پہلے اسلام کے دوستوں سے جس شدت کے ساتھ دشمنی تھی اب اسی شدت کے ساتھ اسلام کے دشمنوں سے عداوت ہوگئی۔ مکہ پہنچ کر انھوں نے اسلام کی دعوت کا آغاز کر دیا اور کافی لوگوں کو اسلام کی روشنی سے منور کیا اور جو لوگ اسلام کے دشمن تھے اب ان کو اسی طرح ستایا جیسے پہلے وہ اسلام کے ماننے والوں کو ستایا کرتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ: ۳/۳۱۴)

یہ تھی غزوۂ بدر کی مختصر روئیداد جس نے اسلام کی دعوت کے رخ کو بدل کر رکھ دیا۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم نے اس کو ''یوم الفرقان'' یعنی حق اور باطل میں فرق اور امتیاز کا دن قرار دیا۔ بلکہ یہ مہینہ ہی فرقان کا تھا یعنی رمضان المبارک کا مہینہ جس میں حق تعالیٰ شانہ نے قرآن حکیم کو نازل فرما کر حق اور باطل، ہدایت اور ضلالت اور صادق اور کاذب کا فرق واضح فرما دیا۔

اس وجہ سے غزوۂ بدر اسلام کی ترقی کا اولین قدم تھا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار جو اسلام کی ترقی کی راہ میں ایک آہنی دیوار تھے، قتل ہو گئے۔ لہٰذا غزوۂ بدر کے بعد اسلام کی ترقی کی راہیں کھل گئیں اور مسلمانوں میں ہمت و جرأت کے جذبات پیدا ہو گئے۔

ایک یہودی عورت کا قتل:

ایک یہودی عورت سرکار دو عالم ﷺ کی شان اقدس میں ہجویہ اشعار کہا کرتی تھی اور طرح طرح کی اذیتیں بھی دیتی تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ ابھی بدر سے واپس تشریف نہیں لائے تھے کہ اس نے پھر آپ ﷺ کی شان میں کچھ گستاخانہ اشعار کہے۔ سیدنا عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ نے جب یہ اشعار سنے تو انھیں سخت غصہ آ گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ منت مان لی کہ اگر حضور ﷺ سے صحیح و سالم واپس تشریف لائے تو میں اس عورت کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ بدر سے فتح مبین کے ساتھ صحیح و سالم واپس لوٹے تو سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ اپنی منت پوری کرنے کے لیے رات کے وقت اس یہودی عورت کے گھر میں

Marfat.com

داخل ہوئے۔ وہ گھر میں اپنے بچوں کے ساتھ سو رہی تھی۔ سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ نابینا تھے۔ اس لیے انھوں نے اس یہودی عورت کو جس کا نام عصماء تھا ہاتھ سے ٹٹولا، بچوں کو ادھر ادھر ہٹایا اور پھر تلوار کی نوک سینے پر رکھ کر اس زور سے دبائی کہ وہ پار ہو گئی۔ وہ تڑپی لیکن چند ہی لمحوں کے بعد ٹھنڈی ہو گئی۔ یہاں سے فارغ ہو کر صبح کی نماز مسجد نبوی میں سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ ادا فرمائی اور حضور ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور عرض کی کہ اس بارے میں مجھ سے کوئی مواخذہ تو نہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس بارے میں دو بھیڑیں بھی سر نہ ٹکرائیں گی۔'' مطلب اس جملہ سے آپ ﷺ کا یہ تھا کہ یہ کوئی اختلافی یا نزاعی بات نہیں ہے۔ انسان تو درکنار بھیڑ بکریاں بھی اس بارے میں کوئی اختلاف نہ کریں گی۔

رسول اللہ ﷺ عمیر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے نہایت خوش ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اگر تم کسی ایسے شخص کو دیکھنا چاہتے ہو جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی غائبانہ مدد کی ہو تو عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لو۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس اعمیٰ (نابینا) کو دیکھو کہ کس طرح مخفی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے روانہ ہوا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جب یہ الفاظ سنے تو فرمایا اس کو اعمیٰ (نابینا) نہ کہو۔ یہ تو بصیر (بینا) ہے۔ یہ واقعہ ۲۵/رمضان سنہ ۲ھ کو ہوا اور جس عورت کو انہوں نے قتل کیا اس کا نام عصماء بنت مروان تھا اور اس کو قتل کرنے والے صحابی عمیر بن عدی اپنی قوم کے امام اور قاری تھے اور اسی روز سے حضور ﷺ نے ان کا نام ''بصیر'' رکھ دیا۔

(ملاحظہ ہو عیون الاثر: ۱/۲۴۱، طبقات ابن سعد: ۲/۲۷۔۲۸، زرقانی: ۱/۴۵۳)

غزوۂ بنی سلیم:

اس غزوہ کو غزوہ بنی سلیم اور غزوہ قرقرۃ الکدر بھی کہتے ہیں۔ غزوۂ بدر سے واپسی کے بعد مدینہ کے شعبہ اطلاعات نے جو خبر دی وہ یہ تھی کہ قبیلہ غطفان کی شاخ بنو سلیم کے لوگ مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لیے فوج اکٹھی کر رہے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے حملے سے پہلے خود دو سو مجاہدین کے ساتھ ان کے علاقے پر حملہ کر دیا اور مقام کدر میں ان کی منازل تک چلے گئے۔ بنو سلیم پہلے ہی سے آپ ﷺ کے حملہ کی اطلاع پر منتشر ہو چکے تھے، لہٰذا کوئی

Marfat.com

شخص آپ ﷺ کے ہاتھ نہ لگا۔ آپ ﷺ کدر میں تین روز قیام فرما کر بغیر جنگ وقتال کے واپس آ گئے۔

بعض روایات میں ہے کہ یہاں سے آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو بنو سلیم کے تعاقب میں بھیجا۔ بنو سلیم پر ان لوگوں نے اچانک دھاوا بول دیا اور وہ افراتفری کے عالم میں پانچ سو اونٹ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے ان پر قبضہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا خمس نکال کر بقیہ اونٹ مجاہدین میں تقسیم کر دیئے۔ ہر مجاہد کے حصے میں دو دو اونٹ آئے۔

یہ غزوہ شوال کے اوائل میں بدر سے واپسی کے صرف سات روز بعد پیش آیا۔ مدینہ سے اپنی غیر موجودگی کے دوران سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو اور ایک روایت کے مطابق سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کا منتظم مقرر فرمایا۔

(عیون الاثر: ۱/۲۴۷، ابن ہشام: ۲/۴۳۔۴۴، زرقانی: ۱/۴۵۴)

غزوۂ بدر کے بعد:

غزوۂ بدر میں باہر کا ایک محاذ تو فتح ہو گیا، لیکن مدینہ کے اندر ایک بہت بڑا محاذ یہود کا تھا جو کئی لحاظ سے بیرونی محاذ سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔ ان کے پاس مادی اقتدار، دولت و ثروت، وسائل و ذرائع کی فراوانی سب کچھ موجود تھا۔ اگرچہ ان لوگوں میں ہزاروں انبیاء پیدا ہوئے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی ان نوازشوں کی قدر کرنے سے یہاں تک اکتا گئے کہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبیوں کو جو انہی میں سے ہوتے تھے، قتل کرنے لگے۔ پھر ایک موقع ایسا بھی آیا کہ بڑے فخر سے یہ دعویٰ کرنے لگے:

انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ۔

"بے شک ہم نے قتل کیا ہے مسیح کو، وہی مسیح جو عیسیٰ ابن مریم تھے اور جو اللہ کے رسول تھے۔"

اگرچہ یہود کا یہ دعویٰ سراسر غلط تھا اور قرآن حکیم نے ان کے اس دعویٰ کی بڑے شدومد سے تردید بھی کی کہ ان کو اس بارے میں دھوکا لگا ہے۔ یہ سیدنا مسیح علیہ السلام کو قتل نہیں کر سکے لیکن ان لوگوں نے اپنے جرم کا اظہار بڑی جرأت و جسارت سے کیا۔ پھر اظہار جرم میں صرف ایک نام نہیں لیا بلکہ "مسیح ابن مریم" دونوں نام لیے تاکہ سننے والا ان کی سینہ زوری سے

Marfat.com

مرعوب اور متاثر ہو جائے۔ (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب عقیدہ اہل الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام) کورباطنی کی یہ بحرانی کیفیت اسی وجہ سے پیدا ہوئی کہ انھوں نے اللہ کی کتاب تورات کو نہیں بلکہ اپنی اختراعات کو اپنا دین و مذہب سمجھ لیا تھا اور ان کی گردنیں خالق کائنات کی عظمت کے حضور نہیں بلکہ اپنے باطل تصورات کے سامنے جھکتی تھیں۔ ان کے عقائد ونظریات کی خرابیوں کو ایک ایک کر کے قرآن حکیم نے بیان کیا ہے۔

ان عقائد ونظریات کے ساتھ اخلاق و اعمال کی حالت بھی ان کی کچھ ایسی ہی تھی کیونکہ اگر عقائد ونظریات درست نہ ہوں تو ان پر اخلاق و اعمال کی جو عمارت استوار ہوگی وہ بھی کسی صورت درست اور صحیح نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ حرص، خود غرضی، طمع، نفع اندوزی بخل اور سود جیسی بری خصلتیں ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھیں۔ آج بھی یہ خصائل بد دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ اس قوم کے اندر پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے ''یہودی'' ان بری اور خبیث خصلتوں کی تصویر اور مثال بن چکے ہیں۔ وہ اِتنے بدقسمت تھے کہ آفتاب ہدایت کے بالکل سامنے بیٹھ کر بھی نور آفتاب کو نہ دیکھ سکے۔

طمع وحرص کی انتہا یہ تھی کہ وہ چار روپے کے زیور کے لیے معصوم بچوں کا سر کچلنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ (بخاری: ۱/۳۲۵، ترمذی، باب فیما جاء فیمن رضخ)

دولت کے یہ شائیلاک (Shylock) بڑی بے رحمی سے سود کی بڑی شرحیں مقرر کرتے تھے اور قرضے کی کفالت میں بال بچے یہاں تک کہ مستورات کو بھی رہن رکھواتے تھے اور باطل اور ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے تھے۔

مدینہ کے یہودی آنے والے پیغمبر اور رسول کی پیشگوئی کیا کرتے تھے۔ اس کے اوصاف اور علامات لوگوں کو بتایا کرتے تھے لیکن یہ کس قدر عجیب شے ہے کہ اوس وخزرج منزل پر جا پہنچے اور جن لوگوں کے اشاروں سے ان جاہل ومشرک لوگوں نے راستہ کے نشانات معلوم کیے تھے، وہ خود راہ یابی سے محروم رہ گئے۔ ان دونوں قبائل نے ایک داعیِ حق کی آواز سنی، اس پر کان لگائے اور ان باتوں میں سچائی پائی، قریب پہنچے تو یہودیوں کی بتائی ہوئی باتوں سے مطابقت پائی۔ طلب صادق کا جذبہ ابھرا، توفیق خداوندی نے دستگیری کی تو ایمان واذعان کی روشنی پا کر ''السابقون الاولون'' میں داخل ہو گئے۔

Marfat.com

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہودیوں کے تین مشہور قبیلے مدینہ کے قریب دو دو تین تین میل کے فاصلے پر آباد تھے۔ بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ۔ ہر ایک آبادی کا ایک قلعہ تھا۔ اس میں ان کے محل اور تجارتی کوٹھیاں اور بنگلے تھے۔ باہر ان کے باغات تھے۔ گویا ایک عیش و عشرت کی زندگی وہ تینوں قبائل بسر کر رہے تھے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے بعد مدینہ کے تمام قبائل سے ایک معاہدہ کیا جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے:

''ہر قبیلہ کا جو نظام آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے تھا وہ بدستور قائم رکھا گیا تھا۔ باہمی معاملات و مقدمات طے کرنے کے لیے ان کی پنچایتیں وغیرہ جو قائم تھیں، ان کو بھی بدستور قائم رکھا گیا تھا۔ تعلیم گاہیں اور عبادت گاہیں بھی بدستور قائم رکھی گئیں اور خود ان کی رضامندی سے یہ حق تسلیم کیا گیا کہ اپنے معاملات کی آخری اپیل سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے پیش کر سکیں گے۔''

ان عمومی رعایتوں کے علاوہ چند اور رعایتیں صرف اس خاص گروہ کے ساتھ مخصوص تھیں، لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ اس گروہ نے ان مراعات کی کوئی قدر نہ کی اور نبی اکرم ﷺ کی بھی کوئی قدر نہ کی اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بارے میں بالکل تہی دست رہے۔ حالانکہ اگر وہ حضور ﷺ پر ایمان لے آتے اور اسلام سے مشرف ہوتے تو ان کو دوگنا اجر و ثواب ملتا۔ (بخاری: ۱/۲۰)

مسلمانوں کو یہ بھی تاکید تھی کہ مشرک اور اہل کتاب جو کچھ بھی کہیں ان کے جملوں اور فقروں سے تمھیں خواہ کتنی ہی تکلیف کیوں نہ پہنچے، تمھارا فرض ہے کہ تم ضبط و تحمل سے کام لو اور ان کی ہر بات پر صبر کرو۔ اس فیاضانہ اور رحیمانہ سلوک، غیر معمولی شفقت اور ملاطفت کی مثال نہ تو اس زمانہ میں ملتی تھی اور نہ آج ملتی ہے۔ یہ ان لوگوں کی اسلام کی طرف سے ناز برداری تھی اور ان ناز برداریوں کے جواب میں مطالبہ صرف یہ تھا کہ:

''مکہ کے وہ مشرک جنھوں نے مسلمانوں کو ظلم و ستم سے اپنے وطن عزیز سے نکلنے پر مجبور کیا ہے اور جو مسلمانوں کی بیخ کنی کے درپے ہیں (جن سے یہود کا کوئی مذہبی رشتہ ہے اور نہ وطنی و نسلی) وہ اگر حملہ آور ہوں تو معاہدے کے دوسرے شرکاء کی

Marfat.com

طرح یہود کا بھی فرض ہوگا کہ مسلمانوں کی مدد کریں اور حملہ آوروں کی کسی قسم کی کوئی مدد نہ کریں۔"

لیکن یہود نے اس فیاضانہ، مشفقانہ سلوک اور غیر معمولی رواداری اور ناز برداری کا جواب نہایت غلط دیا۔ وہ حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھ کر گستاخانہ حرکتیں کرتے، فقرے بازی کرتے اور تمسخر اڑاتے، مسلمانوں میں تشتت وانتشار پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ ایک موقع پر اوس اور خزرج کے حضرات کا اجتماع تھا۔ یہودیوں کا ایک سردار شماس بن قیس وہاں سے گزرا اور وہ ان دونوں قبیلوں کے لوگوں کو اکٹھا بیٹھا دیکھ کر جل اٹھا۔ اس نے وہاں کچھ آدمیوں کو بھیج دیا کہ وہ جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دیں۔ یہ ایک چال تھی جو ان دونوں قبائل میں تفرقہ ڈالنے کے لیے کی گئی تھی۔ چنانچہ شماس کے آدمیوں نے اس مجلس میں پہنچ کر اس لڑائی کا ذکر اس طریقے سے چھیڑا کہ دونوں قبائل کے آدمی مشتعل ہو گئے اور دونوں فریق جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ حضور ﷺ کو خبر ملی تو آپ ﷺ نے فوراً موقع پر پہنچ کر دونوں فریقوں کو ٹھنڈا کیا اور فرمایا: "میں زندہ موجود ہوں اور تم میری موجودگی میں لڑنے لگے۔" آپ ﷺ کے اس ایک فقرے نے انصار کے مبارک قلوب میں رقت اور دل گیری پیدا کر دی۔ اب دونوں فریقوں کی زبان پر توبہ و استغفار کے جملے تھے، آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور گلے مل کر اس تلخی کو مٹا رہے تھے۔ (تفسیر مظہری: ۱/۱۲۶)

یہود کے اخلاق و اعمال میں ایک خرابی کتمان حق کی پیدا ہو گئی تھی۔ دولت کی کثرت اپنے ساتھ تمام خرابیاں لاتی ہے۔ دولت کا ایک خاصہ زنا بھی ہے۔ زنا کی سزا تورات میں سنگ ساری تھی، لیکن یہود کے علماء نے اپنی طماعی کے عوض شریعت کو فروخت کر دیا تھا۔ چنانچہ ان کے ہاں اگر کوئی غریب زنا کرتا تو اس پر سنگ ساری کی سزا لاگو ہوتی، لیکن امراء میں سے اگر کوئی اس گھناؤنے جرم کا مرتکب ہوتا تو اس کے لیے کوئی نہ کوئی حیلہ اختیار کر کے اس کو اس سزا سے بچا لیا جاتا تھا۔ خود سرکار دو عالم ﷺ کے زمانے میں ایک مقدمہ چلا۔ ایک بڑے دولت مند شخص پر زنا کا الزام تھا۔ اس نے اپنی دولت خرچ کر کے سنگساری سے خلاصی حاصل کر لی۔ مدعی کا اصرار تھا کہ تورات کے مطابق سزا دی جائے۔ چنانچہ اس نے سرکار دو عالم ﷺ کے ہاں اپیل کر دی۔ یہود کی طرف سے اس کے بہت بڑے عالم ابن صوریا کو بلایا گیا۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تورات کا زنا کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ابن صوریا نے کتمانِ حق کرتے ہوئے بتایا کہ تورات کا حکم یہ ہے کہ مجرم کا منہ کالا کر کے اس کو شہر بھر میں پھرایا جائے اور اس کو درے لگائے جائیں۔ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو یہود کے بہت بڑے عالم تھے اور اب مسلمان ہو چکے تھے وہ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ انھوں نے فوراً جواب دیا: ''یا رسولؐ اللہ! ابن صوریا غلط کہتا ہے۔ تورات میں زانی کا حکم صراحت کے ساتھ سنگسار کرنا ہے۔'' ابن صوریا حجت کرنے لگا تو تورات منگوائی گئی لیکن جب تورات کھولی گئی تو ابن صوریا نے زنا کے حکم کی آیت پر ہاتھ رکھ لیا اور آگے پیچھے کی آیات پڑھنا شروع کر دیں۔ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاتھ ہٹاؤ اور یہ آیت پڑھو جس میں سنگساری کا حکم ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سنگساری کے فیصلے ہی کو نافذ فرمایا۔ اس پر یہود کے علماء اور بدنیت طبقہ برافروختہ ہو گیا۔ (بخاری: ۵۱۳/۱، ۶۵۴/۲، ۱۰۱۱، ابوداؤد وغیرہ)

اسی قسم کی اور کئی قباحتیں یہود میں پیدا ہو چکی تھیں لیکن ان لوگوں میں ایک نہایت مختصر سی جماعت وہ بھی تھی جس نے دین حق کو دنیا پر ترجیح دی تھی۔ چنانچہ جیسے ہی سرکار دو عالم ﷺ مدینہ تشریف لائے یہ جماعت فوری طور پر حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔

یہود کی یہ تمام سرکشیاں، گستاخیاں اور غیر معمولی مراعات کے جواب میں غیر معمولی دیدہ دلیری، سینہ زوری اور ایذا رسانی دعوت اسلام کی راہ میں بہت سی مشکلات پیدا کر رہی تھی مگر نہ ان کو عہد شکنی قرار دیا گیا اور نہ ان کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کی گئی لیکن غزوۂ بدر کے بعد اس سرکشی اور تمرد میں بغاوت اور عہد شکنی کا رنگ پیدا ہو گیا۔ عہد شکنی کے جواب میں خاموشی اور چشم پوشی نہ صرف سیاسی جرم ہے بلکہ اخلاقی نقطۂ نگاہ سے بھی ایک جرم عظیم ہے۔ کیونکہ مجرم کو جرم کی سزا نہ دینا خود جرم ہے۔ عہد شکنی ایک فساد ہے اور فساد جہاں بھی پیدا ہو اس کو روکنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ البتہ عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ سزا صرف مفسد کو دی جائے غیر مفسد کو سزا نہ دی جائے کیونکہ غیر مفسد کو سزا دینا وحشت و بربریت کہلاتا ہے۔

پہلی مرتبہ یہود کے ایک قبیلہ بنو قینقاع نے عہد شکنی کی۔ آپ ﷺ نے اس کی سزا بھی اسی قبیلہ تک محدود رکھی۔ یہود کے دوسرے قبائل اس سزا سے محفوظ و مصئون رہے۔ بنو قینقاع کا قبیلہ تمام دوسرے یہودی قبائل کے مقابلے میں زیادہ بدمعاش قبیلہ تھا۔ یہ مدینہ

Marfat.com

کے اندر رہتے تھے۔ پیشہ کے لحاظ سے سنار، لوہار اور برتن ساز تھے۔ اسلحہ وافر مقدار میں تھا اور سات سو جنگجو جوان ان کے پاس تھے۔

غزوۂ بنی قینقاع:

جب سے سرکار دو عالم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تھے اس وقت سے قریش کی یہ پالیسی تھی کہ کوئی ایسی صورت پیدا کی جائے کہ خود مدینہ طیبہ کے لوگ محمد ﷺ کو شہید کر دیں یا مدینہ سے باہر نکال دیں۔ چنانچہ انھوں نے شروع میں ایک خط عبداللہ بن ابی کو لکھا جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے لیکن عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے لیے یہ دونوں کام بہت مشکل تھے کیونکہ مدینہ کی اکثر آبادی آپ ﷺ کی ہمنوا بن چکی تھی۔ غزوۂ بدر کے بعد قریش نے اپنی پہلی پلاننگ کو پھر زندہ کیا۔ پہلے انھوں نے خط عبداللہ ابن ابی کو لکھا تھا لیکن اس دفعہ انھوں نے یہودی سرداروں کو تہدید آمیز خط لکھا کہ:

"آپ لوگ اسلحہ اور قلعوں کے مالک ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ آپ لوگ ہمارے حریف (رسول اللہ ﷺ) سے برسرپیکار ہوں ورنہ ہم تمھارے ساتھ جو کچھ کر سکیں گے کریں گے۔ اور کوئی شے ایسی نہ ہوگی جو ہمارے اور تمھاری عورتوں کے پاؤں کے زیور میں حائل ہو سکے۔ یعنی ان کی ٹانگیں کھینچیں گے اور آبروریزی کریں گے۔" (فتح الباری: ۷/۲۶۴، ابوداؤد، باب فی خبر النضیر)

یہ توہین آمیز خط جب یہود کو ملا تو چاہیے تو یہ تھا کہ وہ معاہدہ کے مطابق سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ اپنا رابطہ مضبوط کرتے یا پھر قریش کو اسی طرح توہین آمیز جواب دیتے اور انھیں غزوۂ بدر میں ان کا حشر یاد کرواتے مگر وہ لوگ تو صرف دولت کے پجاری تھے۔ نہ ان میں غیرت تھی اور نہ سیاست کی سمجھ بوجھ۔ وہ اس خط کو پڑھ کر ہوائی قلعے بنانے لگے کہ قریش مکہ نے انھیں مخاطب کر کے خط لکھا ہے۔ گویا یثرب کی سیاست کا نقشہ ان کے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ اور یہ کہ وہ قریش کی مدد سے مسلمانوں کو ختم کریں اور حجاز کے تنہا حکمران بن جائیں، لیکن یہ ان کی خام خیالی تھی۔ پھر بدقسمتی یہ تھی کہ وہ سرمایہ دار ہوتے ہوئے اپنے آپ کو بہادر بھی خیال کرنے لگے تھے۔ حالانکہ سرمایہ دار کبھی بہادر نہیں ہوتا۔ یہ دونوں باتیں آپس میں متضاد ہیں۔

Marfat.com

قریش کا یہ خط ان کی نظر میں تائید غیبی تھا۔ چنانچہ انھوں نے خط کے تلخ لہجے کو بھی عسلِ مصفی سمجھا اور ان کی آواز پر لبیک کہنے پر آمادہ ہو گئے۔ لکھا ہے کہ ''انھوں نے قریش کے ساتھ سازباز شروع کر دی اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف انھیں جنگ پر آمادہ کیا اور پوشیدہ راز اُن کو بتائے۔'' (فتح الباری: ۲۶۵/۷)

اس بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد کعب بن الاشرف یہودی مکہ گیا اور قریش سے مقتولین بدر کی تعزیت کی۔ ان سے اظہار ہمدردی کیا۔ ان کے غم میں مرثیے لکھے اور لوگوں کو جمع کر کے مرثیے پڑھتا۔ خود بھی روتا اور ان کو بھی رلاتا بلکہ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اپنے ساتھ یہود کے ۷۰ نمائندے بھی لے گیا اور وہاں قریش اور یہود میں یکجہتی پیدا کرنے کے لیے اپنے آدمیوں کو سمجھاتا۔

''مسلمانوں کی بہ نسبت ان مشرکین مکہ کا راستہ زیادہ سیدھا ہے اور یہ لوگ زیادہ ہدایت یافتہ اور راہ راست پر ہیں۔'' (سیرۃ حلبیہ: ۱۷۷/۳)

کعبہ کا احترام اس کے عقیدہ کے بالکل خلاف تھا لیکن قریش کے ساتھ اپنی ہمدردی جتانے کے لیے ان کے ساتھ کھڑے ہو کر اس نے بیت اللہ کا غلاف تھاما اور عہد کیا کہ مسلمانوں سے بدر کا انتقام لیں گے۔ (فتح الباری: ۲۷۰/۷)

مدینہ کے منافقین کو بھی اس نے اکسایا ہوا تھا اور در پردہ وہ بھی اس کی امداد کے لیے پر تولے ہوئے تھے۔ چنانچہ یہود اور منافقین کی سازباز سے مدینہ کی سیاسی فضا بڑی مکدّر ہو چکی تھی اور اب حالات ایسے ہو گئے تھے کہ خود سرکار دو عالم ﷺ کو بھی اپنی جان کا خطرہ رہنے لگا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی سیکورٹی کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کا خاص خیال رکھنے لگے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کے ایک جانثار سیدنا طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو وصیت فرمائی کہ اگر رات کو میری روح قبض ہو تو خود ہی نماز پڑھ کر دفن کر دینا۔ سرکار دو عالم ﷺ کو خبر نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ تشریف لائیں اور یہود کی طرف سے کوئی حادثہ آپ ﷺ پر رونما ہو جائے۔ چنانچہ وہ رات ہی کو انتقال فرما گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کو اطلاع دیئے بغیر انھیں دفن کر دیا لیکن جب صبح آپ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور

Marfat.com

ایک صف میں کھڑے ہو کر یہ دعا کی:

((اللھم الق طلحه وانت تضحك وهو يضحك اليك))

''اے اللہ! طلحہ کو اس طرح اپنے دیدار سے نواز کہ تو بھی ہنستا ہو (راضی ہو) اور وہ بھی ہنستا ہو (راضی ہو) رضی اللہ عنہ وارضاہ۔''

قریش مکہ کے اس خط کے بعد ان کی سرکشی اور تمرد میں شدت آ گئی اور ان کی خباثتوں اور قبیح حرکتوں نے وسعت اختیار کر لی۔ چنانچہ جو مسلمان انھیں بازار میں ملتا اس کا وہ استہزاء اڑاتے اور اسے اذیت پہنچاتے یہاں تک کہ مسلمان عورتوں سے بھی انھوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔

جب صورت حال زیادہ سنگین ہو گئی اور ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو آپؐ ایک روز بنو قینقاع کے بازار میں تشریف لے گئے اور ان کو جمع کر کے فرمایا:

''اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو۔ جیسے بدر میں قریش پر خدا کا عذاب نازل ہوا، کہیں تم پر بھی اسی طرح عذاب نازل نہ ہو۔ اسلام قبول کر لو۔ اور اس کے حدی خواں بن جاؤ کیونکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اللہ کا نبی اور اس کا رسول ہوں جس کو تم اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہو اور اللہ نے تم سے اس کا عہد لیا ہے۔''

آپ ﷺ کے منہ سے یہ کلمات سن کر وہ مشتعل ہو گئے اور جواب میں کہنے لگے:

''اے محمدؐ! تمھیں خود فریبی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ تمھارا مقابلہ قریش کے اناڑی اور ناتجربہ کار اور جنگ کے طور طریقوں سے ناواقف لوگوں سے ہوا اور تم نے انھیں مار لیا۔ اگر ہم سے مقابلہ ہوا تو ہم بتا دیں گے کہ جنگ کسے کہتے ہیں اور جنگ جو کیسے ہوتے ہیں۔''

(ابو داود مع عون المعبود: ۱۱۵/۳، باب کیف کان اجلاء الیہود من المدینہ، ابن ہشام: ۵۵۲/۱، عیون الاثر: ۴۴۴/۱، زرقانی: ۴۵۶/۱)

یہود کا یہ گستاخانہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے، لیکن اس جواب کا صاف مطلب جنگ تھا مگر آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا یہ باغیانہ جواب سن کر صبر کیا اور آنے والے حالات کا انتظار کرنے لگے۔

اب یہود کی سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ یہ مقابلہ جلد از جلد ہو اور مسلمانوں کو اتنی مہلت

Marfat.com

نہ دی جائے کہ وہ زیادہ مضبوط ہو سکیں۔ چنانچہ غزوۂ بدر کو ابھی ایک ماہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ بقول ابن سعد قریباً ۱۵۔۱۶ ر شوال کو انھوں نے بغاوت کا علم بلند کیا اور معاہدہ کی دھجیاں اڑا دیں۔ (طبقات ابن سعد: ۱۹/۳)

واقعہ کی ابتداء ایک انصاری خاتون کی سر بازار بے حرمتی سے ہوئی۔ ایک عرب خاتون بنو قینقاع کے بازار میں دودھ فروخت کرنے کے لیے آئی۔ دودھ فروخت کر کے وہ ایک سنار کی دکان پر بیٹھی ہوئی تھی کہ چند یہودی غنڈوں نے اس سے منہ کھولنے کی فرمائش کی۔ اس نے انکار کر دیا۔ اس پر سنار نے چپکے سے اس کے کپڑے پیچھے سے کچھ اس طرح الجھا دیئے کہ جب وہ اٹھی تو برہنہ ہو گئی اور یہودیوں نے قہقہہ لگایا۔ عورت اس شرمناک حرکت پر چیخ اٹھی۔ قریب ہی کوئی مسلمان تھا۔ وہ اس عورت کی چیخ و پکار سن کر موقع پر پہنچ گیا۔ اس نے غیرت میں آ کر یہودی سنار کو زدوکوب کیا۔ اتفاق سے وہ مر گیا۔ جواب میں یہودی جو پہلے سے بھرے بیٹھے تھے، جمع ہوئے اور اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں اور بنو قینقاع کے یہودیوں میں سخت کشیدگی کی فضا پیدا ہو گئی۔

(ابن ہشام: ۲/ ۴۷۔۴۸، عیون الاثر: ۱/ ۲۲۴، البدایہ والنہایہ: ۴/ ۳۔۴، زرقانی: ۱/ ۴۵۶)

مسلمان عورت کے بارے میں مسلمان کا فعل تو اضطراری تھا کیونکہ یہود نے ایک شرمناک فعل کیا تھا اور غیرت میں آ کر مسلمان نے اس سنار کو قتل کر دیا، لیکن یہود نے اس مسلمان کو قتل کر کے معاملہ آگے بڑھا دیا۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ خود جائے واردات پر تشریف لے گئے اور یہود سے اس بارے میں گفتگو فرمائی، لیکن یہود کا جواب نہایت تلخ تھا۔ آپ ﷺ نے انھیں بہت سمجھایا مگر وہ معاملے کو خود طول دینا چاہتے تھے کیونکہ قریش کے خط نے ان کے دماغ کو خراب کیا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے انھیں فرمایا کہ تمھاری کتابوں میں میری نبوت و رسالت کے بارے میں پیشگوئیاں موجود ہیں، مگر تم ضد کی وجہ سے میری نبوت کا اقرار نہیں کر رہے۔ یہود نے آپ ﷺ کی اس بات کا توہین کے ساتھ وہی جواب دیا جو اس سے قبل وہ آپ ﷺ کو دے چکے تھے کہ:

"اے محمد! تم اپنی قوم سے فریب میں مبتلا نہ ہو جانا۔ تم نے ایسی قوم کو شکست دی ہے جو جنگی اصولوں سے ناآشنا تھی۔ یاد رکھو، ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ہم

Marfat.com

سے تمھارا پالا پڑا تو تمھیں پتہ چل جائے گا کہ دراصل آدمی ہم ہی ہیں۔" (انا نحن الناس) (سیرۃ ابن ہشام: ۵۶/۲)

بنی قینقاع نے صرف اس جواب ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ بقول ابن سعد:

حاربوا وتحصنوا فی حصنهم۔

"جنگ شروع کردی اور اپنی حفاظت کے لیے قلعہ بند ہو گئے۔"

جب یہود نے آغازِ جنگ کر دیا اور خود قلعہ بند ہو گئے تو آپ ﷺ کے لیے بھی اقدام ضروری ہو گیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سیدنا ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کا منتظم بنا کر اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کو جنگ کا علم دے کر مجاہدین کے لشکر کے ساتھ بنو قینقاع کا رخ کیا۔ انھوں نے جب آپ ﷺ کے لشکر کو دیکھا تو قلعہ بند ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ جمعہ کا روز تھا اور شوال کی ۱۵۔۱۶/تاریخ تھی۔ محاصرہ یکم ذی قعدہ تک جاری رہا۔ وہ لوگ اگرچہ بہت بہادر سمجھے جاتے تھے کیونکہ مورخین نے لکھا ہے کہ یہود میں وہ سب سے بہادر تھے۔ (کانوا اشجع یهود) لیکن قریش کو نا تجربہ کار اور جنگی علوم سے ناواقف کہنے والے کسی ایک مسلمان کی نکسیر بھی نہ پھوڑ سکے۔ اپنے گھروں میں ڈرے سہمے بیٹھے رہے اور آخر کار یکم ذی قعدہ سنہ ۲ھ کو اپنا معاملہ سرکار دو عالم ﷺ کے حوالے کر دیا۔ یہ آپ ﷺ کی ذات قدسی صفات کا رعب تھا جو ان کے دلوں پر بیٹھ گیا کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی ایک خصوصیت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ نصرت عطا فرمائی ہے کہ دشمن مرعوب اور ہیبت زدہ ہو جاتا ہے۔ (نصرت بالرعب) انھوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ سرکار دو عالم ﷺ ان کی جان و مال اور آل و اولاد کے بارے میں جو فیصلہ فرمائیں گے وہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے حکم سے ان کو گرفتار کر لیا گیا۔

وہ غدار تھے، انھوں نے عہد شکنی کی تھی۔ ایک معاہدہ کے پرخچے اڑائے تھے۔ ان کی سزا قتل یا قید و بند ہونی چاہیے تھی، لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے انھیں صرف یہ فرمایا کہ وہ مدینہ چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جائیں۔ چنانچہ وہ ملک شام کے علاقہ اذرعات چلے گئے۔ یہ سات سو آدمی تھے جن میں تین سو زرہ پوش تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ اس موقع پر عبداللہ بن ابی نے اپنا منافقانہ رول ادا کیا۔

Marfat.com

اس نے سرکار دو عالم ﷺ سے نہایت الحاح و زاری سے کہا کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے بارے میں معافی کا حکم صادر فرمائیں۔ بنو قینقاع قبیلہ خزرج کے حلیف تھے، اس وجہ سے اس نے حلیف ہونے کے ناطے آپ ﷺ سے اصرار بھی کیا کہ میرے معاہدین کے بارے میں احسان فرمایئے۔ اس کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے اپنی درخواست پھر دہرائی۔ آپ ﷺ نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ اس بے حیا نے گریبان نبوت میں اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا گریبان چھوڑ دو اور آپ ﷺ ایسے غضب ناک ہوئے کہ غصہ کے آثار آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر نمایاں ہو گئے۔ آپ ﷺ نے پھر اسے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو لیکن وہ اپنے اصرار پر قائم رہا اور اس کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا کہ میرے معاہدین پر احسان فرمایئے۔ چار سو کھلے جسم کے جوان اور تین سو زرہ پوش جنھوں نے مجھے سرخ و سیاہ سے بچایا تھا، آپ انھیں ایک ہی صبح میں کاٹ کر رکھ دیں گے۔ خدا کی قسم میں زمانے کی گردشوں کا خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک جنبش ابرو سے اس منافق کا سرتن سے جدا ہو سکتا تھا کیونکہ اس نے ایک بہت بڑی گستاخی کی تھی، لیکن آپ ﷺ نے اس کی خاطر ان سب یہودیوں کی جان بخشی فرما دی اور انھیں حکم دیا کہ وہ مدینہ سے نکل جائیں اور آپ ﷺ کے پڑوس میں نہ رہیں۔ چنانچہ وہ سب اذرعات شام کی طرف چلے گئے اور چند دنوں کے بعد وہاں اکثر مر گئے۔

وہ لوگ زیورات کا کام کرتے تھے۔ ان کے باغات اور کھیت وغیرہ نہ تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ان کی کوئی غیر منقولہ جائیداد ہاتھ نہ آئی۔ ان کے پاس اسلحہ بہت تھا۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ کچھ اوزار تھے جو زیورات بنانے کے کام آتے تھے۔ وہ سارا مال ضبط کر کے اور اس میں سے خمس نکال کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ان کے اسلحہ سے رسول اللہ ﷺ نے بھی تین کمانیں (جن میں سے ایک کا نام کتوم، دوسری کا نام روحاء اور تیسری کا نام بیضاء تھا) دو زرہیں (ایک کا نام صغدیہ اور دوسری کا نام فضہ تھا) تین تلواریں (ایک کا نام قلعی، دوسری کا نام بتار اور تیسری کا نام معلوم نہیں) اور تین نیزے اپنے لیے منتخب فرمائے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد: ۱۹/۳، سیرۃ ابن ہشام: ۴۷/۲ تا ۴۹، زاد المعاد: ۷۱/۲، ۹۱، زرقانی: ۴۵۶/۱، البدایہ والنہایہ: ۳/۴، ۴)

Marfat.com

غزوۂ سویق:

غزوۂ بدر میں شکست کھا کر قریش مکہ واپس پہنچے، یہ وہی وقت تھا جب ابوسفیان کا کاروان تجارت بھی مکہ پہنچا تھا۔ تجارت کا یہ سامان ایک ہزار اونٹوں پر لدا ہوا تھا اور اس کا مشترک سرمایہ پچاس ہزار دینار تھا۔ یہ پورا مال سو فیصدی نفع کے ساتھ تھوک اٹھا دیا گیا تھا۔

(ابن سعد: ص ۲۵)

حصہ داروں کی اصل رقم واپس کر دی گئی اور نفع کے پچاس ہزار دینار جنگ کے لیے محفوظ رکھے گئے۔

بنوقینقاع کی جلاوطنی کے بعد اگرچہ مدینہ کے غیر مسلم طبقوں نے ایک طویل سنبھالا لیا، لیکن دوسری طرف ابوسفیان نے، جو قریش کے سرداروں میں تنہا رہ گیا تھا، سر اٹھایا، اگرچہ رؤسائے قریش اور بھی تھے جیسے عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ وغیرہ لیکن ابوسفیان کو سربراہ اور قائد عوام تسلیم کیا گیا۔

ابوسفیان کو جب زمامِ قیادت سپرد کی گئی تو اس کا سب سے بڑا اور پہلا کام غزوۂ بدر کا انتقام تھا کہ جب تک وہ غزوۂ بدر کا محمد ﷺ سے انتقام نہ لے گا نہ تو غسل جنابت کرے گا اور نہ ہی سر میں تیل ڈالے گا۔ اس سے اس کا مقصد قریش کے دامن سے بدر کی شکست کا داغ دور کرنا تھا تاکہ ملک میں ان کی دھاک بیٹھ جائے اور ان کی شوکت واپس آ جائے۔ چنانچہ سب سے پہلا کام پروپیگنڈہ تھا۔ اس نے اس مقصد کے لیے دو آدمی مقرر کیے کہ قبائل میں دورہ کر کے اور اشعار اور تقاریر سے لوگوں کے جذبات جنگ کے لیے ابھاریں۔ ان میں ایک ابوعزہ شاعر تھا، جو غزوۂ بدر میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اس نے جب اپنے افلاس، تہی دستی اور پانچ لڑکیوں کے خرچ کے نام پر رہائی کی بھیک مانگی تو رحمت عالم ﷺ نے اسے بلا فدیہ صرف اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آئندہ اسلام کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا۔ اس وقت جب صفوان بن امیہ نے اس کے سپرد یہ کام کیا تو اس نے یہ عذر کر دیا کہ میں محمد ﷺ سے اسلام کے خلاف مدد نہ کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں۔ صفوان نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ ہم آپ سے کوئی حملہ نہیں کرانا چاہتے بلکہ صرف آپ کی زبان کی مدد چاہتے ہیں۔ صفوان نے اس کے

Marfat.com

تمام اخراجات کی ذمہ داری لی اور یہ وعدہ بھی کیا کہ اس کے مارے جانے کی صورت میں اس کی لڑکیوں کا کفیل ہوگا۔ چنانچہ اس لالچ میں وہ شخص اپنے وعدہ سے منحرف ہو گیا حالانکہ جب اس کو رہا کیا گیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی منقبت میں پانچ اشعار کا قصیدہ بھی کہا تھا جن کو ابن ہشام نے اپنی سیرۃ میں نقل کیا ہے، مگر جب مکہ مکرمہ پہنچا تو کہا میں نے محمد ﷺ پر جادو کردیا (سحرت محمد) (سیرۃ حلبیہ: ۲۲۲/۲)

دوسرا شخص مسافع بن عبد مناف تھا اس کو بھی یہی خدمت سپرد کی گئی۔

(طبقات ان سعد: ۲/۳)

چنانچہ ایک روز ابوسفیان دوسوستر سواروں کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا اور مسلمانوں کی گرفت کے خوف سے قدم قدم پر کاوے کاٹتا ہوا مدینہ کے قریب پہنچا اور وادیٔ قناۃ کے سرے پر واقع نیب نامی ایک پہاڑی کے دامن میں مدینہ طیبہ سے بارہ میل ادھر خیمہ زن ہوا۔

یہود کے بارے میں ابوسفیان کا یہ خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں اس کی مدد کریں گے۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں وہ بنونضیر کے علاقہ میں پہنچا۔ پہلے حیی بن اخطب کے دروازے پر دستک دی لیکن اس نے دروازہ ہی نہ کھولا۔ اس سے مایوس ہو کر سلام بن مشکم کے ہاں آیا جو بنونضیر کا سردار تھا اور تجارتی خزانہ اسی کے پاس رہتا تھا۔ اس نے ابوسفیان کا پرجوش استقبال کیا۔ اس کی پرتکلف دعوت کی، شراب بھی پلائی، مدینہ طیبہ کے مخفی راز بھی بتائے۔ آخر شب وہاں سے نکل کر ابوسفیان اپنے ساتھیوں میں پہنچا اور ان کے ایک دستہ کے ساتھ "عریض" جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے، حملہ آور ہوا۔ اس دستہ نے وہاں کھجور کے کچھ درخت کاٹے اور جلائے اور ایک انصاری سعد بن عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ چند مکانات اور گھاس کے انبار جلا دیئے۔ ان باتوں سے اس کی قسم پوری ہوگئی پھر وہ تیزی سے مکہ واپس بھاگ نکلا۔

سرکار دو عالم ﷺ کو اس واردات کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے دوسو مہاجرین و انصار کے ساتھ اس کا تعاقب کیا لیکن ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ اتنی تیز رفتاری سے بھاگا کہ ہاتھ نہ آیا۔ اس کے پاس رسد کے لیے ستو کے بورے تھے۔ چنانچہ اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اور گھبراہٹ میں ستو کے وہ بورے اور دوسرا بہت سا ساز و سامان پھینکتا گیا جو مسلمانوں

Marfat.com

کے ہاتھ لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے قرقرۃ الکدر تک اس کا تعاقب کیا لیکن وہ نہ ملا چنانچہ آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ مسلمان ستو کے بورے اور دوسرا سازوسامان لاد کر واپس ہوئے۔ عربی زبان میں ستو کو ''سویق'' کہتے ہیں، اس لیے یہ غزوہ ''غزوہ سویق'' کے نام سے مشہور ہوا۔

ابن سعد کی تحقیق کے مطابق یہ حملہ ۵/ذی الحجہ سنہ ۲ھ کو ہوا۔ اس غزوہ کے دوران آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کا انتظام ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تھا اور اس تعاقب میں آپ ﷺ کے پانچ دن صرف ہوئے۔

(تفصیل کے ملاحظہ ہو زرقانی: ۱/۴۵۸، ابن سعد: ۲/۳، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۴۴۔۴۵، زادالمعاد لابن قلیم: ۲/۹۱۔۹۱ وغیرہ)

ان تمام واقعات کی خبریں تمام جزیرہ نما عرب میں پھیل گئیں کہ بدر سے پہلے جو لوگ اپنی قوم کے خوف سے بھاگ کر ترک وطن پر مجبور ہوئے اور مدینہ میں آ کر پناہ لی، ان لوگوں نے بدر میں قریش مکہ کو پیس کر رکھ دیا ہے۔ مدینہ کا یہودی قبیلہ بنوقینقاع جو اپنے آپ کو بڑا بہادر سمجھتا تھا، وہ بھی ان کے دبدبہ کے باعث ہمیشہ کے لیے مدینہ کو چھوڑ گیا ہے اور قریش کا مشہور اور نامی گرامی سردار ابوسفیان جو بدر کے انتقام کے لیے غراتا ہوا مکہ سے نکلا تھا، چھپتا چھپاتا مدینہ گیا اور وہاں سے مسلمانوں کی ہیبت کے باعث سرپٹ بھاگتا ہوا مکہ پہنچا اور اب مکہ میں دبک کر بیٹھ گیا ہے۔ قرب و جوار میں بسنے والے غیر مسلم قبائل ان واقعات سے بہت متاثر تھے۔

اس زمانہ میں مکہ اور شام کے تجارتی قافلوں کی گزرگاہ بحیرۂ احمر کے کنارے والی شاہراہ تھی جس پر بسنے والے قبائل آنے جانے والے قافلوں سے مالی منفعت حاصل کرتے تھے۔ اب سرکار دوعالم ﷺ نے ان قبائل سے معاہدات کر کے قریش مکہ کی تجارتی ناکہ بندی کر دی۔ جس سے قریش مکہ نہایت پریشان تھے۔ قریش کی تجارتی ناکہ بندی سے ان قبائل کو بھی معاشی بدحالی سے دوچار ہونا پڑا کیونکہ ان کا خیال یہ تھا اور یہ خیال کسی حد تک درست بھی تھا کہ اگر ان شاہراہوں پر قریش کی آمدورفت نہ رہی تو وہ ایسے بے برگ و بار علاقے میں زندگی کے دن کیسے بسر کر سکیں گے۔ وہ ہمہ وقت اور ہمہ تن اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مند رہتے۔ یہ دشواریاں مسلمانوں کے مدینہ میں آنے سے قبل ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ

Marfat.com

تھیں۔ اسی وجہ سے کچھ قبائل نے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کیں لیکن ان کے حملہ سے قبل ہی مسلمانوں نے ان کی سرکوبی کر دی۔

کعب بن اشرف کا قتل (سنہ ۳ھ)

کعب بن اشرف مذہباً یہودی تھا لیکن رشتہ داری اور قرابت کے لحاظ سے اس کا تعلق عرب سے تھا۔ اس کی ماں کا نام ''عقیلہ'' تھا جو عرب کے مشہور مالدار شخص ابوالحقیق کی بیٹی تھی۔ کعب کے باپ اشرف کا خاندانی تعلق ''بنونبہان'' جو قبیلہ ''طے'' کی ایک شاخ تھی، سے تھا۔ جس طرح قبیلہ ''طے'' کے کچھ لوگ نصرانی ہو گئے جیسے سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا خاندان، اسی طرح سے اشرف نے یہودی مذہب اختیار کر لیا۔ اتفاق سے اس کے ہاتھوں ایک قتل ہو گیا جس کی وجہ سے وہ وہاں سے بھاگ کر یثرب آ گیا۔ یہاں وہ بنی نضیر اور بنوقریظہ یہودی قبائل کا حلیف بن گیا اور سودی کاروبار کرنے لگا۔ ساہوکاری میں اس نے نام پیدا کیا۔ ڈھیروں دولت کمائی اور مالداروں میں اپنا ایک نام پیدا کیا۔ اس کی دولت کی شہرت کی وجہ سے خیبر کے سردار ابوالحقیق نے اپنی لڑکی اس کے رشتہ زوجیت میں دے دی۔ کعب اس کے بطن سے پیدا ہوا۔ (فتح الباری: ۳۷۹/۷) اشرف نے اپنی اولاد کی شادیاں عرب قبائل میں بھی کیں۔ چنانچہ اس نے اپنی ایک لڑکی کی شادی قبیلۂ اوس میں کی۔ اس طرح اس کے تعلقات عرب اور یہود دونوں میں وسیع تھے اور دونوں اس کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

کعب بن اشرف ایک مالدار باپ کا بیٹا تھا۔ قیادت اور لیڈری کا اسے بہت شوق تھا۔ اس نے بھی باپ کی طرح سودی کاروبار میں ڈھیروں دولت کمائی اور سوسائٹی میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کے لیے یہودی علماء کے وظائف مقرر کیے۔ یہودی مدرسوں کی بھرپور امداد کی۔ شاعر بھی تھا۔ شاعری کے اس ذوق نے بھی اسے اپنی سوسائٹی میں بلکہ پورے علاقے میں بہت شہرت دی۔

وہ روز اول سے ہی اسلام کے خلاف اپنے دل میں عداوت کا ایک الاؤ پالے ہوئے تھا۔ اسلام کی ترقی اسے ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ چنانچہ جب سرکار دو عالم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یہودی علماء کی ایک اچھی خاصی تعداد آپ ﷺ سے متاثر ہوئی تو اس کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے۔ اس کے دل میں ان علماء کے خلاف نفرت پیدا ہوئی۔ چنانچہ اس

Marfat.com

نے ان کے وظائف بند کر دیئے اور جب تک ان علماء کو اس نے سرکار دو عالم ﷺ کی عداوت اور مخالفت پر آمادہ نہیں کیا ان کے وظائف جاری نہ کیے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۱۷۷/۳)

اس نے ہر طریقے سے اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا:

لیس علینا فی الامیین سبیل۔

''یعنی ان امیوں کا مال جس طرح چاہو ہضم کر لو۔ اس میں کوئی گناہ نہیں۔''

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور قریش کی شکست فاش کی خبر جب اس کو پہنچی تو اس کے منہ سے بے اختیار نکلا ''لبطن الارض خیر من ظھرھا'' یعنی اب مرجانا بہتر ہے'' اسے یقین نہیں آتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مٹھی بھر مسلمانوں نے قریش کے تین گنا بڑے لشکر کو شکست فاش دے دی۔ چنانچہ اسی بوکھلاہٹ میں وہ مکہ پہنچا۔ کم وبیش ستر آدمی اس کے ساتھ تھے۔ وہاں وہ مطلب بن ابی وداعہ سہمی کا مہمان ہوا۔ پھر مشرکین مکہ کی غیرت بھڑکانے، ان کی آتش انتقام تیز کرنے کے لیے مقتولین بدر کے مرثیے کہے۔ ان کے سرداروں کا نوحہ وماتم کیا۔ مرثیے پڑھتے وقت اس نے یہ ڈرامہ رچایا کہ خود بھی روتا اور انھیں بھی رلاتا۔ ایک روز ابو سفیان اور دوسرے مشرکین نے اس سے پوچھا کہ ہمارا دین تمھارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے یا محمد (ﷺ) کا دین۔ اس نے جواب دیا کہ تم لوگ اس سے زیادہ افضل اور ہدایت یافتہ ہو۔ (انتم واللہ اھدی سبیلا ممن ھو علیہ) (سیرۃ حلبیہ: ۱۷۸/۳) اور ان کے ساتھ بیت اللہ جاتا اور اس کے غلاف کو پکڑ کر عہد کرتا کہ مسلمانوں سے بدر کا انتقام ضرور لیں گے حالانکہ بیت اللہ سے نہ اسے کوئی محبت تھی اور نہ اس کا احترام اس کے دل میں تھا۔ (فتح الباری: ۲۷۰/۷) ائمہ سیرۃ نے لکھا ہے کہ وہ مکہ سے اس وقت تک واپس نہ آیا جب تک کہ اس نے مشرکین مکہ کو اس بات پر متفق نہ کر لیا کہ محمد ﷺ سے ضرور جنگ کریں گے۔ مکہ سے جب واپس مدینہ آیا تو اب اس کی حالت یہ تھی کہ وہ کھلم کھلا مسلمانوں سے اپنی عداوت کا اظہار کرتا اور لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرتا۔ (البدایہ والنہایہ: ۶/۴) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مدینہ واپس آکر اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عورتوں کے بارے میں غلیظ قسم کے اشعار کہنے شروع کر دیئے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی ہجو میں اشعار کہے۔ اشعار اس زمانہ میں بہت اہمیت رکھتے تھے کیونکہ جب کوئی شاعر کسی کی مدح یا ہجو میں شعر کہتا تو وہ بچے بچے کی زبان

Marfat.com

پر جاری ہو جاتے۔ (زرقانی: ۹/۲)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے ہاں ایک دعوت میں سرکار دو عالم ﷺ کو مدعو کیا اور ایک خفیہ سازش کے تحت یہ انتظام کیا کہ آپ ﷺ جب میرے ہاں تشریف لائیں تو انھیں شہید کر دیا جائے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۱۷۸/۳، فتح الباری: ۲۵۹/۷)

یہ وہ حالات تھے جن سے تنگ آ کر ایک روز آپ ﷺ نے فرمایا:

من لی للکعب بن اشرف فانه قد اذی الله ورسوله۔

"یعنی کون ہے جو کعب بن اشرف سے نمٹے کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو اذیت دی ہے۔"

سرکار دو عالم ﷺ کے منہ سے یہ کلمات سن کر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا "یا رسولؐ اللہ! کیا آپ ﷺ کعب بن اشرف کا قتل چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ عرض کی پھر آپ ﷺ مجھے اس سے ذو معنی بات کہنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ فرمایا اجازت ہے۔

اس کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلہ اوس کے چندان ساتھیوں کو ساتھ لیا جو کعب بن اشرف سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ مندرجہ ذیل حضرات تھے:

(۱) عباد بن بشر رضی اللہ عنہ (۲) سلکان بن سلام رضی اللہ عنہ اس کی کنیت ابو نائلہ تھی اور یہ کعب کے رضاعی بھائی تھے، (۳) حارث بن اوس رضی اللہ عنہ اور (۴) ابو عبس بن اوس رضی اللہ عنہ۔

کعب بن اشرف ایک گڑھی میں رہتا تھا۔ اس کا محل ایک قلعہ تھا جس کے باقاعدہ دربان اور چوکیدار دروازے پر موجود رہتے تھے۔ اس لیے اس تک پہنچنا بہت مشکل تھا اور ہتھیار اور اسلحہ لے جانا تو اور بھی زیادہ مشکل تھا۔ اب ان حضرات کے لیے پہلا کام یہ تھا کہ اسلحہ اندر لے جانے کی صورت پیدا کی جائے۔ چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ کعب بن اشرف کے پاس پہنچ کر قرض کی بات کی جائے۔ پہلے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب کے پاس گئے اور رسول اللہ ﷺ کی شکایت اس انداز سے کی کہ کعب نے اس کو حقیقت پر محمول کیا۔ جب کہ یہ کہانی تجاہل عارفانہ سے کہی جا رہی تھی۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس شخص (یعنی محمد ﷺ) کے مدینہ آ جانے سے ہم لوگ عجیب پریشانی اور کشمکش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ایک تو تمام عرب سے دشمنی

Marfat.com

مول لینا پڑی۔ ہر طرف سے ہمارے راستے بند ہو گئے۔ اہل و عیال ضائع ہونے لگے حتیٰ کہ جانیں قلب میں تھرا اٹھیں۔ دوسرے یہ کہ ہم سے صدقہ اور زکوٰۃ مانگتا ہے تاکہ فقراء و مساکین میں تقسیم کیا جائے۔ کعب نے جواب دیا ابھی تو ابتدائے عشق ہے۔ خدا کی قسم، ابھی تم لوگ اور بھی اکتا جاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا! اب جب کہ ہم اس کے پیچھے لگ گئے ہیں تو مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا ساتھ چھوڑ دیں جب تک یہ نہ دیکھ لیں کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ ابھی ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں ایک دو وسق غلہ دے دیں۔ (ایک وسق پانچ من اڑھائی سیر کا ہوتا ہے)

کعب نے کہا: غلہ دینے سے تو مجھے انکار نہیں لیکن میرے پاس آپ کی کوئی سیکورٹی ہونی چاہیے، لہٰذا کوئی شے رہن رکھ دو۔ محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کون سی چیز رہن رکھ دیں؟ اس نے کہا: اپنی عورتوں کو رہن رکھ دو۔ محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے چونک کر کہا: عورتیں! ان کو ہم کیسے رہن رکھ دیں؟ آپ عرب کے سب سے زیادہ حسین و جمیل انسان ہیں۔ ہماری عورتیں آپ کو دیکھیں گی تو آپ پر فریفتہ ہو جائیں گی۔ پھر وہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گی۔ اس نے کہا: تو پھر اپنے بیٹوں کو رہن رکھ دو۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ پھر چونکے اور بولے: سیٹھ صاحب! یہ بھی کیسے ممکن ہے؟ اپنے لڑکوں کو رہن رکھ کر تو ہماری ناک ہمیشہ کے لیے کٹ جائے گی اور ان لڑکوں کی ناک بھی کٹ جائے گی کیونکہ جہاں کہیں بھی بات ہوا کرے گی تو لوگ ہمارے ان لڑکوں کو طعنہ دیا کریں گے کہ تم وہی ہو جو ایک وسق غلہ کے عوض گروی پڑے رہے تھے۔ یہ بات ہمارے لیے اور ہمارے بچوں کے لیے نہایت شرم کی ہے۔ البتہ ہم آپ کے پاس اپنے ہتھیار گروی رکھ سکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ کعب بن اشرف ہتھیار گروی رکھنے پر آمادہ ہو گیا۔ اب اس نے پوچھا کہ کب ہتھیار لاؤ گے؟ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آج رات ہی کو لے آئیں گے۔

دوسری طرف ابو نائلہ رضی اللہ عنہ بھی کعب بن اشرف کے پاس آئے اور بالکل وہی گفتگو کی جو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کی تھی، دورانِ گفتگو ابو نائلہ نے یہ بھی کہا کہ میرے کچھ اور ساتھی ہیں جن کے خیالات بھی میرے ہی جیسے ہیں۔ میں انھیں بھی آپ کے پاس لانا چاہتا ہوں۔ آپ انھیں بھی کچھ قرض دے کر ان پر احسان کریں۔

مختصر یہ کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ابو نائلہ رضی اللہ عنہ اپنی اپنی گفتگو کے ذریعے اپنے مقصد

Marfat.com

میں کامیاب رہے کیونکہ اس گفتگو کے بعد ہتھیار اور رفقاء سمیت ان دونوں کی آمد پر کعب چونک نہیں سکتا تھا۔

۱۴ ربیع الاول سنہ ۳ھ کی چاندنی رات کو ان چند حضرات پر مشتمل دستہ سرکار دو عالم ﷺ کے پاس طے شدہ پروگرام کے مطابق جمع ہوا۔ آپ ﷺ نے بقیع غرقد تک ان کی مشایعت فرمائی اور دعا کی کہ اے اللہ! ان کی مدد فرما اور گھر واپس آ کر پھر دعا و مناجات میں مشغول ہو گئے۔

جب یہ لوگ کعب بن اشرف کے قلعہ کے دامن میں پہنچے تو ابو نائلہ رضی اللہ عنہ نے زور سے آواز دی۔ کعب! آواز سن کر کعب ان کے پاس آنے کے لیے اٹھا تو اس کی بیوی نے جو ابھی نئی نویلی دلہن تھی اور روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بہت نازک اندام اور نفاست پسند تھی، ہر وقت عطر میں بسی رہتی تھی، کہا کہ اس وقت کہاں جا رہے ہو؟ میں یہ ایسی آواز سن رہی ہوں جس سے خون ٹپک رہا ہے۔ کعب نے جواب دیا نہیں ایسی کوئی بات نہیں، یہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ابو نائلہ رضی اللہ عنہ میرے رشتہ دار ہیں۔ ایک میرا بھانجا ہے اور دوسرا دودھ شریک بھائی ہے، لہٰذا کوئی خطرے کی بات نہیں اور اگر خطرہ بھی ہو تو بہادر لوگ خطرے سے نہیں ڈرا کرتے۔ بہادر کو رات کے وقت بھی جنگ کے لیے بلایا جائے تو وہ فوراً لبیک کہتا ہے۔ اچھا میں ہتھیار لگائے لیتا ہوں۔ چنانچہ کعب بن اشرف مسلح ہو کر باہر آیا۔

ابو نائلہ رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب وہ آ جائے گا تو میں اس کے بال پکڑ کر سونگھوں گا جب تم دیکھو میں نے اس سر پکڑ لیا ہے تو اس پر پل پڑنا اور اسے قتل کر دینا۔ کعب بن اشرف باہر آیا تو وہ عطر سے مہک رہا تھا۔ وہ عام طور پر مشک استعمال کیا کرتا تھا۔ ابو نائلہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ابن اشرف! آپ نے تیل کیسا لگا رکھا ہے، یہ تو بہت ہی عمدہ خوشبو ہے۔ ایسی خوشبو تو میں نے کبھی دیکھی ہی نہیں۔ کہنے لگا: میرے پاس عرب کی سب سے زیادہ خوشبو لگانے والی عورت ہے۔ ابو نائلہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اجازت ہو تو آپ کا سر سونگھ لوں۔ وہ بہت خوش ہوا اور سونگھنے کی اجازت دے دی۔ ابو نائلہ رضی اللہ عنہ نے اس کے سر میں اپنا ہاتھ ڈالا۔ خود بھی سونگھا اور ساتھیوں کو بھی سونگھایا۔ پھر کہا جی نہیں بھرا۔ خوشبو بہت عمدہ ہے، ایک دفعہ اور سونگھنے کی اجازت دیجئے۔ اب کی بار ابو نائلہ رضی اللہ عنہ نے اس کے سر میں ہاتھ ڈال کر اس کو قابو کر لیا اور کہا

Marfat.com

کہ لے لو اللہ کے اس دشمن کو۔ ساتھیوں نے فوری طور پر اس پر حملہ کر دیا۔ ایک ساتھ کئی تلواریں آئیں لیکن کچھ کام نہ آسکیں۔ یہ دیکھ کر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جھٹ اپنی کدال لی اور اس کے پیٹ پر لگا کر چڑھ بیٹھے، کدال آر پار ہوگئی اور وہ دشمن خدا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حملہ کے دوران وہ اس زور سے چیخا کہ گرد و پیش میں ہلچل مچ گئی۔ حملہ کے دوران حارث بن اوس رضی اللہ عنہ کو بعض ساتھیوں کی تلواروں کی نوک لگ گئی۔ جس سے وہ بھی زخمی ہو گئے لیکن اس کا کام تمام ہو گیا۔

واپسی پر اس دستہ نے اپنی کامیابی پر بقیع غرقد پہنچ کر اس زور کا نعرہ لگایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی سن لیا۔ آپ ﷺ سمجھ گئے کہ یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ جب یہ لوگ آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ چہرے کامیاب رہے ہیں۔ ان لوگوں نے جواب میں کہا: یارسول اللہ! آپ ﷺ کا رخ انور پر بھی۔ اس کے ساتھ اس ملعون کا سر آپ ﷺ کے قدموں میں رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے اس قتل پر اللہ کی حمد وستائش کی اور حارثؓ کے زخم پر لعابِ دہن لگایا جس سے وہ شفایاب ہو گیا۔

یہود کو جب کعب بن اشرف کے قتل کا علم ہوا تو ان کے دلوں میں مسلمانوں کے رعب اور ہیبت کی لہر دوڑ گئی اور انھیں پتہ چل گیا کہ سرکار دو عالم ﷺ جب یہ محسوس کریں گے کہ امن و امان سے کھیلنے والے اور ہنگامہ برپا کرنے والے، اور عہد و پیمان اور معاہدات کا احترام نہ کرنے والے لوگوں پر زبانی نصیحت کارگر نہیں ہوتی تو آپ ﷺ طاقت کے استعمال سے بھی گریز نہ کریں گے۔ لہٰذا وہ دم سادھے پڑے رہے اور کچھ نہ بولے لیکن ہمت ہار بیٹھے۔ چنانچہ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ''کعب بن اشرف کو جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے قتل کر دیا تو یہود اور مشرک (منافق) گھبرا گئے۔ یہ لوگ سرکار مدینہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے انھیں کعب بن اشرف کی حرکتوں سے آگاہ کیا۔ پھر فرمایا: آپ لوگ کچھ شرائط طے کرلیں اور ان کی پابندی کرتے رہیں۔ چنانچہ ایک عہد نامہ تحریر کیا گیا جس کے فریق تین تھے؛ سرکار دو عالم ﷺ، بنی نضیر اور مسلمان۔'' (ابوداؤد، باب کیف کان اخرج الیہود من المدینہ)

لیکن یہ معاہدہ بھی زیادہ دیر نہ چل سکا۔ بنو نضیر نے خود سرکار دو عالم ﷺ کو

Marfat.com

(معاذ اللہ) قتل کرنے کی کوششیں کیں جس پر یہ معاہدہ ختم ہو گیا۔

(ملاحظہ ہو بخاری: ۲/۵۷۶، فتح الباری: ۷/۲۶۰، باب قتل کعب بن الاشرف، طبقات ابن سعد: ۲/۲۳، ابن ہشام: ۲/۵۱۔۵۷، البدایہ والنہایہ: ۴/۵۔۸، عیون الاثر: ۱/۲۴۸)

کعب بن اشرف کے قتل سے ایک تو تمام یہودیوں اور منافقین پر آپ ﷺ کی ہیبت طاری ہو گئی۔ دوسرے مسلمان اندرونی مشکلات کے باردوش سے سبکدوش ہو گئے اور تیسرے بیرون مدینہ سے پیش آنے والے متوقع خطرات کے لیے فارغ ہو گئے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو جامع الاصول: ۹/۱۶۹، ۱۷۱، طبقات: ۲/۱۹، وغیرہم)

سریۂ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (جمادی الآخرہ ۳ھ)

کعب بن الاشرف یہودی کے قتل کے بعد مسلمانوں کو ایک اور مہم پیش آئی۔ یہ مہم بھی کامیاب رہی۔ اس مہم کے پیش آنے کی وجہ یہ تھی کہ قریش جنگ بدر کی شکست کے بعد مسلمانوں سے حد درجہ مرعوب اور خوفزدہ ہو گئے۔ انھیں یہ فکر دامن گیر تھی کہ اب شام کے تجارتی قافلہ کے لیے بھی بہت سے خطرات پیدا ہوں گے کیونکہ مسلمان اب اس پوزیشن میں ہیں کہ جب چاہیں ہماری تجارتی لائن کاٹ دیں۔ اگر ہماری تجارتی زبوں حالی اسی طرح رہی تو تھوڑے ہی عرصہ میں ہم قحط اور بھوک کے کنارے جا لگیں گے کیونکہ تجارتی شاہراہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور ساحل سمندر پر بسنے والے تمام قبائل سے ان کے حلیفانہ تعلقات قائم ہو چکے تھے۔

ادھر گرمی کا موسم آ گیا جو ملک شام کے تجارتی سفر کا وقت تھا۔ قریش نے صفوان بن امیہ کو اس سال ملک شام کی طرف جانے والے تجارتی قافلے کا امیر کاروان منتخب کیا۔ صفوان امیر تو منتخب ہو گیا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے کیونکہ شام کی تجارتی شاہراہ مسلمانوں نے پُر صعوبت بنا رکھی تھی۔ چنانچہ ایک روز صفوان نے قریش کے اجتماع میں ایک تقریر کی:

''ہمارے حریف محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں نے ہماری تجارتی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ کوئی ایسی صورت نظر نہیں آتی جس سے ہم شام کی شاہراہ کو عبور کر کے ان کے ہاتھ سے سلامت نکل سکیں۔ اس شاہراہ پر بسنے والے قبائل نے بھی مسلمانوں کے ساتھ حلیفانہ معاہدات کر رکھے ہیں۔ اب ہمارا کیا بنے گا؟ اگر ہم گھروں میں بیٹھے رہے تو قحط و غربت کا شکار ہو جائیں گے۔ کئی سالوں

Marfat.com

سے ہمارا یہ دستور تھا کہ موسم گرما میں شام کی طرف اور سردی کے موسم میں حبشہ کی طرف تجارتی قافلے لے جا کر ہم اپنی روزی کما لاتے تھے۔ اب اس مشکل کا کوئی حل مجھے نظر نہیں آتا۔"

صفوان بن امیہ نے جب اپنی یہ تقریر ختم کی تو اسود بن عبدالمطلب نے کھڑے ہو کر کہا: شام جانے کے لیے ساحل سمندر کی شاہراہ سے ہٹ کر عراق کے راستے سے بھی ہم جا سکتے ہیں۔ یہ راستہ بہت طویل تھا۔ نجد سے ہو کر شام جاتا تھا اور مدینہ کے مشرق میں کافی فاصلے سے گزرتا تھا۔ قریش اس راستے سے بالکل ناآشنا تھے۔ اس لیے اسود بن عبدالمطلب نے کہا ہمارے ہاں فرات بن حیان جو بنی بکر بن وائل سے تعلق رکھتا ہے، راستے کے نشیب وفراز سے بخوبی واقف ہے۔ وہ اس سفر میں ہماری راہنمائی کرے گا۔ جب فرات بن حیان سے رابطہ کیا گیا تو اس نے کہا! جہاں تک میرا علم ہے محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے کسی نے ابھی تک عراق کا یہ راستہ نہیں دیکھا۔ اس راہ میں پہاڑیوں اور صحراؤں کا بے پایاں سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔

اس انتظام کے ساتھ قریش کے کارواں کی تیاریاں صفوان بن امیہ کی قیادت میں شروع کر دی گئیں۔ جس میں چاندی اور دوسرا سامانِ تجارت قریباً ایک لاکھ درہم کا تھا۔ اس قافلے میں صفوان بن امیہ کے علاوہ ابوسفیان بن حرب، حویطب بن عبدالعزیٰ اور عبداللہ بن ابی ربیعہ بھی تھے۔ (فتح مکہ میں یہ چاروں حضرات حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے تھے)

جس وقت یہ فیصلہ ہوا اس وقت مدینہ کے ایک اشجعی شخص جن کا نام نعیم بن مسعود تھا، مکہ میں موجود تھے۔ انھوں نے مدینہ پہنچ کر یہ خبر ایک مسلمان کو سنا دی جو رفتہ رفتہ حضور ﷺ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔

یہ خبر سنتے ہی سرکار دو عالم ﷺ نے فوراً حملے کی تیاری کی اور سو سواروں کا ایک دستہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت روانہ فرمایا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نہایت تیزی کے ساتھ روانہ ہوئے۔ قریش کا کاروانِ تجارت قردہ نامی ایک چشمے پر پڑاؤ ڈالنے کے لیے اتر رہا تھا کہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دستے کے ساتھ اُن پر دھاوا بول دیا۔ یلغار اچانک تھی۔ قریش پریشان ہو گئے۔ ان میں بھگدڑ مچ گئی اور مسلمانوں نے پورے اموال تجارت پر قبضہ کر لیا۔ صفوان بن امیہ، قائد کاروان، اور اس کے دوسرے ساتھیوں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ البتہ قافلہ کے راہ نما فرات بن حیان اور مزید دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ایک لاکھ درہم کا سامان

Marfat.com

مسلمانوں کو مال غنیمت کے طور پر ہاتھ لگا۔ مسلمانوں کو پہلی مرتبہ اتنی بڑی رقم کا سامان غنیمت میں حاصل ہوا۔ سارا مال خدمت نبوی ﷺ میں پیش کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے خمس نکال کر باقی سارا مال مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ فرات بن حیان کو بھی آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ فرات رسول اللہ ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا لیکن جب گرفتار ہو کر آیا تو اسی زبان نے حضور ﷺ کی منقبت میں قصیدہ خوانی سے اپنے جسم کے روئیں روئیں کو کفر و شرک کی غلاظتوں سے پاک کر لیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرات کا اسلام لانا قبول فرمالیا۔

بدر کے بعد قریش کی یہ دوسری بڑی نکبت و ذلت تھی۔ جس سے ان کے غصے اور انتقام میں اور اضافہ ہوا کیونکہ ان کی مکہ کی سرداری تمام عرب میں مسلّم تھی۔ خود کو اتنا باوقار سمجھنے والی قوم کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ وہ آئے روز رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں ذلیل ہوتی رہے، اب ان کے سامنے صرف دو ہی راستے تھے کہ یا تو اپنی نخوت و غرور کی چادر اتار کر مسلمانوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں یا پھر ایک فیصلہ کن جنگ کر کے اپنی عزت رفتہ اور عظمت گزشتہ کو واپس لائیں اور مسلمانوں کی قوت اور طاقت کو اس طرح توڑ دیں کہ انھیں پھر قریش مکہ کے قافلوں پر دست درازی اور مقابلہ کا حوصلہ نہ رہے۔ انھوں نے دوسرے راستے کو اختیار کیا اور مسلمانوں کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے لیے ایک بہت بڑی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

Marfat.com

غزوۂ احد

غزوۂ بدر میں قریش کو مسلمانوں کے ہاتھوں جو صدمہ اٹھانا پڑا غزوۂ اُحد اس کی ایک صدائے بازگشت تھی۔ بدر کے چرکے کا زخم کسی طور ان کے دلوں سے مندمل نہیں ہو رہا تھا۔ اگرچہ قریش نے مقتولین بدر پر آہ و فغان اور نوحہ و ماتم سے بھی منع کر دیا تھا اور قیدیوں کے فدیئے کی ادائیگی میں بھی جلد بازی کا مظاہرہ کرنے سے روک دیا تھا، تاہم ان کے سینے غیظ و غضب کی آگ سے کھول رہے تھے۔ اور ان کی شدت رنج و غم میں کوئی افاقہ نہیں ہوا تھا بلکہ اضافہ ہی ہوا تھا۔ بدر کا یہ غم وہ فراموش بھی کیسے کر سکتے تھے کیونکہ ان کے نادرۂ روزگار اور سرکردہ اشخاص مسلمانوں کی تلواروں کے ذریعے لقمۂ اجل بنے تھے جن کی یاد میں قریش کی عورتیں نوحہ و ماتم کی ممانعت کے باوجود ہر لمحہ مصروف گریہ و بکا تھیں۔ کوئی اپنے لخت جگر کو روتی، کسی کے دل میں اپنے بھائی کے قتل کا ناسور رس رہا تھا۔ کوئی باپ کا سایہ اٹھ جانے سے شکستہ خاطر تھی۔ کسی کا شوہر مارا گیا تھا اور کسی کا کوئی دوسرا قرابت دار نابود ہو گیا تھا غرضیکہ مکہ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کا کوئی نہ کوئی فرد بدر میں مسلمانوں کی تلواریں چاٹ نہ گئی ہوں۔ گویا اپنے مقتولوں پر رونا اور نوحہ و ماتم کرنا قریش کی عورتوں کا مقدر بن گیا تھا۔ ان کا نوحہ ایسی رقت اور سوز سے معمور تھا جسے قریش سنتے تو ان کی آتش انتقام اور تیز ہو جاتی۔

غزوۂ بدر کے بعد زمامِ قیادت ابوسفیان کے سپرد کی گئی تو اس کا بھی سب سے بڑا مقصد غزوۂ بدر کا انتقام تھا۔ غزوۂ سویق بھی دراصل ابوسفیان نے غزوۂ بدر کے انتقام لینے کے لیے کیا تھا۔ لیکن اس میں بھی وہ صرف چند مکانات اور گھاس پھوس کے ڈھیر جلا سکا اور اپنی دانست میں اس نے سمجھ لیا کہ اس نے غزوۂ بدر کا انتقام لے لیا ہے لیکن قریش اصل حقیقت سے واقف تھے، وہ اس کو غزوۂ بدر کا انتقام نہیں سمجھتے تھے۔

Marfat.com

آخر میں سریۂ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ نے تو جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس میں قریش کا ایک لاکھ درہم کا مال واسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگا جس نے ان کی اقتصادی طور پر کمر توڑ کر رکھ دی۔ اب ہر طرف سے انتقام انتقام کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور ان آوازوں نے مکہ کی قیادت کو جنگ کے لیے مجبور کر دیا۔ چنانچہ ایک روز ابوسفیان بن حرب، عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام، حویطب بن عبدالعزیٰ اور صفوان بن امیہ اور دوسرے سرداران قریش اور سربرآوردہ لوگ دارالندوہ کی ایک مجلس میں جمع ہوئے اور یہ طے کیا کہ کاروان تجارت جو بطور امانت محفوظ ہے، اس کا اصل سرمایہ تو شرکاء میں تقسیم کر دیا جائے، لیکن اس کا منافع جو کہ پچاس ہزار دینار ہے، اس کو محمد ﷺ کے خلاف جنگ کی تیاری میں صرف کیا جائے اور محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں پر فتح حاصل کر کے قریش کی عزتِ رفتہ کو بحال کیا جائے اور اپنے اشراف وصنادید کا جو بدر میں مسلمانوں کی تلواروں سے مارے گئے ہیں، انتقام لیا جائے۔ اس مجلس میں جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے، ان کے اپنے اعزا واقربا بھی بدر میں مارے گئے تھے۔ چنانچہ ابوسفیان کا بیٹا حنظلہ، عکرمہ کا باپ ابوجہل، حارث بن ہشام کا بھائی ابوجہل بن ہشام اور صفوان کا باپ امیہ اس غزوہ میں کام آئے تھے۔

الحمدللہ غزوۂ احد کے یہ سب محرکین بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (زرقانی: ۲/۲۰)

دارالندوہ کی اس مجلس میں جو کچھ طے پایا، تمام قریش نے اس کی تائید کی۔ چنانچہ بڑے زور وشور سے اس انتقامی جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ دوسرے قبیلوں کو بھی اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ اس مقصد کے لیے ترغیب وتحریص کی تمام صورتیں اختیار کی گئیں۔ شاعروں کو کہا گیا کہ وہ لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کریں کیونکہ اس معاشرہ میں شعراء کا ایک بہت بڑا مقام تھا۔ وہ آج کل کے پریس کا کام کرتے تھے۔ ابوعزہ شاعر کو اس کام پر صفوان بن امیہ نے دولت کا لالچ دے کر لگایا اور اسے پروپیگنڈہ سیل کا انچارج بنایا۔ اگرچہ اس شخص نے جنگ بدر میں بلا فدیہ رہا ہونے کے بعد حضور ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ میں آئندہ اسلام کی مخالفت نہیں کروں گا جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے، لیکن اس نے اپنے وعدہ کو بالکل فراموش کر کے، اس عہدوپیمان کو پس پشت ڈال کر غیرت و حمیت کو مشتعل کرنے والے اشعار کے ذریعے لوگوں کو بھڑکانا شروع کیا۔ ایک اور شاعر مسافع

Marfat.com

بن عبد مناف نے بھی ابوعزہ کا ساتھ دیتے ہوئے لوگوں کو اس مہم کے لیے ابھارا۔ دوسری طرف ابوسفیان نے بھی غزوۂ سویق سے نامراد واپس لوٹنے کے بعد مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے میں کچھ زیادہ ہی سرگرمی دکھائی۔ پھر آخر میں سریۂ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے قریش مکہ کا ایک لاکھ درہم کا سازوسامان ضبط کر کے ان کی آتشِ انتقام کو اور تیز کر دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں سے یک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے قریش کی تیاری کی رفتار میں بڑی تیزی آ گئی۔

خواتینِ قریش کی شرکت:

مردوں کے اس جوش وخروش کو دیکھ کر جوشِ انتقام میں مدہوش قریشی عورتیں بھی ساتھ جانے کے لیے مصر ہوئیں، جس پر ایک شخص نے مجلس مشاورت یہ رائے پیش کی:

"ہم لوگ سر پر کفن باندھ کر جا رہے ہیں۔ اگر اپنے مقتولین کا بدلہ نہ لے سکے تو زندہ واپس نہ لوٹیں گے۔ عورتوں کی معیت ہمارے لیے مفید ثابت ہو گی۔ یہ ہمارے جذباتِ غضب کو بھڑکائیں گی اور ہمیں بدر کے واقعات یاد دلا کر آگے بڑھائیں گی۔"

ایک دوسرے شخص نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا:

"عورتیں ہماری آبرو ہیں۔ اگر ہمیں شکست ہوئی تو ان کی بے حرمتی سے ہماری رہی سہی آبرو بھی خاک میں مل جائے گی۔ لہٰذا انھیں ہمراہ نہ لے جایا جائے۔"

اس موقع پر ہند زوجہ ابوسفیان نے، جس کے دو بیٹے (ولید اور حنظلہ) باپ (عتبہ بن ربیعہ) اور اور دیور (شیبہ بن ربیعہ) اس جنگ میں مارے گئے تھے اور اس کا سینہ آتشِ انتقام سے بھرا ہوا تھا، اٹھ کر کہا:

"آپ حضرات اس بات سے بالکل نہ گھبرائیں کہ آپ زندہ بچ کر نہ آ سکیں گے۔ آخر آپ لوگ بدر سے بھی بچ کر آ ہی گئے تھے اور اپنی عورتوں کو بھی آ کر دیکھ لیا۔ پھر آپ حضرات ہمیں شرکت سے منع کرنے والے کون ہیں؟ جبکہ یہی غلطی آپ سے بدر میں ہوئی جب آپ لوگوں نے نوجوان لڑکیوں کو مقام جحفہ سے لوٹا دیا، جو

Marfat.com

اگر جنگ کے وقت ہوتیں تو آپ لوگوں کو غیرت وحمیت دلا کر آگے بڑھاتیں۔ آہ، وہ بدر جس میں ہمارے عزیز ترین مرد دشمن کے ہاتھوں خاک وخون میں تڑپے۔“

ہند کی اس دلیل کے بعد تمام لوگ عورتوں کو ساتھ لے جانے پر متفق ہو گئے تاکہ وہ رجز یہ اشعار پڑھ کر لڑنے والوں کی ہمت بڑھائیں اور بھاگنے والوں کو غیرت دلائیں۔ چنانچہ ایک بڑے لشکر کو تیار کیا گیا جس کی کل تعداد تین ہزار تھی۔ قائدین قریش کی عورتوں کو بھی اس لشکر میں شامل کیا گیا جن کی تعداد پندرہ تھی۔ تین ہزار اونٹ، سات سو زرہ پوش، دو سو گھوڑے اور ہر قسم کا اسلحہ ان کے ہمراہ تھا۔ قریش کے علاوہ حلیف قبائل کے جنگجو اور بہادر بھی اس میں شریک تھے۔ مجموعی تعداد بعض روایات کے مطابق تین ہزار سے زیادہ تھی۔ اس لشکر میں ایک سو تیر انداز بھی تھے۔ ابوسفیان کو پورے لشکر کی کمان سونپی گئی۔ رسالے کی کمان خالد بن ولید کو دی گئی اور عکرمہ بن ابی جہل کو اس کا معاون بنایا گیا۔ پرچم دستور کے مطابق قبیلہ بنی عبدالدار کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔

عورتوں میں ابوسفیان قائد لشکر کی بیوی ہند، عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی ام حکیم، خالد بن ولید کی بہن فاطمہ، رئیس طائف مسعود ثقفی کی بیٹی برزہ، عمرو بن العاص کی بیوی ریطہ، سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی والدہ خناس کے نام بھی ابن ہشام نے بتائے ہیں۔ (جلد: ۲/۶۵-۶۶)

مدینہ میں اطلاع:

یہ تیاری اور روانگی پوری راز داری کے ساتھ ہوئی۔ چنانچہ مدینہ کی انٹیلی جنس بھی اس بارے میں بالکل بے خبر رہی لیکن مکہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب قریش کی اس ساری نقل وحرکت پر نہایت چابکدستی اور گہرائی سے نظر رکھے ہوئے تھے۔ جوں ہی یہ لشکر مکے سے نکلا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے تمام حالات لکھ کر ایک خط کے ذریعے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ فرما دیئے۔ قاصد کو تاکید کی کہ جلد از جلد یہ خط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیا جائے۔ قاصد نہایت مستعد تھا۔ اس نے پانچ سو کلومیٹر کی مسافت صرف تین دن میں طے کر کے یہ خط سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قبا میں تشریف فرما تھے۔ یہ قاصد وہیں باریاب ہو

Marfat.com

گیا۔ آپ ﷺ نے لفافہ کھول کر سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو دیا۔ سیدنا ابی رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر آپ ﷺ کو تمام حالات سنائے۔ آپ ﷺ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تاکید فرمادی کہ اس خط کے مضمون کی ابھی کسی کو خبر نہ دی جائے۔ البتہ سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے اس بارے میں خود آگاہ فرمادیا۔

(سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۲۱، طبقات ابن سعد: ۲/۲۵، زرقانی: ۲/۲۰)

خط ملنے کے بعد آپ ﷺ فوری طور پر مدینہ تشریف لائے۔ اب آپ ﷺ خود قریش کے لشکر کے حالات معلوم کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ ۵ رشوال سنہ ۳ھ کو آپ ﷺ نے دو خبر رساں سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور سیدنا مونس رضی اللہ عنہ لشکر قریش کے بارے میں خبر لانے کے لیے بھیجے۔ انھوں نے آکر یہ اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا ہے۔ اور مدینہ کی چراگاہ ''عریض'' کو اس کے گھوڑوں نے صاف کردیا ہے۔

اب سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ کو فوج کی تعداد معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ سیدنا حباب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ لشکر کی تعداد تین ہزار ہے۔ چنانچہ مدینہ طیبہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً حفاظتی انتظامات کرنے شروع کردیئے۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور چند اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں حاضر ہوگئے اور تمام رات باب رسالت پر پہرہ دیتے رہے۔ شہر کے اطراف و جوانب میں بھی پہرے بٹھلا دیئے گئے۔ (طبقات ابن سعد: ۲/ ۲۵۔۲۶) کچھ دستے دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کے لیے ان راستوں پر گشت کرنے لگے جن سے مدینہ میں داخل ہوا جاسکتا تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ قریش کا لشکر معروف کاروانی شاہراہ پر چلتا آرہا تھا لیکن جب ابواء کے مقام پر پہنچا تو بعض شرکائے لشکر نے یہ تجویز پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ کی قبر کو اکھیڑ دیا جائے لیکن لشکر نے یہ تجویز منظور نہ کی۔ پھر یہ لشکر مدینہ کے قریب پہنچ کر وادی عقیق سے گزرا۔ پھر دائیں جانب کترا کر کوہ اُحد کے قریب عینین کے مقام پر مدینہ کے شمال میں وادئ قناۃ کے کنارے ایک وادی میں پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ ۶ رشوال سنہ ۳ھ کا واقعہ ہے۔

مدینہ کے ذرائع اطلاعات ایک ایک منٹ کی خبر مدینہ طیبہ پہنچا رہے تھے یہاں تک کہ مکی لشکر کے پڑاؤ کی بابت آخری خبر بھی رسول اللہ ﷺ کو پہنچا دی گئی۔ ۶ رشوال سنہ ۳ھ

Marfat.com

بروز جمعہ کو آپ ﷺ نے فوج کی ہائی کمان کی مجلس شوریٰ منعقد فرمائی جس میں قریشی لشکر کے مقابلہ کی حکمت عملی کا جائزہ لیا گیا۔ سب سے پہلے یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ قریش کی فوج کا مقابلہ مدینہ میں رہ کر کیا جائے یا باہر نکل کر۔ تاریخ کی ورق گردانی سے اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو حضور ﷺ نے خود بلایا یا وہ خود پہنچ گیا لیکن یہ بات یقینی ہے کہ وہ اس مجلس میں موجود تھا اور اپنی جماعت کی نمائندگی کر رہا تھا۔

سرکار دو عالم ﷺ نے اپنا ایک خواب بتایا کہ واللہ! میں نے ایک نہایت بھلی اور اچھی چیز دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح کی جارہی ہیں اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ میری تلوار کے سرے پر کچھ شکستگی ہے۔ اور یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں داخل کیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس خواب کی تعبیر بتلائی۔ گائے کی تعبیر یہ بتلائی کہ کچھ صحابہ قتل کیے جائیں گے۔ تلوار کی شکستگی کی تعبیر یہ بتلائی کہ آپ ﷺ کے گھر کا کوئی شخص شہید ہوگا اور محفوظ زرہ کی یہ تعبیر بتلائی کہ اس سے مراد شہر مدینہ ہے۔

اب دفاعی حکمت عملی کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے مختلف تجاویز پیش کی گئیں۔ آپ ﷺ کی اس بارے میں اپنی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر ہی دشمن کا مقابلہ کیا جائے اور مدینہ سے باہر نہ نکلیں کیونکہ مدینہ کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے پہاڑی سلسلے ہیں۔ مدینہ کے ناکوں پر دیواریں چن کر پورے مدینہ کو ایک محفوظ قلعے کی صورت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ عورتیں اور بچے قریب کی پہاڑیوں پر پہنچا دیئے جاتے۔ اگر موقع ہوتا تو وہاں سے دشمن پر سنگباری بھی کر سکتے تھے۔ مدینہ میں قلعہ بند ہونے سے یہ ہوگا کہ اگر دشمن اپنے کیمپ میں مقیم رہتے ہیں تو ان کا قیام بے مقصد ہوگا اور وہ چند روز قیام کر کے واپس چلے جائیں گے اور اگر وہ حملہ کرے گا تو خود پریشان ہو کر واپس چلا جائے گا۔ اور اگر وہ مدینہ میں داخل ہوتا ہے تو مسلمان گلی کوچوں کے ناکوں پر اُن سے جنگ کریں گے اور عورتیں مکانوں کی چھتوں کے اوپر سے ان پر خشت باری کریں گی۔ یہ رائے چونکہ سرکار دو عالم ﷺ کی طرف سے پیش کی گئی تھی، اس لیے صحیح اور درست رائے تھی کیونکہ پیغمبر کی بصیرت ایک بڑے سے بڑے آدمی سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے بھی اس رائے کی تائید کی۔ اگرچہ اس کی تائید اس بنیاد پر نہ تھی کہ جنگی نقطہ نظر سے یہ صحیح اور درست تھی

Marfat.com

بلکہ اس وجہ سے تھی کہ وہ جنگ سے دور بھی رہے اور کسی کو اس کا احساس بھی نہ ہو کیونکہ دل منافقت سے بھرا ہوا تھا۔ عبداللہ بن ابی نے اس رائے کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ مدینہ کے ماضی کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اہل مدینہ نے شہر میں رہ کر کسی دشمن کا جب بھی مقابلہ کیا وہ کامیاب رہے اور دشمن کو جرأت نہ ہوئی کہ شہر میں داخل ہو سکے اور جب کبھی وہ باہر نکلے انھوں نے نقصان اٹھایا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۶۶)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد تھی جن کو حسرت تھی کہ وہ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے اور اس فضیلت سے محروم رہے جو اہلِ بدر کی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی۔ اس جماعت کا خیال تھا کہ اگر ہم مدینہ میں رہے تو ہمیں دشمن سے مقابلہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اگرچہ بدر میں شریک ہوئے تھے، لیکن وہ بھی اس رائے کے حامی تھے۔

(البدایہ والنہایہ: ۴/۲۱)

سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا نعمان بن مالک رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ (تفسیر مظہری: ۲/۱۲۸)

چنانچہ ان حضرات نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا:

"یا رسولؐ اللہ! ہم تو اس دن کی تمنا کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اب اللہ نے یہ موقع فراہم کر دیا ہے اور میدان میں نکلنے کا وقت آ گیا ہے تو پھر آپ ﷺ دشمن کے مدمقابل ہی تشریف لے چلیں کیونکہ اگر ہم شہر بند ہو گئے تو اس کا اثر نہ تو دشمن پر اچھا پڑے گا اور نہ عرب کے قبائل پر، کیونکہ سمجھا یہ جائے گا کہ مسلمانوں میں مقابلے کی ہمت نہیں ہے اور انھوں نے بدر میں جو فتح حاصل کی تھی تو وہ محض ایک اتفاقی بات تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ غزوۂ بدر کی فتح سے جو ہیبت اور رُعب مسلمانوں کا قائم ہوا ہے وہ ختم ہو جائے گا۔"

دونوں طرف سے بڑی آزادی کے ساتھ دلائل پیش کیے گئے لیکن اتفاق سے غالب یہی رائے رہی کہ مدینہ سے نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۱۶)

بعض روایات میں ہے کہ ان حضرات میں، جو مدینہ سے باہر جا کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سب سے پیش پیش تھے۔ انھوں نے بارگاہ رسالت

Marfat.com

میں عرض کی: ''یا رسولؐ اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ پر یہ کتاب نازل کی، میں کوئی غذا نہ چکھوں گا جب تک کہ مدینہ سے باہر اپنی تلوار کے ذریعے ان سے دو دو ہاتھ نہ کر لوں۔'' (سیرۃ حلبیہ: ۱۴/۲)

نبی اکرم ﷺ نے یہ سب باتیں سنیں اور اکثریت کے اصرار کے سامنے اپنی رائے ترک کر دی اور آخری فیصلہ یہی ہوا کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔

یہ ساری گفتگو نماز جمعہ سے قبل ہوئی۔ نماز جمعہ کے بعد سرکار مدینہ ﷺ نے تقریر فرمائی اور مسلمانوں کے جہاد کے جذبات کو ولولہ تازہ دیا۔ ان کو تیاری کا حکم دیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر ڈیرے ڈالے بیٹھا تھا اور یہ بشارت بھی دے دی کہ اگر صبر و استقلال سے کام لیا گیا تو یقیناً کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔ حضور ﷺ کی اس بشارت سے اب مسلمانوں میں شوقِ جہاد کے ساتھ کامیابی اور کامرانی کی امنگ بھی تھی۔ (طبقات ابن سعد: ۲۶/۳)

نماز جمعہ اور جذبۂ جہاد کی تقریر کے بعد سرکار دو عالم ﷺ اپنے راحت کدہ پر تشریف لے گئے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دونوں آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ان دونوں نے وہاں آپ ﷺ کو عمامہ بندھوایا اور پوشاک زیب تن کروائی۔ پھر دو زرہیں پہنائیں۔ پشت مبارک کو چمڑے کے پٹکے سے کسا اور لوگوں کے سامنے اس حالت میں تشریف لائے کہ گردن کی ایک طرف تلوار کا پرتلہ تھا، دوسری طرف کمان، پشت پر ترکش اور دست مبارک میں نیزہ۔ (سیرت حلبیہ: ۱۴/۲، طبقات ابن سعد: ۲۶/۳۔ ۲۷) سر پر اس وقت عمامہ تھا لیکن میدان جنگ میں جب آپ ﷺ صفیں درست فرما رہے تھے تو خُود بھی سر مبارک پر تھا اور اس کے ساتھ مغفر بھی تھا۔ (طبقات ابن سعد: ۲۷/۲) تفسیر مظہری: ۱۲۹/۳ میں ہے کہ اس دوران میں اہل عوالی (یعنی قبا وغیرہ کے باشندے) بھی آ گئے اور حجرۂ مبارکہ اور منبر نبویؐ کے درمیان دو رویہ صفیں لگا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

سرکار دو عالم ﷺ جب اسلحہ سے آراستہ ہو کر باہر تشریف لائے تو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سیدنا اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ وغیرہ بزرگ صحابہ کو یہ احساس ہوا کہ حضور ﷺ کی مرضی کے خلاف مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کے لیے اصرار کیا گیا ہے۔ ان حضرات نے لوگوں کو توجہ دلائی کہ جس رسولؐ پر آسمان سے وحی نازل ہوتی رہتی ہے، آپ ﷺ لوگوں نے اس

Marfat.com

کی مرضی کے خلاف ایک بات پر اصرار کیا ہے جو مناسب نہیں تھا۔ اب مناسب یہ ہے کہ آپ حضرات اپنا فیصلہ واپس لے لیں اور معاملے کا سارا اختیار آپ ﷺ کو دے دیں۔ لوگوں نے یہ سن کر ندامت محسوس کی۔ چنانچہ جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو لوگوں نے ندامت محسوس کرتے ہوئے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارا اِصرار غلط تھا۔ آپ ﷺ منشائے عالی کے مطابق جو مناسب ہو وہی کیجیے۔''

آپ ﷺ نے لوگوں کی یہ معذرت سنی تو فرمایا: ''نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ جب وہ زرہ پہن چکا ہو تو اس کو اتارے تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ فرمادے۔''

پھر آپ ﷺ نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور تین جھنڈے منگوائے اور حسب ذیل تین حضرات کو مرحمت فرمائے:

① مہاجرین کا پرچم سیدنا مصعب بن عمیر عبدری رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

② قبیلۂ اوس کا پرچم سیدنا ابن حضیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

③ قبیلۂ خزرج کا پرچم سیدنا حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ خزرج کا پرچم سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

پورا لشکر ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ جن میں ایک سو زرہ پوش، پچاس شہ سوار تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ شہسوار کوئی نہیں تھا لیکن یہ درست نہیں۔ (دیکھیے زاد المعاد: ۹۲/۲) اپنی غیر حاضری میں سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی ﷺ کا امام مقرر فرمایا کہ وہ مدینہ میں رہ جانے والے لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

اسلامی لشکر کی مدینہ سے روانگی:

ابن سعد کے بیان کے مطابق آپ ﷺ نے نماز عصر کے بعد مدینہ طیبہ سے کوچ فرمایا اور لشکر نے شمال کا رخ کیا۔ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زرہ پہنے امام الانبیاء ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے۔ تھوڑی دور چل کر ایک میدان میں قیام فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ جب ثنیۃ الوداع سے آگے بڑھے تو ایک

Marfat.com

دستہ نظر آیا جو نہایت نفیس اور عمدہ ہتھیار لگائے ہوئے تھا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ بتلایا گیا کہ یہ خزرج کے حلیف یہود ہیں جو مشرکین مکہ کے خلاف جنگ میں شرکت کے متمنی ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا یہ مسلمان ہو چکے ہیں؟'' بتلایا گیا کہ نہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہم اہلِ شرک کے خلاف اہل کفر کی مدد نہیں لینا چاہتے۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔'' (ابن سعد: ۲۷/۳)

آگے بڑھ کر آپ ﷺ نے مقام شیخین پر قیام فرمایا۔ مغرب کا وقت ہوا تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور امام الانبیاء ﷺ نے نماز پڑھائی۔ رات کو یہیں قیام فرمایا اور عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد آرام کیا گیا۔

لشکر کی حفاظت کے لیے پچاس مجاہدین کا ایک دستہ رات بھر گشت کرتا رہا۔ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ اس کے کمانڈر تھے۔ سیدنا ذکوان رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بن قیس خاص سرکار دو عالم ﷺ کا پہرہ دے رہے تھے۔ یہاں آپ ﷺ نے اسلامی لشکر کا معائنہ بھی فرمایا۔ جو پندرہ سال سے کم عمر کے لڑکے تھے ان کو واپس کر دیا گیا۔ ان حضرات کے نام یہ ہیں:

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، سیدنا اسید بن ظہیر رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، سیدنا عرابہ بن اوس رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن حارثہ انصاری رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن حبہ رضی اللہ عنہ۔

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی جو روایت بخاری میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غزوۂ احد میں شریک تھے۔

ان نوجوان صحابہ کو واپس تو کر دیا گیا لیکن تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ نوجوانوں میں سے سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ تم عمر میں چھوٹے ہو لہٰذا واپس ہو جاؤ تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے تا کہ قد اونچا نظر آئے۔ حضور ﷺ نے ان کی اس جانثاری کے جذبہ کو دیکھ کر لشکر میں لے لیا۔ جب انھیں لے لیا گیا تو ایک اور نوجوان سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے جو ان کے ہم عمر تھے، بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ میں رافع رضی اللہ عنہ سے زیادہ طاقتور ہوں۔ آپ ہم دونوں کی کشتی کروالیں میں انھیں پچھاڑ دوں گا۔ آپ ﷺ نے

Marfat.com

اپنے سامنے ان دونوں کی کشتی کروائی۔ سمرہ رضی اللہ عنہ نے واقعتاً رافع رضی اللہ عنہ کو پچھاڑ دیا، لہٰذا انھیں بھی لشکر میں شرکت کی اجازت مل گئی۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۳۴)

صبح کی نماز پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا: ہمیں قریب کے راستہ سے پہنچنا ہے، مگر راستہ ایسا ہو کہ دشمن کے لشکر سے بچتا ہوا نکلے کیونکہ دشمن کا پڑاؤ آپ ﷺ کے اور احد کے درمیان کئی سمت سے حائل تھا۔ سیدنا ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کی کہ میں اس بارے میں راہنمائی کرتا ہوں۔ پھر انھوں نے ایک مختصر راستہ اختیار کیا جو مشرکین کے لشکر کو مغرب میں چھوڑتا ہوا بنی حارثہ کے حرہ اور کھیتوں سے گزرتا تھا۔ اس راستہ سے جاتے ہوئے لشکر کا گزر مربع بن قیظی کے باغ سے ہوا۔ یہ شخص منافق بھی تھا اور نابینا بھی۔ اس نے لشکر کی آمد محسوس کی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہروں پر دھول پھینکنے لگا اور اس نے آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جوش میں آگئے اور اس کو قتل کرنے کی ٹھانی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چھوڑو، یہ دل اور آنکھوں دونوں کا اندھا ہے۔ پھر بھی ایک صحابی سعد بن زبدہ اشہلی رضی اللہ عنہ کی کمان اس کے سر پر پڑ گئی جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا۔

(ابن ہشام: ۲/۶۷۔۶۸)

منافقین کی لشکر اسلام سے علیحدگی:

نماز فجر کے بعد جب آپ ﷺ چل کر احد کے قریب مقام ''شوط'' پہنچے تو آپ ﷺ دشمن کے بالکل قریب تھے اور دونوں ایک دوسرے کو بخوبی دیکھ رہے تھے۔ یہاں پر عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے اسلامی لشکر کو زک پہنچانے کے لیے تمرد اختیار کیا۔ اس منافق نے بہانہ یہ بنایا کہ آپ ﷺ نے میری بات کیوں نہیں مانی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ یہاں سے وہ تین سو آدمیوں کو لے کر واپس چلا گیا اور یہ کہہ کر گیا کہ جب آپ ﷺ نے ہماری بات نہیں مانی اور ہمارے بجائے نوجوانوں کی باتیں مانیں تو ہم خواہ مخواہ اپنی جانیں کیوں دیں۔ اس کا یہاں سے اپنے آدمیوں سمیت جانے کا وہ سبب نہیں تھا جو اس نے بیان کیا۔ یہ سبب ہوتا تو وہ مدینہ سے یہاں تک نہ آتا بلکہ اس کا مقصد یہاں سے واپس جانے کا یہ تھا کہ وہ لشکر اسلام میں کھلبلی مچانا چاہتا تھا اور اس طریقے سے قریش کی مدد کرنا

Marfat.com

چاہتا تھا کیونکہ جب دشمن ایک ایک نقل وحرکت دیکھ رہا ہو، اس صورت میں جب عام فوجی اپنے کمانڈر کو چھوڑ جائیں اور جو باقی رہ جائیں ان کے حوصلے ہار جائیں اور کمر ہمت ٹوٹ جائے تو دوسری طرف اس منظر کو دیکھ کر دشمن کے حوصلے بلند ہوں گے اور اس کی ہمت بندھے گی۔ اس لیے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کی یہ کارروائی پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے مخلص اور باوفا ساتھیوں کے خاتمے کی ایک موثر تدبیر تھی اور ان کی کمر میں چھرا گھونپنے کے مترادف تھی۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حزام جو عبداللہ بن ابی کے ہم قبیلہ تھے، اور اسی غزوہ میں شہید ہوئے، عبداللہ بن ابی کے پیچھے گئے اور اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر اس نے یہ کہہ کر انھیں مایوس کر دیا کہ:

"ہمیں معلوم ہے کہ جنگ وغیرہ کچھ نہ ہوگی۔ یہ خواہ مخواہ کی باتیں ہیں۔ اگر واقعی جنگ ہوتی تو ہم کبھی ساتھ نہ چھوڑتے۔"

چنانچہ قرآن نے بھی ان کے اس مقولے کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

﴿لو نعلم قتالا لا تبعناکم﴾

"اگر ہم جانتے کہ فی الواقع جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمھارا ساتھ دیتے۔"

پھر قرآن نے یہ بھی کہا کہ:

"جس وقت انھوں نے یہ بات کہی اس وقت وہ ایمان کے مقابلے میں کفر سے زیادہ قریب تھے۔ یہ لوگ زبان سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور جو کچھ وہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں، اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔" (آل عمران)

آپ اندازہ فرمائیں کہ یہ وقت کتنا نازک تھا یعنی عین معرکہ کے وقت ایک تہائی لوگوں کا الگ ہو جانا اور میدان چھوڑ کر چلے جانا یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس سے پورے لشکر کے پاؤں اکھڑ سکتے تھے، ہوسکتا ہے کہ عبداللہ بن ابی کی یہ حرکت دشمن کے اشارہ پر ہو، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پائے ثبات میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ ان کے جذبات مزید برانگیختہ اور پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئے۔ صرف دو ٹکڑیوں میں کچھ لغزش پیدا ہوئی۔ ایک ٹکڑی بنو سلمہ کی تھی جس کا تعلق قبیلۂ خزرج سے تھا اور دوسری بنو حارثہ کی جس کا تعلق قبیلۂ اوس سے تھا لیکن

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے دونوں کی دستگیری کی اور وہ پھر سے جم گئیں۔ چنانچہ قرآن حکیم اگر ان کا پردہ فاش نہ کرتا تو اس کا پتہ چلنا بھی مشکل تھا۔ فرمایا:

''جب تم میں سے دو جماعتوں نے ارادہ کیا کہ بزدلی اختیار کریں، اور اللہ ان کا ولی ہے اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔'' (۱۲۲:۳)

چنانچہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ جن کا تعلق بنوسلمہ سے تھا فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی جس میں ہماری کمزوری ظاہر کی گئی، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت اور مدد کا اظہار فرما کر ایک ایسی قابل فخر سند ہمیں عطا فرمادی کہ اب میرے لیے یہ خوشی کی بات نہیں ہے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نہ نازل ہوتی۔ (کیونکہ یہ کمزوری اتنی باعث ندامت نہیں جتنی یہ سند قابل مسرت ہے)۔ (بخاری: ۲/۶۵۴)

محمد ابن اسحاق کی روایت ہے کہ عبداللہ بن ابی جب اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس چلا گیا تو انصار نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ کچھ یہودی ہمارے حلیف ہیں، ہمیں اجازت عطا فرمائیں کہ ہم ان سے امداد کی اپیل کریں۔ امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۶۷)

اب باقی ماندہ لشکر کو لے کر جس کی تعداد اب صرف سات سو رہ گئی تھی آپ ﷺ آگے بڑھے اور وادی کے آخری سرے پر واقع اُحد پہاڑ کی گھاٹی میں نزول فرمایا اور وہیں اپنے لشکر کا کیمپ لگوایا، وہ اس طرح کہ سامنے مدینہ تھا اور عقب میں احد کا بلند و بالا پہاڑ، اس طرح دشمن کا لشکر مسلمانوں اور مدینہ کے درمیان حد فاصل بن گیا۔

اسلامی لشکر کی صف بندی:

یہاں سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے لشکر کی صف بندی فرمائی۔ جنگی نقطۂ نگاہ سے لشکر کو کئی صفوں میں تقسیم فرمایا۔ ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ بھی منتخب فرمایا جو پچاس تیر اندازوں پر مشتمل تھا۔ اس دستہ کی کمان سیدنا عبداللہ بن جبیر بن نعمان انصاری دوسی بدری رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی اور انھیں وادیٔ قناۃ کے جنوبی کنارے پر واقع ایک چھوٹی سی پہاڑی پر جو اسلامی لشکر کے کیمپ سے کوئی ڈیڑھ سو میٹر جنوب مشرق میں واقع تھی، تعینات فرمایا۔ اس دستہ کو یہ ہدایت

Marfat.com

فرمائی کہ تم نے یہاں بیٹھ کر ہمارے عقب سے قریش کے حملے کو روکنا ہے اور اگر ہم کو مشرکین پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور اگر مشرکین کو ہم پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی اس جگہ سے سرک کر ہماری مدد کے لیے نہ آنا۔ (بخاری: ۱/۴۲۶)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر پرندوں کو بھی ہمیں اچکتے ہوئے دیکھو تب بھی اس جگہ سے نہ ہٹنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں۔

اور مسند احمد وغیرہ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ اس جگہ کھڑے رہو اور پشت کی جانب سے ہماری حفاظت کرو۔ اگر ہم کو قتل ہوتے بھی دیکھو تو ہماری مدد کے لیے نہ آنا اور اگر غنیمت حاصل کرتے ہوئے دیکھو تو اس میں بھی شریک نہ ہونا۔'' (فتح الباری: ۷/۲۷۰)

فوج کا میمنہ اور میسرہ بھی مقرر فرمایا۔ کوہ احد سے حصار کا کام لیا۔ میمنہ پر سیدنا منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور میسرہ پر سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو اور ان کا معاون سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ مہم بھی سونپی گئی تھی کہ خالد بن ولید کے سواروں کی راہ روکے رکھنا۔ صف کے اگلے حصے میں ان بہادر اور جانباز مسلمانوں کو رکھا گیا جن کی دلیری اور جانبازی کا شہرہ تھا۔

غزوۂ بدر میں تین سو تیرہ کا مقابلہ ۹۵۰ سے تھا یعنی وہاں ایک اور تین کی نسبت تھی۔ لیکن غزوۂ احد میں سات سو کا مقابلہ ۳۲ سو سے تھا یعنی ایک اور پانچ کا مقابلہ تھا۔ دشمن کی فوج میں تین ہزار اونٹ اور دو سو گھوڑے تھے لیکن مسلمانوں کا یہ سفر پیادہ پا ہوا تھا لہٰذا اونٹ تو ایک بھی نہیں تھا۔ گھوڑے ابن سعد کی روایت کے مطابق صرف دو تھے۔ (ابن سعد: ۳/۳۲) اور ابن قیم کے مطابق پچاس تھے۔ (زاد المعاد: ۲/۹۲، فتح الباری: ۷/۲۷۰) دشمن کی فوج میں سات سو زرہ پوش تھے اور ایک سو تیر انداز جبکہ اسلامی لشکر میں صرف ایک سو زرہ پوش تھے اور پچاس تیر انداز۔ اس وجہ سے یہ دفاعی منصوبہ بندی بڑی باریک بینی سے کی گئی جس سے آپ ﷺ کی عسکری عبقریت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ ﷺ نے لشکر کے لیے وہ مقام منتخب فرمایا جو فوجی نقطۂ نگاہ سے میدان جنگ کا بہترین مقام تھا، یعنی آپ ﷺ نے کوہ احد کی بلندیوں کی اوٹ لے کر اپنی پشت اور دایاں بازو مضبوط فرما لیا تھا اور بائیں بازو کو جنگ کے دوران جس درہ سے

Marfat.com

حملے کا خطرہ تھا اسے تیر اندازوں کے ذریعہ بند کر دیا۔ دشمن اگرچہ تین روز پہلے وہاں پہنچ چکا تھا لیکن آپ ﷺ نے اپنی جنگی حکمت عملی اور بہترین صف بندی سے اپنے پڑاؤ کے لیے وہ جگہ متعین فرمائی جو فتح وشکست دونوں صورتوں میں مفید تھی۔ آپ ﷺ نے دشمن کو ایک نشیبی مقام قبول کرنے پر مجبور کر دیا تاکہ اگر خدانخواستہ وہ غالب آجائے تو فتح کا کوئی خاص فائدہ نہ اٹھا سکے اور اگر شکست کھا جائے تو تعاقب کرنے والی مسلمان فوج کی گرفت سے نہ بچ سکے۔ اور اپنے لیے ایک اونچی جگہ منتخب فرمائی کہ اگر خدانخواستہ شکست سے دوچار ہونا پڑے تو تعاقب کرنے والوں کی قید میں جانے کے بجائے کیمپ میں پناہ لی جا سکے اور دشمن کے کیمپ پر پیش قدمی کی صورت میں اسے شدید جانی نقصان پہنچ سکے اور مسلمانوں کی فتح کی صورت میں دشمن کا تعاقب کر کے اسے بھاری نقصان پہنچایا جا سکے۔

پھر لشکر میں جہاں جہاں کسی مجاہد کو کھڑا کیا گیا وہ اسی جگہ کے لیے موزوں ترین تھا۔ علم برداری لشکر میں ایک خاص اعزاز سمجھا جاتا ہے۔ قریش میں یہ اعزاز بنی عبدالدار کے لیے مخصوص تھا۔ چنانچہ قریش کا لشکر جب مکہ سے چلا تو علم بنی عبدالدار کے آدمی کو دیا گیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے بھی اس بات کا لحاظ رکھا۔ آپ ﷺ نے پہلے مہاجرین کا پرچم سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا تھا لیکن جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ابوسفیان نے روایاتِ قریش کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بنی عبدالدار کے فرد کو پرچم دیا ہے تو آپ ﷺ نے بھی اسی خاندان کے ایک ممتاز مہاجر سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو علم عطا فرمایا اور فرمایا: ”ان کے مقابلے میں ہم پر زیادہ حق ہے کہ ہم وفا کریں۔“

نحن احق بالوفاء منھم۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۰/۴)

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ خاندانی احترامات کو باقی رکھنا بھی اسلام میں ضروری ہے ورنہ بعض دفعہ اس کے نتائج اچھے نہیں ہوتے اور لوگوں میں تشتت وافتراق کی آبیاری ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فتح مکہ کے روز سقایہ، رفادہ اور خانہ کعبہ کی کلید برداری کے مناصب جن جن خاندانوں کے سپرد تھے، ان سے یہ مناصب نہ چھینے بلکہ انہی کے سپرد رہنے دیئے، حالانکہ خانہ کعبہ کی کلید برداری کے منصب کے لیے آپ ﷺ کے شفیق چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے خواہش بھی کی، لیکن آپ ﷺ نے اسی خاندان کو کلید عطا فرمائی جس کے

Marfat.com

پاس پہلے سے تھی۔

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اس پرچم کا حق ادا کر دیا اور قوت وشدت سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اس کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے وہ علم سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو زرہ پوش رسالے کا افسر مقرر کیا گیا اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان مجاہدین کا کمانداز مقرر فرمایا جو زرہ پوش نہ تھے۔

ابن سعد نے طبقات میں تصریح کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پیادہ پا گھوم کر صفیں قائم فرمائیں اور انھیں درست فرمایا حالانکہ آپ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کا گھوڑا ''سکب'' موجود تھا۔ جسد اطہر پر دو زرہیں تھیں۔ سر مبارک پر مغفر اور اس کے اوپر خود تھا۔ شانہ اقدس پر ایک طرف تلوار کا پرتلہ تھا اور دوسری جانب کمان، پشت پر ترکش اور دست بیضاء میں نیزہ۔ لشکر کی یہ ترتیب و تنظیم اور میدان جنگ میں صف بندی ۷ر شوال سنہ ۳ھ ہفتہ کے دن عمل میں آئی اور اللہ کے پیغمبرؐ نے میدانِ اُحد میں اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں لشکر کو یوں ترتیب دیا۔

جب صفیں مرتب ہو گئیں تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جب تک میں حکم نہ دوں جنگ شروع نہ کی جائے۔ اب آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پامردی اور ثابت قدمی کی تلقین فرمائی، ان میں دلیری اور بہادری کی روح پھونکتے ہوئے ایک برہنہ تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا:

((من یاخذ ھذا السیف بحقہ؟))

''کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟''

پیغمبر اسلام ﷺ کے منہ سے یہ کلمات سن کر کئی حضرات سعادت حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ جن میں سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی تھے لیکن ایک صحابی سیدنا ابو دجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر عرض کی، اے اللہ کے رسولؐ! اس تلوار کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا حق یہ ہے کہ اس سے خدا کے دشمنوں کو مارے یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔''

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس سے کسی مسلمان کو کبھی قتل نہ کرنا اور اس کو لے کر کبھی کسی کافر کے مقابلے سے فرار نہ ہونا۔''

سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں اس تلوار کو لے کر اس کا حق

Marfat.com

ادا کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسی وقت تلوار سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دی۔

(زرقانی: ۲/۲۸)

سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بڑے جانباز آدمی تھے۔ لڑائی کے وقت اکثر ناز و انداز اور وجد و سکر کی خاص کیفیت ہوتی تھی۔ ان کے پاس ایک سرخ پٹی ہوتی تھی، جب اس کو باندھ لیتے تو لوگ سمجھ لیتے کہ اب وہ موت تک لڑتے رہیں گے۔ چنانچہ انھوں نے سرکار دو عالم ﷺ کے دست مبارک سے تلوار لی اور سر پر سرخ پٹی بھی باندھ لی۔

سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ اس تلوار کے ایک طرف شعر کندہ تھا جس کا ترجمہ یہ ہے:

''بزدلی میں عار ہے اور آگے بڑھنے میں عزت ہے۔ انسان بزدلی کر کے تقدیر سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔'' (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۴۶)

(بعض روایات میں ہے کہ سرخ عمامہ باندھا) اور فریقین کی صفوں کے درمیان اکڑ کر اور ناز و انداز سے چلنے لگے۔ اس موقع پر امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ یہ چال اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں لیکن اس جیسے موقع پر پسند ہے۔

(زرقانی: ۲/۲۸، انساب الاشراف: ۱/۱۴۷، زاد المعاد: ۲/۱۳۱)

قریش کے لشکر کی ترتیب و تنظیم:

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ قریش مکہ، مکہ سے ہی تین ہزار سے زائد کا لشکر لے کر چلے تھے، لیکن اس لشکر کو مدینہ سے بھی امداد مل گئی۔ مدینہ کا ایک مقبول عام شخص عمرو بن صیفی جو ابو عامر کے نام سے مشہور تھا، اس کی صفتِ زہد اور پارسائی اہل مدینہ کے ہاں مشہور تھی اور اس وجہ سے مدینہ کے بہت سے لوگ اس کو عزت و احترام سے دیکھتے تھے، لیکن جیسے ہی مدینہ کے لوگ اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے، اس شخص کے زہد کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ گیا اور لوگوں کو اس کے نمائشی زُہد کی حقیقت کا پتہ چل گیا۔ چنانچہ وہ مدینہ چھوڑ کر مکہ میں آباد ہو گیا۔ یہ ابو عامر بھی اپنی پارٹی کے ساتھ قریش کے لشکر میں شامل تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس کی وجہ سے قبیلۂ اوس کے بھی پچاس آدمی قریش کے لشکر میں شریک تھے۔

قریش کے لشکر کا سپہ سالار اعظم ابوسفیان بن حرب تھا۔ اس نے معمول کے مطابق

Marfat.com

اپنے لشکر کی صف بندی کی۔ لشکر کے قلب پر اپنا مرکز بنایا۔ میمنہ کا افسر خالد بن ولید کو بنایا اور میسرہ پر ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو مقرر کیا۔ پیدل فوج کی کمان صفوان بن امیہ کے پاس تھی جو قریش کا مشہور رئیس اور امیہ بن خلف کا بیٹا تھا۔ تیراندازوں کے دستوں پر عبداللہ بن ربیعہ کو مقرر کیا۔

لشکر کی علم برداری ایک خاص اعزاز تھا۔ یہ منصب نہایت خطرناک اور ایثار طلب تھا کیونکہ علم فتح وشکست کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ جیسے ہی جھنڈا سرنگوں ہوتا تھا فوج کے پاؤں اکھڑ جاتے تھے اور وہ فرار ہو کر اپنی جان بچاتی تھی۔ قریش میں جب عبد مناف نے قصی سے وراثت میں پائے ہوئے منصبوں کو تقسیم کیا تھا تو علم برداری کا منصب بنو عبدالدار کے سپرد کیا تھا۔ بدر میں بھی اسی خاندان کے سپرد قریش کا پرچم تھا۔ بدر میں جس شخص کے پاس پرچم تھا اس کا نام نضر بن حارث تھا۔ وہ گرفتار ہو گیا تو قریش کو بہت سخت حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ چنانچہ اس جنگ میں ابوسفیان نے ان کو علم سپرد کرتے وقت ان سے عہد لینے کے لیے کہا:

''بدر میں جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اس وقت اگر آپ کے بہادر تیار ہیں کہ اس علم کی عظمت و رفعت برقرار رکھنے کے لیے اپنی جانوں کی پروا نہ کریں تو بے شک اس لشکر کی علم برداری آپ کا حق ہے، اس حق کو حاصل کیجیے اور اگر یہ ہمت اور جرأت نہ ہو تو ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم اپنی جانوں کی قیمت پر اس کی عظمت و عزت برقرار رکھیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بدر کے روز آپ لوگوں نے ہمارا جھنڈا لے رکھا تھا تو ہمیں جن حالات سے دوچار ہونا پڑا اس سے آپ لوگ بخوبی آشنا ہیں۔ دراصل فوج پر علم ہی کی طرف سے زد پڑتی ہے۔ جب پرچم گرتا ہے تو فوج کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔''

بنی عبدالدار نے جب قائد لشکر ابوسفیان کے یہ طنز آمیز ریمارکس سنے تو بھڑک اٹھے۔ انھوں نے دھمکیاں دیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس پر پل پڑیں گے۔ چنانچہ انھوں نے اسی غصے اور جوش میں ابوسفیان کو جواب دیا:

''یہ ہرگز ممکن نہیں کہ ہم اپنے خاندانی اعزاز کو آپ کے حوالے کر دیں۔ ہم موت سے جان چرانے والے نہیں بلکہ موت سے کھیل جانے والے ہیں۔ پرچم ہمارے

Marfat.com

حوالے کیجیے اور کل جب دشمن سے ٹکر ہوگی تو دیکھ لینا کہ ہم کیا کرتے ہیں۔"

ابوسفیان کا مقصد بھی اپنے ان ریمارکس سے یہی تھا اور وہ ان کے منہ سے یہی کہلوانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے علم بنی عبدالدار کے نمائندہ طلحہ بن ابی طلحہ کے سپرد کر دیا۔ ان لوگوں نے میدان احد میں قربانی کی ایک مثال پیش کر دی۔ اس خاندان کے سات آدمی یکے بعد دیگرے اس پرچم کے لیے قربان ہوئے۔ (ابن ہشام: ۲/۷۷، طبقات ابن سعد: ۲۸/۳، عیون الاثر: ۱۶/۲)

آغازِ جنگ:

اب دونوں طرف سے صف بندی ہو چکی تھی اور ایک اشارے کی ضرورت تھی کہ جنگ شروع ہو جائے۔ اتنے میں دیکھا گیا کہ قریش کی عورتیں جنگ میں اپنا پارٹ ادا کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ وہ دف پر اشعار پڑھ رہی تھیں جو کشتگان بدر کے انتقام اور مقتولین کے رجز پر مشتمل تھے۔ یہ کل چودہ عورتیں تھیں اور ان کی قیادت قائد لشکر ابوسفیان کی اہلیہ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ کر رہی تھی۔ یہ عورتیں صفوں میں گھوم گھوم کر اور دف پیٹ پیٹ کر لشکریوں کو جوش دلا رہی تھیں اور شمشیر زنی، تیر افگنی اور مار دھاڑ کے لیے فوجیوں کے جذبات کو برانگیختہ کر رہی تھیں۔ کبھی وہ لشکر کے علم برداروں کو مخاطب کر کے کہتیں:

"شاباش بنو عبدالدار، شاباش جو پیٹھ کے پاسدار ہیں، جو تیز تلواروں سے بھرپور ضرب لگاتے ہیں۔"

اور کبھی فوجیوں کو ان اشعار سے جوش دلاتیں ؎

نحن بنات طارق   نمشی علی النمارق
ان تقبلوا نعانق   ان تدبروا نفارق
فراق غیر وامق۔

"ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں، ہم قالینوں پر چلتی ہیں۔ اگر تم آگے بڑھو گے تو تمھیں گلے لگائیں گی، اگر پیٹھ دکھاؤ گے تو تمھیں چھوڑ دیں گی۔ تم سے ایسی الگ ہوں گی جس میں محبت کا نام و نشان نہ ہوگا۔"

یہ خواتین پیچھے ہٹیں تو سب سے پہلے ابو عامر فاسق اپنے نمائشی زُہد و پارسائی کے

Marfat.com

ساتھ مسلمانوں کے سامنے نمودار ہوا۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ اس کا نام عبد عمرو بن صیفی تھا اور اس کے نمائشی زہد و پارسائی کی وجہ سے اسے ''راہب'' کہا جاتا تھا لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے اس کا نام ''فاسق'' رکھ دیا تھا۔ اس نے قریش کو یقین دلایا تھا کہ میری قوم اوس کے لوگ مجھے دیکھیں گے تو محمد ﷺ کو چھوڑ کر میرے ساتھ ہو جائیں گے۔ اس مقصد کے لیے وہ اپنے ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ آیا تھا۔ چنانچہ یہ سب سے پہلا شخص تھا جو میدان جنگ میں آیا۔ اس نے میدان میں آ کر اپنی قوم کو پکارا: مجھے پہچانتے ہو؟ میں ابو عامر ہوں۔ انصار نے جواب دیا: او فاسق! او نمائشی زاہد و راہب! ہم تمھیں بخوبی جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تیری آنکھ کو ٹھنڈا نہ کرے۔ ابو عامر نے یہ خلافِ توقع جواب سنا تو کہنے لگا: ''میرے بعد میری قوم کا مزاج بگڑ گیا ہے۔ پھر اس نے اور اس کے ساتھیوں نے مسلمانوں پر پتھراؤ شروع کر دیا لیکن مسلمانوں نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا اور تھوڑی ہی دیر میں اس کا منہ پھیر کر رکھ دیا۔

(طبقات ابن سعد: ۲۸/۳، زرقانی: ۳۰/۲، البدایہ والنہایہ: ۱۶/۴، عیون الاثر: ۱۶/۲، ابن ہشام: ۶۷/۲)

اب باقاعدہ جنگ کا آغاز ہو گیا، اب قریش کا علم بردار طلحہ بن ابی طلحہ میدان میں آیا اور مسلمانوں کو للکارا۔ یہ شخص قریش کا بڑا بہادر شہ سوار تھا اور مسلمان اس کو کبش الکتیبہ (لشکر کا مینڈھا) کہتے تھے۔ یہ اونٹ پر سوار ہو کر نکلا اور مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی اور کہا کہ اے محمد (ﷺ) کے ساتھیو! تمھارا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو تمھاری تلواروں سے جلدی جہنم میں پہنچاتا ہے اور ہماری تلواروں سے تم کو جنت میں جلد پہنچاتا ہے۔ لہٰذا کیا تم میں کوئی ہے جس کو میری تلوار جنت یا اس کی تلوار مجھے جہنم میں پہنچائے؟ (سیرۃ حلبیہ: ۲۴۷/۲)

یہ سنتے ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور تلوار کا ایک ہی وار ایسا کیا کہ اس کا پیر کٹ گیا اور وہ منہ کے بل گرا اور اس کا ستر کھل گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ شرما کر پیچھے ہٹ گئے۔ حضور ﷺ نے پیچھے ہٹنے کی وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ مجھ کو اس کے ستر کھل جانے سے شرم آ گئی۔ (زرقانی: ۳۱/۲)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ عمامہ کو چیرتی ہوئی گردن تک پہنچ گئی اور وہ جہنم رسید ہو گیا۔ سرکار دو عالم ﷺ اور مسلمانوں نے

Marfat.com

کلمۂ تکبیر کہا اور فرمایا: ''میں نے خواب میں جو کبش الکتبیہ کو دیکھا تھا وہ یہی تھا جو پہلے ہی ذبح کر دیا گیا ہے۔'' (طبقات ابن سعد: ۲۸/۳)

سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ اس کو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ جونہی اس نے دعوت مبارزت دی، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور چشم زدن میں شیر کی طرح جست لگا کر اونٹ پر جا چڑھے اور اسے اپنی گرفت میں لے کر زمین پر کود گئے اور اسے ذبح کر دیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرط مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ پھر آپ ﷺ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی تحسین فرمائی اور فرمایا: ''ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔''

(سیرۃ حلبیہ: ۲۴۷/۲، البدایہ والنہایہ: ۲۰/۴)

قریش کے اس علم بردار کا قتل ان کے لیے کوئی اچھا شگون نہ تھا۔ اب طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے علم سنبھالا اور یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں نکلا:

''علم بردار کا یہ فرض ہے کہ اپنے نیزے کو دشمن کے خون سے رنگین کر دے، یا پھر وہ نیزہ ٹوٹ جائے۔''

اس کا یہ رجز سن کر سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فوراً آگے بڑھے اور کاندھے پر ایسی تلوار ماری کہ کاندھے کو کاٹتی اور جسم کو چیرتی ہوئی ناف تک جا پہنچی۔ پیٹ چاک ہو گیا۔ تمام انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ ساتھ ہی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ نکلا: انا ابن ساقی الحجیج۔ میں ساقی حجاج کا بیٹا ہوں۔ (طبقات: ۲۸/۳)

طلحہ اور عثمان کے بعد ان کے تیسرے بھائی ابوسعد بن ابی طلحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور دعوت مبارزت دی تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے اس کو تاک کر ایسا تیر مارا جو اس کے چہرے اور گردن میں پیوست ہو گیا اور ابوسعد کی زبان باہر نکل آئی۔ پھر آگے بڑھ کر تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔

ابوسعد کے قتل کے بعد بنو عبدالدار نے پھر بھی علم نیچے نہ گرنے دیا اور طلحہ کے بیٹے مسافع بن طلحہ نے بڑھ کر علم کو سنبھالا، لیکن ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ سیدنا عاصم بن ثابت بن ابی افلح رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔

مسافع کے بعد اس کے بھائی کلاب بن طلحہ بن ابی طلحہ نے علم اٹھایا لیکن اس کو سیدنا

Marfat.com

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ پھر طلحہ کے تیسرے بیٹے جلاس بن طلحہ نے علم ہاتھ میں لیا مگر اس کو بھی فوراً سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

خاص طلحہ کے گھر کے چھ افراد یکے بعد دیگرے اس علم پر اپنی جاں نثار کر چکے تو اب بنی عبدالدار کے ایک اور شخص ارطاۃ بن شرحبیل نے آگے بڑھ کر علم تھاما لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ایک روایت کے مطابق سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ ارطاۃ کے قتل کے بعد اب شریح بن قارظ نے علم لیا لیکن اسے قزمان نے قتل کر دیا۔ قزمان منافق تھا اور اسلام کے بجائے قبائلی حمیت کے جوش میں مسلمانوں کے ہمراہ لڑنے آیا تھا۔ شریح کے بعد ابو زید عمرو بن عبد مناف عبدری نے علم سنبھالا، لیکن اسے بھی قزمان نے قتل کر دیا۔ پھر شرحبیل بن ہاشم عبدری کے ایک لڑکے نے علم اٹھایا مگر وہ بھی قزمان کے ہاتھوں قتل ہوا۔

بنو عبدالدار کے دس افراد اس علم کی خاطر قتل ہوئے۔ اب اس قبیلے کا کوئی آدمی علم اٹھانے کے لیے تیار نہیں تھا لیکن اب ابو طلحہ کے ایک غلام نے جس کا نام صواب تھا علم اٹھا لیا اور ایسی بہادری اور جوانمردی سے لڑا کہ اپنے آقاؤں سے بھی بازی لے گیا۔ یہ شخص یہاں تک لڑا کہ اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے لیکن اس کے بعد بھی اس نے علم نہ گرنے دیا، بلکہ گھٹنے کے بل بیٹھ کر سینے اور گردن کی مدد سے علم کو کھڑا کیے رکھا لیکن پھر وہ بھی تہ تیغ کر دیا گیا۔ روایت میں آتا ہے کہ مرنے کے وقت وہ کہہ رہا تھا: ''اے اللہ! اب تو میں نے کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔''

اب غلام ''صواب'' کے قتل کے بعد وہ علم متاعِ بے مایہ بن کر زمین پر گر گیا اور اس کو کوئی اٹھانے والا نہ رہا، لہٰذا وہ اب گرا ہی رہا۔

(طبقات ابن سعد: ۲۸/۳، ۲۹، زرقانی: ۳۱/۲، سیرۃ ابن ہشام: ۷۸/۲)

• عام جنگ:

ایک طرف قریش کے علم بردار، ایک ایک کر کے کٹ رہے تھے جبکہ دوسری طرف شدید جنگ جاری تھی۔ مسلمانوں کی صفوں پر ایمان کی روح چھائی ہوئی تھی۔ شہادت کا ایک وجد طاری تھا۔ ہر شخص دشمن پر اس طرح حملہ آور تھا جیسے باز چڑیوں پر حملہ کرتا ہے۔ قریش کی

Marfat.com

تعداد اگرچہ مسلمانوں سے پانچ گنا زیادہ تھی لیکن اس بات سے بے خبر وہ بھوکے بازوں کی طرح دشمن پر جھپٹ جھپٹ کر حملہ آور ہو رہے تھے۔ ہر شخص کے دل میں ''غازی یا شہید'' کا جذبہ موجزن تھا۔ ایک عجیب کیفیت کے ساتھ وہ دشمنوں سے نبرد آزما تھے۔ سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو امام الانبیاء ﷺ نے ایک تلوار مرحمت فرمائی تھی جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے، وہ سر پر سرخ رومال باندھے دشمن کی صفوں کو الٹ پلٹ کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔ جو مشرک بھی اس تلوار کی زد میں آجاتا وہیں کھیت ہو جاتا۔ سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اس تلوار کے حق کی ادائیگی کا عزمِ صمیم کیے ہوئے دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے دور تک چلے گئے۔

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے جب یہ تلوار دینا چاہی تو میں نے بھی ہاتھ بڑھایا، لیکن حضور ﷺ نے وہ تلوار سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرما دی۔ مجھے بہت تعجب ہوا کہ میں قریش کا مشہور شمشیر زن ہوں۔ حضور ﷺ سے رشتہ بھی نہایت قریب کا ہے۔ میری والدہ آپ ﷺ کی پھوپھی ہیں۔ قریشی ہوں، مہاجر ہوں، میں نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ سے پہلے تلوار مانگی تھی، پھر بھی آپ ﷺ نے مجھے تلوار عطا نہیں فرمائی اور میرے مقابلے میں سرکار مدینہ ﷺ نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی درخواست کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا۔ یقیناً کوئی بات ہے جس کی وجہ سے حضور ﷺ نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو مجھ پر ترجیح دی۔ اب مجھے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا پیچھا کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ میں ان کے پیچھے ہو لیا، دیکھا کہ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے ایک سرخ پٹی نکالی اور اس کو سر پر باندھ لیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ "عصابة الموت" (موت کی پٹی) ہے۔ جب ابو دجانہ رضی اللہ عنہ مرنے مارنے کی ٹھان لیتے ہیں تب یہ پٹی باندھا کرتے ہیں۔ بہادرانہ ولولے کا اثر رفتار میں بھی تھا اور گفتار میں بھی۔ رجز پڑھ کر دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے، ان کے رجز کا ترجمہ یہ ہے:

> ''میں نے اس نخلستان کے دامن میں اپنے حبیب (ﷺ) سے عہد کیا ہے کہ میں کبھی صفوں کے پیچھے نہ رہوں گا اور اللہ اور اس کی تلوار سے اس کے دشمنوں کو مارتا رہوں گا۔''

وہ فوجوں کو چیرتے اور لاشوں پر لاشیں گراتے چلے جا رہے تھے، جو بھی ملتا ان کی تلوار سے لقمۂ اجل بن جاتا۔ ادھر مشرکین میں ایک شخص ہمارے جس زخمی کو پاتا اس کو ڈھیر کر

Marfat.com

دیتا تھا۔ یہ دونوں رفتہ رفتہ قریب ہو رہے تھے۔ میں نے دل میں دعا کی کہ دونوں میں ٹکر ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر ایک ایک وار کیا لیکن دوسرے ہی وار میں ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کو قتل کر دیا۔

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ پر ایک وجد کی حالت طاری تھی جس نے مشرکین کے لشکر میں ایک کھلبلی مچا رکھی تھی۔ وہ ان کی تلوار سے بچنے میں اپنی عافیت سمجھ رہے تھے۔ وہ صفیں درہم برہم کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے کہ اچانک ابوسفیان کی بیوی ''ہند' سامنے آ گئی۔ انھیں معلوم نہ ہوا کہ یہ عورت ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے ایک فرد کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو جوش دلا رہا ہے، اس لیے میں نے اس کو نشانے پر لے لیا، مگر جیسے ہی احساس ہوا کہ یہ ایک عورت ہے، تلوار روک لی کہ ''رسول اللہ ﷺ کی تلوار کی یہ شان نہیں کہ کسی عورت پر آزمائی جائے۔''

(سیرۃ ابن ہشام:۲/۷۰)

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ہند بنت عتبہ کے سر کے درمیان تلوار بلند کی اور پھر ہٹا لی۔ میں نے کہا: ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔''

(عیون الاثر: ۲/۱۷، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۶۹، سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۴۹، زرقانی: ۲/۲۹، البدایہ والنہایہ:۴/۱۶)

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت:

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے شیر، دو دستی تلوار چلاتے جاتے تھے۔ جدھر کا رخ کرتے دشمنوں کی صفوں میں بھگدڑ مچا دیتے۔ قریش کا علم بردار عثمان بن ابی طلحہ ان کی تلوار سے لقمۂ اجل بن چکا تھا۔ اسی حالت میں سباع بن عبدالعزی غبشانی ان کی تلوار کے سامنے آ گیا۔ زور سے پکارے او مقطعة البظور (عرب کی لڑکیوں کی ختنہ کرائی جاتی تھی اور اس کی ماں بھی یہی پیشہ کرتی تھی، اس لیے اس لفظ سے خطاب کیا) کے بچے کہاں جاتا ہے۔ یہ کہہ کر ایسی تلوار ماری کہ اسے افسانۂ ماضی بنا دیا۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے ہی سباع بن عبدالعزی کو پچھاڑ کر پلٹے تو وحشی بن حرب نے ایک

Marfat.com

چھوٹا سا نیزہ جس کو حربہ کہتے ہیں اور جو حبشیوں کا ایک خاص ہتھیار ہوتا ہے، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو تاک کر اس زور سے مارا کہ ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور عدم ہستی نما سے ہستیِ عدم نما کو انتقال فرما گئے۔

اس حبشی نے آپ رضی اللہ عنہ کو کیوں شہید کیا؟ اس کی ان سے کیا دشمنی تھی؟ اس کے بارے میں خود وحشی کا بیان ہے کہ میں جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ اس کا چچا طعیمہ بن عدی جنگ بدر میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ جب قریش جنگ احد پر روانہ ہونے لگے تو جبیر بن مطعم نے مجھ سے کہا کہ ''اگر تم محمد ﷺ کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کو میرے چچا کے بدلے میں قتل کر دو تو تم آزاد ہو۔''

وحشی بن حرب کا بیان ہے کہ میں بھی اس پیش کش کے نتیجے میں قریش کے لشکر کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ میں دوسرے حبشیوں کی طرح حربہ پھینکنے میں نہایت ماہر تھا۔ میرا نشانہ کم ہی چوکتا تھا۔ جب عام جنگ چھڑی تو میری نگاہیں حمزہ رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنے لگیں۔ آخر کار میں نے انھیں لوگوں کے ہجوم میں دیکھ لیا۔ وہ لوگوں کو درہم برہم کرتے جا رہے تھے۔ ان کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر رہی تھی۔ میں ان پر وار کرنے کے لیے تیار ہو رہا تھا، ایک درخت یا پتھر کی اوٹ میں چھپ کر انھیں قریب آنے کا موقع دے رہا تھا کہ اتنے میں سباع بن عبدالعزی مجھ سے آگے بڑھ کر ان کے پاس جا پہنچا اور ان کی تیغِ آبدار کا لقمہ بن گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے اس زور سے تلوار ماری کہ گویا اس کا سر تھا ہی نہیں۔

وحشی کا بیان ہے کہ میں نے اس کے ساتھ ہی اپنا نیزہ اس زور سے انھیں مارا کہ ان کی ناف کے نیچے لگا اور دونوں پاؤں کے درمیان سے پار ہو گیا۔ انھوں نے مجھے پکڑنا چاہا لیکن وہ نڈھال ہو کر گر پڑے۔ میں نے انھیں اسی حال میں چھوڑ دیا یہاں تک کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس کے بعد میں نے ان کے پاس جا کر اپنا نیزہ نکال لیا۔ اب میں لشکر میں واپس جا کر بیٹھ گیا کیونکہ میرا کام ختم ہو گیا تھا۔ مجھے اس کے سوا اور کسی سے کوئی سروکار نہ تھا۔ میں نے انھیں صرف اپنی آزادی کے لیے قتل کیا تھا چنانچہ جب میں مکہ آیا تو مجھے آزادی مل گئی۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۷۲، بخاری: ۲/۵۸۳، فتح الباری: ۷/۲۸۲)

فتح مکہ کے بعد وفد طائف کے ساتھ وحشی بن حرب بارگاہ رسالت ؐ میں حاضر ہوا۔

Marfat.com

لوگوں نے اسے دیکھ کر عرض کی ''یا رسول اللہ! یہ وحشی ہے جو آپ ﷺ کے عم محترم سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے۔'' رحمتِ مجسم ﷺ نے جواب دیا:

''اس کو چھوڑ دو۔ ایک شخص کا مسلمان ہونا میرے نزدیک ہزار قاتلوں کے قتل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔''

وحشی نے اسلام قبول کرلیا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ جب میری مجلس میں آیا کرو تو اگر ہو سکے تو میرے سامنے نہ بیٹھا کرو کیونکہ تمھیں دیکھ کر مجھے میرا چچا حمزہ رضی اللہ عنہ یاد آجاتا ہے اور اس کے صدمہ کا زخم ہرا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وحشی جب بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو بجائے سامنے بیٹھنے کے آپ ﷺ کی پُشت کے پیچھے بیٹھتے تھے۔ اور ہمیشہ اس فکر میں رہے کہ اس جرم کا کوئی کفارہ ادا کروں۔ چنانچہ جنگ یمامہ میں انھوں نے اسی نیزہ سے مسیلمہ کذاب کو مار کر جہنم رسید کیا۔ اس طرح ایک خیر الناس کے قتل کی شر الناس کے قتل سے مکافات کی۔ (فتح الباری: ۲۸۴/۷، ابن ہشام: ۷۲/۲۔۷۳)

غسیل الملائکہ:

ان جانِ فروش مجاہدین میں جنھوں نے صفحۂ دہر پر بہادری اور پامردی کے نقش ثبت کیے، ایک سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جنھیں ''غسیل الملائکہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ابو عامر راہب جو اسی میدانِ احد میں سب سے پہلے میدان میں آیا تھا اور جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے، کے بیٹے تھے۔ قدرت خداوندی کا یہ عجیب کرشمہ ہے کہ باپ فاسق اور بیٹا غسیل الملائکہ، باپ کافر اور بیٹا مجاہد۔

سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ نوجوان مجاہد تھے۔ ابھی نئی نئی شادی ہوئی تھی، بیوی سے ہم آغوش تھے کہ جنگ کی منادی ہوئی۔ آواز سنتے ہی آغوش سے نکل کر میدانِ جہاد میں چلے آئے۔ میدانِ جنگ میں باپ جب سب سے پہلے آیا تو سرکار دو عالم ﷺ سے باپ پر حملہ کی اجازت چاہی لیکن رحمت ﷺ نے اجازت نہ دی کیونکہ آپ ﷺ نے گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲۶۶/۲)

جب لڑائی کی آگ ہر طرف بھڑک اٹھی تو آپ صفوں کو چیرتے ہوئے مشرکین کے

Marfat.com

قائد اور سپہ سالار ابو سفیان تک جا پہنچے اور قریب تھا کہ تلوار ابو سفیان کو افسانۂ ماضی بنا دیتی دفعتاً شداد بن اسود نے جھپٹ کر سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کر کے ان کو شہید کر دیا۔

سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے ملائکہ کو دیکھا کہ حنظلہ رضی اللہ عنہ کو ابر کے پانی سے چاندی کے برتنوں میں غسل دے رہے ہیں۔'' بیوی سے پوچھا گیا تو پتہ چلا کہ حالت جنابت ہی میں جہاد کے لیے میدان جنگ میں آ گئے تھے، غسل کا موقع نہیں ملا۔

(خصائص کبریٰ: ۱/۲۱۶)

ایک روایت میں ہے کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد جب ان کی لاش تلاش کی گئی تو سر سے پانی ٹپکتا ہوا پایا گیا۔ (روض الانف سہیلی: ۱/۱۳۳، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۱)

عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کا شوقِ شہادت:

سیدنا عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ لنگڑے تھے۔ اس وجہ سے ان کا چلنا پھرنا مشکل تھا۔ ان کے چار صاحبزادے تھے جو شیر کی طرح بہادر تھے۔ غزوۂ احد کے موقع پر بچوں نے انھیں منع کیا کہ آپ معذور ہیں لہٰذا جنگ میں تشریف نہ لے جائیں بلکہ گھر پر ہی رہیں لیکن ان کے قلب میں شہادت کا جذبہ جوش مار رہا تھا۔ فوراً حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسولُ اللہ! میں اگرچہ لنگڑا ہوں لیکن آپ ﷺ پر قربان ہونے کے لیے تو میدان جہاد میں جا سکتا ہوں۔ کیا پتہ کہ اپنے اس لنگڑے پاؤں سے جنت میں پہنچ جاؤں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے انھیں تو یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جہاد فرض ہی نہیں کیا کیونکہ آپ معذور ہیں، لیکن ان کے صاحبزادوں سے فرمایا کہ بڑے میاں اگر شوق پورا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کیوں روکتے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کے اس فرمانے کے بعد بھی ان سے نہ رہا گیا اور شوق شہادت کی تکمیل کی۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۹۰)

بنی عبد الاشہل کا ایک نوجوان عمرو بن ثابت جس کو ''اصیرم'' کہا کرتے تھے، کے سامنے اسلام کا تذکرہ ہوا تو اس نے دعوت اسلام کو قبول نہ کیا۔ اس کے قبیلے کے لوگ مشرکین کے لشکر کے ساتھ میدان احد میں آئے اور یہ اکیلا ہی اپنے قبیلے میں رہ گیا۔ جس روز یہ جنگ ہوئی، خدا جانے کیا ہوا کہ اس کے دل میں ایک جذبہ ابھرا۔ اس نے اسلام کی دعوت پر لبیک

Marfat.com

کہہ کر میدان احد کا رخ کیا۔ یہاں آ کر دیکھا کہ زور کا رن پڑا ہوا ہے۔ وہ بھی تلوار لے کر دشمنان اسلام کے مقابلے میں نکلا۔ کئی کافروں کو مارا۔ بالآخر خود زخمی ہو کر گر پڑا۔ قبیلہ کے لوگوں نے دیکھا کہ زخموں سے چور دم توڑ رہا ہے۔ قبیلے کے لوگوں نے پوچھا: میدان میں کیوں آئے؟ کب آئے؟ ہماری حمایت میں آئے یا مسلمانوں کی حمایت میں؟ جواب دیا کہ میں مسلمان ہو کر اور سرکار دو عالم ﷺ کا فدائی اور جان نثار بن کر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر رہا ہوں۔ چنانچہ وہ شہید ہو گئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: "یہ جنتی ہے۔"

(انه لمن اهل الجنه)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لوگوں سے ایک دلچسپ سوال کیا کرتے تھے کہ ایسے شخص کا نام بتاؤ جس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی اور جنت میں پہنچ گیا۔ لوگ پوچھتے کہ وہ کون ہے؟ فرماتے: "اصیرم" عمرو بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ (ابن ہشام: ۹۰/۲، البدایہ والنہایہ: ۳۷/۴)

بنو ثعلبہ بن غیطون کا ایک یہودی مخیّریق اپنے قبیلے کا ایک اچھا اور مشہور آدمی تھا۔ مشرکین مکہ کی مسلمانوں سے یہ جنگ ہوئی تو اس میں بھی جوش پیدا ہو گیا۔ اس نے اپنے قبیلہ کے یہودیوں کو کہا: تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محمد ﷺ کی امداد و اعانت ہم سب پر لازم ہے۔ یہودیوں نے کہا کہ آج ہفتہ کا دن ہے۔ اس دن جنگ درست نہیں۔ مخیّریق نے کہا کہ جب حق کی مدد ضروری ہے تو پھر دن کی کوئی پابندی نہیں۔ یہودیوں کی طرف سے انکار سن کر وہ اکیلا ہی تلوار لے کر گیا اور ساتھیوں سے کہہ گیا کہ اگر میں جنگ میں مارا جاؤں تو میرا تمام ترکہ محمد ﷺ کو دے دینا۔ میدان جنگ میں جا کر مارا گیا۔ پھر اس کی تمام جائیداد سرکار دو عالم ﷺ کے حوالے کر دی گئی۔ یہ سات باغ تھے۔ امام الانبیاء ﷺ نے ان سب کو وقف فرما دیا اور فرمایا: "مخیّریق یہودیوں میں سب سے بہتر تھا۔" (البدایہ والنہایہ: ۳۶/۴، ابن ہشام: ۸۸/۲-۸۹)

تیر اندازوں کی بہادری:

پہاڑ کے جس درہ پر سرکار دو عالم ﷺ نے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی زیر کمان جن پچاس تیر اندازوں کو متعین فرمایا تھا انھوں نے اپنی بہادری کے پورے پورے جوہر دکھائے انھوں نے بھی مشرکین کی ہزیمت میں اپنا اہم پارٹ ادا کیا۔ مکہ کے شہ سواروں نے خالد بن

Marfat.com

ولید کی زیر قیادت اور ابو عامر فاسق کی مدد سے اسلامی فوج کا میسرہ توڑ کر مسلمانوں کی پشت تک پہنچنے کے لیے تین دفعہ پُر زور حملے کیے لیکن درہ پر متعین تیر اندازوں نے انھیں اس طرح تیروں کی بارش سے چھلنی کر دیا اور ان کے تینوں حملے اس بری طرح ناکام کر دیئے کہ انھیں پھر ادھر سے حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

مجاہدین اسلام سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ، سیدنا نضر بن انس رضی اللہ عنہ، سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے میدان جنگ میں ایسی جوانمردی اور پامردی اور جانبازی سے یہ لڑائی لڑی کہ مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے اور ان کی ہمت جواب دے گئی۔ مسلمانوں کی تعداد اگرچہ سات سو تھی اور مشرکین کی تین ہزار۔ مشرکین کے پاس سواری اور اسلحہ بھی مسلمانوں سے بہت زیادہ تھا، لیکن ایمان ویقین کی دولت سے مشرکین یکسر محروم تھے جس کی وجہ سے اگرچہ انھوں نے بدلہ وانتقام اور غرور ووقار کی بحالی کے لیے نہایت پامردی اور بہادری سے جنگ لڑی لیکن مسلمانوں کی روحانی اور معنوی طاقت کا وہ مقابلہ نہ کر سکے۔ علماء نے لکھا ہے کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کی فتح ان کی حربی قابلیت کا وہ ناقابل انکار معجزہ ہے جس میں امام الانبیاء ﷺ کی جنگی مہارت کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کے ایسے دستہ کو درہ کے ناکہ پر متعین فرما دیا جس کا ایک ایک فرد تیر اندازی میں بے مثل تھا۔ علاوہ ازیں مشرکین کی کثرت کے مقابلے میں مسلمانوں میں قلت کے باوجود جو سب سے بڑی طاقت تھی وہ تھی فکر صحیح، خدائے برتر پر ایمان ویقین کا عقیدہ۔ فکر صحیح اور اللہ تعالیٰ پر پختہ عقیدہ رکھنے والے لوگ اگر قلیل سے قلیل تعداد میں بھی ہوں تب بھی ان پر غالب آنا مشکل اور ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے سات سو مسلمانوں نے تین ہزار سے زائد مشرکین کا منہ پھیر کر رکھ دیا۔

مسلمانوں کی جوانمردی اور مشرکین کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی وجہ سے دشمن کے علم بردار قتل ہو گئے، علم گر چکا، جتھے ٹوٹ گئے، میدان خالی ہو گیا۔ چنانچہ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر مدد نازل فرمائی اور ان سے اپنا وعدہ پورا کیا اور مسلمانوں کی تلواروں نے مشرکین کے سروں کی ایسی فصل کاٹی کہ وہ کیمپ سے بھی پرے بھاگ گئے۔ مسلمان ان کا

Marfat.com

تعاقب کرتے ہوئے ان کے خیموں تک پہنچ گئے اور سرکار دو عالم ﷺ کے پاس صرف چند حضرات رہ گئے جو حفاظت کی غرض سے آپ ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ اور اس کی ساتھی عورتوں کی پنڈلیاں نظر آرہی تھیں۔ وہ کپڑے اٹھائے بھاگی جارہی تھیں۔ ان کی گرفتاری میں کوئی شے بھی حائل نہ تھی۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۷۷)

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مشرکین مکہ سے ہماری مڈھ بھیڑ ہوئی تو مشرکین میں بھگدڑ مچ گئی یہاں تک کہ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے ہوئے تیزی سے بھاگ رہی تھیں اور ان کی پازیبیں دکھائی دے رہی تھیں۔ (بخاری: ۲/۵۷۹)

کچھ مسلمان بھاگتے دشمن کے تعاقب میں تھے اور کچھ اس کا مال اکٹھا کر رہے تھے۔ دشمن کو کافی دور تک چھوڑ کر تعاقب کرنے والے بھی واپس آ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ایک خوفناک غلطی:

عین اس وقت جب کہ اسلامی لشکر فتح ونصرت سے ہمکنار ہو کر دنیا کی تاریخ کے اوراق پر اپنی تابناک فتح کے نقش ثبت کر رہا تھا، درہ پر متعین تیر انداز دستہ کی اکثریت نے ایسی خوفناک غلطی کی جس نے ان کی فتح کو شکست میں تبدیل کر کے رکھ دیا اور اسلامی لشکر کا اتنا نقصان اور قائد اسلام ﷺ کو اس قدر تکلیف پہنچی جو ناقابل بیان ہے اور مسلمانوں کی وہ ہیبت اور دبدبہ جو جنگ بدر کی فتح کے نتیجہ میں حاصل ہوا تھا کافی حد تک جاتا رہا۔

ہوا یہ کہ وہ پچاس تیر انداز جن کو جبل رماۃ پر متعین کیا گیا تھا انھوں نے جب دشمن کے بھاگ جانے کے بعد میدان جنگ پر نظر ڈالی تو انھیں وہاں ایک عجیب نقشہ نظر آیا۔ دشمن کا علم فرش خاک پر گرا ہوا تھا اور اس کے اردگرد علم برداروں کی لاشوں کا ڈھیر تھا۔ قریش کے بہادر اور سورما سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے اور مسلمان ان کے تعاقب میں تھے۔ میدان بالکل خالی تھا۔ جوش دلانے والی عورتیں بھی پہاڑوں اور ٹیلوں پر اپنی جانیں بچانے کے لیے

Marfat.com

چڑھی ہوئی تھیں۔ مسلمان دشمن کے اصطبل تک پہنچ چکے تھے اور فتح وکامیابی نے ان کے پاؤں چھو لیے تھے۔ تیراندازوں کا دستہ اس نقشے کو دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔

اس دستہ کی اکثریت نے جب دیکھا کہ مسلمان غنیم کا مال اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے ہیں اور اب فتح کے بارے میں بالکل مطمئن ہیں تو انھوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہمیں بھی آگے بڑھ کر اس کام میں حصہ لینا چاہیے۔ کیونکہ اب ہم اس درہ کی ڈیوٹی سے فارغ ہیں۔ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کے اس تاکیدی فرمان کو بھول گئے جو سرکار مدینہ ﷺ نے انھیں یہاں مقرر کرتے وقت فرمایا تھا کہ جیتیں یا ہاریں تم اپنی جگہ پر رہنا۔ (ابن ہشام:۲:۵۶۔۶۶)

ہماری پشت کی جانب سے حفاظت کرنا۔ دیکھو کہ ہم مارے جا رہے ہیں تو ہماری مدد کو نہ آنا اور اگر دیکھو کہ ہم مال غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔

(فتح الباری:۷/۳۵۰)

امیر دستہ سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا کہ ہمیں حضور ﷺ کی ہدایت پر عمل کرنا چاہیے اور اس درہ کو اس وقت تک نہ چھوڑیں جب تک کہ حضور ﷺ کا واضح فرمان ہمیں نہ مل جائے، لیکن اکثریت کی رائے یہ تھی کہ اب یہاں ڈٹے رہنا بے معنی ہے۔ چنانچہ اکثریت نے اس درہ کو چھوڑ دیا اور نیچے آ کر مال غنیمت کو سمیٹنا شروع کر دیا۔ صرف چند حضرات جن کی تعداد نو بتائی جاتی ہے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہاں رہے۔ قرآن حکیم نے ان کو بڑا خراج تحسین پیش کیا ہے:

﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ﴾ (آلِ عمران ۳:۱۵۲)

"تم میں وہ بھی تھے جو آخرت کے خواہاں تھے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درہ چھوڑنے والی یہ خوفناک غلطی کوئی پیغمبر اسلام ﷺ کی نافرمانی کرنے کے لیے نہیں کی گئی تھی۔ وہ اپنی سمجھ کے مطابق اپنی ڈیوٹی انجام دے چکے تھے اور مورچہ سے ہٹنے کے بعد بھی وہ جہاد میں مصروف تھے کیونکہ دشمن کو نقصان پہنچانے اور اس کو ذلیل کرنے کی ایک شکل یہ بھی تھی۔ اس وجہ سے مالِ غنیمت کی فراہمی اور اس کا سمیٹنا خودغرضی یا نفع اندوزی نہیں بلکہ یہ بھی جہاد کے فنڈ کے لیے ایک خدمت ہے لیکن قرآن حکیم نے ان لوگوں کے بارے میں جو ریمارکس دیے وہ یہ ہیں:

Marfat.com

﴿مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا﴾ (آل عمران ۳:۱۵۲)

"تم میں کچھ وہ بھی ہیں جو دنیا چاہتے ہیں۔"

کیونکہ اس کام کی ظاہری صورت ایسی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ دنیوی خواہش اس خوفناک غلطی کا سبب بنی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دامنِ تقدس کے لیے یہ بھی زیب نہیں دیتا کہ دنیا طلبی کا ظاہری دھبہ بھی اس کی کسی شکن پر پڑے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کی پاکیزگی نے سند معافی بھی حاصل کر لی کہ:

﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

(آل عمران ۳:۱۵۲)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھیں معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے بڑا ہی فضل کرنے والا ہے۔"

درہ کا مورچہ چھوڑنے والے مجاہدین کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی بڑی خوفناک غلطی کر رہے ہیں۔ اور انھیں اس بات کا بھی اس وقت احساس نہیں تھا کہ دشمن کی فوج کو جو پانچ سو کلو میٹر سے لڑنے کے لیے آئی ہے، اس کو ایسے جرنیل بھی میسر ہیں جو اپنی عقابی نگاہوں سے تحت الثریٰ اور پاتال کی چیزیں بھی دیکھ لیتے ہیں اور اپنی ماہرانہ جنگی تدبیروں سے اپنے حریف کی فتح کو شکست میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل دشمنوں کی فوج کے عقابی نظر رکھنے والے ماہر کمانڈر تھے۔ دوران جنگ بھی انھوں نے تین بار اس مورچہ پر حملہ کیا لیکن نقصان اٹھانا پڑا۔ قریشی لشکر کے بھاگتے وقت بھی خالد بن ولید نے اس مورچہ پر نظر ڈالی تو دیکھا یہ کمزور ہو چکا ہے۔ انھوں نے مورچہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور سواروں کے دستہ کے ساتھ پہاڑ کے پیچھے سے اس مورچہ پر حملہ کر دیا۔ صرف دس مجاہدین (ایک روایت کے مطابق سات) وہاں موجود تھے۔ انھوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن کب تک؟ دشمن ان کی لاشوں کو پھلانگتا ہوا آگے بڑھا اور دندناتا ہوا منتشر مسلمانوں کے سروں پر پہنچ گیا جو دشمن کی آمد سے بے خبر اس کے مال کو اکٹھا کر رہے تھے۔

یہ دستہ شیرازہ بند تھا اور مسلمان منتشر اور پراگندہ حال، صفیں ٹوٹی ہوئیں، پاپیادہ لیکن دشمن گھوڑوں پر سوار۔ دشمن کے اس دستہ نے یک بارگی ایسا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے اوسان خطا

Marfat.com

ہو گئے۔ قریش کی ایک بہادر خاتون عمرہ بنت علقمہ نے زمین پر گرا ہوا جھنڈا اٹھا کر بلند کیا۔ میدان میں موجود تمام قریشی اس کے گرد جمع ہو گئے اور فوج کی بڑی تعداد جو بھاگی جارہی تھی اس کو آواز دینے لگے۔ وہ فوج بھی پلٹ کر اس جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی۔ پہلے مسلمان جتھہ بند تھے۔ صفیں اس طرح قائم کی گئی تھیں کہ ایک ناقابل تسخیر اور مضبوط حصار کی شکل پیدا ہو گئی تھی۔ مگر اب مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ قلیل بھی تھے اور منتشر بھی۔ اور دشمن کی فوج میں بری طرح پھنسے ہوئے بھی۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ جب یہ واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے تو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری میں پھنسا کر سمجھایا کرتے کہ مسلمان اس طرح مشرکین کی فوج کے جال میں پھنس گئے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۴/۴)

دشمن جب واپس پلٹا تو اس کے اونٹوں اور گھوڑوں کے پاؤں سے ایسا گرد و غبار اٹھا کہ فضا مکدر ہو گئی۔ گرد و غبار کی اس کثرت نے نہ صرف چہروں کو مشتبہ کر دیا بلکہ فضا کو بھی اس قدر تاریک کر دیا کہ ایک دوسرے کی پہچان نہایت مشکل ہو گئی۔ چنانچہ اسی کشمکش میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد ''یمان رضی اللہ عنہ'' خود مسلمانوں کے نرغہ میں آ گئے۔ ان پر تلواریں برس پڑیں۔ کوئی جانتا نہیں تھا کہ یہ کون ہیں؟ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ چلائے کہ میرے والد ہیں، لیکن ان کی کسی نے نہ سنی اور یمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کو جب پتہ چلا کہ یہ مرنے والے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے باپ تھے تو بہت نادم ہوئے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی شکایت کا موقع نہ تھا کیونکہ یہ کام افراتفری میں ہوا تھا۔ لہٰذا انھیں یہی کہنا پڑا:

یغفر اللہ لکم، وھو ارحم الراحمین۔

''اللہ تعالیٰ تمھیں معاف فرمائے۔ وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔''

سرکار دو عالم ﷺ نے دیت دینے کا ارادہ فرمایا لیکن سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیت بھی معاف کر دی۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس ایثار کو رسول اللہ ﷺ نے بہت پسند فرمایا۔

(فتح الباری: ۲۹۱/۷، زرقانی: ۳۲/۲، سیرۃ ابن ہشام: ۸۷/۲)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے لیے مغالطہ کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ سیدنا یمان رضی اللہ عنہ کی میدان اُحد میں آمد خلافِ توقع تھی۔ یہ بہت بوڑھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کو اور ثابت بن وقش رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ ہی میں عورتوں اور بچوں کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ آئے

Marfat.com

تھے، مگر پھر بھی ان دونوں حضرات کو جہاد میں شرکت کا شوق پیدا ہوا۔ یہ دونوں مدینہ طیبہ سے میدان احد کی جانب روانہ ہوئے لیکن راستہ وہ اختیار کیا جو مشرکین کے لشکر کی جانب سے آتا تھا۔ مسلمانوں کو اول تو ان کے آنے کی توقع نہیں تھی دوسرے ان کا آنا بھی مشرکین کے لشکر کی جانب سے ہوا تھا۔ (البدایہ والنہایہ: ۳۳/۴، فتح الباری: ۲۹۱/۷، سیرۃ ابن ہشام: ۷۸/۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب غنیم کا مال سمیٹ رہے تھے، اس وقت سرکار دو عالم ﷺ صرف نو صحابہ (سات انصار اور دو مہاجر، مسلم: ۱۰۷/۳) کے ساتھ پیچھے تشریف فرما تھے اور مسلمانوں کی مال غنیمت کے سمیٹنے کی کارروائی دیکھ رہے تھے کہ آپ کو اچانک خالد بن ولید اور ان کے شہسوار آتے دکھائی دیئے۔ ایسے نازک وقت میں آپ کے سامنے صرف دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ اپنے ان نو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تیزی سے بھاگ کر کسی محفوظ جگہ پر چلے جائیں اور اپنے لشکر کو جو اب دشمن کے نرغہ میں آیا ہی چاہتا تھا، اس کے حال پر چھوڑ دیں جبکہ دوسرا راستہ نہایت خطرناک تھا، اور وہ یہ کہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلائیں اور ان کی ایک معتد بہ تعداد اپنے گرد جمع کر کے ایک مضبوط محاذ تشکیل دیں اور اس کے ذریعے مشرکین کا حصار توڑ کر اپنے لشکر کو پہاڑ کی بلندی کی طرف لے جائیں اور اس طرح اپنی اور لشکر کی حفاظت کریں۔ اس نازک موقع پر آپ ﷺ نے دوسرے راستے کو اپنایا اور اپنی عسکری عبقریت اور بے نظیر شجاعت کو بروئے کار لا کر اپنی جان بچا کر بھاگنے کے بجائے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانوں کو بچانے کا فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے جونہی خالد بن ولید اور ان کے شہسواروں کو دیکھا تو اسی وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلند آواز سے پکارا: ''اللہ کے بندو! اِدھر آؤ'' حالانکہ آپ ﷺ بخوبی جانتے تھے کہ یہ آواز مسلمانوں سے پہلے کافروں تک پہنچ جائے گی اور ہوا بھی یہی۔ چنانچہ جونہی رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اپنی طرف آنے کے لیے پکارا تو مشرکین کو معلوم ہو گیا کہ محمد ﷺ کہاں ہیں۔ مسلمانوں کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے کافروں کا ایک دستہ حضور ﷺ تک پہنچ گیا اور دوسرے قریشی سواروں نے نہایت تیزی کے ساتھ مسلمانوں کے گرد محاصرہ کرنا شروع کر دیا تاکہ وہ اپنے سپہ سالار اعظم ﷺ کے گرد جمع ہو کر پھر کہیں مضبوط محاذ تشکیل نہ دے لیں۔

Marfat.com

پیغمبر ﷺ دشمنوں کے نرغہ میں:

پیغمبر اسلام ﷺ نے جب مسلمانوں کو پکارا تو وہ آواز کافروں نے بھی سنی اور چند مسلمانوں نے بھی اس کو سنا۔ مسلمانوں سے پہلے کافر اس نور الٰہی کو بجھانے کے لیے آگے بڑھے اور پیغمبر اسلام ﷺ پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن قمیہ جو قریش کا مشہور پہلوان تھا، آپ کے اس قدر قریب پہنچ گیا کہ اس نے تلوار سے آپ ﷺ پر حملہ کر دیا۔ اسلام کی بہادر خاتون ام عمارہ مازنیہ رضی اللہ عنہا سامنے آ گئیں۔ تلوار ان کے شانے پر پڑی۔ زخم نہایت گہرا ہو گیا اور مندمل ہونے کے بعد بھی وہاں ایک گڑھا بن گیا۔ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے بھی تلوار کا جواب تلوار سے دیا، لیکن وہ زرہ پہنے ہوئے تھا لہٰذا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

محمد ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا مشکیزہ لے کر پانی پلانے آئی تھیں۔ تلوار بھی ہاتھ میں تھی۔ جب میدان جنگ میں مسلمانوں کا یہ انتشار دیکھا تو یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پیغمبر اسلام ﷺ کی حفاظت کرنے لگیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے انھیں بارہ زخم آئے تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے تحسین و تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جب بھی دائیں بائیں نظر ڈالتا رہا، ام عمارہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتا رہا کہ وہ مقابلہ کر رہی ہیں۔ ان کے شوہر نامدار سیدنا زید بن عاصم رضی اللہ عنہ اور دو لخت جگر خبیب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اس معرکہ میں شریک تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی بہادری اور جانثاری دیکھ کر دعا دی رحمکم اللہ اهل البيت۔ یا فرمایا بارك الله فيكم اهل البيت۔ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ یہ دعا فرمائیے کہ جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت میسر آئے۔ آپ نے دعا فرمائی اللهم اجعلهم رفقائی فی الجنة۔ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے یہ دعا سنی تو جھومنے لگیں اور فرمایا "اب دنیا کی کوئی مصیبت آئے مجھے پروا نہیں۔" (رضی الله عنها)

(سیرۃ ابن ہشام: ۸۱/۲-۸۲، سیرۃ حلبیہ: ۲۵۵/۲)

عبداللہ بن قمیہ نے آپ ﷺ کی دائیں جانب پسلیوں پر اس زور سے تلوار ماری کہ اگر دو آہنی زرہیں آپ ﷺ کے جسم اطہر پر نہ ہوتیں تو بہت گہرا زخم ہو جاتا لیکن اب

Marfat.com

زرہوں کی وجہ سے زخم تو نہ ہوا لیکن دکھن قریباً ایک ماہ تک باقی رہی۔

(طبقات ابن سعد: ۲۹/۳، سیرۃ حلبیہ: ۲۵۸/۲)

اس کے بعد اس نے پہلے کی طرح پھر ایک زوردار تلوار ماری جو آنکھ سے نیچے ابھری ہوئی ہڈی پر لگی اور اس کی وجہ سے خود کی دو کڑیاں چہرہ مبارک کے اندر دھنس گئیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کہا: "خذها وانا ابن قمیه" اسے لے، میں قمیہ (توڑنے والے) کا بیٹا ہوں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے رخ انور سے خون پونچھتے ہوئے فرمایا: "اللہ تجھے توڑ ڈالے۔" (اقماك الله)

اللہ تعالیٰ نے سرکار مدینہ ﷺ کی یہ دعا سن لی۔ چنانچہ ابن قمیہ جنگ سے گھر واپس جانے کے بعد اپنی بکریوں کو دیکھنے کے لیے نکلا تو اسے یہ بکریاں پہاڑ کی چوٹی پر ملیں۔ یہ بے ایمان انھیں لینے کے لیے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا تو ایک پہاڑی بکری نے حملہ کر دیا اور سینگ مار مار کر اس کو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے پھینک دیا۔ (فتح الباری: ۳۷۲/۷)

طبرانی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط کر دیا جس نے سینگ مار مار کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (فتح الباری: ۳۶۶/۷، زرقانی: ۴۸/۲)

امام مسلم نے اپنی صحیح میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد کے روز سرور کائنات ﷺ کے نو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں سات انصار اور دو مہاجر تھے، الگ رہ گئے تھے۔ جب مشرکین کے لشکر نے پلٹ کر اسلامی فوج پر حملہ کیا تو وہ آپ ﷺ کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے آواز دی کہ کون ہے جو ان کو ہم سے دفع کرے اور اس کے لیے جنت ہے یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا وہ جنت میں میرا رفیق اور ساتھی ہوگا۔ یہ سننا تھا کہ ایک انصاری صحابی آگے بڑھے اور آپ ﷺ کی حفاظت کرتے کرتے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس کے بعد مشرکین پھر آپ ﷺ کے قریب آ گئے۔ اور پھر یہی ہوا۔ اسی طرح باری باری ساتوں انصاری شہید ہو گئے۔ (مسلم: ۱۰۷/۲، باب غزوۃ احد، البدایہ والنہایہ: ۲۶/۴)

ان ساتوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے آخری صحابی سیدنا زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ کافی دیر تک لڑتے رہے یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس صحابہ کی ایک جماعت آ گئی۔ انھوں

Marfat.com

نے مشرکین کو پیچھے دھکیلا اور زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے قریب لے آئے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس کو میرے قریب لاؤ۔ آپ ﷺ نے انھیں اپنے پاؤں پر ٹیک لیا اور انھوں نے اسی حالت میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی کہ ان کا رخسار امام الانبیاء ﷺ کے قدموں پر تھا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۸۱/۲)

زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اب صرف دو مہاجر طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس رہ گئے۔ (بخاری: ۵۲۷/۱، ۵۸۱/۲)

یہ موقع آپ ﷺ کی زندگی کے لیے نہایت نازک تھا جبکہ مشرکین کے لیے انتہائی سنہری تھا اور حقیقت یہ ہے کہ مشرکین نے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ کی ذات اقدس پر پے در پے تابڑ توڑ حملے شروع کیے۔ اب پوری جنگ کا مرکز ثقل آپ ﷺ کی ذات تھی۔ مشرکین کی خواہش یہ تھی کہ آپ ﷺ کا کام تمام کر دیں۔ (معاذ اللہ) لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش کی تکمیل نہ ہونے دی۔

بعض روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم ؐ نے جب لوگوں کو آواز دی الی عباد اللہ۔ (اللہ کے بندو! ادھر میری طرف آؤ) اس وقت تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ (ابن جریر بحوالہ البدایہ والنہایہ: ۲۳/۴) لیکن جب دشمن کا دباؤ بڑھا تو اس ریلے میں یہ حضرات بھی جدا ہو گئے اور ایک درجن یا اس سے بھی کم آپ ﷺ کے ساتھ رہ گئے۔ دشمن کا سارا زور اب آپ ﷺ کی طرف تھا۔ اس لیے صحابہ آپ ﷺ سے بچھڑتے تھے اور پھر اس مرکز رحمت ورافت سے قریب ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ اس وجہ سے یہ تعداد گھٹتی بڑھتی رہی۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ گیارہ انصار اور ایک مہاجر (سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ) باقی رہ گئے۔ ابن سعد نے چودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام دیئے ہیں جن میں سات مہاجر اور سات انصار تھے۔ مہاجرین میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور انصار میں ابو دجانہ رضی اللہ عنہ، حباب بن منذر رضی اللہ عنہ، عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ، حارث بن ابن ضمہ رضی اللہ عنہ، سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، اسید بن حضیر تھے (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس گھمسان میں مختلف صورتیں

Marfat.com

پیدا ہوتی رہیں اس لیے تعداد کا فرق روایات میں موجود ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۲۷۸/۷، زرقانی: ۳۵/۲، سیرۃ ابن ہشام: ۷۷/۴)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے آپ ﷺ پر ایک پتھر پھینکا جس سے آپ ﷺ پہلو کے بل گر گئے اور نیچے کے دو رباعی دانت ٹوٹ گئے اور نچلا ہونٹ بھی بری طرح زخمی ہو گیا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے میں اپنے بھائی عتبہ کے قتل کا اتنا خواہش مند رہا کہ کسی اور شخص کے قتل کا خواہش مند نہیں ہوا۔

(فتح الباری: ۲۸۱/۷، زرقانی: ۳۷/۲)

عبداللہ بن شہاب زہری کا پتھر پیشانی مبارک پر لگا جس نے اسے زخمی کر دیا۔

بخاری میں ہے کہ جب آپ ﷺ کے رباعی دانت توڑ دیئے گئے اور سر مبارک زخمی کر دیا گیا تو اس وقت آپ ﷺ اپنے رخ انور پر سے ایک کپڑے سے خون پونچھتے جا رہے تھے اور یہ فرماتے جا رہے تھے ''وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو زخمی کر دیا؟'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ (آل عمران ۳: ۱۲۸)

''آپ ﷺ کو کوئی اختیار نہیں، اللہ چاہے تو انھیں توبہ کی توفیق دے اور چاہے تو عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔'' (بخاری: ۵۸۲/۲، مسلم: ۱۰۸/۲)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس روز فرمایا: اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب ہوگا جس نے اپنے پیغمبر ﷺ کا چہرہ خون آلود کیا۔ پھر فرمایا:

((اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون))

''اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ وہ مجھ سے ناواقف ہے۔''

(مسلم: ۱۰۸/۲، فتح الباری: ۳۷۳/۷)

عبداللہ بن قمیہ آپ ﷺ پر بار بار حملہ کر رہا تھا کیونکہ مشرکین کے ارادے نہایت بُرے تھے، وہ اس شمع رسالت کو بجھا دینا چاہتے تھے۔ مہاجرین کے علم بردار سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ابن قمیہ کا بڑی ہمت و جرأت سے مقابلہ کیا اور اس کو حضور ﷺ

Marfat.com

سے پیچھے ہٹانے کی پوری کوشش کی، لیکن اس کوشش میں انھیں جام شہادت نوش کرنا پڑا۔
علم بردار شہید ہوئے۔ جھنڈا گرا تو ابن قمیہ نے شور مچا دیا کہ میں نے محمد (ﷺ) کو شہید کر دیا۔ (ابن سعد: ۲۹/۳)

ناگہاں رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی آواز سننے میں آئی تو مسلمانوں کے دل بیٹھ گئے۔ وہ پہلے سے سراسیمہ تھے، اس آواز نے ان کو اور بھی حواس باختہ بنا دیا۔ مصائب نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اگرچہ بعض حضرات دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے، لیکن امیر لشکر کی سربراہی کے بغیر۔ اس لیے کئی لوگوں نے ہمت ہار دی لیکن جو ہمت والے تھے ان کا بھی زور نہیں چل رہا تھا، جو جہاں تھا وہیں کھڑا ہوا تھا۔ کچھ حضرات وہ تھے جو اس گھمسان کی جنگ سے باہر تھے لیکن بہت ہمت انھیں بھی نہیں ہو رہی تھی کہ اس بھیڑ میں گھسیں۔ بعض نے پہاڑوں کا راستہ لیا۔ ایک دو مدینہ کی طرف چل دیئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ جیسے باحوصلہ بہادروں کے دل ٹوٹ چکے تھے۔ یہ حضرات کچھ مہاجرین وانصار کے ساتھ میدان کے کنارہ پر پریشان اور شکستہ خاطر کھڑے تھے۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ سیدنا انس بن مالک کے چچا سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ اس طرف پہنچے۔ دریافت کیا کہ کیسے کھڑے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ اب جنگ کا کیا فائدہ کیونکہ پیغمبر اسلام ﷺ شہید ہو چکے ہیں۔ سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے فوراً جواب دیا: جس مقصد کے لیے رسول اللہ ﷺ نے جان دی ہے تم لوگ بھی اسی مقصد کے لیے اپنی جان دے دو کیونکہ اب جینے کا کیا فائدہ؟ (ابن ہشام: ۷۸/۲)

یہ کہہ کر تلوار سونتی اور دشمن کی طرف لپکے۔ راستے میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ملے۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ جواب دیا: رب نضر کی قسم، احد کے اس طرف جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔ پھر فوراً دشمن کی فوج میں گھس گئے اور دشمن سے لڑ کر اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔ شہادت کے بعد دیکھا گیا کہ ان کی لاش پر اسی (۸۰) سے زیادہ تلوار، تیر اور نیزے کے زخم تھے۔ لاش کا حلیہ زخموں کی وجہ سے اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ پہچاننا مشکل تھا۔ صرف ان کی ہمشیرہ نے انگلی یا تل دیکھ کر پہچانا تھا۔ (بخاری: ۳۹۲/۱، ۵۷۹/۲)

سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ انھیں اس اہم غزوہ میں اپنی غیر حاضری کا بہت صدمہ بھی تھا اور افسوس بھی۔ اس لیے بڑے جذبے اور شوق سے

Marfat.com

سرشار ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ جہاد کا کوئی موقع آ جائے تو میں بھی اللہ تعالیٰ کو دکھاؤں گا کہ کس طرح اس کے حضور اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہوں۔ جب احد میں مسلمانوں میں افراتفری پھیل گئی تو سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لیے تو دعا کی کہ اے اللہ! ان کی کوتاہی کو معاف فرما دے اور خود اپنی جان قربان کر دی۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے چچا سورۂ احزاب کی اس آیت کے مصداق تھے: ''کچھ ایسے مرد ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کر دکھایا۔ پھر ان میں کچھ ایسے ہیں جو اپنی منت پوری کر چکے اور کچھ انتظار کر رہے ہیں۔'' (بخاری: ۳۹۳/۱، ۵۷۹/۲۔۷۰۵)

سیدنا ثابت بن الدحداح رضی اللہ عنہ نے اپنے انصاری ساتھیوں سے کہا: ''جماعت انصار! اگر محمد رسول اللہ ﷺ شہید کر دیئے گئے تو رب محمد ﷺ تو حی لایموت ہے۔ غم نہ کرو، آگے بڑھو اور رب حی وقیوم کے دین کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دو۔ یہ کہہ کر انصاری دوستوں کے ساتھ آگے بڑھے اور قریش کے ایک دستہ پر جس میں خالد بن ولید، عکرمہ بن ابی جہل، عمرو بن العاص اور ضرار بن الخطاب وغیرہ تھے، حملہ کر دیا اور سخت مقابلے کے بعد ایک ایک کر کے تمام حضرات نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲۵۱/۲)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو لیلائے شہادت کو گلے لگانے کے لیے بے قرار تھے۔ رات ہی کو اپنے لخت جگر جابر رضی اللہ عنہ کو کہہ چکے تھے کہ میں سمجھتا ہوں کہ سرکار دو عالم ﷺ پر جان نچھاور کرنے والے جو لوگ سب سے پہلے ہوں گے، میں ان میں سب سے پہلا شخص ہوں گا۔ چنانچہ وہی ہوا جو کہا تھا۔ سینے پر بہت سے زخم کھا کر حجلۂ شہادت میں جا بیٹھے۔ دشمنوں نے ان کے ناک کان بھی کاٹ ڈالے تھے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ دشمن کی اس یلغار کا مقصد صرف شمع رسالت کو بجھانا تھا لہٰذا وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے اور جان نثارانِ نبوت ذات اقدس ﷺ کو ہالہ بنائے ہوئے تھے اور ایک ایک کر کے کٹ رہے تھے۔ بخاری کی روایت کے مطابق ایک لمحہ ایسا بھی آیا جب صرف دو صحابی (مہاجر) آپ ﷺ کی حفاظت

Marfat.com

کے لیے رہ گئے۔ ان میں ایک سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ انھوں نے تاریخ عالم میں اپنی نادر الوجود جانبازی کی مثال قائم کردی کہ صرف دو ہوتے ہوئے مشرکین کی کامیابی ناممکن بنا دی۔ یہ دونوں عرب کے ماہر تیر انداز اور شمشیر زن تھے۔ انھوں نے اپنے تیروں اور تلواروں سے دشمن کے ناپاک وجود کو آپ ﷺ کے طاہر اور مطہر وجود سے پرے رکھا۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی جانبازی اور بہادری کا اندازہ نسائی کی اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے جس میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب مشرکین نے سرکار مدینہ ﷺ کو جالیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے جو ان لوگوں سے نمٹے؟'' سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''میں ہوں، اے اللہ کے رسول!'' یہ کہہ کر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور گیارہ آدمیوں کا برابر تنہا مقابلہ کیا یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پر تلوار کی ایک ایسی ضرب لگی جس سے ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ اس سے ان کے منہ سے سی کی آواز نکلی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے یہ آواز سنی تو فرمایا: ''طلحہ! اگر تم اس کی بجائے بسم اللہ کہتے تو فرشتے تمھیں اٹھا لیتے اور تم دیکھتے۔'' سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو پلٹا دیا۔

(نسائی: ۲/۵۲، فتح الباری: ۷/۳۶۱)

امام بخاری نے سیدنا قیس بن حازم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ دیکھا کہ وہ شل تھا۔ اس سے انھوں نے احد کے روز سرکار دو عالم ﷺ کی حفاظت کی تھی۔ (بخاری: ۱/۵۲۷، ۲/۵۸۱)

ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے احد کے روز سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا:

''جو شخص کسی شہید کو کرۂ ارض پر چلتا ہوا دیکھنا چاہے وہ طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔''

(ابن ہشام: ۲/۸۶)

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے ابا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب جنگ احد کا تذکرہ فرماتے تو کہتے: ''یہ جنگ کُل کی کُل طلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے تھی۔'' (كان ذالك اليوم كله طلحه) (فتح الباری: ۷/۲۷۸)

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اپنا پہلو اور شانہ تیروں کی طرف کیے ہوئے تھے اور دشمن کے تیروں کو

Marfat.com

اپنے پہلو اور بازوؤں پر روکتے۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے احد کے دن طلحہ رضی اللہ عنہ کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم دیکھے۔ ایک اور روایت کے مطابق انتالیس یا پینتیس زخم آئے اور ان کی بیچ والی اور شہادت کی انگلیاں شل ہوگئیں۔ (فتح الباری: ۳۶۱/۷)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی بہت بڑے تیر انداز تھے۔ انھوں نے بھی سرکار دو عالم ﷺ کا دشمنوں کے مقابلہ میں پورا پورا دفاع کیا۔ یہ اپنی نشست صحیح کر کے دشمنوں پر تیر برسانے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش کے تمام تیر ان کے سامنے ڈال دیئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ دشمن کو تاک تاک کر تیر مار رہے تھے۔ بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ جب سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو تیر دیتے تو فرماتے:

((ارم فداك ابی وامی)) (بخاری: ۵۸۰/۲)

''میرے ماں باپ تجھ پر قربان یہ تیر چلا۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضور ﷺ کو سوائے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے کسی اور کے بارے میں ''فداك ابی وامی'' کہتے نہیں سنا۔ (بخاری: ۵۸۱/۲)

عجیب اتفاق ہے کہ چشمِ فلک نے یہ نظارہ کم ہی دیکھا ہوگا کہ ایک بھائی (عتبہ بن ابی وقاص) نے پتھر مار کر چہرۂ انور کو لہولہان کیا اور دوسرا بھائی (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) اسی رخ انور کی حفاظت کے لیے تیر اندازی کر رہا ہے اور لسان نبوتؐ سے کلمات تحسین سن رہا ہے۔

سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی ایک مشہور تیر انداز تھے۔ کمان پر ان کا ہاتھ بڑا ماہرانہ پڑتا تھا۔ کمان کی تانت بڑے زور سے کھینچتے تھے۔ ایک مضبوط کمان ہی اس کی سہار کر سکتی تھی۔ تانت چونکہ بڑے زور سے کھینچتے تھے اس وجہ سے ان کا تیر نشانہ کو پار کرتے ہوئے بہت دور پہنچتا تھا۔ چنانچہ اس روز کئی کمانیں ان کے ہاتھ سے ٹوٹ گئی تھیں۔ ایک طرف سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور دوسری طرف سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ڈھال سے سرکار دو عالم ﷺ کے رخ انور کے سامنے آڑ بنالی تھی تاکہ آپ ﷺ کو کوئی تیر آ کر نہ لگے۔ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے تیر کو خود حضور ﷺ بھی دیکھتے کہ کہاں پہنچا لیکن جیسے ہی حضور ﷺ گردن اٹھاتے، ابو طلحہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے: یا رسولؐ اللہ! آپ ﷺ پر جان قربان، آپ ﷺ گردن نہ

Marfat.com

اٹھائیں، نصیب دشمناں کہیں کوئی تیر نہ لگ جائے۔ یہ میرا سینہ آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہے۔ (بخاری: ۵۸۱/۲)

تیر ختم ہونے لگے تو جس جس کے پاس ترکش تھے حضور ﷺ اس سے ترکش لیتے اور سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ڈال دیتے۔ (بخاری: ۵۸۱/۲)

اس جانثاری میں سیدنا ابودجانہؓ بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ سپر بن کر حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور پشت دشمنوں کی جانب کر لی۔ تیر پر تیر چلے آ رہے ہیں اور ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی پشت ان کا نشانہ بنی ہوئی ہے مگر اس خوف سے کہ کہیں آپ ﷺ کو کوئی تیر نہ لگ جائے کوئی حرکت نہیں کرتے۔ (زرقانی: ۴۳/۲)

قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد کے دن میں آپ ﷺ کے چہرۂ انور کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنا چہرہ دشمنوں کے سامنے کر دیا تاکہ دشمنوں کے تیر میرے چہرے پر لگیں اور آپ ﷺ کا مبارک چہرہ ان تیروں سے محفوظ رہے۔ دشمنوں کا آخری تیر میری آنکھ میں ایسا لگا کہ آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل آیا جس کو میں نے اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا۔ حضور ﷺ کو دکھایا۔ آپ ﷺ دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! جس طرح قتادہ رضی اللہ عنہ نے تیرے نبی ﷺ کے چہرے کی حفاظت فرمائی اسی طرح تو اس کے چہرہ کی حفاظت فرما اور اس آنکھ کو دوسری آنکھ سے بھی زیادہ تیز اور خوبصورت بنا دے اور پھر آنکھ کو اس کے مقام پر رکھ دیا۔ اسی وقت آنکھ بالکل صحیح و سالم ہو گئی اور نظر پہلے سے بھی تیز ہو گئی۔

(زرقانی: ۴۳/۲، اصابہ: ۲۲۵/۳، البدایہ والنہایہ: ۳۴/۴، خصائص کبریٰ: ۲۱۵/۱، ابن ہشام: ج ۲)

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن ابی وقاص کا پیچھا کیا جس نے پیغمبر اسلام ﷺ کا دانت شہید کیا تھا اور اسے اس زور سے تلوار ماری کہ اس کا سر چھٹک گیا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے اس بھائی کے قتل کے بہت خواہاں تھے لیکن سعادت حاطب رضی اللہ عنہ کی قسمت میں لکھی تھی۔

مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے خون چوس کر صاف کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اسے تھوک دو۔ عرض کی! خدا کی قسم میں ہرگز نہ تھوکوں گا۔ اس کے بعد پلٹ کر لڑنے لگے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہتا

Marfat.com

ہے وہ انھیں دیکھے۔'' اس کے بعد وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بھی اس روز اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ لڑتے ہوئے منہ پر چوٹ کھائی۔ دانت ٹوٹ گیا۔ بیس سے زیادہ زخم آئے جن میں بعض پاؤں میں تھے اور وہ لنگڑے ہو گئے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک اور شخص پر میری نگاہ پڑی۔ اس کے سب طرف دشمن تھے اور پچھلی طرف میں تھا۔ یہ شخص دشمنوں پر اپنی تلوار کے جوہر دکھلا رہا تھا اور سرکار مدینہ ﷺ کی طرف کھسک رہا تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گیا تھا۔ یہ صاحب میرے بعد پہنچے۔ میں نے پہچانا تو وہ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے جو دشمنوں کو آپ ﷺ کی ذات اقدس سے ہٹا رہے تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دشمنوں کو آپ ﷺ سے پرے ہٹاتے ہٹاتے ہم دونوں سرکار دوعالم ﷺ تک پہنچ گئے۔ دیکھا کہ رُوئے انور شدید زخمی تھا۔ دندان مبارک شہید تھے۔ مغفر کی کڑیاں رخسار مبارک میں کھبی ہوئی تھیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کڑیاں نکالنے کا ارادہ فرمایا تو سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے قسم دے کر کہا کہ یہ سعادت مجھے حاصل کرنے دیجئے۔ ہاتھ سے کڑیاں نکالنے میں تکلیف زیادہ محسوس ہوئی تو دانتوں میں دبا کر ایک کڑی کو اس زور سے کھینچا کہ کڑی تو نکل آئی لیکن ساتھ ہی سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ اب دوسری کڑی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نکالنا چاہتے تھے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے پھر قسم دے کر یہ سعادت حاصل کرنے کی درخواست کی۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اب دوسرے دانت سے کڑی دبا کر نکالی لیکن اب کی دفعہ دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا۔

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے دو دانت تو ٹوٹ گئے لیکن چہرہ کی رونق ایسی بڑھی کہ کوئی ٹوٹا ہوا دانت اتنا حسین وجمیل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۷۷، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۹۔۳۰)

اللہ رب العزت کی نگاہ بخوبی اس منظر کو دیکھ رہی تھی کہ کس طرح نبوت کے پروانے کٹ کٹ کر اس شمع کی حفاظت کر رہے ہیں اور تاریخ کے اوراق پر اپنی نادر الوقوع جان نثاری کی مثالیں ثبت کر رہے ہیں۔ اب رحمت الٰہی جوش میں آئی اور اس نازک ترین لمحے اور مشکل ترین وقت میں اللہ تعالیٰ نے غیب سے اسی طرح مدد نازل فرمائی جس طرح جنگ بدر میں فر

Marfat.com

تھی۔ چنانچہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کی مدافعت میں آپ ﷺ کے پاس کھڑے ہو کر تیر برسا رہے تھے۔ بڑے وثوق سے فرماتے ہیں دو شخص سفید لباس پہنے ہوئے بڑی سختی کے ساتھ آپ ﷺ کی مدافعت کر رہے تھے۔ میں نے ان کو نہ تو اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ بعد میں۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ دونوں اللہ کے فرشتے جبرائیل و میکائیل تھے۔ (بخاری: ۲/۵۸۰)

اس مدافعت اور جانثاری کے باوجود دشمنوں کا ہجوم اس ذات اقدس پر اتنا تھا کہ قریباً ستر مرتبہ آپ ﷺ پر تلواروں کے حملے ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر مرتبہ آپ ﷺ کو ان کے شر سے محفوظ فرمایا۔ (بخاری: ۲/۵۸۰ تعلیقہ)

سیرۃ کی کتابوں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سارا حادثہ چند لمحات کے اندر اندر اور نہایت تیز رفتاری سے پیش آیا۔ ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو پیغمبر ﷺ کے گرد ہر وقت ہالہ بنائے رکھتے تھے۔ وہ تو ایک لمحہ بھی پیغمبر ﷺ سے دور نہیں ہوتے تھے۔ جنگ بدر میں بھی حضور ﷺ لشکر سے پیچھے عریش پر دعا اور مناجاتِ الٰہی میں مصروف تھے۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نیچے پہرہ دے رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ حالات یک دم ایسی کروٹ لیں گے کہ فتح شکست میں تبدیل ہو جائے گی، لہٰذا پیغمبر ﷺ کی آواز سنتے ہی کہ "لوگو میری طرف آؤ" وہ دیوانہ وار اس جانب دوڑے جدھر سے آواز آئی تھی کہ کہیں آپ ﷺ کو کوئی حادثہ پیش نہ آجائے۔ لیکن جب یہ لوگ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ زخمی ہو چکے تھے۔ ان لوگوں نے پہنچتے ہی اپنے جسموں اور ہتھیاروں سے پیغمبر اسلام ﷺ کے گرد ایک باڑھ تیار کر دی۔

لڑائی کی صفوں سے آپ ﷺ کے پاس پلٹ کر آنے والے سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان نقل کیا ہے کہ ان کے والد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احد کے روز محافظین کے سوا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو آپ ﷺ کی قیام گاہ پر چھوڑ کر لڑائی کی اگلی صفوں میں چلے گئے تھے۔ پھر گھیراؤ کے حادثے کے بعد سب سے پہلا شخص میں تھا جو آپ ﷺ کے پاس پلٹ کر آیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے سامنے صرف ایک آدمی تھا جو آپ ﷺ کی مدافعت میں

Marfat.com

اپنی جان سے کھیل رہا تھا۔ میں نے کہا: ”تم طلحہ رضی اللہ عنہ ہو، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔ اتنے میں ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بھی میرے پاس پہنچ گئے۔ وہ اس طرح دوڑ رہے تھے گویا چڑیا اڑ رہی ہے۔ اب ہم دونوں حضور ﷺ کی طرف دوڑے، دیکھا کہ طلحہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمیں دیکھ کر فرمایا: اپنے بھائی کو سنبھالو۔ اس نے اپنے لیے جنت واجب کر لی ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پہنچے تو آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک زخمی ہو چکا تھا اور خود کی دو کڑیاں آنکھ کے نیچے رخسار میں دھنس چکی تھیں جو سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے نکالیں جن سے ان کے دو دانت ٹوٹ گئے۔

اس کے بعد کئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے گرد جمع ہو چکے تھے جن میں ابو دجانہ رضی اللہ عنہ، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ، علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ، مالک بن سنان رضی اللہ عنہ (ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کے والد) قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ اور حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ وغیرہ تھے۔ (رضی اللہ عنھم اجمعین و رضوا عنہ)

ایک مہاجر صحابی کا بیان ہے کہ میں نے جنگ احد میں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ پر ہر طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی ہے اور آپ ﷺ ان تیروں کے بیچ میں ہیں، لیکن سارے تیر آپ ﷺ سے پھر جاتے ہیں۔ یعنی آگے گھیرا ڈالے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو روک لیتے ہیں۔ اور میں نے دیکھا کہ عبداللہ بن شہاب زہری کہہ رہا تھا! مجھے بتاؤ محمد (ﷺ) کہاں ہیں؟ اب یا تو میں رہوں گا یا پھر وہ رہے گا۔ حالانکہ سرکار دو عالم ﷺ اس کے بازو میں کھڑے تھے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔) آپ ﷺ کے پاس کوئی بھی نہ تھا۔ پھر وہ آپ ﷺ سے آگے نکل گیا۔ اس پر صفوان بن امیہ نے اس کو ملامت کی۔ اس نے صفوان کے جواب میں کہا: ”میں نے اسے دیکھا ہی نہیں۔ خدا کی قسم وہ ہم سے محفوظ کر لیا گیا ہے۔“ اس کے بعد ہم چار آدمی اس عزم اور عہد کے ساتھ نکلے کہ انھیں قتل کر دیں گے لیکن ان تک ہم پہنچ نہ سکے۔ (زاد المعاد: ۲/۹۷)

شمع نبوتؐ کے پروانوں کو آپ ﷺ کی جستجو:

سرکار دو عالم ﷺ جہاں کھڑے تھے، ان کے قریب ایک گڑھا تھا۔ ابو عامر فاسق

Marfat.com

نے میدان احد کے مختلف حصوں میں کچھ گڑھے کھدوا دیئے تھے۔ اس سے اس کا مقصد مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ اس قسم کے ایک گڑھے میں پاؤں پھسلنے سے گر گئے۔ (طبقات ابن سعد: ۲۹/۳)

اس تھوڑے سے وقفے میں آپ ﷺ اپنے پروانوں اور جان نثاروں کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ شمع نبوتؐ کے پروانوں پر ان لمحات میں کیا کچھ گزرا، قلم کو تابِ نگارش نہیں۔ اس وقفہ میں پچاس سے زیادہ سرفروش شہید ہو گئے۔ غزوۂ احد میں کل ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش فرمایا جن میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جو درہ کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے پہلے شہید ہو چکے تھے۔ اس گھمسان میں شہید ہونے والوں کی تعداد کم وبیش پچاس تھی۔

اگرچہ نبوت کے جانثار مضطرب اور پریشان دلوں کے ساتھ دشمنوں کے دفاع میں مصروف تھے لیکن ان کی نگاہیں اپنے آقا کی متلاشی تھیں۔ ان کی نظریں اس امام الانبیاء ﷺ کو ڈھونڈ رہی تھیں جس نے انھیں تحت الثریٰ سے اٹھا کر ثریا تک بلکہ اس سے بھی اوپر پہنچا دیا تھا۔ سب سے پہلے جس کی نگاہ نے اپنے اس آقائے رحمت کو پایا وہ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تھے۔ اچانک ان کی نظریں آپ ﷺ پر پڑیں کہ خود میں ڈھکے ہوئے جھالر (مغفر) سے چہرۂ انور چھپا ہوا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ ان دو آنکھوں سے سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے کعبۂ مقصود کو پہچانا۔ پہچانتے ہی زور سے آواز دی، مسلمانو! رسول اللہ ﷺ تو یہ ہیں۔ (یا معشر المسلمین ھذا رسول الله) حضور ﷺ نے فوراً اشارہ کیا، شور نہ کرو، لیکن رسول اللہ ﷺ کے فرمانے پر کعب رضی اللہ عنہ ضبط نہ کر سکے۔ اس آواز کا سننا تھا کہ مسلمانوں کے تن مردہ میں زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جس کے کان میں بھی اس مژدۂ جان بخش کی آواز پڑی وہ اس آواز کی طرف دوڑا۔ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جھنڈا سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ اب رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھے۔ لشکر اسلامی کا جھنڈا دیکھ کر اور رسول اللہ ﷺ کے زندہ ہونے کی آواز سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی پناہ میں آنا شروع ہو گئے۔ اس طرح رفتہ رفتہ قریباً تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے۔

Marfat.com

ایک روایت میں ہے کہ جس جگہ سرکار دو عالم ﷺ تشریف فرما تھے وہ دامن کوہ کا حصہ تھا۔ امکان تھا کہ دشمن اوپر سے حملہ کر دے۔ اس لیے آپ ﷺ وہاں سے ہٹے اور اوپر ٹیلے پر تشریف لے گئے۔ یہاں ایک چٹان کے پیچھے کچھ مسلمان ہمت ہار کر اور مایوسی کے عالم میں بیٹھے ہوئے تھے اور مستقبل کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ کسی کا خیال یہ تھا کہ عبداللہ بن ابی سے کچھ بات چیت کی جائے کہ دفعتاً ایک زرہ پوش اور مسلح آدمی سر پر خود لگائے ان کے سامنے آ گیا۔ اس کے ساتھ اور بھی کچھ آدمی تھے۔ یہ حضرات پہلے ہی سہمے ہوئے تھے سمجھے کہ دشمن یہاں بھی آ گیا ہے۔ فوراً کمانیں سنبھالیں، تیر سیدھے کیے۔ کئی حضرات نے تلواروں کے دستوں پر ہاتھ رکھ لیا کہ حضور ﷺ نے پکارا ''میں محمد رسول اللہ ﷺ ہوں۔''

(البدایہ والنہایہ: ۲۳/۴)

بس پھر کیا تھا مُردہ جسموں میں جان پڑ گئی اور خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ رحمۃ للعالمین ﷺ کا دامن سب پر سایہ فگن ہو گیا، بے چین دلوں کو چین مل گیا۔ سارے غم غلط ہو گئے۔ نیند آنے لگی اور غنودگی طاری ہو گئی۔

اب رسول اللہ ﷺ نے پہاڑی کی گھاٹی یعنی کیمپ کی طرف ہٹنا شروع کیا۔ مشرکین نے اس واپسی کو ناکام بنانے کی بہت کوشش کی، مگر آپ ﷺ کے شیر دل ساتھیوں نے ان حملہ آوروں کا ہجوم چیر کر راستہ بنا ہی لیا۔ قریش سرکار دو عالم ﷺ کی زندگی کو اپنی موت کا پیش خیمہ سمجھتے تھے، لہٰذا انھوں نے ایک مرتبہ پھر دھاوا بول دیا۔

اسی اثناء میں مشرکین کا ایک اڑیل شہسوار عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ آپ ﷺ کی جانب گھوڑے پر سوار ہو کر آیا اور کہا کہ آج یا تو میں رہوں گا یا وہ رہے گا۔ سرکار دو عالم ﷺ بھی اس کی اس بات کا جواب دینے کے لیے ٹھہر گئے، لیکن مقابلے کی نوبت نہ آئی کیونکہ اس کا گھوڑا ایک گڑھے میں گر گیا۔ اتنے میں حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ نے اس کے پاس پہنچ کر اسے اس زور سے تلوار ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ اپنے جاں نثار اور پامرد ساتھیوں کے اس دستہ کے ساتھ باقی ماندہ لشکر کے لیے راستہ بناتے ہوئے پہاڑ کی گھاٹی میں واقع اپنے کیمپ میں آ گئے اور مسلمانوں کا لشکر ایک دفعہ پھر منظم ہونا شروع ہو گیا۔ گویا خالد بن ولید کی عسکری عبقریت رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ کی عسکری عبقریت کے سامنے ناکام ہوگئی۔

(فشلت عبقرية خالد امام عبقرية رسول الله صلى الله عليه وسلم)

محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ گھاٹی میں تشریف لا چکے تو مکہ کا ایک رئیس ابی بن خلف آپ ﷺ کے مقابلے کے لیے آیا۔ اس کا بھائی امیہ بن خلف غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ ابی بن خلف مکہ میں یہ کہا کرتا تھا کہ محمد (ﷺ) کو میں قتل کروں گا۔ سرور کائنات ﷺ بھی اس کی یہ بات سنتے رہتے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ یہ بھی فرما دیا تھا کہ ”وہ نہیں بلکہ ان شاء اللہ میں اسے قتل کروں گا۔“

اس نازک لمحے میں جب آپ ﷺ زخموں سے چور اس گھاٹی میں فوج کو منظم کرنے کے لیے تشریف لائے تو وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس کی جانب بڑھنے لگے۔ آپ ﷺ نے اشارہ سے منع فرما دیا اور فرمایا اسے آنے دو، جب وہ قریب آ گیا تو آپ ﷺ نے حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے جو برابر میں کھڑے تھے، حربہ لے لیا (حربہ ایک چھوٹا سا نیزہ ہوتا ہے) اور لینے کے بعد جھٹکا دیا تو اس طرح لوگ ادھر ادھر اڑ گئے جیسے اونٹ اپنے بدن کو جھٹکا دیتا ہے تو مکھیاں اڑ جاتی ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ اس کے سامنے آئے اور اس کی زرہ اور خود کے درمیان حلق کے پاس تھوڑی سی کھلی جگہ آپ ﷺ کو نظر آئی۔ آپ ﷺ نے تاک کر اس جگہ ایسا حربہ مارا کہ وہ گھوڑے سے کئی بار لڑھکا۔ وہ گرتا پڑتا اور چنگھاڑتا ہوا واپس بھاگا۔ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو انھوں نے کہا کوئی بات نہیں۔ اتنے چیخنے کی کوئی وجہ نہیں۔ معمولی سی خراش ہے۔ تم بلا وجہ اتنے بے تاب ہو رہے ہو۔ ابی نے ان کی بات سن کے غصے سے کہا: ”یہ معمولی ضرب نہیں، یہ محمد ﷺ کے ہاتھ کی ضرب ہے۔ اگر وہ تھوک بھی دیتا تو مجھے مار ڈالتا۔“ (فوالله لو بصق على القتلني)

ابی بن خلف درد سے اسی طرح تڑپتا رہا یہاں تک کہ واپسی میں ”سرف“ کے مقام پر مر گیا اور وہیں اس کو دبا دیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کی لاش کو مکہ اٹھا کر لے گئے۔

(زرقانی: ۲/۴۴، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۸۴، عیون الاثر: ۲/۲۴، زاد المعاد: ۲/۹۷)

ایک روایت یہ ہے کہ یہ بیل کی طرح آواز نکالتا تھا اور کہتا تھا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو تکلیف مجھے ہے وہ اگر ذی المجاز کے سارے باسیوں کو

Marfat.com

ہوتی تو وہ سب کے سب مرجاتے۔

(والذی نفسی بیده لوکان الذی بی باهل ذی المجاز لماتوا جمیعا) (مختصر سیرۃ الرسول الشیخ عبداللہ: ص ۲۵۰)

تمام دنیا میں یہی ایک بدبخت اور بدنصیب انسان تھا جس کو حضور ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔ وگرنہ آپ ﷺ پر تیر برستے رہے، تلواریں پڑتی رہیں لیکن آپ ﷺ نے کسی کو اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کیا کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((اشتد غضب الله علی رجل یقتله رسول الله فی سبیل الله))

''اس شخص پر اللہ کا غضب سب سے شدید ہوتا ہے جس کو اللہ کا رسولؐ اپنے ہاتھ سے اللہ کے راستے میں قتل کرے۔'' (بخاری: ۵۸۳/۲)

آپ ﷺ کسی کو بدبخت اور بدنصیب نہیں بنانا چاہتے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے پوری زندگی میں سوائے اس بدبخت کے اور کسی کو قتل نہیں کیا۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ جب آپ ﷺ واپس پہاڑ (گھاٹی) کی طرف جا رہے تھے تو ایک چٹان آ گئی۔ آپ ﷺ نے اس پر چڑھنے کی کوشش کی مگر بوجہ ضعف چڑھ نہ سکے کیونکہ ایک تو آپ ﷺ کا بدن بھاری ہو چکا تھا، دوسرے آپ ﷺ نے دوہری زرہ پہن رکھی تھی اور تیسرے بدن سے کافی خون بہ جانے کی وجہ سے ضعف بھی ہو گیا تھا اور آپ ﷺ کو شدید چوٹیں بھی آئی تھیں۔ اس لیے سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نیچے بیٹھ گئے اور آپ ﷺ کو کندھوں پر اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ اس طرح چل کر چٹان پر پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''طلحہ رضی اللہ عنہ نے جنت واجب کر لی۔'' (ابن ہشام: ۸۶/۲)

سرکار دو عالم ﷺ کا ملنا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام غم غلط ہو گئے۔ جمال جان پرور کی زیارت ہو گئی۔ مردہ روحوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ اب مضطرب روحوں کو سکون اور چین نصیب ہوا کہ میدان جنگ میں ہی غنودگی طاری ہو گئی جس کو قرآن حکیم نے یوں بیان کیا ہے:

''پھر نازل کی تم پر غم (یعنی ابتری اور پریشانی) کے بعد امن (سکون اور بے خوفی) کی ایک غنودگی جو تمہارے ایک گروہ پر چھا رہی تھی۔''

(آل عمران)

Marfat.com

اسی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "میدان جنگ میں نیند ایمان کی علامت ہے اور نماز میں نیند شیطان کے اثر سے ہوتی ہے۔" (البدایہ والنہایہ: ۲۸/۴)

چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم پر اب بے خوفی اور سکون خاطر کی وجہ سے غنودگی طاری ہو گئی۔ وہی سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ جن کے ہاتھ سے تیر پھینکتے ہوئے کئی کمانیں ٹوٹیں، فرمایا کرتے تھے اس وقت جو سکون میسر ہوا وہ کچھ عجیب تھا۔ خود میری حالت یہ تھی کہ ایسی غنودگی طاری ہوئی کہ تلوار میرے ہاتھ سے بار بار گر جاتی تھی۔ میں اٹھاتا تھا تو وہ پھر گر جاتی تھی۔

(بخاری: ۸۵۲/۲)

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ شدت خوف و ہراس کے بعد جب سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم پر نیند کا غلبہ ہوا اور حالت یہ ہوگئی کہ ہر ایک کی ٹھوڑی سینہ سے لگی ہوئی تھی۔ اس غنودگی کی حالت میں معتب بن قشیر کی آواز میرے کانوں میں پڑی، وہ کہہ رہا تھا:

لو کان لنامن الامر شئی ماقتلنا ھٰھنا۔

"اگر اس مہم میں ہمارا کوئی دخل ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔"

(تفسیر مظہری: ۱۵۸/۲)

آخری حملہ:

سرور کائنات ﷺ گھاٹی میں تشریف فرما تھے اور جانثار ارد گرد ہالہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے، تو دیکھا کہ ابوسفیان اور خالد بن ولید پہاڑ پر چڑھے ہوئے ہیں۔ سواروں کا ایک دستہ بھی ساتھ ہے۔ خالد آگے ہیں اور مسلمانوں پر پھر ایک حملہ کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ اس وقت سرکار دو عالم ﷺ کی زبان سے وہی جملے نکلے جو میدان بدر میں نکلے تھے:

اللّٰھم انک ان تشاء لا تعبد فی الارض۔

"اے اللہ! تیری مشیت اور مرضی یہی ہے تو کرۂ ارض سے تیری عبادت ختم ہو جائے گی۔"

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چند مہاجرین کو ساتھ لے کر اس پہاڑ کی طرف بڑھے۔ دونوں

Marfat.com

طرف سے تیر اور پتھر برسائے گئے لیکن دشمن ٹھہر نہ سکا اور اس پہاڑ سے نیچے اتر گیا۔

(البدایہ والنہایہ:۲۸/۴،ابن ہشام:۸۶/۲)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ جب مشرکین پہاڑ پر چڑھ آئے تو آپ ﷺ نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کے حوصلے پست کرو یعنی انھیں یہاں سے نیچے اتارو۔ عرض کی میں اکیلا ان کے حوصلے کیسے پست کرسکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے تین دفعہ یہ فرمایا۔ اس پر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ایک تیر نکالا اور ایک شخص کو مارا تو وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے پھر وہی تیر لے کر ایک دوسرے آدمی کو مارا تو وہ بھی وہیں مر گیا۔ پھر وہی تیر تیسرے کو مارا اور وہ بھی مر گیا۔ اس کے بعد مشرکین خوف کی وجہ سے پہاڑ سے نیچے اتر گئے۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا یہ تو بہت مبارک تیر ہے۔ چنانچہ میں نے اس تیر کو اپنے ترکش میں رکھ لیا۔ یہ تیر زندگی بھر ان کے پاس رہا پھر ان کی اولاد کے پاس رہا۔ (زاد المعاد:۹۵/۲)

عورتوں کی میدان جنگ میں آمد:

مشرکین بالکل ہمت ہار چکے تھے۔ اس لیے انھوں نے اب مزید کوئی حملہ کرنے سے گریز کیا۔ کوئی مؤرخ اس کی وجہ بیان نہیں کر سکا کہ قریش کا یہ لشکر جرار کامیابی کے بعد ناکام کیوں ہو گیا؟ بہر حال جنگ بند ہو گئی۔ مدینہ طیبہ میں بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ سرکار دو عالم ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ جس طرح اس اندوہناک خبر نے میدان جنگ میں مسلمان مردوں کو پریشان اور حواس باختہ کیا اس طرح مدینہ طیبہ میں مسلمان عورتیں بھی اس خبر سے سخت پریشان ہوئیں۔ جنگ کا ہنگامہ ظہر تک ختم ہو چکا تھا۔ خاتمۂ جنگ کے بعد کچھ مسلمان عورتیں میدان جنگ میں پہنچیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ اور ام سلیم (یہ سیدنا ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں جن کے ہاتھوں سے کئی کمانیں ٹوٹیں) کو دیکھا کہ پنڈلی کی پازیب تک کپڑے چڑھائے پیٹھ پر پانی کے مشکیزے لا رہی تھیں اور زخمیوں کو پلا رہی تھیں۔ (بخاری:۴۰۳/۱،۵۸۱/۲)

انہی عورتوں میں سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہ بھی تھیں۔ انھوں نے جب شکست خوردہ

Marfat.com

مسلمانوں کو دیکھا کہ مدینہ میں گھسنا چاہتے ہیں، تو آپ نے دونوں ہاتھوں میں مٹی بھر کر ان کے منہ پر ماری اور فرمایا: "سوت کی انٹی تم لو اور تلوار مجھے دو۔" (ایک روایت میں ہے کہ یہ مٹی ان کو ماری تھی جو حضور ﷺ کے قتل کی وحشت انگیز خبر لے کر مدینہ گئے تھے) پھر آپ رضی اللہ عنہا میدان جنگ میں تیزی سے پہنچیں اور پیاسے زخمیوں کو پانی پلانے لگیں۔ ان پر ایک شخص حبان (ح کی زیر کے ساتھ) بن عرقہ نے تیر چلایا جس سے وہ گر پڑیں اور بدن کھل گیا۔ اس پر حبان نے زوردار قہقہہ لگایا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی یہ بات گراں گزری۔ آپ ﷺ نے بے پھل کا ایک تیر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دیا اور فرمایا اسے چلاؤ۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے وہ تیر چلایا تو اس کے حلق پر جا کر لگا اور وہ چت گرا اور اس کا پردہ کھل گیا۔ اس انتقام پر سرکار دو عالم ﷺ اتنا ہنسے کہ جڑ کے دانت دکھائی دینے لگے۔ اور فرمایا سعد رضی اللہ عنہ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کا بدلہ چکا دیا۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲۲/۲)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیط رضی اللہ عنہا بھی مشک میں پانی بھر بھر کر زخمیوں کے لیے لاتی تھیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول ﷺ بھی تشریف لائیں۔ ابا کو دیکھا کہ چہرہ مبارک کے زخموں سے خون بہہ رہا ہے اور سرکار دو عالم ﷺ اس کا کوئی قطرہ زمین پر نہیں گرنے دے رہے اور خون کو کپڑوں پر لے رہے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی لائے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے زخم دھوئے لیکن خون تھمتا نہیں تھا۔ چنانچہ چٹائی کا ایک ٹکڑا لایا گیا اور اس کی راکھ زخم میں بھری تب خون بند ہوا۔ (زرقانی: ۴۹/۲، رواہ البخاری والطبرانی)

سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آقائے دو جہاں ﷺ کا زخم کس نے دھویا؟ پانی کس نے بہایا اور علاج کس چیز سے کیا گیا؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا زخم دھو رہی تھیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی بہا رہے تھے۔ جب سیدہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ پانی کی وجہ سے خون بڑھتا ہی جاتا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر اس کو جلایا اور زخموں پر چپکا دیا جس سے خون رک گیا۔ (بخاری: ۵۸۴/۲)

گھاٹی میں استراحت:

غزوۂ احد کی جنگ ظہر کے وقت تک ختم ہو چکی تھی۔ ظہر کی نماز آپ ﷺ نے بیٹھ

Marfat.com

کر پڑھی۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہ نماز بیٹھ کر پڑھی۔ (ابن ہشام: ۸۷/۴)

نماز سے قبل سیدنا علی رضی اللہ عنہ مہراس (ایک چشمہ کا نام) سے اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لائے اور آپ ﷺ کو پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس میں کچھ ناگوار بو محسوس کی، اس لیے پیا تو نہیں البتہ اس سے چہرے کا خون دھولیا اور سر پر بھی ڈالا اور اس حالت میں فرمایا:

((اشتد غضب الله علی من رمی وجه نبیه))

''اس شخص پر اللہ کا سخت عذاب ہو جس نے اس کے نبیؐ کے چہرے کو خون آلود کیا۔''

اتنے میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہیں سے شیریں اور خوش ذائقہ پانی لائے۔ آپ ﷺ نے اسے نوش فرمایا اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ (سیرۃ حلبیہ: ۳۰/۲)

ابوسفیان کی آواز:

قریش کے لشکر نے جب واپسی کی تیاری کی تو ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی: ''کیا تم لوگوں میں محمد ﷺ زندہ ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی اس کا جواب نہ دے۔'' جب کوئی جواب نہ آیا تو پھر یہ آواز آئی: ''کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) موجود ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی جواب نہ دے۔'' جب کوئی جواب نہ آیا تو پھر یہ آواز دی: ! ''کیا تم میں عمر بن الخطاب موجود ہیں؟'' آپ ﷺ نے اس کا جواب دینے سے بھی منع فرما دیا۔ جب کوئی جواب نہ آیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے خوش ہو کر کہا: ''بہر حال یہ سب قتل ہو گئے کیونکہ اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔''

یہاں یہ بات خاص طور پر ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ ابوسفیان نے ان تین کے سوا کسی اور کے بارے میں نہیں پوچھا۔ کیونکہ کفر بھی سمجھتا تھا کہ محمد ﷺ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ ہی اس قوم کی قیادت کر سکتے ہیں اور اب اگر یہ تینوں زندہ نہیں رہے تو اب ہمیں فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اب دین اسلام اور مسلمان ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔''

ابوسفیان کی یہ بات سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بے قابو ہو گئے اور اونچی آواز سے فرمایا: ''اے اللہ کے دشمن! تو نے بالکل غلط کہا، تیرے رنج وغم کا سامان اللہ تعالیٰ نے ابھی باقی رکھ

Marfat.com

چھوڑا ہے۔ یہ سب زندہ ہیں۔" پھر ابوسفیان نے نعرہ لگایا: "اعل ھبل۔ ہبل کی جے ہووے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس کے جواب میں کہو: اللہ اعلیٰ و اجل۔ اللہ سب سے اعلیٰ اور برتر ہے۔

پھر ابوسفیان نے دوسرا نعرہ لگایا: لنا عزی ولا عزی لکم۔ ہمارے لیے عزیٰ ہے اور تمھارے پاس عزیٰ نہیں۔

حضور ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کا یہ جواب دو: اللہ مولانا ولا مولی لکم۔ اللہ ہمارا مولا ہے اور تمھارا کوئی مولا نہیں۔

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا: "یہ دن یوم بدر کا بدلہ ہے، لہٰذا ہم اور تم برابر ہو گئے اور لڑائی تو ڈول کی مانند ہے کبھی اوپر اور کبھی نیچے۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "ہم اور تم برابر نہیں۔ ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمھارے جہنم میں۔"

بعد ازاں ابوسفیان نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو آواز دی کہ میرے پاس آؤ۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا جاؤ اور دیکھو کیا کہتا ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے تو ابوسفیان نے کہا: "عمر! میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں سچ بتاؤ کہ ہم نے محمد ﷺ کو قتل کیا؟"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "خدا کی قسم! ہرگز نہیں، وہ اس وقت تیری بات کو سن رہے ہیں۔"

ابوسفیان نے کہا: "تم میرے نزدیک ابن قمیہ سے زیادہ سچے اور نیک ہو۔"

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا: "ہمارے آدمیوں کے ہاتھ سے تمھارے مقتولین کا مثلہ ہوا ہے۔ خدا کی قسم، میں اس فعل سے نہ راضی ہوں اور نہ ناراض۔ نہ میں نے منع کیا اور نہ حکم دیا۔"

(بخاری: ۲/۵۷۹، فتح الباری: ۷/۲۷۲، زرقانی: ۲/۴۷، زادالمعاد: ۲/۹۴، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۹۳۔۹۴، عیون الاثر: ۲/۲۹)

اس کے بعد اس نے آئندہ پھر مسلمانوں سے معرکہ آرائی کا کہا۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے کسی صحابی سے یہ کہا کہ کہہ دو: ''ہاں ہمارا اور تمھارا یہ وعدہ ہے۔ ان شاء اللہ۔'' (زرقانی: ۴۸/۲، ابن ہشام: ۹۴/۲)

لشکر قریش کی واپسی:

قریباً ظہر کے بعد قریش کا لشکر احد کے میدان سے روانہ ہوا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ان کے پیچھے جا کر پتہ لگاؤ کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور ان کا کیا ارادہ ہے؟ اگر وہ مدینہ کا رخ کر رہے ہیں تو ہم فوراً مدینہ پہنچ کر ان کا مقابلہ کریں۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر انھوں نے گھوڑے پہلو میں رکھے ہوں اور اونٹوں پر سوار ہوں تو ان کا مکہ کا ارادہ ہے۔ اور اگر گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹوں کو ہانک کر لے جائیں تو مدینہ کا ارادہ ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے پیچھے گیا تو کیا دیکھا کہ انھوں نے گھوڑے اپنے پہلو میں رکھے ہیں اور اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ کا رخ کیا ہوا ہے۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۹۴/۲)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے مشرکین کے عزائم کا پتہ لگانے کے لیے اور یہ جاننے کے لیے کہ وہ کدھر جا رہے ہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بجائے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری: ۳۴۷/۷)

زخمیوں کی خبر گیری:

قریش کی مکہ واپسی کے بعد زخمیوں اور شہیدوں کا پتہ چلایا گیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے مجاہدین اور جان نثاروں پر نگاہ ڈالی تو ان سے حالات دریافت فرمانے لگے۔ پوچھا: ''سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نظر نہیں آ رہے۔ وہ کہاں ہیں؟ تلاش کرو زندہ ہیں یا شہید ہو گئے ہیں؟''

سعد ابن ربیع السابقون الاولون میں سے تھے۔ وہ اپنی قوم کے نقیب تھے۔ سرکار مدینہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد جب آپ ﷺ نے مہاجر و انصار میں مواخات قائم کی تو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ان کا بھائی بنایا۔ سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے اپنی کل جائیداد کا نصف سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو دینے کی پیش کش کی۔ یہ بھی کہا کہ ان کی دو بیویاں

Marfat.com

ہیں۔ ان دونوں میں سے جو بھی پسند ہو، میں اس کو طلاق دے دوں گا۔ عدت کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیں، لیکن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کی اس پیش کش کو قبول نہ کیا بلکہ کہا کہ آپ مجھے صرف بازار کا راستہ بتا دیں۔ تاہم سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا یہ ایثار ناقابل فراموش ہے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ایک شخص نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ایک بچی کو چھاتی پر بٹھا کر اسے چمکار رہے ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ یہ بچی کس کی ہے؟ فرمایا اس شخص کی بچی ہے جو بیعت عقبہ کے وقت نقیب بنائے گئے تھے۔ جنگ بدر میں شریک ہوئے اور غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ (۹۵/۲)

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے بھیجا کہ میں سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو تلاش کروں اور یہ بھی فرمایا کہ مل جائیں تو میرا اسلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ تم اس وقت اپنے کو کیسا پاتے ہو؟ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مقتولین میں ڈھونڈتا ہوا ان کے پاس پہنچا۔ دیکھا تو انھیں نیزے اور تلوار کے قریباً ستر زخم آئے ہوئے تھے۔ ابھی زندگی کی کچھ رمق باقی تھی۔ میں نے کہا سعد رضی اللہ عنہ! اللہ کے رسول ﷺ آپ کو سلام کہتے ہیں اور پھر آپ کا پیغام پہنچایا۔ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ پر بھی سلام اور تم پر بھی سلام ہو۔ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کرنا کہ میں اس وقت جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اور میری قوم انصار سے یہ کہنا کہ جب تک ایک جھپکنے والی آنکھ تم میں زندہ ہے یعنی جب تک تم میں سے ایک شخص بھی زندہ ہے، اگر دشمن نے سرکار دو عالم ﷺ کا بال بیکا کر دیا تو تمھارے پاس خدا کے حضور پیش کرنے کے لیے کوئی عذر نہ ہوگا۔ یہ کہا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا وہ پیغام پہنچا دیا۔ (زرقانی: ۴۹/۲، ابن ہشام: ۸۶/۲)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کرنا کہ اس وقت میں مر رہا ہوں اور سلام کے بعد کہنا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ آپ ﷺ کو ہماری اور سب امت کی طرف سے جزائے خیر دے کہ ہم کو حق کا راستہ بتایا۔" (مستدرک حاکم: ۲۰۱/۳)

Marfat.com

زخمیوں میں اصیرم کو بھی دیکھا گیا جنھوں نے ایمان لانے کے بعد ایک وقت کی بھی نماز نہیں پڑھی تھی کہ جنت میں چلے گئے۔ (زادالمعاد: ۹۶/۲)

ان کا واقعہ گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

تجہیز و تکفین:

زخمیوں کے ساتھ ساتھ شہداء کی بھی تلاش کی گئی کیونکہ ان کی تجہیز و تکفین کرنا تھی۔ کچھ حضرات نے اپنے شہداء کو مدینہ منتقل کر لیا تھا۔ آپ ﷺ نے انھیں واپس لانے کا حکم صادر فرمایا اور فرمایا کہ ان کو ان کی شہادت گاہوں ہی میں دفن کیا جائے۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو حضور ﷺ نے دیکھا تو اس کا مُثلہ ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ کو لاش دیکھ کر نہایت صدمہ ہوا۔ فرمایا: ''میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش اسی حالت میں پڑی رہے اور قیامت کے دن اس کے اجزاء درندوں کے پیٹ اور پرندوں کی پوٹوں سے اکٹھے ہوں، مگر اس بات پر اس لیے عمل نہیں کرتا کہ پھر یہ ایک سنت مان لی جائے گی۔ اس کے علاوہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن صفیہ رضی اللہ عنہا اس کو برداشت نہیں کریں گی۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل امین علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا یہ لقب ساتوں آسمانوں میں لکھ دیا گیا ہے:

اسد الله و اسد رسوله۔

''اللہ اور اس کے رسول کا شیر'' (ابن ہشام: ۹۵/۲-۹۶)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن اور آپ ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ دونوں بہن بھائیوں میں بڑی محبت تھی۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ شکست کی خبر سن کر مدینہ طیبہ سے احد پہنچیں۔ وہ اپنے بھائی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھنا چاہتی تھیں لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے صاحبزادے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سے فرما دیا کہ انھیں واپس لے جائیں۔ لاش کے پاس نہ جانے دیں کیونکہ اپنے بھائی کی لاش کی یہ حالت وہ دیکھ نہ پائیں گی۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کو بتا دیا کہ حضور ﷺ نے لاش کو دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔ فرمایا: میں اپنے بھائی کی لاش کا حشر سن چکی ہوں کہ اس کا مُثلہ کیا گیا ہے۔ راہ خدا

Marfat.com

میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں ہے۔ جو کچھ ہوا ہم اس پر پوری طرح راضی ہیں۔ تم حضور ﷺ کو اس بات کا اطمینان دلا دو۔ میں ان شاء اللہ صبر سے کام لوں گی۔ آپ ﷺ نے ان کے یہ جذبات دیکھ کر لاش کے پاس جانے کی اجازت عطا فرما دی۔ وہ لاش پر تشریف لے گئیں۔ خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے لیکن آپ رضی اللہ عنہا نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ان کے لیے دعائے مغفرت مانگی اور خاموش ہو گئیں۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو دیکھا تو رو پڑے یہاں تک کہ ہچکی بندھ گئی۔ پھر فرمایا:

سید الشهداء عندالله يوم القيامة حمزه۔

"قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں حمزہ رضی اللہ عنہ تمام شہیدوں کے سردار ہوں گے۔"

(مستدرک حاکم: ۱۹۹/۳)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب پر جس طرح روئے اس طرح میں نے ان کو کبھی روتے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے انھیں قبلہ کی طرف رکھا پھر ان کے جنازے پر کھڑے ہوئے اور اس طرح روئے کہ آواز بلند ہو گئی۔ (مختصر السیرۃ: ص ۲۵۵)

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے (امیمہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے) سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اللہ کے راستے میں اپنی جان نثار کروں اور اللہ کے راستہ میں ان کے ناک، کان کاٹے جائیں اور اسی وجہ سے انھیں "المجدع فی سبیل الله" کہا گیا۔ ان کی لاش بھی وہیں پڑی ہوئی تھی۔ ان کا پیٹ تو چاک نہیں کیا گیا تھا البتہ ناک کاٹ لی گئی تھی۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد کے روز جنگ شروع ہونے سے پہلے سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے مجھے الگ بلا کر کہا کہ آؤ ہم دونوں کہیں الگ بیٹھ کر دعا مانگیں اور پھر ایک دوسرے کی دعا پر آمین کہیں۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ پہلے میں نے دعا مانگی کہ اے اللہ! آج میرا مقابلہ ایک ایسے دشمن سے ہو جو نہایت بہادر، دلیر اور غضبناک ہو۔ کچھ میرا اور اس کا مقابلہ ہو۔ پھر اے اللہ! مجھے اس پر فتح

Marfat.com

نصیب فرما کہ میں اس کو قتل کروں اور اس کا سامان چھینوں۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے میری اس دعا پر آمین کہی۔

اب سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی کہ ''اے اللہ! آج میرا ایک ایسے دشمن سے مقابلہ ہو جو بہت سخت اور غضبناک ہو۔ میں صرف تیرے لیے اس سے قتال کروں اور وہ مجھ سے لڑے۔ آخر کار وہ مجھ کو قتل کر دے اور میرے ناک اور کان کاٹے۔ اے اللہ! پھر جب میں تجھ سے ملوں اور تو مجھ سے پوچھے کہ عبداللہ! تیرے یہ ناک اور کان کہاں گئے تو میں عرض کروں کہ اے اللہ تیرے اور تیرے پیغمبر ﷺ کی راہ میں۔ اور تو فرمائے: سچ کہا۔'' سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ان کی اس دعا پر آمین کہی۔ پھر فرمایا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی دعا میری دعا سے کہیں بہتر تھی۔ فرماتے ہیں کہ شام کو دیکھا کہ ان کے ناک اور کان کٹے ہوئے ہیں۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے میری دعا بھی قبول فرمالی۔ میں نے ایک بہت بڑے کافر کو قتل کیا اور اس کا سامان چھینا۔ (روض الانف: ۱۴۳/۲)

ان کی لاش کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ انھیں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جائے۔ یہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی۔ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ علم بردار لشکر بھی اس غزوہ میں شہید ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی لاشوں کو دیکھ کر فرمایا یہ وہ ہیں کہ خدا سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا۔ (البدایہ والنہایہ: ۴۵/۴)

اسی طرح سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہوئی۔ ان کی لاش غائب تھی۔ تلاش کرنے پر ایک جگہ زمین پر پڑی ہوئی ملی اور اس سے پانی ٹپک رہا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے انھیں غسل دے رہے تھے۔ اسی وجہ سے ان کا نام ''غسیل الملائکہ'' پڑ گیا۔
(زاد المعاد: ۹۴/۲)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ بھی اس غزوہ میں شہید ہوئے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد عبداللہ نے رات ہی کو بٹھا کر مجھے وصیت کی تھی کہ صبح کو رسول اللہ ﷺ کے جانثاروں میں سے جو سب سے پہلے قربان ہوگا مجھے امید ہے کہ وہ میں ہوں گا۔ پھر فرمایا: تم یقین رکھو کہ میں جن کو چھوڑ کر رخصت ہوں گا ان میں رسول اللہ ﷺ کے بعد تم ہو۔ میں اپنے ذمہ قرض چھوڑ رہا ہوں۔ تم اسے ادا کرو گے۔ اپنی بہنوں کا پورا پورا

Marfat.com

خیال رکھنا (ان کی سات بہنیں تھیں) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابا کی بات بالکل صحیح ہوئی، وہ انہی میں سے تھے جو سب سے پہلے شہید ہوئے۔ (بخاری: ۱/ ۱۸۰)

خود فرمایا کہ احد کے غزوہ سے پہلے میں نے سیدنا مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا۔ وہ کہہ رہے ہیں، عبداللہ! تم بھی آج کل میں ہمارے پاس پہنچنے والے ہو۔ میں نے کہا تم کہاں ہو، کہا جنت میں۔ جہاں چاہتے ہیں سیر وتفریح کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا تو بدر میں قتل نہیں ہوا تھا۔ مبشر نے کہا، ہاں، لیکن پھر زندہ کر دیا گیا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب حضور ﷺ کو سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابو جابر! اس خواب کی تعبیر شہادت ہے۔'' (زاد المعاد: ۲/ ۹۶، فتح الباری: ۳/ ۱۷۲)

شہادت کے بعد ان پر کپڑا ڈال دیا گیا تھا۔ میں پاس بیٹھے رو رہا تھا اور بار بار کپڑا اٹھا کر ان کی زیارت کر رہا تھا۔ مجھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منع بھی کیا مگر مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے دو تین دفعہ ایسا کیا۔ پھر سرکار مدینہ ﷺ نے جنازہ اٹھانے کا حکم دیا تو میری پھوپھی سیدہ فاطمہ بنت عمرو رضی اللہ عنہا کی چیخ نکل گئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیوں روتی ہو۔ جب تک جنازہ اٹھا میں برابر دیکھتا رہا کہ اللہ کے فرشتے اس پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔''

(بخاری: ص ۱۶۶، ۲/ ۱۷۲، ۲۹۵، ۲/ ۵۸۴)

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کے بہنوئی سیدنا عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ بھی اس معرکہ میں شہید ہوئے۔ ان کو اس معرکہ میں آنے کا بہت شوق تھا کیونکہ یہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ یہ لنگڑے تھے۔ ان کے شوقِ شہادت کا واقعہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اسی شوق شہادت میں مدینہ سے چلتے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کی:

اللھم ارزقنی الشھادۃ و لا تردُنی الی اھلی۔

''اے اللہ! مجھے شہادت سے بہرہ مند فرما اور گھر والوں کی طرف واپس نہ لوٹا۔''

دعا قبول ہو گئی۔ اسی غزوہ میں ان کے بیٹے خلاد بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے۔ عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کی بیوی ہندہ بنت عمرو بن حرام (جو کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں) نے یہ چاہا کہ تینوں لاشوں (عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ، خلاد بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ (یعنی بیٹے شوہر اور بھائی) کو ایک اونٹ پر لاد کر مدینہ لے

Marfat.com

جائے اور وہیں دفن کیا جائے۔ مگر جب مدینہ کا رخ کرتیں تو اونٹ بیٹھ جاتا اور جب احد کا رخ کرتیں تو اونٹ چلنے لگتا۔ ہندہ رضی اللہ عنہا کی سمجھ میں اس کی وجہ نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ نے گھر سے چلتے وقت کچھ کہا تھا۔ انھوں نے دعا کا تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہی وجہ ہے کہ اونٹ مدینہ کی طرف نہیں جاتا اور یہ بھی فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں اگر وہ کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم کو ضرور پورا کرتا ہے، اور عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک ہیں اور بے شک میں نے ان کو اسی لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں چلتا ہوا دیکھا ہے۔"

(عیون الاثر: ۲/۲۸، زرقانی: ۲/۵۰، استیعاب، ترجمہ عمرو بن الجموح: ۲/۵۰۳، روض الانف: ۲/۱۳۹)

سیدنا خیثمہ رضی اللہ عنہ بھی اس غزوہ میں شہید ہوئے۔ ان کے صاحبزادے سیدنا سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شہید ہو چکے تھے۔ اب غزوۂ احد میں یہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں بدر میں جانا چاہتا تھا اور میرا بیٹا بھی یہ سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ آخر میں نے بیٹے سے قرعہ اندازی کی مگر قرعہ میں نام اس کا نکل آیا اور وہ غزوۂ بدر میں گیا اور شہادت حاصل کی اور میں رہ گیا۔ آج رات میں نے بیٹے کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ جنت کے باغات میں سیر وتفریح کرتا پھرتا ہے اور مجھ سے کہتا ہے کہ ابا یہیں آ جاؤ۔ دونوں مل کر جنت میں ایک ساتھ رہیں گے۔ یا رسول اللہ! میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور بیٹے کی رفاقت کا نہایت مشتاق ہوں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائے اور جنت میں اپنے بیٹے سعد کی رفاقت۔ آپ ﷺ نے خیثمہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی۔ دعا قبول ہوئی اور خیثمہ رضی اللہ عنہ کو شہادت کی دولت نصیب ہوئی اور امید ہے کہ خیثمہ رضی اللہ عنہ جنت میں اپنے بیٹے کے ساتھ ہوں گے۔ (زاد المعاد: ۲/۹۶)

ان کے علاوہ اور بھی کئی شہداء میدان جنگ میں پڑے تھے جنھوں نے اپنی جانیں پیغمبر اسلام ﷺ اور دین اسلام کے لیے نہایت خوشی کے ساتھ قربان کی تھیں۔

Marfat.com

شہداء کو غسل نہیں دیا جاتا کیونکہ شہادت کے خون کے چھینٹے اللہ کے ہاں مشک وغیرہ سے بھی زیادہ معطر ہوتے ہیں۔ ان کو دھویا نہیں جاتا۔ ان کے کپڑے نہیں اتارے جاتے، کفن نہیں پہنایا جاتا بلکہ انھیں خون آلود کپڑوں سے دفن کر دیا جاتا ہے۔ البتہ زرہ وغیرہ جو بدن پر ہو یا اگر کچھ زائد کپڑے ہوں تو وہ اتار لیے جاتے ہیں۔ اور اگر کپڑے مسنون کفن (یعنی تین کپڑے نہ ہوں) تو ان کو پورا کر دیا جاتا ہے۔ شہدائے اُحد کی تجہیز و تکفین میں بھی یہی عمل ہوا۔ لیکن سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی لاشوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا تھا، اس میں ان کے کپڑے بھی پورے نہیں رہے تھے۔ اس لیے اضافہ کیا گیا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک سیاہ دھاریوں والی چادر کے سوا کوئی کفن نہ مل سکا۔ یہ چادر سر پر ڈالی جاتی تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں پر ڈالی جاتی تو سر کھل جاتا۔ بالآخر چادر سے سر ڈھک دیا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک صحابی ہیں۔ ان کے صاحبزادے ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ ابا کا روزہ تھا۔ افطار کا وقت ہوا تو کھانا لایا گیا۔ فرمانے لگے: مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مجھ سے بہتر اور افضل تھے۔ غزوۂ احد میں جام شہادت نوش فرمایا لیکن تنگ دستی کی یہ حالت تھی کہ پورا کفن میسر نہ ہو سکا، صرف ایک چادر ملی، وہ بھی پوری نہیں تھی۔ سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔

فرمایا حمزہ رضی اللہ عنہ مجھ سے بہتر اور افضل تھے۔ وہ بھی اسی جنگ میں شہید ہوئے اور پورا کفن انھیں بھی میسر نہ آیا۔ صرف ایک چادر تھی وہ چھوٹی تھی۔ سر ڈھانکتے تو پیر کھل جاتے اور پیر ڈھانکتے تو سر کھل جاتا۔ بالآخر سر چھپا دیا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی۔

(ترمذی، باب قتلی احد وذکر حمزہ، بخاری: ۲/۵۷۹، ۵۸۴)

یہ بھی کچھ ان دونوں حضرات کی خصوصیت تھی کہ ان دونوں کو الگ الگ ایک ایک کپڑا دے دیا گیا، ورنہ ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی کپڑے سے دو شہیدوں کا کفن پورا ہو گیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک کپڑے کے دو ٹکڑے کر دیتے تھے اور اس ایک ٹکڑے سے شہید کو کفن دیتے تھے۔ (فیض الباری: ۲/۷۷)

Marfat.com

تدفین:

شہداء کی تعداد زیادہ تھی یعنی ستر اور مدینہ کی زمین بھی کھدائی کے لیے بہت سخت تھی۔ زمین کھودنے والے خود زخموں سے چور اور تھکے ہارے تھے اور پھر دشمن کا خطرہ بھی موجود تھا کیونکہ وہ ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا۔ اس وجہ سے فیصلہ یہ ہوا کہ ایک ایک قبر میں دو دو دفن کیے جائیں۔ چنانچہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بھانجے سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک قبر میں دفن کیا گیا اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ ابن سعد نے طبقات جلد ۳ صفحہ ۵۶۲ میں لکھا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے منہ پر ایک زخم لگا تھا۔ شہادت کے وقت ان کا ہاتھ اس زخم پر تھا۔ ان کا ہاتھ اس زخم سے ہٹایا گیا تو زخم سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ پھر جب ہاتھ واپس لے جایا گیا تو خون بند ہو گیا۔ چنانچہ ان کا ہاتھ اسی طرح زخم پر رکھ کر ان کو دفن کر دیا گیا۔ (عیون الاثر: ۳۴/۲)

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن زیادہ یاد تھا ان کو مقدم کیا جاتا تھا۔ (بخاری: ۱۷۹/۱)

ان شہداء کے بارے میں زبان رسالت سے یہ الفاظ بھی نکلے:

((انا شهيد على هو لاء يوم القيامه))

''قیامت کے روز میں ان کی گواہی دوں گا۔'' (بخاری: ۱۷۹/۱)

بعض حضرات اپنے شہداء کو مدینہ طیبہ لے گئے تھے لیکن آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب کو یہیں دفن کیا جائے۔ چنانچہ ان کو واپس لایا گیا۔

دفن کی طرح نماز میں بھی اختصار کیا گیا۔ دس دس شہداء کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھائی گئی لیکن سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ برابر رکھا رہا۔ ان پر نماز جنازہ سات مرتبہ پڑھائی گئی۔

(ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۱۵۱۳، باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی الشہداء ودفنہم)

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے شہدائے احد کے بارے میں فرمایا کہ ان کو اسی طرح خون آلود دفن کیا جائے اور نہ انھیں غسل دیا جائے اور نہ ہی ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ (ولم يصل عليهم) (بخاری: ۱۷۹/۱)

مطلب یہ ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کسی کی نماز مستقل طور پر علیحدہ نہیں

Marfat.com

پڑھی گئی۔ یہ چونکہ سید الشہداء تھے لہٰذا اصل یہی رکھے گئے اور سب ان کے تابع کیے گئے۔ ابن سعد نے طبقات میں اس کی تعبیر یہ کی ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پر ستر نمازیں پڑھی گئیں۔

(طبقات: ۳۰/۳)

محمد ابن اسحاق نے ان کی تعداد ۷۲ بتائی ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۹۷/۲، عیون الاثر: ۳۱/۲)

حافظ مغلطائی نے شہدائے احد کی نماز جنازہ پر اجماع نقل کیا ہے۔ (سیرۃ مغلطائی: ص ۵۰)

دعا:

جب قریش کا لشکر واپس چلا گیا تو سرکار دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تمام حضرات صفیں باندھ لیں تاکہ سب مل کر دعا کریں۔ اسلام کی یہی ایک خصوصیت ہے کہ ہر خوشی اور غمی کے موقع پر، ہر مصیبت اور مسرت پر اسی کے آگے جھکا جاتا ہے، اسی سے مانگا جاتا ہے اور اسی کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسے موقع پر جب ستر ۷۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں خود حضور ﷺ اور قریباً تمام صحابہ زخموں اور تھکاوٹ سے چور ہیں، پیغمبر اسلام ﷺ نے ان کو میدان جنگ میں برابر ہو کر دعا مانگنے کے لیے کہا۔ اس حکم پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صفیں باندھ لیں اور آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ دعا کے ایک ایک لفظ سے عبدیت اور شکر کے جذبات ٹپکتے ہیں۔ عرض کی:

((اللهم لك الحمد كله، اللهم لا قابض لما بسطت، ولا باسط لما قبضت، ولا هادى لمن اضللت، ولا مضل لمن هديت، ولا معطى لما منعت، ولا مانع لما اعطيت، ولا مقرب لما باعدت، اللهم ابسط علينا من بركاتك ورحمتك وفضلك ورزقك، اللهم اسئلك النعيم المقيم الذى لا يحول ولا يزول، اللهم اسلك النعيم يوم العيله والامن يوم الخوف، اللهم انى عائذبك من شرما اعطيتنا وشرما منعتنا، اللهم حبب الينا الايمان وزينه فى قلوبنا وكره الينا الكفر والفسوق والعصيان، واجعلنا من الراشدين۔ اللهم توفنا مسلمين واحينا مسلمين والحقنا بالصالحين، غير خزايا ولا مفتونين، اللهم

Marfat.com

قاتل الکفرہ الذین یکذبون رسلك، ویصدون عن سبیلك، واجعل علیهم رجزك وعذابك، اللهم اهلك الکفرہ الذین اوتوا الکتاب، اله الحق))

''اے اللہ! ساری حمد تیرے ہی لیے ہے، اے اللہ جس کو تو کشادہ کر دے اسے کوئی تنگ نہیں کر سکتا اور جس شے کو تو تنگ کر دے اسے کوئی کشادہ نہیں کر سکتا۔ جس کو تو ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو تو گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور جو چیز تو دے دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس شے کو تو دور کر دے اسے کوئی قریب نہیں کر سکتا۔ اے اللہ! ہمارے اوپر اپنی برکتیں، رحمتیں، فضل اور رزق پھیلا دے۔ اے اللہ! میں تجھ سے برقرار رہنے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں جو نہ ٹلے اور نہ ختم ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے فقر کے دن مدد کا اور خوف کے دن امن کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! جو کچھ تو نے ہمیں دیا ہے اس کے شر سے اور جو کچھ نہیں دیا ہے اس کے بھی شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ! ہمارے نزدیک ایمان کو محبوب بنا دے اور اسے ہمارے دلوں میں مزین کر دے، اور کفر، فسق اور نافرمانی کو ناپسند بنا دے اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں سے کر دے۔ اے اللہ! ہمیں موت دے تو اسلام پر، زندہ رکھے تو اسلام پر اور ہمیں صالحین میں شامل کر دے۔ ہمیں رُسوا نہ کر اور ایسا بھی نہ ہو کہ ہم فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔ اے اللہ! تو ان کافروں کو ہلاک کر جو تیرے پیغمبروں کو جھٹلاتے اور لوگوں کو تیرے راستہ سے روکتے رہتے ہیں اور ان پر اپنا عتاب اور عذاب نازل فرما۔ اے اللہ! ان کافروں کو بھی ہلاک فرما جنھیں کتاب دی گئی۔ اے سچے معبود۔'' (مسند احمد: ۳/۴۲۴)

اس واقعہ کے کئی سال بعد انتقال سے کچھ پہلے سرکار دوعالم ﷺ نے شہدائے احد کے لیے اسی طرح نماز پڑھی جیسے جنازہ کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ بعد ازاں آپ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''میں تمھارا ہراول ہوں۔ میں تمھارا گواہ ہوں گا۔ خدا کی قسم! میں اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ (یا فرمایا مجھے

Marfat.com

زمین کی کنجیاں دے دی گئی ہیں)۔ مجھے، بخدا! اس کا کوئی خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے، البتہ مجھے یہ خوف ضرور ہے کہ تم دنیا کی دلدل میں پھنس جاؤ گے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو گے۔'' (بخاری: ۱/۱۷۹)

مدینہ طیبہ کو واپسی:

شہداء کی تکفین و تدفین کے بعد اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور دعاء و مناجات سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے زخمی اور تھکے ہارے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ طیبہ کی واپسی کا ارادہ فرمایا۔ خواتین جو میدان کارزار میں پہنچ گئی تھیں اور جن کی تعداد چودہ کے قریب تھی، وہ بھی ساتھ تھیں۔ ان کی صف سب سے پیچھے تھی۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۸۰)

قبیلۂ اوس کے رئیس سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کی باگ سنبھالی ہوئی تھی۔ کچھ راستہ طے کیا تھا کہ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا جو سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ام المومنین کی بہن اور آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن بھی تھیں، سامنے آئیں۔ انھیں بتایا گیا کہ تمھارا بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ معرکہ میں شہید ہو گیا ہے۔ انھوں نے اناللہ پڑھی اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی۔ پھر بتایا گیا کہ تمھارے ماموں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں۔ انھوں نے ان کے لیے بھی دعائے مغفرت کی اور خاموش ہو گئیں۔ اس کے بعد ان کے شوہر سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ علم بردار لشکر کی شہادت کی خبر دی گئی۔ یہ خبر سنتے ہی دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ تڑپ کر چیخ اٹھیں اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک عورت کی نظر میں جو شوہر کا مقام اور درجہ ہے وہ کسی اور کا نہیں۔ (ابن ہشام: ۲/۹۸)

پوچھا کہ بھائی اور ماموں کی شہادت کی خبر پر تو تم اتنی بے تاب نہیں ہوئیں، شوہر کی شہادت پر کیوں رونے لگیں۔ کہنے لگیں بچوں کی یتیمی کے خیال نے تڑپا دیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے عدت کے بعد ان کا نکاح سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے ہو گیا۔ انھوں نے ان کے یتیم بچوں کو اپنے بچوں کی طرح پالا۔ پھر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سے ایک لڑکے محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جو کہ تاریخ اسلام میں خاص شہرت کے حامل ہوئے۔

Marfat.com

راستہ میں بنو دینار کی ایک خاتون سے ملاقات ہوئی جس کے والد، شوہر اور بھائی اس جنگ میں شہید ہوئے تھے۔ انھیں ان کی شہادت کی خبر دی گئی۔ یہ خبر سن کر ایک ہی بات ان کی زبان پر تھی کہ حضور ﷺ کا کیا حال ہے؟ بتایا گیا کہ حضور ﷺ بخیر ہیں۔ کہنے لگیں مجھے آپ ﷺ کا مبارک وجود دکھلا دو۔ آپ ﷺ کی زیارت کرنے کے بعد فرمایا آپ کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے۔ (ابن ہشام: ۹۸/۲)

آگے بڑھے تو ایک بوڑھی خاتون روتی ہوئی آئی۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جو آپ ﷺ کے گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے تھے، عرض کیا: یارسول اللہ! یہ میری والدہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مرحبا، اور گھوڑا روک لیا۔ جب وہ قریب آئیں تو آپ ﷺ نے انھیں ان کے بیٹے عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی اور انھیں تسکین بخش کلمات ارشاد فرمائے اور صبر کی تلقین فرمائی۔ کہنے لگیں: یارسول اللہ! جب آپ ﷺ سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد کے لیے دعا فرمائی اور فرمایا: سعد کی اماں! خوش ہو جاؤ اور شہداء کے گھر والوں کو بھی خوشخبری دے دو کہ ان کے ساتھی سب اکٹھے جنت میں ہیں اور اپنے گھر والوں کے بارے میں ان سب کی شفاعت قبول کر لی گئی ہے۔ کہنے لگیں: ''یارسول اللہ! ان شہداء کے پس ماندگان کے لیے دعا فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی: ''اے اللہ! ان کے دلوں سے غم کو دور کر، ان کے مصائب کا بدل عطا فرما اور پسماندگان کی بہترین دیکھ بھال فرما۔ (سیرۃ حلبیہ: ۴۸۰/۲)

رسول اللہ ﷺ مدینہ میں:

اسی طرح راستے میں مختلف عورتوں اور مردوں کو ملتے ہوئے آپ ﷺ کی سواری کاشانۂ نبوت پر پہنچی تو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ رئیس اوس اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ رئیس خزرج نے دونوں طرف سے سہارا دے کر آپ ﷺ کو گھوڑے سے نیچے اتارا۔ آپ مکان میں تشریف لے گئے۔ اندر جا کر اپنی تلوار سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دی اور فرمایا: بیٹی اس کا خون دھو دو، واللہ! یہ آج میرے لیے بہت صحیح ثابت ہوئی۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تلوار دی اور

Marfat.com

فرمایا اس کا خون بھی دھو دو۔ واللہ! یہ بھی آج بہت اچھی ثابت ہوئی۔ اس پر سرکار دو عالمؐ نے ارشاد فرمایا: ''اگر تم نے بے لاگ جنگ کی ہے تو تمھارے ساتھ ابودجانہ رضی اللہ عنہ اور سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے بھی بے لاگ جنگ کی ہے۔'' (ابن ہشام: ۲/۱۰۰)

یہ تلوار جو اس روز آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی اس کا نام ''ذوالفقار'' تھا۔ (ایضاً)

تھوڑی دیر بعد مغرب کی اذان ہوگئی۔ آپ ﷺ ان دونوں سرداران انصار کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور نمازِ مغرب ادا فرمائی۔ نماز عشاء کے بعد آرام فرمانے کا وقت ہوا تو اوس اور خزرج کے جاں باز اور جانثار مسجد میں آگئے اور شب بھر مسجد میں پہرہ دیتے رہے کہ کہیں کوئی اچانک حملہ نہ ہو جائے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۸۱)

۸/شوال سنہ ۵ھ ہفتہ اور اتوار کی درمیانی رات ہنگامی حالت میں گزری۔ اگرچہ مجاہدین اسلام کو جنگ نے زخموں سے رنجور اور تھکاوٹ سے چور کر دیا تھا، پھر بھی وہ ساری رات مدینہ کے راستوں اور گزرگاہوں پر نگرانی کرتے رہے کیونکہ کچھ خدشات لاحق تھے۔ اس وجہ سے یہ کارروائی ضروری تھی۔ خود مدینہ کے اندر منافقین اور یہود کی کافی تعداد موجود تھی جنھیں قریش کی ناکامی کا بہت صدمہ تھا۔ لہٰذا اسی کے پیشِ نظر یہ سارا بندوبست کیا گیا۔

منافقین نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور مدینہ میں طرح طرح کی افواہیں پھیلانی شروع کر دیں کہ دیکھو کتنا نقصان ہوا۔ ستر آدمی قتل ہوگئے۔ مجروحین کی تعداد بھی معتد بہ ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی منافقین کی یہ باتیں سنیں تو کچھ دل تنگ ہوئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

((لن ينالوا منا مثل هذا اليوم حتى نستلم الركن))

''قریش نے جتنا نقصان آج ہمیں پہنچایا ہے، اس کے بعد اتنا نقصان پھر کبھی نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ ہم حجر اسود کو بوسہ دیں گے یعنی مکہ فتح کریں گے۔''

(طبقات ابن سعد: ۳/۳۱)

سبحان اللہ! باوجود اتنا نقصان اٹھانے اور خود بری طرح زخمی ہونے کے مستقبل کے پردوں میں جھانک کر پیشگوئی کی جارہی ہے کہ ایک دن وہ بھی آئے گا کہ ہم مکہ کی زمین میں جہاں سے رات کی تاریکی میں چوری چھپے نکلے تھے، دن کی روشنی میں فاتحانہ طور پر داخل ہوں گے۔

Marfat.com

معافی:

بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو فتح کے بعد شکست ہوگئی اور ایک فاتح فوج معمولی سی غلطی سے شکست خوردہ فوج کے زمرہ میں داخل ہوگئی۔ عام مؤرخین نے اس جنگ سے یہی نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ بات غلط ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک اعلیٰ نمبروں میں کامیاب ہونے والا درجہ دوم کی کامیابی کو اپنی ناکامی سمجھنے لگے۔ اس جنگ کا نتیجہ نکالنے سے قبل یہ بات ذہن میں رکھنا نہایت ضروری ہے کہ مکہ سے قریش کا سوا تین ہزار بہادروں پر مشتمل لشکر جرار غصے سے دانت پیستا ہوا مدینہ کی طرف بڑھا کہ وہ نہ صرف مسلمانوں سے جنگ بدر کا انتقام لے گا بلکہ اہل مدینہ کو بھی حکم عدولی کا مزہ چکھائے گا جو انھوں نے ہمارے اس دھمکی آمیز خط کے جواب میں کی اور محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو برابر پناہ دیئے رکھی۔ ان کے اس خط کی دھمکی کوئی معمولی نہ تھی کہ ”محمد ﷺ کو نکال دو یا اس سے جنگ کرو ورنہ ہم مدینہ پہنچ کر تمھارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں کو لونڈیاں بنالیں گے۔“

لیکن ہوا کیا؟ سات سو مسلمانوں کا پیادہ پا لشکر مدینہ سے نکل کر ان کے پاس احد میں پہنچا۔ صرف چند گھنٹے مقابلہ کیا اور اس جرار لشکر کو جو سوار بھی تھا اور ہر قسم کے اسلحہ سے لیس تھا حواس باختہ بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ پھر اس کا تعاقب بھی کیا اور وہ خوف زدہ ہو کر ایسا بھاگا کہ پلٹنے کا نام بھی نہ لے سکا۔

کوئی مؤرخ اس کی وجہ بیان نہیں کر سکا کہ جنگ کے اختتام پر فاتح مرعوب اور ہیبت زدہ جبکہ شکست خوردہ مطمئن اور بے خوف کیوں تھا؟ کوئی وجہ نہیں بتائی جاسکتی کہ قریش کا یہ لشکر کامیابی کے بعد ناکام کیوں ہوگیا؟ سوال یہ ہے کہ جب مسلمان نیم جان ہو چکے تھے پھر کیا ہوا کہ قریش نے اپنی تلوار روک لی۔ سب کو اپنی خون آشام تلواروں کا لقمہ کیوں نہیں بنایا؟ مدینہ میدان جنگ سے صرف تین میل دور تھا اور بالکل خالی تھا۔ جو لوگ وہاں موجود تھے وہ یا یہود تھے یا منافقین۔ وہ پہلے ہی ان کے تھے۔ قریش نے اپنے لشکر کے پانچ چھ سو جوان بھیج کر مدینہ پر کیوں نہ حملہ کر دیا؟ اگر وہ مدینہ پر حملہ کر دیتے تو ہوسکتا تھا کہ وہ اپنی اس دھمکی کو عملی

Marfat.com

جامہ پہنا دیتے کہ ”ہم مدینہ کے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں کو باندیاں بنالیں گے۔“

قریش کے جرنیل بھی کوئی معمولی جرنیل نہ تھے۔ ابوسفیان بن حرب قائد لشکر تھا۔ خالد بن ولید، عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ جیسے باہمت اور زیرک جرنیل اس کے معاون و مددگار تھے۔ پھر ایک موقع ایسا بھی آیا کہ ابوسفیان اور خالد بن ولید نے پہاڑ کی بلندی سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور یہ حملہ مسلمانوں کے لیے بہت خطرناک ہو سکتا تھا کیونکہ دشمن بلندی پر تھا اور مسلمان نشیب میں تھے اور اس سے قبل ظاہری طور پر شکست فتح میں تبدیل ہو چکی تھی اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد شہید اور قتل ہو چکی تھی لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چند ساتھیوں کے ساتھ ایک معمولی سا حملہ کیا تو اس طاقتور اور فاتح دشمن نے تیزی سے اس بلندی سے اتر کر مکہ کا راستہ لیا۔ یہ اور اس قسم کے اور کئی سوالات ہیں جو اس جنگ کے ضمن میں پیدا ہوتے ہیں اور مؤرخ دلائل سے ان کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ ان سوالات کا جواب صرف اور صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو پورا کیا جو اس جنگ کے آغاز میں کیا تھا اور اس کے پورا ہونے میں کچھ دیر صرف اس لیے کی گئی تھی کہ مسلمانوں نے حکم عدولی کر کے کم ہمتی اور نزاعِ باہمی کا راستہ اختیار کر لیا تھا جو ان کے لیے زیبا نہیں تھا۔ چنانچہ وہ وعدہ ان الفاظ میں کیا:

”مسلمانو! ہم عنقریب ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی۔“

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حق و باطل کے اس معرکہ میں قریش نے اس ذات کو چھوڑ دیا تھا جو امداد و نصرت کا حقیقی مرکز اور اصلی منبع ہے اور ان کو لے لیا اور ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک گردان لیا جو خود تہی دامن ہیں، جو خود اپنے لیے مدد کے محتاج ہیں، جن کے پاس صحیح دلیل، کوئی حجت اور برہان نہیں ہے۔ پس قدرتی بات ہے کہ ان کے قلوب عزم و ہمت سے خالی ہوں اور صاحب عزم وہ ہیں جو حق کے حامی اور رب حقیقی کے پرستار ہیں۔

یہ لوگ جو اپنے کو فاتح سمجھنے لگے تھے یہ فتح کی حقیقت سے محروم تھے۔ حقیقی طاقت سے منہ موڑے ہوئے تھے۔ ان کو جو فتح حاصل ہوئی وہ صرف مسلمانوں کی ایک غلطی کے نتیجہ میں تھی اور یہ فتح بھی عارضی اور نمائشی تھی۔ اسی وجہ سے وہ خوف زدہ بھی تھے اور غیر مطمئن بھی اور

Marfat.com

اسی وجہ سے مزید فتح حاصل کرنے کے بجائے ابوسفیان اور اس کے باطل پرست ساتھیوں نے جن کا نعرہ بھی میدان جنگ میں "یاللھبل" اور "یاللعزیٰ" تھا۔ (طبقات ابن سعد:۲۹/۳) اسی کو غنیمت سمجھا جو "نمائشی فتح" انھیں میسر آ گئی۔ اس کے مقابلے میں وہ خدا پرست تھے جو سب کو چھوڑ کر اپنے رب سے رشتہ جوڑ چکے تھے۔ انھیں دنیا مطلوب نہیں تھی، وہ قریش کے خیموں سے جو کچھ لے رہے تھے، وہ خدا کے لیے لے رہے تھے۔ مگر صورت ایسی ہی ہوگئی جو طالبانِ دنیا کی ہوتی ہے۔ لیکن جیسے ہی انھوں نے "الی عباداللہ" کی آواز سنی فوراً چونک اٹھے۔ دنیا طلبی کا یہ غبار فوراً چھٹ گیا اور محبت کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں۔ یہی عشق و محبت کا جذبہ تھا جس نے فاتح کو مرعوب اور خوف زدہ بنا دیا اور شکست خوردہ کو امن واطمینان کے جام جان آفرین سے سرشار کر دیا۔

یہی وجہ تھی کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان کی اس غلطی اور کوتاہی کو، اگرچہ اس کا نتیجہ بڑا خوفناک نکلا تھا کہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اسی وجہ سے شہید اور زخمی ہوگئی اور خود پیغمبر اسلام ﷺ بھی شدید زخمی ہوئے، دانت ٹوٹے، چہرہ زخمی ہوگیا، لیکن اللہ رب العزت نے ان کی ان کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر فرمایا اور نہ صرف خود ہی درگزر فرمایا بلکہ سفارش بھی فرمادی کہ اے پیغمبرؐ! ان خطا کاروں پر جو اعتماد پہلے تھا اس میں ذرہ برابر کمی نہ آئے بلکہ ان پر پہلے ہی کی طرح اعتماد کرو اور جس طرح ان کو ہر معاملے میں مشورہ کر کے اعتماد میں لیتے تھے آئندہ بھی ان سے اسی اعتماد کے ساتھ مشورہ لیا کرو۔ چنانچہ بڑے صاف لفظوں میں فرمایا:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾

(آل عمران ۳:۱۵۹)

"پس ان کو معاف کر دو اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرو اور جو کام درپیش ہو اس میں ان سے مشورہ کرو۔"

پس جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا اور اپنے رسول ﷺ سے بھی معاف کرنے کی سفارش فرمائی کون بدبخت ہے جو ان حضرات کی شان میں لب کشائی کرے۔ جب عرش معلی سے ان کی معافی کا اعلان صادر ہوگیا تو کیا کسی کو ہمت ہے کہ ان حضرات کو مطعون کر کے رب العرش کا مقابلہ کرے؟ یہ حضرات تو مخلصین میں سے تھے، صرف چند آدمیوں کی

Marfat.com

ایک معمولی سی غلطی پر پوری جماعت کو نتیجہ بھگتنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے بھی درگزر فرمایا جو عین جنگ کے وقت اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدان سے پلٹ آئے تھے حالانکہ ان کا جرم اتنا سنگین تھا جس کی سزا گردن زدنی کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ پھر نہ صرف وہ میدان سے پلٹ آئے بلکہ مدینہ میں بھی افواہوں کا بازار گرم کر دیا اور جب مسلمان شکستہ حال اور نزار حالت میں مدینہ واپس آئے تو ان منافقوں نے آوازے کسے کہ اگر ہماری بات مانی جاتی تو لوگ میدان جنگ میں بے بسی کی موت نہ مرتے۔ ان کی اس بات کو قرآن حکیم نے بھی ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

﴿لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا﴾ (آل عمران ۳:۱۶۸)

''اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے۔''

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک جماعت ان کی گردنیں اڑانے اور دوسری جماعت ان کی معذرت قبول کرنے کی رائے رکھتی تھی لیکن رحمت کا وہ سرچشمہ جو رحمت عالم ﷺ کے منبع فیض سے ابل رہا تھا اور ارحم الراحمین کی رحمت کاملہ اس کی موجوں میں ہر لحہ اضافہ کر رہی تھی، اس نے ان غداروں کو بھی نظر انداز کر دیا۔ ان کا معاملہ دنیا کے بجائے آخرت کے حوالے کر دیا۔ کیونکہ سرور عالم ﷺ کی چشم فراست اور نگاہِ بصیرت اس کو دیکھ رہی تھی کہ ان تین سو میں سے اکثر و بیشتر مومن کامل بن جائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ مسلمانوں نے اس کو شکست صرف اس لیے کہا تھا کہ ان کا محبوب آقا اس جنگ میں زخمی ہو گیا تھا اور یہ المیہ ان کی ایک غلطی کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ دوسرے مسلمانوں کا نقصان اس میں قریش سے زیادہ ہوا تھا۔

ذاتِ اقدس ﷺ پر حملہ آوروں کا انجام:

میدان جنگ میں جن لوگوں نے سرکار دو عالم ﷺ پر نیزوں اور تلواروں سے حملے کیے، ہو سکتا ہے کہ ان کی تعداد کثیر ہو کیونکہ زہری کا اندازہ ہے کہ ستر مرتبہ آپ ﷺ پر تلوار کے حملے ہوئے مگر حق تعالیٰ نے سب سے آپ ﷺ کو محفوظ رکھا۔ ان سب کے نام تو سیرت اور تاریخ کے رپورٹروں نے نہیں بتائے البتہ چار آدمیوں کے نام کتابوں میں منقول ہیں:

① عبداللہ بن قمیہ: اس کی تلوار رسول اللہ ﷺ کی گردن کے قریب شانے پر لگی لیکن

Marfat.com

زرہ کی وجہ سے کوئی زخم تو نہ آیا لیکن ضرب کی تکلیف ایک ماہ سے زائد تک رہی۔ یہ شخص جنگ سے واپس جب گھر پہنچا تو کچھ دنوں کے بعد بکریوں کی تلاش میں پہاڑ پر چڑھا تو ایک پہاڑی بکرے نے اس کو ٹکریں مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿۲﴾ ابی بن خلف: یہ امیہ بن خلف کا بھائی اور صفوان بن امیہ کا چچا تھا۔ یہ سرکار دو عالم ﷺ پر حملہ کرنے کے لیے آیا تھا لیکن خود حملہ تو نہ کر سکا بلکہ الٹا سرکار دو عالم ﷺ نے اس پر ایک نیزہ پھینک مارا جس کی ظاہری خراش تو معمولی تھی لیکن وہ چیختا چلاتا مر گیا۔

﴿۳﴾ عتبہ بن ابی وقاص: یہ سیدنا سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا۔ اس نے سرکار دو عالم ﷺ کو پتھر مارا تھا، جس سے آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ یہ خود تو ایک روایت کے مطابق غزوۂ احد میں ہی مارا گیا اور سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ نے اسے قتل کیا لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ اسلام سے مشرف ہوا اور پھر اس کا انتقال ہوا۔ لیکن اس کے پتھر سے حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے، اس واقعے کے بعد اس کے جتنے بیٹے اور پوتے پیدا ہوئے قدرتی طور پر ان کے یہ دانت نہیں تھے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲۵۸/۲)

﴿۴﴾ عبداللہ بن شہاب زہری: یہ اسلام سے مشرف ہوئے اور حدیث کے مشہور امام زہری انہی کے خاندان سے تھے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲۵۸/۲)

(غزوۂ احد کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۶۴/۲، طبقات ابن سعد: ۲۵/۲، ابن جریر طبری: ۹/۳، انساب الاشراف: ۱۴۷/۱، عیون الاثر: ۲/۲، البدایہ والنہایہ: ۹/۴، زاد المعاد: ۲۳۱/۲، تاریخ الخمیس: ۴۱۹/۱)

غزوۂ حمراء الاسد:

سرکار دو عالم ﷺ ابھی میدان احد میں تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو یہ اطلاع دی کہ دشمن مکہ کی طرف روانہ ہوا ہے اگرچہ آپ ﷺ کو اطمینان ہو گیا تھا کہ مدینہ

Marfat.com

دشمن کی دسترس سے محفوظ ہے، لیکن اس بات کا اندیشہ ضرور تھا کہ ہماری اس حالت کے پیش نظر کہیں دشمن راستہ سے واپس پلٹ کر ہم پر دوبارہ حملہ نہ کر دے۔ دشمن کا پیچھا کرنا بھی ضروری تھا تاکہ اگر وہ پلٹنا چاہے تو وہیں اس کا مقابلہ کیا جائے، لیکن فراست نبویؐ نے یہ طے کیا کہ پہلے پورا لشکر مدینہ جائے اور مدینہ کی مکمل حفاظت کا بندوبست کر کے پھر ایک دستہ دشمن کے تعاقب میں بھیجا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ تمام لشکر کے ساتھ مدینہ پہنچے۔ مدینہ کی ہر گزرگاہ اور راستے پر مجاہدین کو متعین فرمایا۔ کاشانہ نبوت کے آستانہ پر انصار کا ایک دستہ متعین فرمایا۔ زخمیوں کی رات کو مرہم پٹی کی۔ مدینہ میں رات خیریت سے گزری۔ کوئی یورش نہ ہوئی لیکن خطرہ پھر بھی متوقع تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ اسی روز ایک شخص مکہ سے مدینہ پہنچا تھا۔ راستے میں اس کی ابوسفیان اور لشکر قریش کے کچھ آدمیوں سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بھی بتایا کہ قریش کے لشکر میں یہ بات چل رہی تھی کہ ہمیں دوبارہ حملہ کرنا چاہیے۔ ہم غلطی کر رہے ہیں کہ نیم جان مسلمانوں کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ہم مسلمانوں کے قلع قمع کے لیے آئے تھے، اب اس کام کو نامکمل چھوڑ کر جانا دانش مندی نہیں۔ ابوسفیان کا رجحان یہی تھا لیکن صفوان بن امیہ اس رائے کا مخالف تھا کہ اگر ہم نے واپس مدینہ پر حملہ کیا تو وہاں جو تازہ دم مسلمان ہیں وہ ہمیں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ ہماری یہ نمائشی فتح بھی مسلمانوں کی اپنی غلطی کی وجہ سے ہوئی ہے ورنہ ہم تو مکمل طور پر شکست کھا کر میدان سے بھاگ گئے تھے، یہ صفوان بن امیہ کی رائے تھی۔ (البدایہ والنہایہ:۴۸/۴)

بہرحال رات گزرنے کے بعد اتوار کی صبح کو نماز فجر سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اعلان کر دیں کہ "رسول اللہ کا حکم ہے کہ دشمن کے تعاقب میں چلو اور یہ بھی حکم ہے کہ صرف وہی لوگ چلیں جو کل ہمارے ساتھ جنگ میں شریک تھے۔" آپ ﷺ کا اعلان بہت بڑی حکمت پر مبنی تھا۔ دراصل آپ ﷺ منافقین (عبداللہ بن ابی اور اس کی پارٹی) کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تھے، لہٰذا اس طرح اعلان فرمایا کہ منافقین ساتھ جا ہی نہ سکیں۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے چلنے کی پیشکش بھی کی تھی لیکن حضور ﷺ نے اجازت نہیں دی۔ (سیرۃ حلبیہ:۲۸/۲)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جن کے والد عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کل جنگ میں شہید

Marfat.com

ہوئے تھے، وہ یہ اعلان سن کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! کل میں اس لیے حاضر خدمت نہیں ہو سکا تھا کہ والد صاحب، آپ ﷺ کے ساتھ جنگ میں تشریف لے گئے تھے اور مجھے گھر کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ اب والد صاحب کی وصیت ختم ہو چکی ہے۔ مجھے یہ گوارا نہیں کہ آپ ﷺ اس حالت میں تشریف لے جائیں اور میں گھر میں پڑا رہوں۔ آپ ﷺ نے اس کے اس بلند جذبے اور نوجوانی کے پیش نظر اجازت مرحمت فرما دی۔ (ابن ہشام: ۹۹/۲)

اس جنگ کے لیے پرچم سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا (طبقات ابن سعد: ۴۲/۲) اور حمراء الاسد جو مدینہ سے آٹھ دس میل کے فاصلے پر تھا، کا قصد فرمایا۔ سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ راستہ بتانے کے لیے آگے آگے چلے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲۸۵/۲)

حکم یہ تھا کہ جو کل جنگ احد میں شریک ہوئے تھے وہ لوگ ہی اس دستہ میں شامل ہوں، لیکن ان لوگوں میں زیادہ تر مضروب اور زخمی لوگ تھے جو تمام رات زخموں کی مرہم پٹی کرتے رہے۔ ان میں سب سے مقدم خود سرکار دو عالم ﷺ تھے، آپ ﷺ کے علاوہ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے بدن پر نو زخم، سیدنا عتبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کے جسم پر بھی نو زخم، سیدنا خراش بن صمہ رضی اللہ عنہ کے بدن پر دس زخم، کعب بن مالک کے جسم پر بھی کئی زخم تھے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بدن پر بیس زخم اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا تو پوچھنا ہی کیا، وہ تو دشمن کے تیروں کے سامنے ڈھال بنے ہوئے تھے۔ ان کے بدن پر ستر سے زیادہ زخم تھے اور ایک انگلی کٹی ہوئی۔ ہاتھ شل ہو گیا ہوا تھا۔ کچھ یہی حال سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اسی طرح دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مضروب اور مجروح تھے جو اپنے قائد ﷺ کے ایک حکم پر اپنی ان تمام چوٹوں اور ضربوں کو بھول کر ان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ دنیا میں ایسی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔

جیسا کہ گذشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ اندیشہ کہ دشمن پلٹ کر پھر حملہ آور نہ ہو جائے کسی حد تک درست تھا، دشمن نے مدینہ سے ۳۶ میل دور مقام روحاء پر پہنچ کر جب پڑاؤ ڈالا تو اسے محسوس ہوا کہ اس نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ انھوں نے آپس میں کہا کہ ہم لوگوں نے کچھ نہیں کیا کہ مسلمانوں کو نیم جان کر کے انھیں یونہی چھوڑ دیا، یہ لوگ

Marfat.com

ہمارے لیے پھر دردسر بن سکتے ہیں، لہٰذا ہمیں واپس لوٹ کر مدینہ پر حملہ کرنا چاہیے اور مسلمانوں کی رہی سہی طاقت کا قلع قمع کر کے اس دردسر کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہیے لیکن صفوان بن امیہ نے ان کی اس تجویز کو احمقانہ قرار دیا اور اس کی سخت مخالفت کی۔ اس نے کہا کہ مسلمانوں کی ایک معمولی سی غلطی کی وجہ سے تمھاری شکست فتح میں تبدیل ہو گئی ہے۔ تمھارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ اگر اب تم لوگوں نے واپس جا کر مدینہ پر حملہ کیا تو تمھاری یہ عزت بھی جاتی رہے گی اور تمھیں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑے گا۔ صفوان بن امیہ کی یہ رائے بنیادی طور پر درست تھی لیکن اکثریت نے اس کو قبول نہ کیا اور واپس مدینہ چلنے کے لیے پلاننگ شروع کر دی۔

مدینہ سے سرکار دو عالم ﷺ بھی اپنے مجاہدین کے ساتھ روانہ ہو کر حمراء الاسد پہنچ گئے اور قیام فرمایا۔ قریش کا لشکر اس سے آگے روحاء میں قیام پذیر تھا اور وہاں سے واپس آ کر مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ سرکار مدینہ ﷺ نے پیر، منگل اور بدھ یعنی ۹۔۱۰ اور ۱۱ شوال سنہ ۳ھ تین دن وہاں قیام فرمایا۔

اثنائے قیام میں معبد بن ابی معبد الخزاعی جو قبیلہ ''خزاعہ'' کا رئیس تھا، وہاں پہنچ گیا۔ اس پورے قبیلے کو اسلام اور مسلمانوں سے ہمدردی تھی۔ اس قبیلے کے کچھ لوگ مسلمان بھی ہو چکے تھے، لیکن معبد ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ یہاں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ وہ اپنے شرک ہی پر قائم رہا، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سرکار دو عالم ﷺ کا دل سے خیر خواہ تھا۔ اس خیر خواہی کی ایک وجہ یہ تھی کہ بنو ہاشم اور بنو خزاعہ آپس میں حلیف تھے۔ اس نے آپ ﷺ سے مل کر شہدائے احد کی تعزیت بھی کی اور آپ ﷺ سے اظہار ہمدردی بھی کیا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ وہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس روحاء میں جائے اور اس کی حوصلہ شکنی کرے۔

قریش روحاء میں واپس مدینہ کی طرف پلٹنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ معبد خزاعی وہاں پہنچ گیا۔ ابوسفیان کو معلوم نہیں تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ ابوسفیان نے اس سے پوچھا: ''معبد! پیچھے کی کیا خبر ہے؟'' معبد نے کہا کہ مدینہ کے مسلمانوں کو جب احد کی شکست کا علم ہوا

Marfat.com

تو ان میں سے ہر ایک شعلۂ جوالہ بن گیا اور قریش پر دانت پیسنے لگا۔ یہ سب لوگ انتقام لینے کے لیے مدینہ سے اتنی بڑی جمعیت کے ساتھ نکل پڑے ہیں کہ میں نے ویسی جمعیت کبھی دیکھی ہی نہیں۔ احد میں جو مسلمان پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی اب کے ساتھ ہیں۔ ممکن ہے کہ تم کوچ کرنے سے پہلے پہلے ان کے گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھو یا لشکر کا ہراول دستہ اس ٹیلے کے پیچھے سے نمودار ہو جائے۔

معبد کی یہ بات قریش کے لشکر پر ایک بہت بڑا اعصابی حملہ تھا۔ اس بات سے قریشی لشکر کی ہمت ٹوٹ گئی، اعصاب جواب دے گئے اور رعب اور گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ ابوسفیان کا رجحان اگرچہ یہ ہو گیا تھا کہ پلٹ کر مدینہ پر حملہ کرے، اب معبد خزاعی کے اس بیان سے اس نے یہ طے کیا کہ واپس جانے کے بجائے مکہ کی طرف تیزی سے بڑھنا چاہیے۔

(سیرۃ ابن ہشام:۹۰/۲)

حمراء الاسد کے تین روزہ قیام میں حضور ﷺ نے ایک جنگی تدبیر کی جس کے دشمن پر بڑے اثرات پڑے، چونکہ آپ ﷺ کے لشکر کے بہت سے آدمی زخمی تھے ان کو زخموں کو سینکنے کے لیے آگ کی ضرورت بھی پڑتی تھی۔ آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ رات کو دور دور تک آگ جلائی جائے۔ جس کی روشنی دور دور تک جاتی تھی اور ایک دیکھنے والے کو پتہ چلتا تھا کہ یہاں بہت بڑی فوج پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ جنگی مصلحت کے لحاظ سے یہ ایک بڑی اچھی تدبیر تھی۔ اس تدبیر نے آس پاس کے قبائل پر بھی اچھے اثرات ڈالے۔ اس سے بھی مسلمان کافی حد تک قریش کے حملے سے محفوظ رہے۔ (طبقات ابن سعد:۲۵/۳)

اس مقام پر آپ ﷺ کے قیام کے دوران دو واقعات اور پیش آئے۔ ایک یہ کہ عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ اور رافع بن سہیل رضی اللہ عنہ دو بھائی تھے۔ یہ دونوں جنگ احد میں شریک تھے اور دونوں جنگ کے دوران شدید زخمی ہو گئے تھے۔ سیدنا رافع رضی اللہ عنہ کی ٹانگ پر ایسی چوٹ لگی تھی کہ چلنا مشکل تھا، لیکن جونہی دشمن کا تعاقب کرنے کی منادی سنی تو دونوں بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آج تک تو ہم کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہے، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ اس غزوہ کی سعادت سے ہم محروم رہ جائیں۔ دونوں کے پاس کوئی سواری نہ تھی، لہٰذا دونوں پیادہ پا روانہ ہو گئے لیکن حضور ﷺ لشکر کو لے کر پہلے مدینہ سے نکل آئے تھے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے زخم کم

Marfat.com

تھے وہ اچھی طرح چل سکتے تھے لیکن سیدنا رافع رضی اللہ عنہ کو زخم بھی زیادہ آئے تھے اور ان کی ٹانگ پر بھی ایک شدید چوٹ آئی تھی اس سے وہ چلنے سے معذور تھے۔ ان کے بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ ان کو اٹھا کر چلتے تھے، اس وجہ سے وہ دیر سے یعنی عشاء کے وقت حمراء الاسد پہنچے۔ محافظین نے ان دونوں کو دشمن کا آدمی سمجھتے ہوئے گرفتار کر لیا، لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ فلاں فلاں انصاری ہیں تو سرکار دو عالم ﷺ نے تاخیر کی وجہ پوچھی۔ ان دونوں بھائیوں نے پورا واقعہ بیان کیا اور اپنا شوق جہاد بتایا تو حضور ﷺ بہت خوش ہوئے اور ان کے لیے دعا فرمائی۔

(سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۸۶، سیرت ابن ہشام: ۲/۱۰۱)

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ مدینہ واپسی پر ابوعزہ جمحی آپ ﷺ کی گرفت میں آ گیا۔ اس کو جنگ بدر میں گرفتار کیا گیا تھا اور جب اسے فدیہ کے لیے کہا گیا تو اس نے اپنی غریبی کا رونا رویا اور کہا کہ میری پانچ لڑکیاں ہیں، ان کی بمشکل کفالت کرتا ہوں اس لیے میرے پاس فدیہ کے لیے کوئی رقم نہیں ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے اسے بغیر فدیہ کے اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ آئندہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی سے تعاون نہیں کرے گا۔ کچھ ماہ تو وہ اپنے اس وعدہ پر قائم رہا لیکن اس کے بعد اس نے صفوان بن امیہ کے کہنے پر پھر مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ جنگ اُحد سے ذرا پہلے اس نے اپنے اشعار سے لوگوں میں اشتعال پیدا کر کے انھیں قریش کے لشکر میں شرکت کے لیے اکسایا تھا۔ خود بھی مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے میدانِ احد میں آیا۔ یہاں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں گرفتار کر کے بارگاہ نبوت میں پیش کیا۔ اس نے عرض کیا کہ مجھ سے جو وعدہ خلافی اور عہد شکنی ہوگئی ہے، اس کے لیے درگزر فرمائیں اور مجھ پر احسان فرمائیں۔ میں آپ ﷺ سے پھر وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اب میں ایسا نہیں کر سکتا کہ تم مکے جا کر اپنے رخسار پر ہاتھ پھیرو اور کہو کہ محمد ﷺ کو دو مرتبہ دھوکہ دیا ہے۔ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔'' اس کے بعد آپ ؐ نے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو یا سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اس کی گردن مار دو۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔

اسی طرح ایک قریشی جاسوس بھی مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص تھا۔ یہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا چچا زاد بھائی تھا۔ یہ جنگ کے بعد مدینہ میں

Marfat.com

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو لینے آیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہا نے اس کے لیے بارگاہ رسالت سے امان طلب کی۔ آپ ﷺ نے اس شرط پر اسے امان دی کہ اگر تین روز سے زیادہ یہاں پایا گیا تو اسے قتل کر دیا جائے گا لیکن جب آپ ﷺ حمراء الاسد کے لیے روانہ ہوئے اور مدینہ خالی ہو گیا تو یہ شخص جاسوسی کے لیے تین روز سے زیادہ یہاں ٹھہر گیا اور جب لشکر حمراء الاسد سے واپس آیا تو بھاگنے کی کوشش کی لیکن پکڑا گیا اور حضور ﷺ کے حکم سے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ (ابن ہشام: ۱۰۳/۲۔۱۰۴)

یہ غزوہ کوئی مستقل غزوہ نہیں بلکہ غزوۂ احد ہی کا تتمہ ہے۔ اس کے دوران مدینہ میں آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہا کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ (ابن ہشام: ۱۰۱/۲)

Marfat.com

سنہ ۴ھ

بدر کی فتح سے مسلمانوں کی جو ہیبت قریش اور دوسرے قبائل کے دلوں میں بیٹھی تھی، احد کی عارضی شکست نے اس ہیبت اور دبدبہ میں خاصی کمی کردی۔ جس سے داخلی اور خارجی مشکلات میں اضافہ ہوگیا۔ مختلف قبائل نے کھل کر مخالفت شروع کردی اور اب ہر قبیلے نے عداوت کا مظاہرہ شروع کردیا۔ مدینہ کے یہودی قبائل نے بھی یہ توقع باندھ لی کہ وہ مسلمانوں کو ختم کرسکتے ہیں لیکن یہ بات بھی ہر قبیلہ کے ذہن میں بیٹھ گئی کہ مسلمانوں کو ختم کرنا صرف قریش کے بس کی بات نہیں ہے، اگر ان کے بس کی بات ہوتی تو وہ جنگ احد میں ضرور ان کو ختم کرکے واپس مکہ جاتے۔ اس لیے اگر اپنے دھرم اور دیوتاؤں اور دھرم استھانوں کو اسلام سے بچانا ہے تو ہر قبیلہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قریش کی مدد کرے اور جس طریقہ سے بھی وہ اسلام کو زک پہنچاسکتا ہے، زک پہنچائے۔ چنانچہ اب مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے اسٹرے ٹیجی (Stratege) تبدیل کردی گئی۔ اب اس کے لیے تین صورتیں اختیار کی گئیں:

(۱) مسلمانوں کی جماعت کو دھوکے سے قتل کرنا۔
(۲) مختلف قبائل کی طرف حملے کی تیاری۔
(۳) سرور کائنات ﷺ کے قتل کی کوششیں۔

لیکن فراست نبوی ﷺ نے مشرکین اور کفار کی ان تمام کوششوں اور تدابیر کو خاک میں ملا دیا۔ آپ ﷺ کو جونہی پتہ چلتا کہ کوئی قبیلہ حملہ کی تیاری کررہا ہے، آپ ﷺ اس کے حملہ سے پہلے ہی مجاہدین کا دستہ بھیج کر اس کی سرکوبی کردیتے اور شورش کی چنگاریوں کو شعلے کی شکل اختیار کرنے سے پہلے ہی ٹھنڈا کردیتے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے مختلف قبائل میں مختلف مجاہدین کو بھیجا اور وہ سارے کے سارے اپنے مقصد میں کامیاب ہوکر واپس لوٹے۔

Marfat.com

سریۂ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ (محرم ۴ھ)

خویلد کے دو بیٹے طلیحہ اور اسد قبیلہ بنو اسد کے سردار تھے۔ قبیلہ بنو اسد ''فید'' کے پہاڑی علاقے میں ''کوہ قطن'' پر آباد تھا۔ وہاں ایک چشمہ بھی تھا جس کی وجہ سے یہ علاقہ سرسبز تھا چنانچہ اس قبیلہ کی خوش حالی کی علامت تھا۔ طلیحہ اپنے آپ کو بڑا بہادر سمجھتا تھا اور کہتا تھا کہ وہ اکیلا ایک ہزار بہادروں کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ یہ وہی طلیحہ ہے جس نے بعد میں نبوت کا دعویٰ بھی کیا لیکن پھر تائب ہو کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (سیرۃ حلبیہ: ۱۸۳/۳)

آپ ﷺ کو پتہ چلا کہ طلیحہ اور اسد مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں اور اس مقصد کے لیے انھوں نے کئی دیگر قبائل کو بھی اس جنگ میں شامل کرنے کے لیے تیار کر لیا ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۳۵/۲) ان کے حملہ سے پہلے ہی آپ ﷺ نے ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ڈیڑھ سو مجاہدین پر مشتمل ایک دستہ روانہ کیا۔ یہ دستہ بہت تیزی سے ''قطن'' پہنچا۔ دشمن کی چراگاہ پر حملہ کیا۔ اس اچانک حملے سے وہ بھاگ گئے۔ مسلمان مجاہدین نے ان کے اونٹوں اور بکریوں پر قبضہ کرلیا اور تین چرواہوں کو بھی گرفتار کرلیا۔

سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ جو حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور رضاعی بھائی بھی تھے، چند روز وہاں قیام پذیر رہے۔ پچاس مجاہدین کو انھوں نے اپنے ساتھ رکھا اور بقیہ سو مجاہدین کو، ان قبائل کی طرف روانہ کیا جنھوں نے اس قبیلہ بنو اسد کے ساتھ تعاون کا وعدہ کیا تھا۔ ان مجاہدین نے ان قبائل کی چراگاہوں پر حملے کر کے ان کے مویشی ضبط کر لیے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۱۸۳/۳) اس طریقے سے حملہ کرنے کا کیڑا ان کے دماغوں سے نکل گیا۔ اس سریہ میں کسی قبیلہ کے ساتھ دُوبدُو جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

یہ سریہ محرم سنہ ۴ھ کا چاند نظر آنے پر روانہ کیا گیا تھا۔ واپسی پر سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا ایک زخم جو انھیں جنگ احد میں لگا تھا، پھوٹ پڑا اور اس کی وجہ سے یہاں سے واپسی پر ان کا جلد انتقال ہو گیا۔ (زرقانی: ۶۳/۲، البدایہ والنہایہ: ۶۱/۴، طبقات ابن سعد: ۳۵/۲، زاد المعاد: ۱۰۸/۲)

سریہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ (محرم ۴ھ)

اسی سال سنہ ۴ھ ۵/ محرم الحرام کو آپ ﷺ کو خبر ملی کہ خالد بن سفیان ہذلی

Marfat.com

مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن انیس انصاری رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل کے لیے روانہ فرمایا۔ سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے اس کا حلیہ بھی بتا دیا تھا اور یہ بھی فرمایا کہ اس کی شکل بہت مہیب اور ڈراونی ہے، جب تم اسے دیکھو گے تو ڈر جاؤ گے اور تمھیں شیطان یاد آ جائے گا۔ سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت تو میں نے بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کر دیا تھا کہ میں تو کسی سے نہیں ڈرا کرتا لیکن جب میں نے خالد کو دیکھا تو اس کی صورت واقعی کچھ ایسی تھی کہ میرا دل دہل گیا اور مجھ پر اس کا رعب طاری ہونے لگا۔ لیکن میں فوراً سنبھلا اور لطائف الحیل سے موقع پا کر اس کو قتل کر دیا اور اس کا سر لے کر ایک غار میں جا چھپا۔ جب اس کے ساتھیوں کو پتہ چلا تو وہ میری تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑے۔ وہ اس غار کے قریب بھی آئے مگر وہاں مکڑی نے جالا تن دیا تھا، لہٰذا ان کے ذہن میں یہ نہ آیا کہ میں اس غار میں چھپ سکتا ہوں۔ یہاں سے میں رات کو نکلا اور رات کو چلتے اور دن کو چھپتے چھپاتے میں محرم سنہ ۴ھ کو مدینہ منورہ پہنچا اور اس کا سر آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا، آپ ﷺ میری اس کارروائی سے بہت خوش ہوئے اور مجھے دعا دی اور چھڑی انعام میں مرحمت فرمائی اور فرمایا:

''اس عصا کو پکڑ کر جنت میں چلنا۔ جنت میں عصا لے کر چلنے والا کوئی شاذ و نادر ہی ہوگا۔'' اور یہ بھی فرمایا کہ ''یہ میرے اور تیرے درمیان قیامت کے دن ایک نشانی ہے۔'' سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے اس عصا کی پوری زندگی حفاظت فرمائی۔ مرتے وقت یہ وصیت فرمائی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

(البدایہ والنہایہ: ۱۴۰/۴، ابن ہشام: ۶۱۹/۲۔۶۲۰، زاد المعاد: ۱۰۹/۲، زرقانی: ۶۳/۲، طبقات ابن سعد: ۳۶/۲)

حادثۂ رجیع (صفر ۴ھ)

اسی سال صفر سنہ ۴ھ میں سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں عضل اور قارہ کے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمارے قبیلوں میں اسلام کے بارے میں دلچسپی پیدا ہو رہی ہے، اس لیے آپ ﷺ چند اچھے پڑھے لکھے لوگوں کو ہمارے ہاں بھیج دیں جو ان میں دین

Marfat.com

کی تبلیغ کریں۔ انھیں قرآن پڑھائیں اور اسلامی احکام کے بارے میں تعلیم دیں۔ آپ ﷺ نے محمد ابن اسحاق کے بقول چھ اور بخاری کی روایت کے مطابق دس حضرات کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ جن میں سے چھ کے نام یہ ہیں:

۱ سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ

۲ سیدنا مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ

۳ سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ

۴ سیدنا خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ

۵ سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ

۶ سیدنا عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ

سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور یہ بھی ہدایت فرمائی کہ حالات معلوم کرتے رہیں۔ ان میں چھ مہاجر اور چار انصار تھے۔

(بخاری: ۵۶۸/۲، ۵۸۵، فتح الباری: ۲۹۱/۷، طبقات: ۳۹/۲)

جب یہ لوگ رابغ (بخاری میں نام ''ھداۃ'' ہے اور ھداۃ عسفان اور مکہ کے درمیان ایک جگہ ہے، ابو حاتم کا بیان ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ''ھدہ'' ہے بغیر الف کے) اور جدہ کے درمیان قبیلۂ ہذیل کے چشمہ ''رجیع'' پر پہنچے تو ان لوگوں نے بدعہدی کی اور سفیان بن خالد نے قبیلہ بنولحیان کو اشارہ کیا کہ ان کا کام تمام کر دیں۔

(سیرۃ حلبیہ: ۱۸۴/۳)

بنولحیان کے دو سو آدمی جن میں ایک سو تیر انداز تھے، فوراً ان کے تعاقب میں چل دیئے۔ جب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں کو آتے دیکھا تو جان گئے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ چنانچہ یہ ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ بنولحیان نے ٹیلے کو گھیر لیا۔ بنولحیان نے قسمیں کھا کھا کر انھیں اطمینان دلایا کہ ہم کسی آدمی کو قتل نہیں کریں گے، البتہ آپ لوگوں کے ذریعے اہل مکہ سے کچھ باتیں منوائیں گے۔ (ابن ہشام: ۱۷۰/۲)

سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ ان کی باتوں سے مطمئن نہ ہوئے اور فرمایا کہ میں کافر کی پناہ میں کبھی نہ اتروں گا اور یہ دعا مانگی:

Marfat.com

اللھم اخبر عنا رسولك۔

''اے اللہ! اپنے رسولؐ کو ہمارے حال کی خبر کر دے۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو اطلاع دے دی۔ (ابوداؤد طیالسی)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس وقت یہ دعا بھی مانگی:

''اے اللہ! آج میں تیرے دین کی حفاظت کر رہا ہوں تو میرے گوشت یعنی جسم کی کافروں سے حفاظت فرما۔''

اس کے بعد انھوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان سے جنگ شروع کر دی۔ لیکن کہاں سو تیر انداز اور کہاں دس۔ یعنی ایک اور دس کا مقابلہ تھا۔ بلکہ ایک لحاظ سے ایک اور بیس کا مقابلہ تھا۔ کیونکہ لحیانیوں کی تعداد دو سو تھی۔ دشمن کے تیروں کی بوچھاڑ سے سات صحابہ شہید ہو گئے اور صرف تین رہ گئے۔ حملہ آوروں نے ان تینوں کو پھر اطمینان دلایا کہ تم لوگ نیچے آ جاؤ، ہم تمھیں کچھ نہیں کہیں گے۔ اس پر تینوں صحابی نیچے آنے لگے۔ عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ ابھی اوپر ہی تھے کہ ان بدعہدوں اور غداروں نے اپنی کمانوں کے تانت اتارے اور ان کے ساتھ ان دونوں کے ہاتھ پاؤں کس دیئے۔ سیدنا عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے اوپر سے آواز دی: یہ تمھاری پہلی بدعہدی ہے۔ میں اس طرح اپنے آپ کو تمھارے حوالے نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر مقابلہ پر ڈٹ گئے لیکن دوسری طرف دو سو آدمی تھے، چنانچہ حملہ آوروں نے انھیں بھی شہید کر دیا۔ مشرکین ان دونوں کو گرفتار کر کے مکہ لے آئے اور قریش مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

ان دونوں صحابہ نے غزوۂ بدر میں اہل مکہ کے سرداروں کو قتل کیا تھا۔ اس لیے ان کو ان لوگوں نے خریدا جن کے عزیز غزوۂ بدر میں مارے گئے تھے۔ چنانچہ سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف (مقتول بدر) کے بیٹے صفوان بن امیہ نے خریدا جو مکہ کا رئیس اور ابوسفیان کا دست راست تھا۔ سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے حارث بن عامر مارا گیا تھا۔ اس لیے حارث کے بیٹوں نے انھیں اپنے باپ کے انتقام کے لیے خریدا۔

قریش مکہ اشہر حرم (رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم) اور حرم مکہ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ حرمت والے مہینے تو گزر چکے تھے لیکن حرم مکہ کا احترام تو باقی تھا، اس وجہ سے مکہ

Marfat.com

سے باہر "تنعیم" میں ان کے قتل کا انتظام کیا گیا۔ قتل کا تماشا دیکھنے کے لیے دوسرے سرداران قریش کے ساتھ ابوسفیان بھی گیا۔ جب قاتل نے انھیں قتل کرنے کے لیے تلوار ہاتھ میں لی تو ابوسفیان نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تمھیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ مجھے سچ سچ بتانا:

"کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ اس وقت تمھاری جگہ محمد ﷺ ہوں اور ہم ان کی گردن اڑائیں اور تم اپنے بال بچوں میں آرام کرو؟"

سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے عشق و مستی کی زبان میں فوراً یہ جواب دیا:

"محمد ﷺ اس وقت میری جگہ ہوں اور میں اپنے گھر میں ہوں اس کو تو کیا چاہتا اور پسند کرتا۔ میں تو اس بات کو بھی برداشت نہیں کرسکتا کہ سرور کائنات ﷺ اپنے گھر میں تشریف فرما ہوں اور وہاں ان کے پاؤں مبارک میں کوئی کانٹا چبھ جائے اور میں اپنے گھر میں اپنے بال بچوں میں آرام کرتا رہوں۔"

اس عاشقِ صادق کے منہ سے یہ جواب سن کر ابوسفیان حواس باختہ ہوگیا، ہوش اڑ گئے کہ کیسی محبت ہے اور کہنے لگا:

ما رایت من الناس احدا یحب احدا کحب اصحاب محمد محمدا۔

"میں نے دنیا میں ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو کسی سے اتنی محبت کرتا ہو جتنی اصحاب محمد، محمد ﷺ سے کرتے ہیں۔"

صفوان بن امیہ کا غلام نسطاس قتل کے لیے مامور تھا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا جواب ختم ہوا تو اس نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس جان نثار نبوت کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۱۷۲/۲)

بعد میں یہ نسطاس بھی دولت اسلام سے بہرہ ور ہوگئے۔ (اصابہ: ۵۵۳/۳)

دوسرے صحابی سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کو حارث بن عامر کے لڑکوں نے خریدا۔ ان کو بھی سیدنا زید رضی اللہ عنہ کی طرح تنعیم میں قتل کرنے کا انتظام کیا گیا، لیکن تلوار سے گردن اڑانے کے بجائے ان کو سولی پر چڑھا کر مارنے کا پروگرام بنایا گیا۔ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ نے اپنے خریدار قاتلوں سے کہہ رکھا تھا کہ میں صرف تین باتوں کا خواہش مند ہوں، کہ دورانِ قید مجھے:

Marfat.com

① ٹھنڈا اور میٹھا پانی دیا جائے۔
② میرے کھانے میں ایسے جانور کا گوشت نہ ہو جس کو کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔
③ جب قتل کرنا ہو تو مجھے اطلاع دے دی جائے، اچانک قتل نہ کیا جائے۔

(طبقات:۳/۴۰)

ان قاتلوں نے آپ کو حسب وعدہ بتا دیا کہ فلاں روز آپ کو سولی پر چڑھایا جائے گا۔ آپ نے بال وغیرہ صاف کر کے غسل کیا۔ پھر جب آپ کو حدود حرم سے باہر تنعیم میں سولی پر چڑھانے کے لیے لے گئے تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو تا کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ انھوں نے دو رکعت نماز کے لیے وقت دے دیا۔ چنانچہ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے شہادت سے قبل دو رکعت نماز پڑھنے کی سنت جاری کی۔ (بخاری:۲/۵۶۹) جب سلام پھیر چکے تو مشرکین سے فرمایا: میں نے اس خیال سے نماز کو طویل نہیں کیا کہ کہیں تم کو یہ گمان نہ ہو کہ میں موت سے گھبراہٹ کی وجہ سے ایسا کر رہا ہوں۔ پھر ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی:

اللھم احصھم عددا واقتلھم بددا ولا تبق منھم احدا۔

''اے اللہ! ان لوگوں کو ایک ایک کر کے ختم کر اور ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ رہنے دے۔''

پھر کچھ شعر پڑھے جن میں سے دو کا ترجمہ یہ ہے:

① جب میں دین اسلام پر قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ قتل کے بعد کس رخ پر گرتا ہوں اور کس طرح مارا جاتا ہوں۔
② میری یہ جان ساری حق تعالیٰ شانہ کی ذات کے بارے میں لی جا رہی ہے۔ وہ اگر چاہے گا تو بدن کے ان جوڑوں میں برکت ڈال دے گا جو پارہ پارہ ہو چکے ہوں گے۔

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ ایک وجد و مستی کی کیفیت میں گم تھے۔ حارث مقتول کے لڑکے نے آگے بڑھ کر آپ کو سولی پر باندھنا شروع کیا۔ جب آپ کو سولی پر باندھا جا رہا تھا تو آپ نے فرمایا:

اللھم انا قد بلغنا رسالہ رسولك، فبلغه الغداة مایصنع بنا۔

''اے اللہ! ہم نے تیرے رسول ﷺ کا پیغام پہنچا دیا ہے، اب جو ہمارے ساتھ کیا جا رہا

Marfat.com

ہے اس کی خبر اپنے رسول ؐ کو پہنچا دے۔'' (سیرۃ ابن ہشام: ۱۷۳/۲)

پھر عتبہ بن حارث نے اس کو قتل کر دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ قاتل عتبہ بن حارث کا بیان ہے کہ میں اتنا چھوٹا تھا کہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے مجھ سے قتل کرایا گیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ بنو عبدالدار کے ایک شخص ابومیسرہ نے میرے ہاتھ میں خنجر دیا لیکن خود چلا کر سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ مکہ کے جو لوگ بدر میں مارے گئے تھے، ان کے تمام وارثوں کو اکٹھا کیا گیا اور ہر ایک کے ہاتھ میں خنجر دے کر کہا گیا کہ اس نے تمھارے باپ کو قتل کیا تھا، لہٰذا اس کا انتقام اس سے لے لو، چنانچہ ان سب نے اپنے نیزوں سے باری باری ان کے جسم کو چھلنی کیا۔ (سیرۃ حلبیہ: ۱۳۶/۳، ابن ہشام: ۱۷۳/۲)

محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو جب سولی دی گئی، میں اس زمانے میں ایک چھوٹا بچہ تھا اور اپنے والد ابو سفیان کے ساتھ ان کے قتل کا تماشا دیکھنے کے لیے قتل گاہ میں گیا ہوا تھا۔ جب سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی زبان سے مشرکین کے بارے میں بددعا کے لفظ نکلے تو ابوسفیان کی حالت یہ تھی کہ گھبرا کر جلدی جلدی مجھے زمین پر لٹا رہے تھے کہ خبیب رضی اللہ عنہ کی دعائے بد مجھے نہ لگ جائے کیونکہ مشہور یہ تھا کہ اگر فوراً ہی کوئی زمین پر لیٹ جائے تو دعائے بد اثر نہیں کرتی۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۱۷۳/۲)

ابن ہشام ہی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ سعید بن عامر بن حذیم کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ایک علاقے کا عامل مقرر کیا ہوا تھا۔ وہ کبھی بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انھیں مرگی کی بیماری ہے۔ چنانچہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی اس بارے میں شکایت کی گئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا: تو کہا: امیر المومنین! اصل بات یہ ہے کہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو جب سولی دی جا رہی تھی تو اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا۔ اس وقت انھوں نے جو دعا فرمائی اس کے کلمات، جو ایسے دردانگیز تھے کہ جب بھی مجھے ان کا خیال آتا ہے تو میں اپنے قابو میں نہیں رہتا اور بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ مجھے کوئی مرگی نہیں ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۱۷۳/۲)

مکہ میں قید کے دوران سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ نے اپنی بلند کرداری اور اعلیٰ اخلاق کا جو

Marfat.com

مظاہرہ کیا اس نے قید کرنے والوں کو بہت متاثر کیا۔ چنانچہ حارث کی بیٹی زینب (جو بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں) کہا کرتی تھیں:

''میں نے کوئی قیدی خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں دیکھا۔ وہ لوہے کی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے اور اس زمانے میں مکہ میں انگور ڈھونڈے سے نہیں ملتے تھے لیکن میں نے ایک روز دیکھا کہ انگور کا ایک پورا خوشہ ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ مزے سے کھا رہے ہیں۔ یہ انھیں کسی انسان نے لا کر نہیں دیئے تھے بلکہ یہ اللہ کا دیا ہوا رزق تھا جسے وہ تناول فرما رہے تھے۔''

(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں سیرۃ ابن ہشام: ۱۶۹/۲، ۱۷۰، بخاری: ۵۶۸/۲، ۵۶۹، ۸۵۸، زاد المعاد: ۱۰۹/۲، زرقانی: ۶۸/۲، فتح الباری: ۲۹۳/۷ وغیرہ)

حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی دینے کے بعد مشرکین نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا ہوا چھوڑ دیا تھا۔ آپ ﷺ کو جب اس کے قتل کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور سیدنا مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کو ان کی لاش لانے کے لیے مکہ بھیجا۔ جب یہ دونوں رات کے وقت تنعیم پہنچے تو دیکھا کہ ۴۰ آدمی ان کی نعش کا پہرہ دینے کے لیے سولی کے اردگرد لیٹے پڑے ہیں۔ ان دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے ان لوگوں کو غافل پا کر سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی نعش کو سولی سے اتار کر گھوڑے پر رکھا۔ دیکھا کہ لاش اسی طرح تروتازہ تھی، اس میں کوئی تغیر نہیں آیا تھا۔ حالانکہ سولی دیئے ہوئے چالیس دن گزر گئے تھے۔

مشرکین کی جب آنکھ کھلی تو لاش کو سولی سے غائب پا کر ہر طرف تلاش کے لیے دوڑے اور آخر کار سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کو جا پکڑا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے نعش کو گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھا۔ زمین فوراً شق ہوئی اور نعش کو نگل گئی۔ اس وجہ سے سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ ''بلیع الارض'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۶۷/۴، زرقانی: ۷۳/۲)

حافظ ابن کثیر نے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور مسلم بن اسلم رضی اللہ عنہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کو لینے کے لیے مکہ گئے تھے۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۶۹/۴۔۷۱)

ان دس صحابہ کی جماعت کے امیر سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جیسا کہ گذشتہ

Marfat.com

صفحات میں بتایا گیا ہے، شہادت سے قبل ایک دعا مانگی تھی کہ "اے اللہ! آج میں تیرے دین کی حفاظت کر رہا ہوں تو میرے جسم کی کافروں سے حفاظت فرما۔" آپ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ قریش کی ایک رئیس زادی سلافہ بنت سعد کا لڑکا جنگ بدر میں سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ اگر کبھی میرا عاصم رضی اللہ عنہ پر قابو چل گیا تو اس کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔ سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے تو قبیلۂ ہذیل کے لوگوں نے سوچا کہ ان کے سر کو کاٹ کر سلافہ کے ہاتھ فروخت کر کے رقم حاصل کریں۔ چنانچہ جب ان کا سر کاٹنے کے لیے اس جگہ پہنچے جہاں ان کی لاش پڑی ہوئی تھی تو سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کی دعا کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس شہیدِ وفا کی لاش کو دشمنوں کی بے حرمتی سے اس طرح محفوظ رکھا کہ شہد کی بڑی مکھیوں کا ایک لشکر وہاں نمودار ہو گیا اور اس لشکر نے سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کو گھیر لیا اور جو بھی ان کی لاش کے قریب آتا یہ مکھیاں اس پر حملہ کر دیتیں۔ چنانچہ یہ لوگ ان کا سر نہ کاٹ سکے اور یہ طے ہوا کہ رات کو مکھیاں چلی جائیں گی، تب آ کر یہ ان کا سر کاٹ لیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب طریقہ سے ان کی لاش کی حفاظت فرمائی۔ رات کو سیلاب آیا جو ان کی لاش کو بہا کر لے گیا۔ اس طرح سے بنو ہذیل کا یہ منصوبہ بھی خاک میں مل گیا۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ نہ میں کبھی کسی مشرک کو ہاتھ لگاؤں گا اور نہ کوئی مشرک مجھ کو ہاتھ لگائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کبھی سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کی بات ہوتی تو فرماتے کہ اللہ تعالیٰ بعض دفعہ اپنے خاص بندوں کی مرنے کے بعد بھی اسی طرح حفاظت فرماتے ہیں جیسے اس کی زندگی میں حفاظت فرماتے ہیں۔ چنانچہ عاصم رضی اللہ عنہ اس کا زندہ ثبوت ہیں۔

(ملاحظہ ہو بخاری: ۲/۵۶۹، فتح الباری: ۷/۲۹۵، زرقانی: ۲/۷۳، ابن ہشام: ۲/۱۷

بئر معونہ کی لرزہ خیز داستان:

بنو سلیم ایک قبیلہ تھا جو نجد میں آباد تھا۔ رعل، ذکوان، بنو لحیان، عصیۃ اور بنو عامر اسی کے مختلف قبائل کے نام تھے۔ ان کا رئیس ابو براء عامر بن مالک تھا جو "ملاعب الانسہ (نیزوں سے کھیلنے والا) کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ خطاب اس کو وراء بن عمر نے دیا تھا۔ (اصا

Marfat.com

صفر سنہ ۴ھ میں عامر بن مالک بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور خود اپنی طرف سے بھی اور رعل اور ذکوان وغیرہ قبائل کی طرف سے بھی اپنے حریفوں کے مقابلے میں آپ ﷺ سے امداد کی درخواست کی۔ یہ قبائل سرور کائنات ﷺ سے معاہدہ کیے ہوئے تھے، لہٰذا آپ ﷺ نے درخواست منظور فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر عامر بن مالک کو اسلام کی دعوت بھی دی۔ اس نے جواب دیا کہ آپ اپنے منتخب اصحاب کو بھیجیں گے تو وہ فریضۂ دعوت بھی سرانجام دیں گے اور مجھے امید ہے کہ ان کی دعوت سے وہ لوگ اسلام قبول کرلیں گے۔ اس وجہ سے آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انتخاب کے وقت ان کو منتخب فرمایا جو علم وفضل میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے اور ان کو قراء کہا جاتا تھا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان صحابہ کرام کی شان ان الفاظ میں بیان کی:

کانوا یحتطبون بالنهار ویصلون باللیل۔ (بخاری:۲/۵۸۶)

''وہ حضرات دن کو لکڑیاں چن کر معاش فراہم کیا کرتے تھے اور رات کو نوافل میں مشغول رہتے۔''

اس بات کی بھی تصریح ہے کہ یہ پاکباز جماعت لکڑیاں چن کر جو معاش فراہم کرتی وہ اپنے لیے نہیں بلکہ اصحاب صفہ کے لیے کھانا لاتے اور رات کا کچھ حصہ درس قرآن میں اور کچھ حصہ نوافل پڑھنے میں گزارتے۔ (فتح الباری: ۷/۲۹۶۔۲۹۷)

ان میں چند حضرات کے نام یہ ہیں:

① منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ ② سیدنا حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ ③ سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ ④ عروہ بن اسماء بن الصلت رضی اللہ عنہ ⑤ سیدنا نافع بن بدیل رضی اللہ عنہ ⑥ سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ۔

نبی اکرم ﷺ نے اگرچہ بخاری کی روایت کے مطابق ستر صحابہ کو قبائل کی درخواست پر ان کے ہمراہ بھیجا تھا لیکن آپ ﷺ کا قلب مبارک مطمئن نہیں تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ابو براء عامر بن مالک سے یہ فرمایا تھا کہ مجھے اہل نجد کی طرف سے خطرہ ہے، لیکن ابو براء نے بڑے وثوق سے یقین دلایا کہ میں ذمہ دار ہوں۔ آپ ﷺ بالکل کوئی فکر نہ کریں۔ آپ ﷺ نے جب ان صحابہ کو رخصت فرمایا تو ان قبائل کے سردار عامر بن طفیل کے نام ایک خط لکھا اور تین صحابہ کرام سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ، سیدنا کعب بن زید رضی اللہ عنہ

Marfat.com

اور سیدنا منذر بن محمد بن عقبہ خزرجی کو کہا کہ آپ ﷺ تینوں یہ خط عامر بن طفیل کو پیش کر دیں۔ (بخاری: ۵۸۶/۲)

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دن رات سفر کرتے ہوئے بئر معونہ (معونہ کے کنویں) پر جا پہنچے۔ یہ کنواں بنو عامر اور بنی سُلیم کے درمیان ایک زمین میں واقع ہے۔ وہاں پڑاؤ ڈالنے کے بعد ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو جو ان تینوں کے امیر تھے، وہ خط عامر بن طفیل کو پہنچانے کے لیے کہا۔ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نہایت زیرک انسان تھے اور حالات کے نشیب و فراز کو بخوبی سمجھتے تھے۔ پھر ان کے ذہن میں حضور ﷺ کی وہ بات بھی تھی کہ ''مجھے اہل نجد کی طرف سے خطرہ ہے۔'' چنانچہ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ آپ یہیں ٹھہریں۔ میں تنہا عامر بن طفیل کے پاس جاتا ہوں۔ اگر کوئی خطرہ کی بات ہوئی تو صرف ایک شخص اس کا نشانہ بنے گا۔ آپ دونوں حضرات فوری طور پر دوسرے ساتھیوں کو مطلع کر دینا۔ سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ (برادر سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا) قربان اور فدا ہونے کی تمنا دل میں لیے ہوئے روانہ ہوئے اور عامر بن طفیل کے پاس جا کر اس کو سرکار دو عالم ﷺ کا مکتوب دیا لیکن عامر بڑا بدمزاج انسان تھا، اس کے دماغ میں خشونت اور نخوت کی ہوا بھری ہوئی تھی۔ اس نے آپ ﷺ کا وہ خط دیکھا تک نہیں اور ایک شخص کو اشارہ کر دیا۔ اس شقی اور بدبخت نے اشارہ پاتے ہی رسول اللہ ﷺ کے اس نامہ بر کو پیچھے سے اس زور کا نیزا مارا کہ آر پار ہو گیا۔ جسم سے خون کا فوارا چھوٹا، لیکن زبان پر جو الفاظ تھے وہ تاریخ نے یوں قلم بند کیے ہیں:

فزت ورب الکعبہ۔

''رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔'' (بخاری: ۵۸۶/۲)

ابھی یہ (سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ) فرش خاک پر تڑپ رہے تھے کہ اس نے فوری طور پر باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرنے کے لیے اپنے قبیلہ بنو عامر کو آواز دی۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ اسی وقت گھوڑا دوڑا کر قبائل میں پہنچا اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرنے کے لیے کہا۔ بنو عامر قبیلہ نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ ابو براء کی پناہ میں تھے۔ باقی قبائل رعل، ذکوان اور عصیہ نے اس کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جھٹ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

Marfat.com

کو گھیر لیا۔ یہ سب حضرات اس اچانک اور فوراً حملے سے بالکل غافل تھے، لیکن پھر بھی مقابلہ کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ حملہ آور بہت زیادہ تھے اور حملہ اچانک کیا گیا تھا لہٰذا کچھ دیر مقابلہ کرنے کے بعد سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ان ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف ایک صحابی سیدنا کعب بن زید رضی اللہ عنہ (اعرج) جن کو مُردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا، زندہ بچ گئے۔ انھیں شہداء کے درمیان سے زخمی حالت میں اٹھالیا گیا۔ یہ کسی نہ کسی طریقے سے مدینہ پہنچے پھر آئندہ سال غزوۂ خندق میں جام شہادت نوش فرمایا۔ ان کے علاوہ دو اور صحابی سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمری اور سیدنا منذر بن محمد انصاری رضی اللہ عنہ اونٹ چرا رہے تھے۔ انھوں نے دور سے دیکھا کہ گدھ اڑ رہے ہیں اور ان کے پنجوں میں گوشت کے لوتھڑے ہیں جن سے خون نچڑ رہا ہے۔ انھیں یہ گمان ہوا کہ کوئی جنگ ہوئی ہے اور لاشیں پڑی ہوئی ہیں اور یہ گدھ ان کا گوشت نوچ رہے ہیں۔ وہ دونوں اس میدان کی طرف بڑھے۔ چنانچہ وہ دونوں وہاں پہنچے تو دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں اور قاتل اپنی کامیابی پر اٹھکیلیاں کر رہا ہے۔

سیدنا منذر بن محمدؓ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ہمیں فوری طور پر مدینہ منورہ پہنچ کر حضور ﷺ کو اطلاع کرنی چاہیے، لیکن سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں اس میدان سے نہیں جاسکتا جہاں منذر بن عمرو ساعدی رضی اللہ عنہ شہید ہوا۔ (یہ صحابی امیر جماعت تھے) میں تو یہاں دشمنوں کا مقابلہ کروں گا۔ خواہ شہید ہی کیوں نہ ہو جاؤں۔ آپ مدینہ جا کر خبر کر سکتے ہیں۔''

لیکن سیدنا منذر بن محمد رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے ساتھی کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ ہوا۔ چنانچہ ان دونوں نے دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ سیدنا منذر بن محمد خزرجی رضی اللہ عنہ تو شہید ہو گئے اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا گیا اور عامر بن طفیل کے سامنے پیش کیا گیا۔

سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے کچھ دن ابھی باقی تھے۔ عامر بن طفیل نے صرف اس وجہ سے کہ سیدنا عمرو بن امیہ کا تعلق بنو ضمرہ سے ہے (جو قبیلہ کی شاخ تھا اور جو اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا) ان کے قتل کا حکم نہ دیا۔ پھر ان کی پیشانی کے بال کاٹ کر اس وجہ سے آزاد کر دیا کہ اس کی ماں نے ایک گردن آزاد کرنے کی نذر کی تھی۔

(زرقانی: ۳/۷۷، ابن ہشام: ۲/۱۸۵)

سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ واپسی میں وادیٔ قناۃ کے سرے پر واقع مقام قرقرہ

Marfat.com

پہنچے تو ایک درخت کے سایہ میں اترے۔ وہاں بنو کلاب کے دو آدمی بھی آ کر اترے تھے۔ جب وہ دونوں بے خبر سو گئے تو سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے بدلے میں ان دونوں کو قتل کر دیا حالانکہ ان دونوں کے پاس سرکار دو عالم ﷺ کی طرف سے عہد نامہ تھا، لیکن سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ اس سے بالکل بے خبر تھے۔ چنانچہ جب مدینہ پہنچ کر انھوں نے اس بارے میں حضور ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمرو! تم نے دو ایسے آدمیوں کو قتل کیا ہے جن کو میں نے عہد دیا تھا۔ لہٰذا اب ان دونوں کی دیت مجھ پر لازم ہے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ مسلمانوں اور ان کے حلفاء سے دیت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔

(ابن ہشام: ۱۸۹/۲)

سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمری اور سیدنا منذر بن محمد خزرجی رضی اللہ عنہ کو تو گدھوں کی اڑان سے ان مظلوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت کا علم ہوا تھا لیکن سرور کائنات ﷺ کو طائر قدس یعنی جبرائیل امین علیہ السلام نے فوری طور پر اس سانحہ کی اطلاع دی جو تاریخ اسلام میں ایک لرزہ خیز اور خوں چکاں المیہ تھا۔ واقدی کا بیان ہے کہ رجیع اور معونہ کے دونوں المیوں کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ایک ہی رات میں ملی تھی۔ (مختصر سیرۃ الرسول: ص ۶۲۰)

اس طائر قدس نے ان شہداء کا پیغام پہنچا دیا کہ:

بلغوا عنا قومنا انا لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا۔

''ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے جا ملے اس حالت میں کہ وہ ہم سے خوش ہو گیا اور ہمیں خوش کر دیا۔''

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان شہداء کا یہ پیغام قرآن پاک کی آیت کی طرح ایک عرصہ تک پڑھا جاتا رہا۔ (بخاری: ۵۸۶/۲)

آپ ﷺ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انتقام کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

آپ ﷺ نے نماز فجر میں رعل، ذکوان، لحیان اور عصیہ قبائل پر ایک ماہ تک متواتر بددعا کی۔

آپ رکوع اور سجدہ کے درمیان یعنی قومہ میں یہ دعا پڑھتے:

اللھم اشدد وطاتك علی مضر اللھم اجعلھا علیھم سنین کسنی یوسف۔

Marfat.com

”خداوند! مضر کے کافروں کو سختی سے پامال کر دے اور یوسف علیہ السلام کے قحط کی طرح انھیں قحط میں مبتلا کر دے۔“ (بخاری: ۲/۵۸۷)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس قدر بئر معونہ کے شہداء پر مغموم ہوئے میں نے کسی اور پر اس سے زیادہ آپ ﷺ کو مغموم ہوتے نہیں دیکھا۔ (مختصر سیرۃ الرسول، شیخ عبداللہ: ص ۲۶۰)

رجیع اور بیئر معونہ کے واقعات چند ہی دن کے وقفے سے آگے پیچھے پیش آئے تھے اس وجہ سے بھی آپ ﷺ بہت زیادہ غمگین تھے۔

ہجرت کے واقعات میں گزر چکا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے جو ہجرت کے وقت راز دار تھے اور ہجرت میں انھوں نے بہت کام بھی کیا تھا۔ جب غار ثور سے آپ ﷺ کی روانگی ہوئی تو مدینہ طیبہ تک مرکب ہمایوں کی نگرانی بھی فرماتے رہے کہ کوئی حادثہ پیش نہ آجائے۔ بئر معونہ کے ان ستر قراء میں یہ بھی شامل تھے۔ سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مجھے گرفتار کر لیا گیا تو مشرک عامر بن طفیل نے ایک لاش کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے دریافت کیا یہ لاش کس کی ہے؟ میں نے کہا: عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی، جو ہجرت مدینہ میں آپ ﷺ کے رفیقِ سفر تھے۔ عامر نے کہا کہ میں نے عجیب ماجرا دیکھا ہے کہ یہ لاش اٹھائی گئی اور آسمان کے قریب تک اس کو لے جایا گیا پھر یہاں لا کر رکھ دیا گیا۔ (بخاری: ۲/۵۸۷)

جبار بن سلمی کلابی جو عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے نیزہ مارا تو ان کی زبان سے نکلا:

فزت واللہ۔

”خدا کی قسم میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔“

مجھے ان کی زبان سے یہ فقرہ سن کر بہت تعجب ہوا اور دل میں کہا کہ کیا مراد کو پہنچے۔ ضحاک بن ثابت کے پاس آ کر میں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ ضحاک نے کہا ”حصول جنت“ میں۔ یہ بات سن کر میں مسلمان ہو گیا۔ (فتح الباری: ۷/۳۱۲)

آخر میں رجیع اور بئر معونہ کے دونوں واقعات کے بارے میں یہ عرض کرنا ضروری

Marfat.com

سمجھتا ہوں کہ ابن سعد وغیرہ مورخین نے ان دونوں واقعات کا ہونا صفر میں لکھا ہے اور اس بات پر تو تمام مورخین اور اصحاب سیرۃ متفق ہیں کہ یہ دونوں واقعات چند دنوں کے فرق سے پیش آئے۔ ابن سعد وغیرہ کے لکھنے پر ہم نے بھی ان واقعات کا ہونا صفر میں لکھ دیا ہے لیکن واقعات کا تسلسل بتا رہا ہے کہ یہ دونوں محرم الحرام میں پیش آئے۔ کیونکہ جن حضرات نے ان واقعات کا صفر میں ہونا لکھا ہے انھوں نے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ جیسے ہی اشہر حرام ختم ہوئے یعنی محرم کا مہینہ کیونکہ محرم اشہر حرم کا آخری مہینہ ہوتا ہے، گزرا تو بئر معونہ کے واقعات نہیں ہوئے بلکہ محرم میں ہوئے ہیں۔ کیونکہ اگر یہ واقعات صفر میں ہوتے تو ان دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما کو محرم کے ختم ہونے کے انتظار میں قید کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی بلکہ اسی روز یا دو تین روز بعد قتل کر دیا جاتا لیکن چونکہ ان دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کو صفر میں شہید کیا گیا اس وجہ سے ابن سعد اور دوسرے کئی ایک مورخین نے ان واقعات کو صفر کے حادثات قرار دیا۔

غزوۂ بنو نضیر (ربیع الاول ۴ھ)

سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ جب عامر بن طفیل کی قید سے رہا ہو کر واپس آ رہے تھے تو قرقرہ کے مقام پر انھوں نے دو آدمیوں کو، جن کا تعلق بنو عامر سے تھا، غدار سمجھ کر قتل کر دیا تھا اور جب مدینہ طیبہ میں انھوں نے سرکار دو عالم ﷺ سے اس قتل کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دونوں معاہد تھے، لہٰذا ان کی دیت ادا کرنا ہوگی۔ سرکار مدینہ ﷺ نے جو مختلف قبائل سے معاہدہ کر رکھا تھا اس کی رو سے دیت کی ادائیگی میں ہر ایک حلیف قبیلے کو حصہ لینا ہوتا تھا۔ اس لیے بنو عامر کے ان دو مقتولوں کی دیت میں بنو نضیر کو بھی مدد کرنی چاہیے تھی۔ اس مقصد کے لیے سرکار دو عالم ﷺ نے خود بنو نضیر جانے کا ارادہ فرمایا تا کہ اس بارے میں یہودی سرداروں سے بات کی جا سکے۔

یہود کو جب اس بات کا پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ خود ہمارے ہاں تشریف لا رہے ہیں تو انھیں خوش ہونا چاہیے تھا کہ ان کا اعزاز و احترام کرتے ہوئے حضور ﷺ خود ان کے ہاں تشریف لا رہے ہیں، لیکن یہود نے اس موقع سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لیے نہایت ناپاک اور مکروہ منصوبہ تیار کیا جو آپ ﷺ کی شہادت پر منتج ہو سکتا تھا۔

Marfat.com

یہ بات پہلے بھی ذکر کی جا چکی ہے کہ یہود کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کینہ اور عداوت کے جذبات موجزن تھے، لیکن وہ مالدار اور سُود خور ہونے کی وجہ سے مرد میدان اور بہادر نہ تھے بلکہ سازشی اور دسیسہ کار تھے۔ اس وجہ سے مسلمانوں سے عہد و پیمان کے باوجود انھیں اذیت اور نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ بنو قینقاع کی جلاوطنی اور کعب بن اشرف یہودی کے قتل اور جنگ بدر میں قریشِ مکہ کی شکست نے ان کے حوصلے پست کر دیئے تھے لیکن غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کے ساتھ جانی نقصان نے ان میں پھر جرأت و ہمت پیدا کر دی اور انھوں نے کھلم کھلا مسلمانوں کی عداوت، مخالفت اور بدعہدی شروع کر دی۔ یہ سب کچھ حضور ﷺ کے علم میں تھا لیکن آپ ﷺ نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی صبر سے کام لیا کیونکہ ایک تو آپ ﷺ نے ویسے ہی یہود کو بہت مراعات دی ہوئی تھیں، دوسرے وقت کا تقاضا بھی یہ تھا کہ ان کی ان تمام بدعہدیوں سے وقتی طور پر چشم پوشی کی جائے۔

رجیع اور بئر معونہ کے المناک اور خونریز واقعات میں مسلمانوں کے قریباً اسی بہترین جانباز شہید ہو گئے تھے جس سے مسلمانوں کی ظاہری اور معنوی قوت کو کافی نقصان پہنچا۔ اس وجہ سے بھی یہود کی جرأت اور جسارت اسلام کی مخالفت میں اس حد تک بڑھ گئی کہ انھوں نے سرکار دو عالم ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنا لیا۔

جب انھیں پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ خود ان کی آبادی میں تشریف لا رہے ہیں تو انھوں نے آپ ﷺ کی نشست کا ایسی جگہ انتظام کیا کہ وہاں اوپر سے ایک بھاری پتھر گرا کر نیچے بیٹھنے والے کو ختم کیا جا سکے۔ ایک یہودی عمرو بن حجاش بن کعب نے وہ بھاری پتھر اوپر چڑھایا۔ اس طرح حضور ﷺ کو ختم کرنے کی سازش تیار کی گئی۔

رسول اللہ ﷺ حسب وعدہ دیت کے لیے اعانت و امداد لینے کی غرض سے بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ یہود بنی نضیر نے اپنی پلاننگ کے تحت انھیں ایک دیوار کے سایہ میں بٹھا دیا۔ بنو نضیر نے بظاہر نہایت

Marfat.com

خندہ پیشانی سے آپ ﷺ کا استقبال کیا اور دیت میں اعانت کا وعدہ بھی کیا، تاکہ ان کے دل میں جو سازش آپ ﷺ کو ختم کرنے کی تھی، اس کا آپ ﷺ کو پتہ نہ چل سکے۔ یہود کے ایک عالم سلام بن مشکم نے انھیں اس سازش سے منع بھی کیا اور کہا کہ ''ایسا نہ کرو، خدا کی قسم، اس کا رب اسے اس بارے میں مطلع کر دے گا، نیز یہ بدعہدی بھی ہے'' لیکن انھوں نے اس کی اس بات کی کوئی پروانہ کی۔

جونہی سرکار دو عالم ﷺ دیوار کے سایہ میں جا کر بیٹھے، جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ کو یہود کے اس منصوبے سے باخبر کر دیا۔ آپ ﷺ تیزی سے اٹھے اور خاموشی سے مدینہ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ فرمادیا کہ وہ وہاں ٹھہریں، پھر جب معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ مدینہ پہنچ گئے ہیں تو باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی واپس چلے آئے۔

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ پہنچنے کی اطلاع پہلے ان یہودیوں ہی کو ہوئی جو اس سازش کے بانی مُبانی تھے۔ ایک یہودی نے انھیں آ کر بتایا، آپ ﷺ لوگ کس انتظار میں ہیں؟ میں مدینہ سے آ رہا ہوں۔ میں جب مدینہ سے نکل رہا تھا تو آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہو رہے تھے۔ (فتح الباری: ۷/۱۶۲، سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۹۰)

یہ واقعہ ربیع الاول سنہ ۴ھ کو ہوا۔ ابن سعد نے طبقات میں سبت (ہفتہ) کے دن کی بھی تصریح کر دی ہے۔ یہود کا یہ منصوبہ اس درجہ مکمل (Well- Planned) تھا کہ وحی الٰہی نے اس کی ناکامی کو دست قدرت کا کارنامہ اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ کا مخصوص انعام قرار دیا۔

بنونضیر کی یہ کوئی پہلی عہد شکنی نہ تھی بلکہ اس سے قبل بھی کئی دفعہ اپنے اس عہد و پیمان کو توڑا جو خود انھوں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔ قریش کا خط بنونضیر کے نام، کعب بن اشرف کی عہد شکن حرکتیں، بنونضیر کا قریش کے ساتھ گٹھ جوڑ ساری باتیں معاہدۂ رسول ﷺ کے سراسر خلاف تھیں، لیکن کعب بن اشرف کے قتل کے بعد جب بنونضیر نے معاہدہ کی تجدید کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی پہلی تمام اشتعال انگیز اور پیمان شکن حرکات سے چشم پوشی فرمائی مگر

Marfat.com

نیش عقرب نہ از پے کیں است
مقتضائے طبیعت اش ایں است

اس نئے معاہدہ سے بھی یہودیوں کی ذہنیت تبدیل نہ ہوئی بلکہ ان کی زہریلی ذہنیت میں اور بھی تیزی پیدا ہوگئی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے نقل کیا ہے کہ تجدید عہد کے بعد یہودیوں نے برابر یہ سازش شروع کی کہ کسی نہ کسی طریقے سے سرکار دو عالم ﷺ کو ختم کیا جائے۔ اس سلسلے میں انھوں نے حضور ﷺ کو ایک پیغام بھیجا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تیس تیس آدمی اکٹھے ہو کر مناظرہ کریں۔ علمائے یہود اگر مسلمانوں کے دلائل سے متاثر ہو گئے تو ہم سب دعوت اسلام پر لبیک کہہ دیں گے، پھر معلوم نہیں کیا خیال آیا کہ تیس کی تعداد کو تین میں تبدیل کر دیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے پہلی اور دوسری ترمیم شدہ تجویز، دونوں کو منظور فرمالیا اور یہود کے علماء سے گفتگو کے لیے مدینہ سے روانہ ہو گئے، لیکن راستے میں ایک انصاری مسلمان نے آپ ﷺ کو بتایا کہ اس کی بہن بنونضیر کے علاقے میں رہتی ہے۔ اس نے مجھے بڑے باوثوق ذرائع سے معلوم کر کے یہ اطلاع دی ہے کہ گفتگو صرف بہانہ ہے۔ اصل مقصد ان کا آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) ختم کرنا ہے اور اس کارروائی کے لیے یہ طریقہ طے کیا گیا ہے کہ تین آدمی کپڑوں میں خنجر چھپا کر جائیں گے اور موقع پا کر سرکار مدینہ ﷺ پر حملہ کر کے ختم کر دیں گے۔ اس اطلاع کے ملتے ہی آپ ﷺ نے اپنا ارادہ ملتوی فرما دیا اور واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ (فتح الباری: ۳۶۱/۷، تفسیر مظہری: ۲۳۰/۹)

آپ ﷺ کو بروقت اطلاع ملنے کی وجہ سے یہود کا یہ منصوبہ ناکام رہا۔ اب دیت کے موقع پر آپ ﷺ نے جو بنونضیر میں جانے کا ارادہ فرمایا، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اب یہ دوسرا منصوبہ مرتب کیا۔ اس طرح تجدید عہد کے بعد یہ دوسری مرتبہ نقضِ عہد تھا۔ اب ان کے جرائم سے مزید چشم پوشی کرنا اسلام اور مسلمانوں کے لیے سخت نقصان دہ تھا۔ اس لیے اب رسول اللہ نے یہود کے سرداروں کو طلب فرمایا، اور ان کے سامنے ان کے تمام جرائم کی فہرست رکھی، لیکن وہ اپنے جرائم کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ دس روز کے اندر اندر بنونضیر مدینہ طیبہ کی سرزمین سے نکل جائیں، بصورت

Marfat.com

دیگر انھیں پھر کوئی پناہ نہیں دی جائے گی۔

تفسیر مظہری میں یہود کی ایک اور سازش کا تذکرہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا اور اس دعوت کے بہانے آپ ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ تیار کیا، لیکن رسول اللہ ﷺ کو اس سازش کا علم ہو گیا اور آپ ﷺ اس دعوت میں تشریف نہ لے گئے، لیکن آپ ﷺ نے ان کی اس سازش سے بھی چشم پوشی فرماتے ہوئے کوئی مواخذہ نہ کیا۔

سرکار دو عالم ﷺ جب بنو نضیر سے اٹھ کر مدینہ تشریف لائے، کسی صحابی کو پتہ نہیں کہ آپ ﷺ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد صحابہ کرامؓ بھی مدینہ چلے آئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کے اس طرح اٹھ جانے کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے یہود کی سازش کا ان کے سامنے انکشاف فرمایا۔

مدینہ واپس آ کر آپ ﷺ نے اب فوری طور پر سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بنو نضیر کے پاس روانہ کیا اور انھیں یہ نوٹس دیا کہ تم لوگ اب یہاں نہیں رہ سکتے کیونکہ تمھارے جرائم کی فہرست اب بہت طویل ہو چکی ہے، لہٰذا تم لوگ دس دن کے اندر اندر مدینہ سے نکل جاؤ۔ اس کے بعد جو شخص پایا جائے گا اس کی گردن ماردی جائے گی۔

بنو نضیر کو اپنی طاقت پر بہت گھمنڈ تھا۔ ان کا علاقہ ایک اسٹیٹ کی طرح تھا جس کی حفاظت کے لیے ان کے پاس مسلح جوان تھے۔ مضبوط قلعہ تھا جس کے سامنے باغات کے حصار تھے۔ ان کے مکانات بڑے مضبوط تھے۔ ان کے ہم مذہب بنو قریظہ اُن کی پُشت پر تھے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سے ان کا سیاسی گٹھ جوڑ تھا۔ اس لیے وہ یہ نوٹس پڑھ کر حیران اور ششدر رہ گئے کہ احد کے شکست خوردہ اور رجیع اور بئر معونہ کے زخم خوردہ مسلمانوں کو یہ جرأت کیسے ہو گئی کہ انھیں اس اسٹیٹ سے نکل جائے کا نوٹس دیں، لہٰذا انھوں نے اس نوٹس کو درخور اعتناء نہ سمجھا اور اس کی تعمیل کرنے کے بجائے مخالفانہ اور باغیانہ رویہ اختیار کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا۔ وہ اپنی دولت کے زعم میں یہ سمجھنے لگے کہ محمد ﷺ کو صرف اوس اور خزرج کے قبائل کی حمایت حاصل ہے اور یہ دونوں قبائل کل تک ہمارے باج گزار تھے، ان لوگوں کے نوٹس پر ہم اپنے محلات، باغات اور اپنے مضبوط قلعہ کو چھوڑ دیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

Marfat.com

ہم بالکل مدینہ نہیں جائیں گے اور نہ کسی میں یہ طاقت ہے کہ ہمیں نکال سکے۔

رؤسا میں اپنی ریاست کا گھمنڈ ہوتا ہے۔ دولت کی بہتات کی وجہ سے ان کے سوچنے اور غور وفکر کرنے کی قوتیں ماؤف ہو جاتی ہیں، لیکن قوم میں کچھ سنجیدہ اور معاملات کے انجام اور ان کی نشیب وفراز کو سمجھنے والے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہود کے ایک دور اندیش اور سنجیدہ عالم اور دانشور کنانہ بن صوریا نے انھیں بہت سمجھایا:

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، اس لیے مجھے امید ہے کہ تم یہ باغیانہ اور مخلصانہ رویہ اختیار کر کے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو گے اور آخر کار تمھیں یہاں سے نکلنا ہی پڑے گا۔ اس لیے تمھارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم صداقت کے سامنے گردن جھکا دو۔''

سلام بن مشکم نے بھی کنانہ بن صوریا کی پوری پوری تائید کی، لیکن بنو نضیر کا لیڈر حیی بن اخطب تھا۔ اس نوٹس کے ملنے پر وہ بہت جذباتی ہو گیا تھا۔ اس نے عوام کو مشتعل کرنے کے لیے یہ نعرہ لگایا کہ ہم موسیٰ نبی (علیہ السلام) کا دامن نہیں چھوڑ سکتے۔ دوسری طرف رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو جب اس نوٹس کا پتہ چلا تو اس نے حیی بن اخطب کو کہلوا بھیجا کہ مسلمانوں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ڈٹ جاؤ، مقابلہ کرو اور ہمت نہ ہارو۔ میرے پاس عرب کے دو ہزار جوان ہیں جو تمھارے ساتھ قلعہ میں داخل ہو کر تمھاری حفاظت کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔ عرب کا مشہور طاقتور اور کثیر التعداد قبیلہ ''بنو غطفان'' بھی تمھارے ساتھ ہے۔ وہ بھی اپنے جوانوں کو تمھاری مدد کے لیے بھیجے گا۔ اگر کسی صورت میں تمھیں نکالا ہی گیا تو پھر ہم بھی تمھارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمھارے بارے میں کسی سے ہرگز نہیں دبیں گے۔ پھر بنو قریظہ والے بھی تو تمھارے ساتھ ہیں۔ لہٰذا ہمت کرو اور اس نوٹس کا جواب نفی میں دو۔ قرآن حکیم نے منافقین کی اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ﴾ (الحشر ۵۹:۱۱)

''اگر تمھیں نکالا گیا تو ہم تمھارے ساتھ ہوں گے اور یقیناً ہم بھی نکل جائیں گے۔ ہم تمھارے معاملے میں کسی کا کہنا نہیں مانیں گے اور اگر

Marfat.com

(بالفرض) جنگ ہوئی تو تم یقین رکھو کہ ہم ضرور تمھاری پوری پوری مدد کریں گے۔''

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی اس بات نے یہودیوں میں خود اعتمادی پیدا کر دی اور انھوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ مدینہ چھوڑنے کے بجائے مسلمانوں کا ہر طرح سے مقابلہ کریں گے۔ اس لیے انھوں نے اس نوٹس کا یہ جواب دیا:

انا لانخرج من دیارنا فاصنع مابدالك۔

''ہم اپنے گھروں سے ہرگز نہیں نکلیں گے آپ کو جو کرنا ہو کر لیں۔''

(طبقات ابن سعد: ۴۱/۳)

حیی ابن اخطب کا بھائی جدی بن اخطب یہ پیغام لے کر مدینہ منورہ آیا۔ اس کا یہ پیغام سن کر رسول اللہ ﷺ کے منہ سے بے ساختہ اللہ اکبر نکلا۔ آپ ﷺ کے اللہ اکبر کہنے پر مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا جس سے مدینہ کی پوری فضا گونج اٹھی۔

مسلمانوں کے سامنے اس وقت بڑی نازک صورت حال تھی کیونکہ حالات کی کروٹیں کچھ اس طرح تھیں کہ دشمنوں سے ٹکراؤ مفید اور مناسب نہ تھا۔ انجام خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ سارا عرب مسلمانوں کے خلاف تھا۔ خود بنونضیر کے یہود اتنے طاقتور تھے کہ ان کا ہتھیار ڈالنا آسان نہ تھا۔ منافقین، بنو غطفان اور بنو قریظہ کی پوری پوری حمایت بھی، انھیں حاصل تھی۔ لیکن رجیع اور بئر معونہ کے واقعات نے مسلمانوں کو محتاط بھی کر دیا تھا اور حساس بھی، اور جرائم ارتکاب کرنے والوں کے خلاف مسلمانوں کا جذبہ انتقام زیادہ ہو گیا تھا۔ بنونضیر نے بھی رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا تھا، لہٰذا طے یہ ہوا کہ ان سے بہر صورت لڑنا ہے خواہ اس کا انجام جو بھی ہو۔

سرکار دو عالم ﷺ کو جونہی حیی بن اخطب کا پیغام ملا تو آپ ﷺ نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ اکبر کہا اور پھر لڑائی کے لیے اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کا انتظام سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو علم بردار بنا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ ''نماز عصر بنونضیر کے میدان میں جا کر پڑھیں۔'' چنانچہ حضور ﷺ کے حکم کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوری طور پر تعمیل کی۔

Marfat.com

حیی بن اخطب کے بھائی جدی بن اخطب نے پیغام پر جب مسلمانوں کا نعرہ تکبیر سنا اور زبان رسالت ﷺ سے فوری تیاری کا حکم بھی اس کے کان میں پڑا تو وہ کچھ پریشان ہوا۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر اپنے پشت پناہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے پاس پہنچا۔ وہ اپنے مکان میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ جدی نے جب عبداللہ بن ابی سے اس بارے میں بات کی تو جدی بن اخطب کو تعجب ہوا کہ اس کا وہ سارا جوش ٹھنڈا پڑا ہوا تھا۔ اس نے خود کوئی تیاری نہ کی اور نہ ہی حوصلہ افزا جواب دیا، صرف یہ کہا کہ میں حلیف قبائل (بنو غطفان وغیرہ) کے پاس آدمی بھیج رہا ہوں۔ ان کا جواب آنے پر کچھ جواب دوں گا۔ جدی بن اخطب اس کے اس جواب سے نہایت شکستہ خاطر ہوا اور یہی حوصلہ شکن جواب اس نے اپنے بھائی حیی بن اخطب کو جا کر سنا دیا اور یہ بھی کہا کہ میں "خیر" سے نہیں بلکہ "شر" سے آیا ہوں۔ ابھی یہ مدینہ کی مکمل روئیداد بھی نہیں سنا چکا تھا کہ مجاہدین اسلام نے بنو نضیر کے میدان میں پہنچ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس وقت نماز عصر کا وقت تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی میدان میں صف بستہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور نماز عصر کے لیے سر نیاز خم کیا۔

اتنی ڈینگیں مارنے والے یہودیوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب اس طرح ڈال دیا کہ وہ مقابلہ کرنے کے بجائے قلعہ بند ہو گئے۔ اتنے بلند بانگ دعوے لیکن لشکر اسلام کو دیکھ کر ہمتوں کا یوں پست ہو جانا، قرآن حکیم نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے:

﴿فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ﴾ (حشر ۵۹:۲)

"پہنچ گیا ان پر اللہ ایسی جگہ سے کہ ان کو اس جگہ کا خیال بھی نہیں تھا اور ان کے دلوں میں (مسلمانوں کا) رعب ڈال دیا۔"

قلعہ بند ہونے کے بعد بھی انھیں یہ ہمت نہ ہوئی کہ قلعہ کی کمین گاہوں سے مسلمانوں پر حملہ کریں۔ صرف کچھ نوجوان لڑکوں نے قلعہ کی دیواروں سے تیر اور پتھر برسائے لیکن بہت جلد ان کو خاموش کر دیا گیا۔

اب نہ تو عبداللہ بن ابی اور نہ قبائل عرب کے وہ لوگ جن کے تعاون کا عبداللہ بن ابی نے یقین دلایا تھا، ان کی مدد کو پہنچے بلکہ وہ سب اپنی جگہ پر سمٹ کر بیٹھ گئے۔ حیی بن اخطب

Marfat.com

نے اپنے کو بے دست و پا پایا اور اب اسے سلام بن مشکم کی تجویز یاد آئی کہ مسلمانوں سے کچھ شرطیں طے کر لی جائیں اور مدینہ کو چھوڑ دیا جائے لیکن اب پانی سر سے گزر چکا تھا۔

اب بارگاہ رسالت سے ان کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ جائیداد منقولہ میں سے جو کچھ وہ لے جا سکتے ہیں، لے جائیں، باقی ان کی تمام جائیدادیں منقولہ و غیر منقولہ ضبط ہو جائیں گی۔ حیی بن اخطب نے اس فیصلے کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کیا۔ اس موقع پر سلام بن مشکم نے اسے پھر مشورہ دیا کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اس کو فوری طور پر تسلیم کر لو کیونکہ اس سے بدتر فیصلہ بھی ہو سکتا ہے۔ حیی بن اخطب نے کہا: اس سے بدتر فیصلہ کیا ہو سکتا ہے؟ سلام بن مشکم نے جواب دیا: تم اپنے جرم کی طرف دیکھو۔ بدتر فیصلہ یہ ہے کہ تمھارے نوجوانوں کو قتل کیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔

چند روز اسی سوچ بچار اور لیت و لعل میں گزرے۔ اس عرصہ میں محاصرہ بدستور رہا، لیکن یہود کو مسلمانوں پر حملہ کی کوئی جرأت نہ ہوئی اور نہ بنو قریظہ یا دوسرے ہی کسی قبیلہ سے انھیں کوئی امداد پہنچی۔ عبداللہ بن ابی نے بھی خاموش تماشائی کا کردار ادا کیا۔ بنو غطفان بھی چاپ سادھ گئے۔ جوں جوں محاصرہ طویل ہوتا گیا، اس میں شدت پیدا ہوتی گئی۔ چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے ان درختوں کو کاٹنے کا حکم صادر فرما دیا جو قلعہ کے لیے حصار کا کام دے سکتے تھے۔

اس پر طنز کیا گیا کہ مسلمان تعمیر کا دعویٰ کرنے کے باوجود تخریبی کارروائیاں کر رہے ہیں اور پھل دار درختوں کو کاٹ رہے ہیں۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۹۴) اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طنز کا قرآن حکیم میں جواب دیا اور اس تخریب کی ذمہ داری اپنے اوپر لی۔ فرمایا:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (حشر ۵۹:۵)

”جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو اپنے تنوں پر کھڑا رہنے دیا، وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے اذن سے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ ان فاسقوں کو ذلیل کرے۔“

سیرت کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ محاصرہ نے کچھ زیادہ طول نہیں پکڑا۔ صرف چھ رات

Marfat.com

یا ایک روایت کے مطابق پندرہ رات جاری رہا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس قدر رعب ڈالا کہ ان کے حوصلے ٹوٹ گئے، ہمتیں جواب دے گئیں اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ انھوں نے سرور کائنات ﷺ کو پیغام بھجوایا کہ ہمیں آپ ﷺ کی تمام شرطیں منظور ہیں اور ہم مدینہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنے کے لیے تیار ہیں، ہماری جان بخشی کی جائے۔ آپ ﷺ نے پھر وہی فرمایا کہ اسلحہ کے علاوہ اپنی منقولہ جائیداد سے جتنا ساز وسامان وہ اونٹوں پر لاد سکتے ہیں، وہ سب لے کر بال بچوں سمیت چلے جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں اس بارے میں اتنا ذلیل اور خائب و خاسر کیا کہ پہلے تو وہ خود مسلمانوں پر تخریب کی طنز کرتے تھے، لیکن اب انھوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی تخریب کی، اپنی جائیدادوں کو خود تباہ کیا۔ اپنے مکانات، دوسری کئی چیزوں کو خود اپنے ہاتھوں سے تباہ و برباد کر رہے تھے تاکہ مسلمانوں کا قبضہ ان پر اس حالت میں ہو کہ پوری آبادی کھنڈر بن چکی ہو۔

(سیرۃ حلبیہ: ۲۹۶/۲، زرقانی: ۸۲/۲)

قرآن حکیم نے ان کی اس پالیسی کو ان الفاظ میں بیان کیا۔ فرمایا:

﴿یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ﴾ (حشر ۵۹:۲)

”وہ اپنے مکانات کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی، پس اے ارباب دانش و بینش اس سے عبرت حاصل کرو۔“

یعنی بیرون قلعہ مسلمان ان کی جائیدادوں کو برباد کر رہے تھے اور اندرون قلعہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بربادی کر رہے تھے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے مکانات اندر سے نہایت آراستہ و پیراستہ (Well Decorated) تھے وہ اندر سے ان کی تمام ڈیکوریشن خود برباد کر رہے تھے تاکہ مسلمان ایسے پرتکلف آراستہ مکانوں میں نہ رہ سکیں اور باہر سے مسلمان توڑ پھوڑ کر رہے تھے۔ اسی طرح کا ایک قول سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ کا امام سیوطی نے تفسیر درمنثور میں بھی نقل کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ گلیوں اور کوچوں میں گھس جائیں۔ چنانچہ حال یہ تھا کہ آبادی کے باہر باغات جلائے جا رہے تھے،

Marfat.com

درخت کاٹے جا رہے تھے اور اندر سے خود یہودی اپنے ہاتھوں توڑ پھوڑ کر رہے تھے۔ ان کی تمام ڈیکوریشن ختم کر رہے تھے، چوکھٹیں، کڑیاں، تختے اور دروازے نکال رہے تھے۔ اس عبرت انگیز صورت سے اہل دانش کو عبرت حاصل کرنے کی تاکید کی جا رہی ہے۔

دولت جب کسی غیر دیندار کے پاس آتی ہے تو وہ اکیلی نہیں آتی بلکہ اپنے ساتھ دوسری تمام بری باتیں، بے حیائی، بے غیرتی، اللہ تعالیٰ کے احکام سے غفلت اور کوتاہی سب کچھ ساتھ لاتی ہے، چنانچہ دولت کے ان پجاریوں نے دولت کی ہوس میں گھروں کی چوکھٹ، کڑیاں، تختے، کیل، دیواروں کی کھونٹیاں تک مکانوں سے اتار لیں اور ان کو اپنے اونٹوں پر لادا پھر اپنے بچوں اور عورتوں کو سوار کیا۔ عورتیں اعلیٰ قسم کے ملبوسات اور زیوروں سے آراستہ تھیں، ساتھ ساتھ باجا بجتا جا رہا تھا۔ مطربہ عورتیں دف بجاتی اور گانا گاتی تھیں۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۹۴)

مختصر یہ کہ چھ سو اونٹ لدلدا کر روانہ ہوئے۔ اہل مدینہ کا بیان ہے کہ اس سروسامان کا قافلہ اس سے پہلے کبھی ان کی نظر سے نہیں گزرا تھا۔

یہود اور ان کے لیڈر حیی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع وغیرہ نے تو خیبر کا رخ کیا۔ اپنا سونا بھی جو چمڑوں کے تھیلوں میں بھرا ہوا تھا اپنے ساتھ لے گئے۔ باقی یہودی اذرعات وغیرہ کے مقامات پر چلے گئے۔

ایک حسرت ناک بدقسمتی یہ دیکھنے میں آئی کہ یہودی عالم کنانہ بن صوریا اور سلام بن مشکم، جنھوں نے یہود کو بتایا کہ تم ایک اللہ کے سچے پیغمبر سے مقابلہ کر رہے ہو، تم اس سے عہد شکنی نہ کرو، ان دونوں کو اسلام لانے کی توفیق حاصل نہ ہوئی بلکہ وہ بھی اپنا ساز وسامان اونٹوں پر لاد کر ان لوگوں کے ساتھ ہی مدینہ سے چلے گئے۔ صرف دو آدمیوں نے اسلام قبول کیا جن کے نام یامین بن عمیر اور ابوسعد بن وہب رضی اللہ عنہما ہیں (الاستیعاب) لہٰذا ان کے سامان سے بالکل کوئی تعرض نہ کیا گیا۔

یامین بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے:

حسن اسلامه، وهو من كبار الصحابه۔

''وہ بڑے پکے مسلمان ہوئے اور وہ کبار صحابہ میں سے ہوئے ہیں۔''

ان کے پکے مسلمان ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جونہی مسلمان ہوئے

Marfat.com

سرکار دو عالم ﷺ کی محبت رگ و پے میں سرایت کر گئی اور کفر کی نفرت اس قدر پیدا ہوئی کہ عمرو بن حجاش کو ایک شخص کے ذریعے کچھ رقم دے کر قتل کروا دیا۔ عمرو بن حجاش وہ شخص تھا جو بنو نضیر کے بالا خانہ میں اس غرض سے چڑھا ہوا تھا کہ جونہی رسول خدا تشریف فرما ہوں تو یہ اوپر سے پتھر گرا کر آپ ﷺ کا کام تمام کر دے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۱۹۲/۲، سیرۃ حلبیہ: ۲۹۵/۲)

اس غزوہ میں جہاں یہودیوں کی مال و دولت کے بارے میں حرص و طمع کا پتہ چلتا ہے وہاں مسلمانوں کے اخلاص وللّٰہیت کی بھی نشان دہی ہوتی ہے۔ انقلابات عالم کی تاریخ ایسے مجاہدوں کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ چشم فلک نے ایسے لوگ کبھی نہیں دیکھے ہوں گے جن کے عزائم اس درجہ انقلاب انگیز اور چٹانوں کی طرح پختہ ہوں کہ بڑے بڑے فرعونوں اور ہامانوں کے دلوں کو لرزا دیں اور توکل کی یہ شان ہو کہ زنبیلِ سفر میں مٹھی بھر جو بھی نہ ہوں۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ان توکل کے پتلوں نے پیغمبر ﷺ کے بنونضیر کی طرف روانہ ہونے کے حکم کی تعمیل اس عجلت سے کی کہ نماز عصر بنونضیر کے میدان میں جا کر ادا کی، مگر توشہ دان سب کا خالی تھا۔ نہ کسی کے پاس ناشتہ نہ توشہ اور نہ توشہ کی فکر۔ قبیلہ خزرج کے رئیس سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، جب تک محاصرہ رہا ان مجاہدین کو کھجوروں کی رسد اپنی جیب خاص سے پیش کرتے رہے اور عام روایت کے مطابق محاصرہ پندرہ روز رہا۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲۹۳/۲)

بنونضیر کی تمام غیر منقولہ جائیدادیں، اسلحہ اور کچھ سامان جن پر مسلمانوں نے قبضہ کیا وہ قرآن حکیم کی رو سے مال فئے میں شمار ہوتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی ملکیت تھا کیونکہ یہ مال بغیر جنگ کے حاصل ہوا تھا، آپ ﷺ نے اپنے مالکانہ اختیارات کو کس طرح عملی جامہ پہنایا؟ سیرت کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اکثر حصہ مہاجرین پر تقسیم فرمایا۔ بعض انصاری حضرات جو مفلوک الحال تھے ان کو بھی مرحمت فرمایا۔ اہل وعیال کا سال بھر کا خرچہ بھی اسی سے مقرر فرمایا اور ان میں سے جو فاضل بچتا وہ آپ ﷺ جہاد کی تیاری کے لیے صرف فرماتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرات انصار کو بھی کچھ عطا فرمانا چاہا لیکن ان پیکرانِ اخلاص نے صاف معذرت کر دی اور سفارش کر دی کہ جو کچھ آپ ﷺ ہمیں عنایت فرمانا چاہتے ہیں، وہ بھی آپ ﷺ ہمارے مہاجرین بھائیوں کو عنایت فرما دیں۔ تاہم ایسے انصاری

Marfat.com

حضرات جو بہت مخلص اور مفلوک الحال تھے، آپ ﷺ نے کچھ جائیداد ان کو عطا فرما دی جس سے ان کی مفلوک الحالی میں کافی فرق پڑا۔ وہ حضرات سیدنا سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابودجانہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۴۲/۳)

حضرات انصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اس ایثار کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے کہ اب تک تو ان حضرات نے مہاجرین کو ہر طرح کی امداد دی تھی یہاں تک کہ انھیں اپنی جائیدادوں میں بھی شریک کر لیا تھا اور اب جب جائیدادیں ملنے کا وقت آیا تو اس بات کو قطعاً گوارا نہ کیا کہ اس ایثار کا کوئی معاوضہ لیں۔ یہی وہ ایثار ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان الفاظ میں تحسین فرمائی ہے:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

(الحشر ۹:۵۹)

''اور وہ اپنے پر دوسروں کو مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان کو خود سخت ضرورت ہوتی ہے۔''

بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے انصار سے پوچھا کہ میں اموال بنی نضیر کو تم میں اور مہاجرین میں برابر برابر تقسیم کر دوں۔ اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے دونوں سرداروں (سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ) نے یک زبان ہو کر عرض کیا: ''یا رسولؐ اللہ! ہم خوش دلی سے اس بات پر راضی ہیں کہ یہ مال آپ ﷺ صرف مہاجرین میں تقسیم فرما دیں اور حسب سابق مہاجرین ہمارے ہی گھروں میں رہیں اور کھانے پینے میں بھی ہمارے شریک رہیں۔ آپ ﷺ نے انصار کے منہ سے یہ بات سن کر فرمایا:

اللهم ارحم الانصار وابناء الانصار۔

''اے اللہ! انصار اور ان کی اولاد پر رحم فرما۔'' (عیون الاثر: ۱۷۷/۲)

آپ ﷺ نے مہاجرین کو اتنا دیا کہ ''وسع فی الناس منها'' (لوگوں میں وسعت پیدا کر دی۔) (عیون الاثر: ۷۶/۲، طبقات ابن سعد: ۴۲/۳)

غزوۂ بنو نضیر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ حشر نازل فرمائی اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اس سورت کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اسے سورہ بنی النضیر کہو۔ اس سورۃ

Marfat.com

میں اللہ تعالیٰ نے مال فئے کے احکام بیان فرمائے اور مہاجرین و انصار کی ستائش فرمائی۔ منافقین کے طرز عمل کا پردہ فاش کیا۔ یہود کی جلاوطنی کو بیان کیا اور یہ بھی بتلایا کہ جنگی مصالح کے پیش نظر دشمن کے درخت بھی کاٹے جاسکتے ہیں اور ان کے باغات کو آگ بھی لگائی جاسکتی ہے اور ان کی جائیدادوں کو برباد بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ فساد فی الارض اور تخریب نہیں ہے بلکہ سراسر تعمیر ہے کیونکہ بعض دفعہ کسی تعمیر کے لیے تخریب ضروری ہو جاتی ہے اور وہ تخریب تعمیر کے لیے مقدمہ اور پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اس لیے اسے تخریب کہنا درست نہیں۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ شراب کی حرمت بھی اسی غزوہ میں نازل ہوئی۔ (عیون الاثر: جلد۲)

اسلحہ میں سے جن اشیاء پر مسلمانوں نے قبضہ کیا ان میں تین سو چالیس تلواریں، پچاس زرہیں اور پچاس خود تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۴۰/۳)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری: ۵۷۴/۲۔۵۷۵، زادالمعاد: ۱۱۰/۲۔۱۱۱، ابن ہشام: ۱۹۰/۲ تا ۱۹۲، عیون الاثر: ۳۷/۲ تا ۳۸، زرقانی: ۸۰/۲ تا ۸۶، فتح الباری: ۲۵۴/۷، البدایہ والنہایہ: ۷۴/۴ تا ۸۰ وغیرہ)

غزوۂ بدر دوم:

غزوۂ بنی نضیر کے بعد، ربیع الاول سنہ ۴ھ میں پیش آیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان سنہ ۴ھ تک مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ اکثر اصحاب سیر نے جمادی الاولیٰ سنہ ۴ھ میں غزوۂ ذات الرقاع کا ذکر کیا ہے لیکن ہماری رائے کے مطابق یہ غزوہ سنہ ۷ھ میں پیش آیا نہ کہ سنہ ۴ھ میں۔ لہٰذا ہم اس کو سنہ ۷ھ کے واقعات میں درج کریں گے۔

ابوسفیان احد سے واپسی کے وقت یہ کہہ گیا تھا کہ اگلے سال بدر میں پھر میدان کارزار گرم ہوگا لیکن اندر سے اس کا دل خوفزدہ تھا، وہ چاہتا تھا کہ مسلمان بدر کے مقابلہ کے لیے نہ آئیں تاکہ مجھے ندامت اور شرمندگی نہ ہو اور الزام مسلمانوں پر رہے۔ چنانچہ اس نے نعیم بن مسعود نامی ایک شخص کو کچھ مال دینے کا وعدہ کیا اور کہا کہ تم مدینہ پہنچ کر یہ مشہور کردو کہ قریش مکہ نے مسلمانوں کے استیصال کے لیے بڑی بھاری جمعیت اکٹھی کی ہے، لہٰذا مسلمانوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ قریش کے مقابلہ کے لیے نہ نکلیں۔ اس خبر کے مشہور کرنے سے ابوسفیان کا مقصد مسلمانوں کو خوفزدہ کرنا تھا، لیکن اس خبر نے الٹا کام کیا۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کے ایمانوں

Marfat.com

میں اور زیادہ جوش پیدا ہوا اور وہ "حسبنا الله ونعم الوکیل" پڑھتے ہوئے میدان بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔

مسلمان ابوسفیان کے اس اعلان کے بعد کہ اگلے سال میدان بدر میں پھر معرکہ ہو گا، ایک ایک روز گن کر گزار رہے تھے، اگرچہ اس دوران بڑے ہولناک، خوفناک اور دردناک واقعات پیش آئے لیکن ان واقعات نے ان کے جوش ایمانی میں اضافہ ہی کیا۔ چنانچہ شعبان سنہ ۴ھ میں امام الانبیاء ﷺ مدینہ کا انتظام سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے اس طے شدہ جنگ کے لیے پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جن کے پاس دس گھوڑے بھی تھے، بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فوج کا علم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا اور بدر میں جا کر خیمہ زن ہو گئے۔

دوسری طرف ابوسفیان بھی مشرکین کا دو ہزار کا لشکر جس میں پچاس گھوڑ سوار بھی تھے، لے کر مکہ سے بدر کی طرف روانہ ہوا۔ وہ مرالظہر ان کے قریب مجنہ کے چشمے پر خیمہ زن ہوا لیکن مکہ سے نکلتے وقت اس کا دل نہایت بوجھل تھا۔ یہاں پہنچ کر بددلی اور مسلمانوں کی ہیبت کے گہرے بادل اس کے دل و دماغ پر چھا گئے اور بدر و احد کی جنگوں کے نتائج کی پوری فلم اس کی آنکھوں سے سامنے گھومنے لگی۔ وہ نہایت زیرک اور دانشور آدمی تھا، اسے پتہ تھا کہ اب اگر میدان بدر میں ہمارا مسلمانوں سے سامنا ہوا تو ہماری رہی سہی ساکھ بھی جزیرۂ عرب میں ختم ہو جائے گی۔ اس کو اپنے سسر عتبہ بن ربیعہ اور دوسرے صنادید قریش کے انجام کا بخوبی علم تھا۔ اس لیے مرالظہران پہنچ کر اس کی ہمت بالکل جواب دے گئی اور اب وہ کسی نہ کسی بہانے سے واپس جانے کی سوچ رہا تھا۔ جب کوئی معقول بہانہ نظر نہ آیا تو آخر کار اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "بھائیو! جنگ اس وقت مناسب اور موزوں ہوتی جب شادابی کا زمانہ ہوتا کہ ہریالی اور گھاس کے چارہ کی بہتات کی وجہ سے جانور بھی اچھے طریقے سے چرا سکیں اور لوگ بھی سیر ہو کر ان کا دودھ پی سکیں۔ اس وقت خشک سالی ہے، لہٰذا میں واپس جا رہا ہوں اور تمہیں بھی یہ ہدایت کرتا ہوں کہ واپس چلے چلو۔"

ابوسفیان کی اس تجویز پر تمام لشکر نے لبیک کہا اور کسی نے بھی سفر جاری رکھنے اور مسلمانوں سے لڑنے کی رائے نہ دی اور نہ ہی کسی گوشے سے ابوسفیان کی واپسی کی تجویز کی

Marfat.com

مخالفت کی گئی اور ایسا ہونا ایک قدرتی امر تھا کیونکہ جب قائد لشکر خوفزدہ اور مرعوب ہو تو لشکری تو اور زیادہ ہیبت زدہ ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بدر میں آٹھ روز قیام کر کے دشمن کا انتظار کیا لیکن اس نے نہ آنا تھا نہ آیا۔ وہاں بدر میں ایک بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ اس کے قیام کے دوران انھوں نے اپنا سامان تجارت بیچ کر خوب نفع کمایا اور بڑی شان کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔ مسلمانوں کی اس پیش قدمی نے نہ صرف قریش کے دلوں پر مزید ہیبت ڈالی بلکہ دوسرے قبائل کے دلوں پر بھی ایک دھاک بیٹھ گئی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عیون الاثر: ۸۲/۲، زادالمعاد: ۱۱۲/۲، ابن ہشام: ۲۰۹/۲_۲۱۰، البدایہ والنہایہ: ۸۷/۴ وغیرہ)

Marfat.com

سنہ ۵ ھ

غزوۂ دُومتہ الجندل (ربیع الاول ۵ ھ)

غزوۂ بدر دوم سے شعبان میں آپ ﷺ واپس مدینہ منورہ تشریف لائے۔ بدر میں جانے کی وجہ سے اِدھر اُدھر کے قبائل کے دلوں پر آپ ﷺ کی ایک دھاک بیٹھ گئی تھی جس کی وجہ سے چاروں طرف اسلامی سلطنت میں امن وامان اور اطمینان وسکون کی بادنسیم چل رہی تھی اور آپ ﷺ سلطنت کی آخری حدود تک توجہ فرمانے کے لیے فارغ ہو چکے تھے۔ قریباً چھ ماہ آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ بعد ازاں آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ دومتہ الجندل (دال کے پیش اور زبر دونوں کے ساتھ صحیح ہے) کے اردگرد بسنے والے قبائل آنے جانے والے قافلوں پر ڈاکے ڈال رہے ہیں اور وہاں سے جو ساز وسامان بھی گزرتا ہے اس کو لوٹ لیتے ہیں۔ دومتہ الجندل بہت دور مقام تھا۔ علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ یہ مدینہ منورہ سے پندرہ دن کے فاصلے پر ہے اور دمشق وہاں سے صرف پانچ دن کے راستے پر۔ (زرقانی: ۹۵/۲)

جونہی آپ ﷺ کو یہ اطلاعات موصول ہوئیں، آپ ﷺ نے سیدنا سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں منتظم مقرر فرما کر ایک ہزار مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ دومتہ الجندل کی طرف خروج فرمایا۔ یہ ۲۵ / ربیع الاول سنہ ۵ ھ کا واقعہ ہے۔ اس غزوہ میں آپ ﷺ رات کو سفر فرماتے اور صبح کے وقت پڑاؤ ڈالتے تاکہ دشمن پر اچانک حملہ کیا جائے اور وہ بھاگ نہ سکے لیکن قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ لوگ باہر نکل گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے وہاں کچھ روز قیام فرمایا لیکن کوئی دشمن ہاتھ نہ لگا۔ بالآخر بغیر کسی جنگ کے آپ ﷺ ۲۰ / ربیع الثانی کو واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ اس غزوہ میں عیینہ بن حصن سے بھی مصالحت ہوئی۔

(عیون الاثر: ۸۳/۲، زرقانی: ۹۵/۲، طبقات ابن سعد: ۶۵/۲، البدایہ والنہایہ: ۹۲/۴)

Marfat.com

غزوۂ بنی المصطلق (شعبان ۵ھ)

غزوۂ بنی المصطلق کا دوسرا نام غزوۂ مُریسیع ہے۔ بنو مصطلق ایک قبیلہ کا نام ہے جو بنوخزاعہ کی ایک شاخ ہے اور چونکہ اس غزوہ میں ایک روایت کے مطابق مریسیع (م پر پیش اور ر پر زبر) کے چشمہ پر دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ اس وجہ سے اس کو غزوۂ مُریسیع بھی کہتے ہیں۔

یہ غزوہ کب پیش آیا اس بارے میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ محمد ابن اسحاق کے نزدیک یہ شعبان سنہ ۶ھ میں پیش آیا۔ موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک سنہ ۵ھ میں اور ابن سعد کے نزدیک بھی شعبان سنہ ۵ھ میں۔ (عیون الاثر: ۱۳۴/۲) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے نزدیک یہی قول صحیح ہے کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس غزوہ میں شریک تھے اور صحیح روایات کی رُو سے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بنی قریظہ میں وفات پائی جو سنہ ۵ھ میں پیش آیا۔ اس وجہ سے یہ غزوہ سنہ ۵ھ ہی میں ہوا۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری: ۳۳۲/۷، زرقانی: ۱۶/۲، زادالمعاد: ۱۱۵/۲) امام بخاری سے موسیٰ بن عقبہ کے حوالے سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ غزوہ سنہ ۴ھ میں واقع ہوا لیکن موسیٰ بن عقبہ کی کتاب میں متعدد طریق سے سنہ ۵ھ ہی مذکور ہے۔ اس لیے امام بخاری کے ماننے والوں کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا کہ امام بخاری سنہ ۵ھ ہی لکھنا چاہتے تھے لیکن سبقت قلم سے سنہ ۴ھ لکھا گیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ بخاری: ۵۹۳/۲)

یہ غزوہ کوئی بھاری بھرکم نہیں ہے کہ اس میں اتنے ہزار انسانوں پر مشتمل فوج مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتی تھی اور آپ ﷺ نے اس کے دفاع کے لیے کوئی اہم طریقہ اختیار کیا جیسا کہ غزوۂ احزاب میں کیا تھا، لیکن یہ غزوہ اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اس میں کچھ اہم واقعات رونما ہوئے جس نے نہ صرف اسلامی معاشرہ میں بلکہ اسلامی تاریخ میں اضطراب پیدا کر دیا جیسا کہ آئندہ صفحات میں بیان کیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اپنے قبیلے اور کچھ دوسرے عربوں کی فوج جمع کی ہے اور وہ مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے سیدنا بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو تحقیق حال کے لیے بھیجا۔ انھوں نے واپس آ کر خبر کے صحیح ہونے کی تصدیق کی۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے خبر کے صحیح ثابت ہونے کے بعد مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا۔

مدینہ کا انتظام آپ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اور ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اور ایک اور روایت کے مطابق سیدنا نمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو سونپا اور خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر بنو مصطلق کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس لشکر میں تیس گھوڑے آپ ﷺ کے ہمراہ تھے جن میں دس مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے۔ اس جنگ میں عادت کے خلاف منافقین کی بھی ایک بڑی تعداد شریک تھی۔ اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ وہ مال غنیمت کے لالچ میں اس لشکر میں شریک ہوئے تھے حالانکہ وہ اس سے قبل کبھی کسی غزوہ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھیں اور ۲ رشعبان سنہ ۵ ھ بروز پیر آپ ﷺ مریسیع کی جانب روانہ ہوئے۔

(زرقانی: ۲/۹۶، ابن سعد: ۲/۴۵، ابن ہشام: ۲/۲۸۹، عیون الاثر: ۲/۱۳۴۔۱۳۵)

حارث بن ابی ضرار کو بھنک پڑ گئی کہ رسول اللہ ﷺ حملہ کرنے کی نیت سے بنو مصطلق کی طرف جا رہے ہیں تو اس نے تحقیق حال کے لیے ایک جاسوس بھیجا۔ مسلمانوں نے اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیز رفتاری کے ساتھ چل کر بنو مصطلق پر اس وقت اچانک حملہ کر دیا جب وہ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ (جلد اص ۳۴۵) لیکن دوسری روایت میں ہے کہ جب حارث بن ابی ضرار رئیس بنو مصطلق اور اس کی فوج کے آدمیوں کو رسول اللہ ﷺ کی روانگی اور اپنے جاسوس کے قتل ہونے کا علم ہوا تو وہ سخت خوفزدہ ہو گئے اور جو عرب ان کے ساتھ تھے وہ سب منتشر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پیش قدمی فرماتے ہوئے بنو مصطلق کے چشمہ مریسیع تک پہنچ گئے۔

مہاجرین کے علم بردار سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جب کہ انصار کا پرچم سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعے اس بات کا اعلان کروا دیا کہ اگر تم لوگ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ تو تم سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا اور تمھاری جانیں اور اموال محفوظ رہیں گے، لیکن انھوں نے اس سے صاف انکار کر دیا۔ اس

Marfat.com

کے بعد آپ ﷺ نے صف بندی کر کے مسلمانوں کو یکبارگی حملے کا حکم دیا۔ بنو مصطلق حملہ کی تاب نہ لا سکے اور جلد ہی ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اس جنگ میں غنیم کے دس آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کا ایک آدمی شہید ہوا، وہ بھی غلطی سے مسلمانوں کے ہاتھ سے۔ آپ ﷺ نے اس شہید ہونے والے کے بھائی کو اس کا خون بہا دے دیا۔ اس میں قریباً چھ سو قیدی ہاتھ آئے جن میں سو کے قریب عورتیں تھیں۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کو ملیں۔ قیدیوں میں بنو مصطلق کے رئیس حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں۔ مال غنیمت کی تقسیم میں یہ سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں۔ سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ نے انھیں مکاتب بنا لیا یعنی انھیں کہا کہ تم اتنی رقم دے دو تو تم آزاد ہو۔ جویریہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یا رسول اللہ! آپ ﷺ کو پتہ ہے کہ میں بنو مصطلق کے رئیس کی بیٹی ہوں۔ میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی ہوں۔ انھوں نے مجھے مکاتب بنا دیا ہے۔ میں بدلِ مکاتب میں آپ ﷺ سے امداد کی طالب ہوں۔ رحمت دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم کو اس سے بہتر شے بتلاتا ہوں، وہ یہ کہ تمھاری طرف سے کتابت کی رقم میں ادا کر دیتا ہوں اور تمھیں آزاد کر کے اپنے حبالۂ عقد میں لے لیتا ہوں۔ کیا تم اس پر راضی ہو؟ جویریہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھے یہ منظور ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی جانب سے کتابت کی رقم ادا کر کے ان سے شادی فرمالی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی ہے تو انھوں نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جویریہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے حق میں بابرکت نہیں دیکھا کہ جس کی وجہ سے ایک دن میں سو گھرانے آزاد ہوئے ہوں۔ (ابوداود: ۱۹۲/۲)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام: ۲۸۹/۲، ۲۹۵، عیون الاثر ج ۲، زاد المعاد: ۱۱۲/۲-۱۱۳)

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث بن ابی ضرار بہت سے اونٹ لے کر مدینہ میں بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے تا کہ فدیہ دے کر اپنی بیٹی کو چھڑا لائیں۔ ان میں سے دو نہایت عمدہ نسل کے اونٹ ایک گھاٹی میں چھپا آئے کہ واپسی پر ان کو

Marfat.com

لے لوں گا۔ جب مدینہ میں بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور وہ اونٹ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے اور کہا کہ اے محمدؐ! آپ ﷺ نے میری بیٹی کو گرفتار کر کے قیدی بنایا ہے۔ یہ اس کا زرِ فدیہ ہے۔ آپ ﷺ یہ لے کر اسے آزاد کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اونٹ کہاں ہیں جو تم فلاں گھاٹی میں چھپا کر آئے ہو۔ حارث نے یہ سنتے ہی کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا اور کہا کہ اللہ کے سوا کسی کو ان اونٹوں کا پتہ نہ تھا، لہٰذا آپ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ہی نے ان کے بارے میں آپ ﷺ کو خبر دی ہے۔

(الاصابہ: ۲۸۱/۱، خصائل کبریٰ بیہقی: ۲۳۶/۱)

یہ داستان ہے اس غزوہ کی لیکن اس غزوہ میں چونکہ منافقین کی ایک بڑی تعداد پہلی بار شامل ہوئی تھی اس لیے انھوں نے اپنی کارروائیوں سے کچھ گل کھلائے۔ ان کی وجہ سے یہ غزوہ ایک خاص اہمیت اختیار کر گیا۔

منافقین کی فتنہ پردازی:

ابھی آپ ﷺ مریسیع میں قیام پذیر ہی تھے کہ جانوروں کو پانی پلانے پر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو گیا (بلکہ منافقین نے جھگڑا کروا دیا) ان میں ایک جہجاہ بن مسور غفاری تھا جو سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا اجیر تھا اور ان کے گھوڑے کو پانی پلانا چاہتا تھا اور دوسرا سنان بن دبر جہنی تھا جو مدینہ کے بنی عوف (قبیلہ خزرج) کا حلیف تھا۔ ان دونوں کا ایک دوسرے سے پانی پلانے پر جھگڑا ہو گیا۔ جہجاہ نے سنان کو پیٹا۔ سنان نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور ساتھ ہی "یا معشر الانصار" کا نعرہ لگایا۔ اس کے جواب میں جہجاہ نے بھی "یا معشر المهاجرین" پکارا۔ اتفاق سے حبال نامی مہاجر جو پاس ہی کھڑا تھا، اس مار پیٹ میں جہجاہ کا ساتھی بن گیا۔ ادھر سے کچھ انصار کے آدمی سنان کی مدد کو پہنچے۔ اس پر کافی ہنگامہ برپا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ان نعروں کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ جاہلیت کی آوازیں کیا ہیں؟ لوگوں نے عرض کی: یا رسولؐ اللہ! ایک مہاجر نے ایک انصاری کو لات ماری ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

دعوها فانها منتنة۔

Marfat.com

''ان کو چھوڑ دو یہ گندی اور بدبودار باتیں ہیں یعنی کوئی ظالم ہے یا مظلوم تمھارا دینی بھائی ہے۔ظالم ہے تو اسے ظلم کرنے سے روکو، مظلوم ہے تو اس کی حمایت کرو۔''

عبداللہ بن ابی بن سلول اپنے مخصوص گروہ منافقین میں بیٹھا ہوا تھا جس کے سرکردہ لوگ یہ تھے: نالک، سوید، قاعیس، عبیداللہ بنتل، مغیث بن قشر، زید بن الاسید وغیرہ۔ اتفاق سے سیدنا زید بن الارقم رضی اللہ عنہ بھی یہیں موجود تھے۔عبداللہ بن ابی نے جونہی یہ واقعہ سنا تو فوراً بھڑک اٹھا اور اس پر جو ہذیانی کیفیت طاری ہوئی وہ زید رضی اللہ عنہ بن ارقم کی زبانی سنیے۔زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اس وقت نوجوان تھے جو ابھی سنِ رُشد کو نہیں پہنچے تھے۔عبداللہ بن ابی بن سلول نے نہایت جوش وخروش اور جذباتیت سے تقریر کی اور اس میں اس نے یہ کہا کہ:

''میں نے آج سے زیادہ ذلیل دن اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ میں تو پہلے ہی بہت زیادہ ذلت محسوس کر رہا تھا لیکن آج تو انتہا ہوگئی اور یہ سب کچھ میری قوم کی وجہ سے ہوا۔ ہماری اور ان کنگلے مہاجروں کی مثال یہ ہے: ''سمن کلبك یاكلك'' (اپنے کتے کو موٹا کرو تا کہ وہ تجھے کھا جائے) کاش کہ میں آج کے دن سے پہلے مر جاتا اور مجھے یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔تم لوگوں نے ان مہاجروں کو ٹھکانہ دیا۔اپنے مال ان پر نچھاور کیے۔ان کی ہر طرح سے خاطر مدارت کی۔اگر تم لوگ ان پر مہربانی نہ کرتے تو انھیں کہیں بھی ٹھکانہ نہ ملتا۔اب بھی تم لوگ ہوش سے کام لو اور ان پر اپنا مال خرچ کرنا بند کر دو تو یہ خود بخود بکھر جائیں گے (لا تنفقوا علی من عند رسول الله حتی ینفضوا) ان کو بچانے کے لیے تم نے اپنے آپ کو موت کے منہ میں دھکیل دیا لیکن پھر بھی یہ لوگ تم سے خوش نہیں۔تم نے ان کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دیں، اپنے مال خرچ کیے، اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی عورتوں کو بیوہ بنایا۔ چنانچہ تم روز بروز کم ہو رہے ہو اور یہ دن بدن زیادہ ہو رہے ہیں۔انھیں مار مار کر سیدھا کر دو تا کہ انھیں عقل آ جائے۔اب انھیں واپس جا کر معلوم ہو جائے گا کہ ہم عزت والے ان ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے۔''(فان رجعنا الی المدینه لیخرجن الاعز منها الاذل)

اسی طرح جو اس کے منہ میں آیا اس نے وہ اگلا۔اس کی تقریر بہت زہریلی اور

Marfat.com

مسلمانوں کے سخت خلاف تھی۔ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ گفتگو بیان کر دی۔ آپ ﷺ بے حد کبیدہ خاطر ہوئے اور چہرۂ انور سُرخ ہو گیا۔ آپ نے سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''کہیں غصے کی وجہ سے تم خلافِ حقیقت تو بیان نہیں کر رہے؟'' انھوں نے عرض کی: ''یا رسولُ اللہ! اس نے ایسا ہی کہا ہے اور میں نے اپنے کانوں سے خود سنا ہے اور جو کچھ میرے کانوں نے سنا ہے وہ میں نے من وعن آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کر دیا ہے۔''

یہ بات پورے لشکر میں پھیل گئی کہ عبداللہ بن ابی نے یہ کہا ہے اور سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے وہ سب کچھ سرکار دو عالم ﷺ سے بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ لشکر کے کئی سادہ دل مسلمان یہ کہنے لگے کہ اس نو خیز نوجوان کو یہ بات آپ ﷺ کی خدمت میں نہیں پہنچانی چاہیے تھی۔ کئی لوگ یہ کہنے لگے کہ اس بچے نے ایسی بات رسول اللہ ﷺ سے کہی جو عبداللہ بن ابی نے نہیں کہی۔ غرضیکہ لشکر میں طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں۔ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے بھی بعض لوگوں نے پوچھا کہ کیا واقعی عبداللہ بن ابی نے یہ باتیں کی ہیں۔ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ان کو یہی جواب دیا کہ میں نے جو کچھ عبداللہ کے منہ سے سنا وہی آپ ﷺ سے عرض کر دیا حالانکہ عبداللہ بن ابی مجھے خزرج میں سب سے زیادہ عزیز تھا۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے کان میں بھی یہ بات پہنچ گئی کہ عبداللہ بن ابی نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔ رگ فاروقی فوراً حرکت میں آئی اور بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا رسولُ اللہ! اجازت دیجیے کہ میں اس دشمن خدا کی گردن اس کے جسم سے جدا کر دوں، یا عباد بن بشر کو حکم فرمائیے کہ اس کا سر قلم کر دے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمر! صبر سے کام لو، میں ایسا حکم نہیں دے سکتا کیونکہ لوگ کہنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرتا ہے۔

(ان محمدًا یقتل اصحابہ)

عبداللہ بن ابی کو جب پتہ چلا کہ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ ساری باتیں بارگاہِ نبوت میں بیان کر دی ہیں اور اس کا بھانڈا چوراہے پر پھوڑ دیا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اللہ کی قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے جو کچھ آپ ﷺ کو بتایا ہے میں نے وہ نہیں کہا اور نہ مجھ میں یہ ہمت ہے کہ ایسی بات زبان پر لا

Marfat.com

سکوں۔ اس وقت انصار کے جو لوگ موجود تھے، انھوں نے بھی کہا: ہاں اے اللہ کے رسولؐ! وہ ابھی لڑکا ہے، ہو سکتا ہے کہ اسے کچھ وہم ہو گیا ہو اور عبداللہ بن ابی نے جو کچھ کہا ہے اسے وہ ٹھیک طور پر اپنے کوزۂ ذہن میں محفوظ نہ رکھ سکا ہو۔ چنانچہ آپ ﷺ نے عبداللہ کی قسموں پر اعتبار کرتے ہوئے اس کی بات کو سچ مان لیا۔ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو بہت ندامت بھی ہوئی اور غم بھی لاحق ہوا بلکہ ان کا بیان ہے کہ ایسا غم مجھے پوری زندگی نہیں ہوا۔ چنانچہ میں اس صدمے کی وجہ سے گھر بیٹھ گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ منافقون نازل فرمائی جس نے میری بات کی تائید کر دی۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سورۂ منافقون نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور اس سورت کی آیات مجھے پڑھ کر سنائیں اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری باتوں کی تصدیق فرما دی ہے۔ (بخاری: ۱/۴۹۹، ۲۲۷۔۲۲۹، ابن ہشام: ۲/۲۹۰۔۲۹۲)

رسول اللہ ﷺ نے اس کی قسموں کا کیوں اعتبار کیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دراصل بہت چالاک اور مکر و فریب میں ماہر آدمی تھا۔ چنانچہ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب حضور ﷺ خطبہ کے لیے تشریف لاتے تو وہ آپ ﷺ کے خطبہ سے پہلے خود کھڑا ہو جاتا اور لوگوں سے کہتا: ''لوگو! یہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کے رسولؐ ہیں۔ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں عزت و احترام عطا کیا ہے، لہٰذا ان کے ساتھ تعاون کرو، ان کے مشن کو تقویت پہنچاؤ، ان کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو۔'' یہ بات کر کے وہ بیٹھ جاتا۔ اس کے بعد سرکار دو عالم ﷺ اٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے۔ جنگ اُحد میں اس نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے بدترین دغابازی اور دھوکہ دہی کی تھی کہ میدان جنگ سے اپنے آدمیوں کو واپس لے آیا، لیکن اس کے باوجود جنگ احد کے بعد پہلے جمعہ میں اس نے پھر یہی الفاظ دہرانا چاہے اور وہی بات کرنا چاہی جو اس سے قبل ہر جمعہ کو خطبہ سننے سے پہلے کہا کرتا تھا۔ یہ اس کی بے حیائی کی انتہا تھی، لیکن اب کی بار جب وہ آپ ﷺ کے خطبہ ارشاد فرمانے سے قبل اٹھا تو مسلمانوں نے ہر طرف سے اس پر آوازے کسے اور اس کے کپڑوں کو پکڑ کر کہا: دشمن خدا بیٹھ جا، تو نے ہم سے اور رسول اللہ ﷺ سے جو حرکتیں کی ہیں، اس کے بعد اب تُو اس لائق نہیں کہ مسجد نبویؐ میں کھڑا ہو کر اس طرح کے الفاظ کہے۔ تُو نہایت دغاباز اور منافق آدمی ہے۔ تیرے کئی چہرے ہیں۔ مسلمانوں کے منہ سے اپنے بارے میں یہ ریمارکس سن کر وہ لوگوں کی

Marfat.com

گردنیں پھلانگتا ہوا اور بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا کہ میں نے آپ ﷺ کی تائید میں اٹھ کر کچھ کہنا چاہا لیکن ان لوگوں نے مجھے روک دیا، اتفاق سے دروازے پر اسے ایک انصاری مل گئے۔ انھوں نے اس سے کہا: تیرا ستیاناس ہو، واپس چل اور حضور ﷺ سے معافی مانگ، وہ تیرے لیے دعائے مغفرت کریں گے، اس نے نہایت ڈھٹائی سے جواب دیا کہ ''خدا کی قسم، میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔'' (ابن ہشام: ۱۰۵/۲)

مختصر یہ کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کی شرانگیز اور زہر آلود جذباتی تقریر کی وجہ سے فضا کافی مکدر ہو چکی تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے مسلمانوں کو بے وقت کوچ کا حکم دے دیا۔ تمام دن اور تمام رات سفر جاری رہا۔ اگلے روز دوپہر کے وقت ماء حجاز پر جو نقیع سے ذرا اوپر ہے، قیام فرمایا جس کا نام بقعاء ہے۔ (یہ جگہ موجودہ رابغ کے قرب و جوار میں ہے) یہاں تک پہنچ کر لوگوں کا جوش ٹھنڈا ہو گیا، فضا کا تکدر ختم ہو گیا، لوگ سفر سے اس قدر چور ہو چکے تھے کہ سواریوں سے اترتے ہی نیند نے ان پر غلبہ پا لیا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس بے وقت کوچ پر مسلمان حیران تھے، لیکن کسی کو جرأت نہیں تھی کہ آپ ﷺ سے کوئی سوال کرتا۔ راستے میں سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کچھ جرأت کی اور اپنی سواری بڑھا کر آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! آج اس بے وقت سفر کا حکم کیسے فرمایا؟'' آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ''تم نے سنا نہیں کہ تمھارے ساتھی (عبداللہ بن ابی) نے کیا کہا؟'' سیدنا اسید رضی اللہ عنہ نے پوچھا! کون ساتھی؟ فرمایا: ''عبداللہ بن ابی بن سلول۔'' سیدنا اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اس شخص سے تو درگزر ہی بہتر ہے، یہ شخص مجبور ہے، کیونکہ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو ہم نے اس کے لیے تاج تیار کر رکھا تھا کہ اس کو اپنا بادشاہ بنالیں، لیکن آپ ﷺ کے آنے سے اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ یہ اپنے حسد کی آگ میں خود ہی جلتا رہے گا۔ خزرج کے سردار سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آؤ نبی اکرم ﷺ سے تمھارے لیے مغفرت کی دعا کی درخواست کریں لیکن وہ گردن کو جھٹکے سے چھڑا کر نکل گیا۔

(تعالوا یستغفر لکم رسول اللہ لووا روسھم)

Marfat.com

منافقین کی اس غزوہ میں شرکت کی وجہ:

ہمارے اصحاب سیر نے یہ لکھا ہے کہ اس غزوہ میں منافقین کی کثرت سے شرکت کی وجہ یہ ہے کہ وہ مال غنیمت کے لالچ میں شریک ہوئے تھے، لیکن شرکت کی یہ وجہ محل نظر ہے، بلکہ وہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت شریک ہوئے تھے اور وہ ایک جنگی سازش تھی جس کے تحت انھوں نے اس غزوہ میں شرکت کی تھی اور وہ بھی اپنے لحاظ سے ایک بہت بڑی تعداد میں۔ انھیں معلوم تھا کہ چند روز بعد یہود خیبر اور قریش مکہ دوسرے قبیلوں کے ساتھ ایک متحدہ محاذ بنا کر مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے والے ہیں، کیونکہ یہود خیبر کے قاصد اور مشرکین مکہ کے خبر رساں اور پیغام بر اُن کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ انھیں ان کے متحدہ محاذ بنا کر مدینہ پر جنگ احزاب کی صورت میں حملہ کرنے کا بخوبی علم تھا، بلکہ وہ خود ان تیاریوں اور اسکیموں میں شریک تھے۔ وہ دراصل اس آنے والے حملے کے لیے پہلے سے زمین تیار کرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے وہ غزوہ میں شریک ہوئے اور کثیر تعداد میں ہوئے تا کہ مہاجرین و انصار میں جھگڑا کرا کر ان کی مجموعی قوت کو کم کیا جا سکے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں سے قریبی میل جول کر کے اور جنگ میں اپنی ہمدردیاں انھیں جتا کر ان سے فوجی اور جنگی راز معلوم کر کے اپنے حلیفوں (یہود خیبر اور قریش مکہ) کو بتا سکیں۔

جہجاہ بن مسعود اور سنان بن دبر کا جھگڑا کوئی اتفاقیہ جھگڑا نہ تھا بلکہ یہ جھگڑا بھی منافقین نے دانستہ کروایا تھا کیونکہ پہلے پانی پلانے کی ایک معمولی بات پر ''یا معشر الانصار'' اور ''یا معشر المہاجرین'' کے انتہائی جوشیلے نعرے یقیناً ایک سوچی سمجھی سازش کی نشاندہی کرتے ہیں اور پھر اس کے عبد عبداللہ بن ابی کی جوشیلی تقریر ایک اہم سازش کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔ پھر اسی جذباتی اور جوشیلی تقریر میں عبداللہ بن ابی کی زبان سے یہ نکلنا کہ

لا تنفقوا علی من عند رسول الله حتی ینفضوا..........

اور لن رجعنا الی المدینه لیخرجن الاعز منها الاذل ۔

ان دونوں جملوں کا انداز صاف بتا رہا ہے کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھی آنے والے حملہ احزاب کی تیاری سے پوری طرح آشنا تھے اور قریش اور ان کے حلیف قبائل

Marfat.com

کی جنگی اور فوجی تدابیر ان کے علم میں تھیں اور ان جملوں میں ان کا اسی طرف اشارہ تھا، کیونکہ ان منافقین کا خیال ہی نہیں بلکہ انھیں پورا یقین تھا کہ اس مرتبہ مسلمان قریش، یہود اور ان کے حلیف قبائل کے متحدہ محاذ کے حملہ کی تاب نہ لاسکیں گے اور انھیں مدینہ میں کوئی پناہ نہ ملے گی۔ لیکن انھیں اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر کا علم نہ تھا جو وہ اپنے نبی ﷺ اور اس کی ساتھیوں کو بچانے کے لیے کرے گا جس سے دشمنان اسلام کی کمر ہمت ہمیشہ کے لیے ٹوٹ کر رہ جائے گی۔

اس غزوۂ بنی المصطلق میں منافقین کی شرکت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اس غزوہ میں عین موقع پر کوئی ایسی تدبیر کریں گے جس سے ایک تو مسلمان اس غزوہ میں شکست کھا جائیں اور دوسرا غزوۂ احزاب کے لیے ان میں تشتت و افتراق کی ایسی خلیج پیدا ہو جائے کہ احزاب کے حملہ میں ان میں دفاع کی طاقت ختم ہو جائے۔ چنانچہ انصار و مہاجرین کے مابین پانی لانے پر جھگڑا اسی سازش کی ایک فرع تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت نے اس کی اس تدبیر کو انہی پر الٹ دیا اور مسلمانوں میں اختلاف کی وہ خلیج پیدا نہ ہو سکی جس کے لیے پلاننگ کی گئی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنان اسلام کو نہ صرف اس غزوہ میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا بلکہ وہ شکست قریش مکہ کے لیے آخری ضرب ثابت ہوئی اور پھر وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے قابل نہ رہے۔

عبداللہ بن ابی نے یہ دھمکی اپنی تقریر میں دی تھی کہ عزت والے، ذلیل لوگوں کو سرزمین سے نکال باہر کریں گے، لیکن یہ تعجب کی بات ہے کہ اسی رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا صاحبزادہ جس کا نام بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا، وہ سرکار دو عالم ﷺ کے خیار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھا، اسلام کا نہایت شیدائی اور سرکار مدینہ ﷺ کا جانثار۔ اس نے جب اپنے باپ کے منہ سے یہ کلمات سنے تو وہ باپ سے پہلے مدینہ پہنچ کر مدینہ کے دروازے پر تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور جب اس کا باپ مدینہ میں داخل ہونے کے لیے پہنچا تو وہ بولا: خدا کی قسم، میں تجھ کو اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک تو اس بات کا اقرار نہیں کرتا کہ تو ذلیل ہے اور حضور ﷺ عزت والے ہیں۔ چنانچہ اس نے اس بات کا اقرار کیا تب کہیں اس کو مدینہ میں داخل ہونے کی بیٹے نے اجازت دی۔ (ترمذی: ۱۹/۲، فتح الباری: ۵۰۰/۸)

ایک روایت میں ہے کہ بیٹے نے یہ بھی کہا کہ جب تک سرکار مدینہ ﷺ تمھیں مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے اس وقت تک تم مدینہ مین داخل نہیں ہو سکتے۔

Marfat.com

چنانچہ جب آپ ﷺ وہاں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اس کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی، تب صاحبزادے نے اپنے باپ عبداللہ بن ابی کا راستہ چھوڑا۔

مدینہ پہنچ کر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسولؐ اللہ ﷺ مجھے پتا چلا ہے کہ آپ ﷺ میرے باپ کے قتل کے احکام صادر فرمانے والے ہیں کیونکہ اس نے بڑی غلط قسم کی تقریر کی ہے۔ اگر آپ ﷺ اجازت فرمائیں تو میں خود اپنے باپ کا سر قلم کر کے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں لا حاضر کروں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ کسی دوسرے مسلمان کو اس کے قتل کا حکم دیں اور میں جذبات میں آکر اپنے باپ کے قاتل کو قتل کر دوں اور اس طرح سے ایک مسلمان کے قتل کا ارتکاب کروں، لیکن رحمت مجسم ﷺ نے اسے باپ کو قتل کرنے سے سختی سے منع فرمایا بلکہ اس کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کرنے کا حکم دیا۔ (فتح الباری: ۸/۴۹۸، ابن ہشام: ۲/۲۹۰-۲۹۲)

غرض یہ کہ اس غزوہ میں منافقین کی شرکت غنیمت حاصل کرنے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ایک سازش اور سوچی سمجھی اسکیم کے تحت تھی۔ جیسا کہ ہم نے اس کی نشاندہی کی ہے۔ چنانچہ ہمارے اصحاب سیر کا یہ لکھنا کہ وہ مال غنیمت کے لالچ میں اس غزوہ میں شریک ہوئے تھے، ان کی سادگی اور بھولا پن ہے، کیونکہ اس غزوہ سے پہلے اب تک مسلمانوں کو کسی جنگ میں اتنی بڑی غنیمت ملی ہی نہیں تھی کہ ان منافقین کے دل للچا اٹھتے اور ان کے منہ میں لالچ کا پانی بھر آتا۔ دوسرے منافقین کوئی غیب دان تو نہیں تھے کہ انھیں پہلے سے ہی پتہ چل گیا کہ اس غزوہ میں فتح مسلمانوں کی ہوگی اور ان کو اس میں اس قدر مال غنیمت ملے گا بلکہ جس جنگ میں غیر مخلص اور منافق دل والے لوگ موجود ہوں اور وہ بھی کثیر تعداد میں، وہاں تو فتح کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی جگہ شکست یقینی ہوتی ہے اور منافقین تو کسی صورت بھی مسلمانوں کی فتح کے حامی نہیں تھے۔ جنگ احد میں بھی ان کے تمام حربے مسلمانوں کو شکست سے ہمکنار کرنے کے لیے تھے نہ کہ فتح کے لیے۔

واقعۂ افک کی تخلیق:

اس غزوہ میں منافقین کی شرکت کی وجہ ایک دوسری سازش ''افک'' کی تخلیق تھی۔

Marfat.com

یہ اک اہم ترین سازش، بہتان تراشی اور پھر اس کی اشاعت و تشہیر تھی۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی ساکھ خراب ہو اور لوگوں کی نگاہوں میں ان کے اخلاقی تفوق کو پست کر کے آنے والے غزوۂ احزاب میں اس سے پورا پورا فائدہ حاصل کیا جائے، لیکن ان لوگوں کی یہ سازش بھی ناکام رہی۔ اس واقعۂ افک سے بھی ہمارے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ منافقین اس غزوہ میں مال غنیمت کے لالچ کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے تھے بلکہ ایک حربی سازش کے تحت شریک ہوئے تھے۔ اگرچہ اس غزوہ میں ان کے حصے میں کافی مال غنیمت بھی آیا جس سے ہمارے مؤرخین اور ارباب سیر نے یہ سمجھ لیا کہ وہ مال غنیمت کے لالچ میں شریک غزوہ ہوئے تھے کیونکہ جہاد تو ان کے پیش نظر تھا نہیں لہٰذا ان کی شرکت کا دوسرا سبب بیان کر دیا۔

اس غزوہ کا دوسرا اہم واقعہ افک کا واقعہ ہے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جاتے وقت اپنی ہمشیرہ کا ہار مانگ کر اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ واپسی پر ایک جگہ لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے گئیں اور وہ اپنی بہن کا ہار کہیں گم کر بیٹھیں۔ جب واپس آئیں تو دیکھا کہ گلے میں ہار نہیں ہے۔ فوراً اس جگہ واپس گئیں جہاں ہار گم ہوا تھا۔ اسی دوران وہ لوگ آئے جو ہودج کو اونٹوں پر لادا کرتے تھے، انھوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ آپ رضی اللہ عنہا ہودج میں تشریف فرما ہیں، اس کو اونٹ پر لاد دیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا چونکہ نوخیز تھیں اور نوعمر تھیں، بوجھل بھی نہ تھیں۔ اس وجہ سے ہودج لادنے والوں کو کوئی احساس نہ ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہا ہودج میں تشریف فرما نہیں ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جس جگہ ہار ڈھونڈنے گئی تھیں، وہاں انھیں ہار تو مل گیا لیکن جب واپس تشرف لائیں تو دیکھا کہ پورا لشکر جا چکا تھا اور میدان بالکل خالی پڑا تھا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا یہ خیال کر کے کہ لوگ انھیں ڈھونڈنے واپس آئیں گے، ایک جگہ چادر لپیٹ کر لیٹ گئیں اور لیٹتے ہی ان کی آنکھ لگ گئی، اور وہ سو گئیں۔

سیدنا صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو قافلہ کی گری پڑی اشیاء اٹھانے کے لیے پیچھے رہا کرتے تھے، وہ آگئے اور انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا اور دیکھتے ہی کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ الفاظ سن کر سیدہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل گئی اور انھوں نے فوراً چادر سے منہ ڈھانپ

Marfat.com

لیا۔ انھوں نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو اپنی سواری پر بٹھا لیا۔ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے انا للہ کے سوا زبان سے اور کوئی لفظ نہ نکالا، چپ چاپ سواری کی نکیل پکڑی اور پیدل چلتے ہوئے عین دوپہر کے وقت لشکر میں پہنچے۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھیوں کو تہمت تراشی کا موقع مل گیا اور انھوں نے سیدہ رضی اللہ عنہا پر تہمت تراش کر واقعات کے تانے بانے بننے شروع کر دیئے۔

جب یہ لشکر مدینہ پہنچا تو ان تہمت تراشوں نے خوب پروپیگنڈہ کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ سخت پریشان تھے۔ جب ایک عرصے تک وحی نہ آئی تو آپ ﷺ نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے علیحدگی کے لیے اپنے خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اشاروں کنایوں میں سیدہ رضی اللہ عنہا سے علیحدگی کا مشورہ دیا، لیکن سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا مشورہ یہ تھا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ اپنی زوجیت میں ہی رکھیں اور دشمنوں کی بات کی طرف دھیان نہ دیں۔ پھر ایک روز آپ ﷺ نے برسر منبر عبداللہ بن ابی کی ان ایذا رسانیوں سے نجات کی طرف توجہ دلائی۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کی آپ ﷺ سے اجازت طلب کی، لیکن سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے جو عبداللہ بن ابی کے قبیلہ خزرج کے رئیس تھے، اس بات کی مخالفت کی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سفر سے واپس آ کر بیمار پڑ گئیں اور ایک ماہ تک مسلسل بیمار رہیں۔ انھیں اس بارے میں کچھ علم نہ تھا، البتہ انھیں یہ بات ضرور کھٹکتی تھی کہ بیماری کے دوران رسول اللہ ﷺ کی طرف سے انھیں وہ محبت اور لطف و عنایت نظر نہ آ رہی تھی جو اس سے قبل انھیں آپ ﷺ سے ملا کرتی تھی۔ بیماری کے ختم ہونے کے بعد وہ ایک رات ام مسطح رضی اللہ عنہا کے ساتھ قضائے حاجت کے لیے باہر گئیں، ام مسطح رضی اللہ عنہا نے چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ وہ اس چادر میں پھنس کر پھسل گئیں۔ انھوں نے پھسلتے ہوئے اپنے بیٹے کو بددعا دی اور برا بھلا کہا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے انھیں ٹوکا کہ کیوں اپنے بیٹے کو برا بھلا کہہ رہی ہو۔ اس پر انھوں نے تہمت کا یہ سارا واقعہ کہہ سنایا اور سیدہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ میرا بیٹا بھی اس پروپیگنڈے کے جرم میں شریک ہے۔ (یہ ذہن میں رہے کہ ام مسطح رضی اللہ عنہا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن تھیں۔ اس رشتہ سے یہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی پھوپھی تھیں۔) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ سن کر سخت رنج ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس بات کو سن کر سیدہ رضی اللہ عنہا کو اس قدر صدمہ ہوا کہ "بلا اختیار دل نے چاہا کہ اپنے

Marfat.com

آپ کو کسی کنویں میں جا کر گرا دوں۔"

واپس آ کر اس خبر کی تحقیق کے لیے سیدہ رضی اللہ عنہا نے سرکار دو عالم ﷺ سے اپنے والدین کے ہاں جانے کی اجازت چاہی، جو دے دی گئی۔ والدین کے ہاں جا کر انھیں پتہ چل گیا کہ واقعی ان پر یہ تہمت لگائی گئی ہے۔ اب انھوں نے رونا شروع کیا یہاں تک کہ دو راتیں اور ایک دن روتے روتے گزر گیا۔ انھیں ایسا معلوم ہونے لگا کہ روتے روتے ان کا کلیجہ شق ہو جائے گا۔

ایک روز رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: "عائشہ! مجھے تمھارے متعلق ایک ایسی بات کا پتہ چلا ہے، اگر تم اس قصور سے مبرا ہو تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمھاری بریت نازل فرما دے گا اور اگر خدانخواستہ تم سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو گیا ہے تو تم اللہ سے مغفرت مانگو اور اللہ کے حضور توبہ کرو کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کر کے اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔"

سرکار دو عالم ﷺ کی زبان سے یہ کلمات سن کر سیدہ رضی اللہ عنہا کے آنسو ایک دم تھم گئے اور آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی آنکھ میں باقی نہ رہا۔ انھوں نے خود جواب دینے کے بجائے اپنے والدین سے کہا کہ وہ آپ ﷺ کو جواب دیں، لیکن ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں۔ اب سیدہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی جواب دیا کہ "واللہ! میں جانتی ہوں کہ یہ بات لوگوں سے سنتے سنتے آپ کے دلوں میں اچھی طرح بیٹھ گئی ہے اور آپ لوگوں نے اسے سچ سمجھ لیا ہے۔ اب اگر میں اپنی بریت بھی کروں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس گناہ سے بری ہوں، تو آپ لوگ میری بات کو درست اور سچا نہ سمجھیں گے اور اگر میں اس بات کا اقرار اور اعتراف کر لوں حالانکہ اللہ بخوبی جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں، تو آپ لوگ میری بات درست سمجھیں گے۔ بس میں وہی کچھ کہتی ہوں جو سیدنا یوسف علیہ السلام کے باپ نے کہا تھا:

فصبر جميل والله المستعان على ماتصفون۔

"صبر ہی بہتر ہے اور تم لوگ جو کچھ کہتے ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی مدد مطلوب ہے۔"

یہ بات کہہ کر سیدہ رضی اللہ عنہا بستر پر جا کر لیٹ گئیں۔

اسی وقت سرکار دو عالم ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ پھر جب وحی کی کیفیت

Marfat.com

ختم ہوئی تو آپ ﷺ مسکرا رہے تھے اور آپ ﷺ نے پہلی بات یہ فرمائی: ''عائشہ! اللہ نے تمھیں بری کر دیا۔'' یہ سن کر سیدہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا: عائشہ! اٹھ، اور رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کر، انھوں نے ازراہِ ناز کہا: ''خدا کی قسم، میں سوائے اللہ تعالیٰ کے جس نے میری برأت نازل فرمائی، کسی اور کا شکریہ ادا نہ کروں گی۔''

اس واقعہ کے بارے میں جو آیات نازل ہوئیں وہ سورۂ نور کی دس آیات ہیں۔ آیت نمبر ۱۱ سے آگے۔ اس کے بعد تہمت تراشی کے جرم میں مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ، حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا پر حد قذف جاری کی گئی یعنی انھیں اسی اسی کوڑے مارے گئے، لیکن اس تہمت کے اصل بانی عبداللہ ابی کی پیٹھ ان کوڑوں سے بچ گئی۔

(بخاری: ۳۶۴/۱، ۶۹۶/۲-۶۹۸، فتح الباری: ۳۶۶/۸، زادالمعاد: ۱۱۳/۲-۱۱۵، ابن ہشام: ۲۹۷/۲، عیون الاثر: ۱۳۹/۲-۱۴۳)

یہ روایت زہری سے مروی ہے اور مضطرب اور ناقابل استشہاد ہے۔ یہ روایت نہیں بلکہ ایک کہانی ہے۔ زہری کا یہ کہنا کہ "اخبرنی عروہ" ایک کھلی تدلیس ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زہری نے عروہ سے کچھ نہیں سنا۔ معلوم نہیں کس نے سنا اور عروہ کی جانب منسوب کر دیا۔ یہ ساری تفصیل جو حدیث افک میں منقول ہے، زہری کی روایت کے سوا کسی اور میں نہیں ملتی اور زہری کا ارسال اور تدلیس مشہور ہے اور زہری کا ادراج بھی محدثین میں بہت مشہور ہے۔ زہری سے اوپر اس روایت کا بالکل وجود نہیں ہے بلکہ زہری کے وقت میں بھی یہ روایت عام نہیں ہوئی۔ صرف اس کے مخصوص تلامذہ کو ہی اس کا علم تھا۔ بعد میں زہری کی اس روایت کو منقح اور مرتب شکل میں عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں معمرؒ کے واسطے سے بیان کیا۔ وہیں سے یہ روایت آگے چلی۔ امام احمد نے اس روایت کو عبدالرزاق سے لیا اور بعد میں ان کے ہم عصر محدثین نے اسے قبول کیا اور حسب عادت علیحدہ علیحدہ اسناد سے اپنی کتابوں میں اسے روایت کیا۔ یہ اصل روایت زہری کی ہے۔ محمد ابن اسحاق نے بھی زہری سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔ ابن ہشام نے اپنی کتاب ''السیرۃ النبویہ'' میں ''قال ابن اسحاق'' کہہ کر یہ روایت درج کی ہے۔ اس روایت کو مہذب صورت میں عبدالرزاق بن ہمام نے اپنی کتاب ''المصنف'' میں روایت کیا ہے۔ یہ شخص سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت ہی ناراض ہے۔ ان

Marfat.com

کی اہانت سے اسے بڑی خوشی ہوتی ہے۔

اگر زہری کی یہ روایت مصنف عبدالرزاق کے دور میں بھی عام ہوتی تو اسے اس دور کی کتابوں میں آنا چاہیے تھا، لیکن یہ اس دور کی کتابوں موطا امام مالک، موطا امام محمد اور امام ابو یوسف کی کتابوں میں بھی کہیں نہیں ملتی۔ مسند ابوداؤد طیالسی میں بھی نہیں، اختلاف الحدیث میں بھی نہیں، حتیٰ کہ واقدی نے بھی اسے قابل اعتنا نہیں سمجھا اور ابن سعد نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔

اگر یہ روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعلق تھی تو یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی اور بھتیجوں سے منقول ہونی چاہیے تھی لیکن ان میں سے کسی سے بھی یہ روایت منقول نہیں۔ پھر عروہ کے ساتھ ساتھ دوسرے بھانجے اسے بیان کرتے مگر وہ بھی اس سے خاموش ہیں۔ واقدی نے لکھا ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی اس سفر میں ساتھ تھیں لیکن ان سے بھی کوئی روایت اس بارے میں موجود نہیں۔ ان کی اس بارے میں خاموشی اس بات کی طرف ایک اشارہ ہے کہ اس واقعہ کی دور نبوت میں کوئی اصلیت نہیں تھی۔

چونکہ یہ بہتان غزوۂ مریسیع کے فوراً بعد گھڑا گیا تھا اس لیے زہری نے بھی اسے مریسیع کے سفر کے ساتھ نتھی کر دیا۔ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اتنے بڑے قافلہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کسی کو بھی نظر نہ آئیں۔ زہری نے اس بارے میں یہ بتایا کہ یہ تو اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ جب سفر ہودج میں ہو۔ چنانچہ روایت میں یہ بیان کر دیا کہ ''اٹھانے والوں نے بغیر دیکھے ہودج اٹھا کر رکھ دیا۔''

پھر سوچا کہ آخر آدمی کا وزن تو ہوتا ہی ہے۔ ہودج اٹھانے والوں کو معلوم ہو جاتا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا ہودج میں ہیں یا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ گھڑا گیا کہ ''اس زمانے میں عورتیں کم کھاتی تھیں اس لیے دبلی ہوتی تھیں۔''

اب ایک سوال یہ تھا کہ صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کو کیسے پہچانا؟ تو اس کے لیے یہ کہا گیا کہ ''آپ میدان میں لیٹ گئیں اور منہ کھولے سو گئیں۔ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ آئے اور منہ کھلا ہونے کی وجہ سے پہچان گئے اور انا للہ پڑھا۔ آواز سن کر سیدہ رضی اللہ عنہا جاگ گئیں اور منہ چھپا لیا۔''

Marfat.com

حمنہ کے بارے میں یہ کہا گیا کہ انھوں نے اس تہمت کی تشہیر اس لیے کی کہ وہ اپنی بہن کی حمایت کرنا چاہتی تھیں حالانکہ اس وقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی نہیں ہوا تھا۔

روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا ہودج میں نہیں تھیں، بلکہ اونٹ کی پشت پر بغیر ہودج کے سوار تھیں کیونکہ اس زمانہ میں ہودج کا رواج نہیں تھا۔ پھر سات سو آدمیوں کا قافلہ وہ تھا جو سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ مدینہ طیبہ سے گیا تھا۔ چھ سو قیدی وہاں سے ساتھ آئے تھے جن میں سو عورتیں تھیں۔ دو ہزار اونٹ مال غنیمت کے ساتھ تھے۔ پانچ ہزار بکریاں تھیں اور جنوری سنہ ۶۲۷ء کی ابتدائی تاریخیں تھیں جن میں سخت سردی ہوتی ہے۔ پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک چادر میں منہ کھولے میدان میں کیسے سو گئیں؟

اس کے علاوہ اور بھی کئی ایسی وجوہات ہیں جن کی بنا پر ہم بلا خوف وخطر یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں گھڑ لیا گیا اور اس واقعہ کو گھڑنے والا زہری کا اپنا ہی ذہن ہے۔ اگر زہری کی اس تعبیر واقعہ کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا سب سے بڑا الزام (خاکم بدہن) سرکارِ دو عالم ﷺ پر آتا ہے کہ آپ ﷺ معاذ اللہ اس قدر غافل تھے کہ بیوی کو پیچھے چھوڑ آئے اور انھیں بالکل خبر نہ ہوئی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہاں ہیں؟ آخر ہر روز آپ ﷺ کے خیمہ سے سوار ہوتی ہوں گی اور ان کو اونٹ پر سوار کرانے والے اسی خیمہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوں گے، جہاں سرکار دو عالم ﷺ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رات کو آرام فرماتے ہوں گے اور وہیں سے آپ سوار ہوتی ہوں گی۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہرگز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیچھے نہیں چھوڑا تھا اور نہ ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں پیچھے رہیں اور نہ اس سفر میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے کہ سید دو عالم ﷺ خود پیچھے رہ جائیں اور قافلہ چل دے۔

تاریخی لحاظ سے بھی اگر دیکھا جائے تو صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی شرکت ہی غزوۂ مریسیع میں مشکوک ہے، واقدی کے بیان کے مطابق وہ پہلی دفعہ غزوۂ خندق میں شریک ہوئے اور غزوۂ خندق غزوۂ مریسیع کے بعد ہوا ہے اور کلبی کے بیان کے مطابق یہ پہلی مرتبہ غزوۂ مریسیع میں شریک ہوئے اور کلبی واقدی سے زیادہ معتبر نہیں ہے۔ اگر واقدی کا بیان صحیح ہے اور کلبی کے مقابلہ میں یقیناً وہ صحیح ہے تو پھر یہ بات کہ صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ قافلہ کے پیچھے

Marfat.com

تھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر بٹھا کر لائے، سارا غلط ہو جاتا ہے اور اگر کلبی کا بیان صحیح تسلیم کیا جائے تو سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ کی اس غزوہ میں یہ پہلی شرکت تھی اور جو آدمی کسی مہم میں نووارد ہو اس کو اتنی اہم ذمہ داری نہیں سونپی جاسکتی۔

اصل بات یہ ہے کہ زہری کی یہ روایت کوئی ایک روایت نہیں ہے بلکہ زہری نے اور بھی کئی روایتوں میں اپنے مسلک کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ جیسے یہ روایت کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت دفن کیا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع نہ دی اور خود سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس میں بھی ابن شہاب زہری نے تفرد کیا ہوا ہے۔ حالانکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہی پڑھائی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں خود پکڑ کر نماز پڑھانے کے لیے آگے کیا۔

(کنز العمال روایت نمبر ۵۲۹۹، کنز العمال: ۱۱۴/۷، طبقات ابن سعد: ۲۹/۸، حلیۃ الاولیا: ۹۶/۴، ریاض النضرہ: ۱۵۶/۱)

وہ روایت جس میں لکھا ہے کہ ''سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا'' ابوبکر رضی اللہ عنہ سے وراثت نہ ملنے کی وجہ سے ناراض ہو گئیں اور انھوں نے اپنے انتقال تک ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کوئی کلام نہ کیا۔ (بخاری: ۹۹۶/۲، المصنف عبدالرزاق: ۴۷۲/۵، سنن الکبریٰ بیہقی: ۳۰۰/۶) اس میں بھی ابن شہاب زہری موجود ہے اور حدیث وتاریخ کی جن روایات میں یہ منقول ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت چھ ماہ بعد کی، ان روایات میں بھی ابن شہاب زہری گھسا ہوا ہے اور ان روایات میں ان الفاظ کی موجودگی اس کا ادراج ہے۔ حالانکہ زہری کے علاوہ دوسری روایات میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت اسی روز کی تھی جس روز دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی بیعت کی تھی۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۲۴۹/۵، ۳۰۲/۲، انساب الاشراف: ۵۸۵/۱، ابن ابی الحدید: ۱۵۴/۱، السنن الکبریٰ: ۱۴۳/۸، ۱۵۲، ۱۵۳)

اسی طرح یہ روایت کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عثمان بن عفان چھ سال کی عمر میں مرغ کی ٹھونگ لگنے سے انتقال فرما گئے تھے۔ اس کے راوی بھی ابن شہاب زہری ہیں۔ (ملاحظہ ہو تاریخ صغیر بخاری: ص ۳۲)

Marfat.com

اور اسی طرح یہ روایت کہ ایام فترت وحی میں سرکار دو عالم ﷺ بعض اوقات پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ ﷺ کو نیچے گرانے کا قصد فرماتے لیکن غیب سے فرشتہ پکارتا کہ بے شک آپ ﷺ خدا کے برحق رسول ہیں۔ اس سے آپ ﷺ کو تسکین ہو جاتی اور آپ ﷺ اپنے آپ کو گرانے کا ارادہ ترک کر دیتے گویا آپ ﷺ خودکشی کرنے کی کوشش کرتے۔

یہ بھی زہری ہی کی روایت ہے۔

(ملاحظہ ہو فتح الباری: ۸/۵۷۴، قسطلانی: ۱۰/۱۱۷، سیرۃ النبی: ۱/۱۴۹ طبع اول)

اس قسم کی روایات اہل السنّت کی کتابوں میں گھسیڑنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ زہری کور باطن ہے۔ زہری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد کے سخت خلاف تھے، چنانچہ اسی وجہ سے محققین نے اسے رجال شیعہ میں سے لکھا ہے۔ (تتمہ روضات الجنات، ذکر الزہری) زہری کی انہی حرکات کی وجہ سے مولانا پیر قمر الدین سیالوی مرحوم نے بھی ابن شہاب زہری کی بابت اپنی کتاب میں لکھا ہے:

''اب فدک والی روایت میں ایک شخص محمد بن مسلم ہے جس کو ابن شہاب زہری بھی کہتے ہیں۔ صرف یہی راوی یہ روایت کرتا ہے اس کے ساتھ کوئی شاہد نہیں اور یہ ابن شہاب زہری اہل تشیع کی ''اصول کافی'' میں بیسیوں جگہ پر روایتیں کرتا نظر آتا ہے اور اہل تشیع کی ''فروع کافی'' نے تو اس کی روایتوں کے بل بوتے پر کتاب کی شکل اختیار کی ہے۔ تو بھائیو! اہل تشیع کے اس قدر مشہور و معروف کثیر الروایت آدمی کی روایت سے اہل السنّت پر الزام قائم کرنا اور ائمہ صادقین کو جھٹلانا عجیب نظر و فکر ہے۔ اگر اہل تشیع کے راویوں کی روایات اہل السنّت کے لیے قابل توجہ ہوتیں تو پھر بخاری ہو یا کافی کلینی، اس میں کیا فرق تھا۔''

(مذہب شیعہ: مولانا پیر قمر الدین سیالوی: ص ۹۳، لاہور)

زہری بہت بڑا تقیہ باز تھا جو مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری طور سے اپنے آپ کو اہل سنت کہتا تھا، لیکن سنی علمائے رجال نے بھی اسے مرسل، مدلس اور مدرج قرار دیا ہے اور مرسلات زہری کو ''شر المرسلات'' کہا ہے۔ یہ چند سوالات ہیں جو اس روایت کے بارے

Marfat.com

میں کیے جاتے ہیں۔ جو لوگ واقعۂ افک کو درست مانتے ہیں ان کو ان پر ذرا غور کرنا چاہیے۔

ہمارے خیال میں افک ازواج نبی ﷺ میں سے کسی سے بھی متعلق نہیں تھا۔ قرآن حکیم نے اسے مبہم رکھا مگر زہری نے افواہی مضمون کی بنا پر یہ خیال کر کے کہ قرآن کا کچھ تو بیان ہونا چاہیے مبہم افک کو جس کو اللہ تعالیٰ نے خود مبہم رکھا تھا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعلق کر دیا اور ایک طویل داستان مرتب کر کے ان کی اپنی زبانی سے ادا کر دی۔ ہمارے لیے یہ ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہے کہ ہم یہ معلوم کریں کہ آیات افک کس کے متعلق نازل ہوئی تھیں اور نہ ان آیات کے مقتضا پر عمل کرنا یہ معلوم کرنے پر موقوف ہے۔ جو لوگ ان واقعات سے واقف تھے انھوں نے بتلایا نہیں اور جو واقف نہیں تھے وہ سو سال بعد اپنی تاریخی معلومات کی بنا پر قیاساً وظناً ہمیں یقین دلانے لگے کہ یہ آیات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعلق نازل ہوئی تھیں۔ ان کے اس دعوے پر صرف ان کے قول کے سوا ان کے پاس اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ واللہ اعلم!

Marfat.com

غزوۂ احزاب

(شوال ۵ھ)

یہ غزوہ شوال سنہ ۵ھ میں پیش آیا۔ اصحاب سیر کی اکثریت اسی پر متفق ہے۔
(زرقانی: ۱۰۳/۲، فتح الباری: ۳۰۲/۷)

مدینہ کی اسلامی اسٹیٹ میں امن وسکون کی فضا دشمنان اسلام کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ غزوۂ بدر، غزوۂ احد، بنو قینقاع اور بنو نضیر کی جلا وطنی صرف انہی دسیسہ کاریوں، مکرو سازش اور غدر وخیانت کے نتائج تھے جو دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کے خلاف کیں، لیکن ہر طرح کی ناکامی کے باوجود بھی نہ یہود کو چین آیا اور نہ قریش ہی امن وچین سے بیٹھے۔ یہ دونوں گروہ ہر وقت اسی فکر میں رہتے کہ کسی نہ کسی طریقے سے مدینہ کی اسلامی اسٹیٹ کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ اس اسٹیٹ کو تباہ کرنے کی ہر ایک نے الگ الگ کوشش کی لیکن سب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب ایک متحدہ محاذ بنانے کی کوشش کی گئی۔ قریش مکہ اور یہود جب دیکھتے کہ پورے جزیرۂ عرب میں مسلمانوں کے حالات نہایت سازگار ہو گئے ہیں اور گردشِ لیل و نہار نے ان کے نفوذ کو مزید وسعت دے دی ہے اور دور دور تک ان کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا ہے تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے، راتوں کی نیندیں حرام ہو گئیں، وہ صبح و شام اسلامی مملکت کی پامالی کی فکر میں مگن رہتے لیکن کچھ بات بنتی نظر نہ آتی۔

یہودی ذہن شروع ہی سے بہت تیز اور شاطر رہا۔ نبی کریم ﷺ نے بنو نضیر کے یہود کو مدینہ سے جلا وطن کیا، اس میں ان کے بڑے بڑے رؤسا اور سردار خیبر میں چلے گئے جن میں حیی بن اخطب، کنانہ بن ربیع اور ابن ابی الحقیق خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہاں بیٹھ کر

Marfat.com

انھوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک نہایت خوفناک پلان تیار کیا۔

بنونضیر کے بیس سرداراور دانشور قریش کے پاس مکہ گئے اوران کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے کی پلاننگ کی۔ انھوں نے قریش کو اپنے ہر قسم کے تعاون کا پورا پورا یقین دلایا۔ قریش کو ایک ڈھارس دی اور دونوں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگی اقدام کا منصوبہ بنایا۔

یہودیوں کا یہ وفد جو قریش مکہ کے پاس گیا اس میں ان کے یہ اکابر بھی شریک تھے:

(۱) سلام بن ابی الحقیق (۲) سلام بن مشکم

(۳) کنانہ بن ربیع (۴) حیی بن اخطب

ان چاروں کا تعلق قبیلہ بنی نضیر سے تھا، اور بنو وائل کے ہوذہ بن قیس اور ابوعمارہ۔ ان سرکردہ افراد کے علاوہ ابو عامر فاسق بھی اس وفد میں شامل تھا۔ چنانچہ بیس (اور بعض روایات میں چوبیس) افراد پر مشتمل یہ وفد یثرب سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے قریش کو سرکار دو عالم ﷺ کے خلاف جنگ پر مشتعل کرنا شروع کیا اور انھیں ہر ممکن طریقے سے یہ یقین دلایا کہ وہ اس جنگ میں ان کا پورا پورا ساتھ دیں گے یہاں تک کہ اسلام اور پیغمبر اسلامؐ دونوں کو ختم کر کے دم لیں گے۔

یہ وفد سب سے پہلے ابوسفیان سے ملا۔ اس نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا کیونکہ اس کے دل میں پہلے ہی سے بدر واحد کی شکست کی آگ بھڑک رہی تھی۔ ابوسفیان نے ارکان وفد سے کہا کہ ہمارے نزدیک سب سے پسندیدہ لوگ وہ ہیں جو محمد (ﷺ) کے خلاف ہمارے ساتھ عہدو پیمان اور معاہدہ کرتے ہیں۔ یہود ابوسفیان کی اس بات سے بہت خوش ہوئے۔ ابوسفیان سے انھوں نے کہا کہ آپ قریش میں سے پچاس سردار چن لیں اور ان میں ایک آپ بھی ہوں۔ پھر ہم سب جا کر خانہ کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر اور اپنے سینے کعبہ کی دیواروں سے لگا کر وعدہ کریں کہ ہم پیغمبر اسلامؐ کی عداوت میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں گے۔ جب تک ہم میں سے ایک شخص بھی زندہ رہا وہ اسلام کے خلاف جنگ جاری رکھے گا۔ چنانچہ قریش کے پچاس سرداروں اور یہودیوں کے اس وفد نے کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر اور اپنے سینوں کو اس کی دیوار کے ساتھ لگا کر اسلام، مسلمانوں اور پیغمبر اسلام ﷺ کو ختم

Marfat.com

کرنے کا معاہدہ کیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد: ۵۱۲/۴)

یہود نے یہ سب کچھ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں کیا حالانکہ ان کا بیت اللہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ تو تحویل قبلہ پر ہی پریشان تھے، لیکن دشمنی انسانی غوروفکر کی قوتوں اور حق وصداقت کے سوتوں کو بند کردیتی ہے۔

جب یہودی قریش مکہ کو یقین دلانے کے لیے کہ ہم ان کے حامی وناصر ہیں، یہ سب کچھ کر رہے تھے تو ابوسفیان نے یہودیوں سے پوچھا: ''مجھے ایک بات بتاؤ، تم لوگ صاحب علم وفضل اور صاحب کتاب ہو۔ تم جانتے ہو کہ محمد (ﷺ) سے ہم برسرپیکار ہیں۔ ہم کو یہ تو بتاؤ کہ ہم صراط مستقیم پر ہیں یا وہ۔ یہودی وفد جو ان کے علماء اور احبار پر مشتمل تھا اور اس میں دنیوی نشیب وفراز کے ماہرین بھی تھے، انھیں اچھی طرح علم تھا کہ قریش مکہ بت پرست ہیں اور انھوں نے ہمارے جد اعلیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ میں ۳۶۰ بت رکھے ہوئے ہیں جن کی یہ پوجا پاٹ کرتے ہیں جب کہ ان کے مقابلہ میں جناب رسول اللہ ﷺ اور ان کے پیروکار صرف ایک اللہ کو ماننے والے ہیں اور ان کی پیشانیاں صرف ایک رب کی چوکھٹ پر جھکتی ہیں، ان تمام حقائق سے آشنائی رکھتے ہوئے انھوں نے ایک موہوم فائدہ کے لیے اتنا بڑا جھوٹ بولا کہ ۱۵ سو سال گزرنے کے بعد بھی تاریخ اس کو ہضم نہیں کرسکی۔ ان کے انصاف پسند مصنفین نے بھی ان کو ان کے اس بڑے جھوٹ پر انھیں سخت لعن طعن کیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر ولسن (Wilson) نے لکھا ہے:

''جو چیز ہر مومن کے دل کو دکھاتی ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی وہ اس یہودی وفد کی مشرکین مکہ کے ساتھ گفتگو ہے جس میں انھوں نے مکہ کے بت پرستوں کو ان مسلمانوں پر فضیلت دی ہے جو خدائے وحدہ لاشریک پر محکم ایمان رکھتے ہیں۔''

(تاریخ الیہود فی بلاد العرب: ص ۱۴۲)

جب تک یہ دنیا قائم ہے، اہل حق کی محفل میں یہ لوگ اپنی دروغ گوئی کی وجہ سے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کرسکیں گے۔ وہ بولے: ''اے قریش مکہ! تم محمد (ﷺ) سے کہیں زیادہ راہ راست پر قائم ہو اور حق کے دامن کو پکڑے ہوئے ہو کیونکہ تم اس گھر کی تعظیم کرتے ہو۔ (یہ ۳۶۰ بت وہاں رکھنا تعظیم ہے یا توہین؟) حاجیوں کو پانی پلاتے ہو، فربہ اونٹوں

Marfat.com

کو ذبح کرتے ہو اور ان خداؤں کی پوجا پاٹ کرتے ہو جن کی پرستش اور پوجا پاٹ تمھارے آباء واجداد کیا کرتے تھے۔ (سبل الہدیٰ: ۴/۵۱۲، تفسیر کبیر: ۳/۲۳۵)

ابوسفیان بھی کوئی معمولی شخص نہیں تھا۔ وہ بڑا ہوشیار اور کایاں تھا۔ اس نے کہا: ''اے یہودی رئیسو، دانشورو اور ربیو! میں تمھاری بات پر اس وقت تک یقین نہیں کر سکتا جب تک تم ہمارے معبودوں کو سجدہ نہ کرو۔'' اب اپنے دین کے اصولوں کے خلاف صرف قریش مکہ کو یقین دلانے اور اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو گزند پہنچانے کی خاطر وفد کے تمام ارکان نے جن میں ان کے بڑے بڑے علماء بھی شامل تھے، قریش کے بتوں کو سجدہ کیا۔

(شوقی ابوخلیل، الخندق: ص ۶۶)

ان کے اس حرام فعل اور کذب بیانی پر اللہ تعالیٰ نے مہر تصدیق ثبت کر دی:

''کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنھیں کتاب میں سے حصہ دیا گیا اور (اب) وہ اعتقاد رکھنے لگے جبت اور طاغوت پر اور کہتے ہیں ان کے بارے میں جنھوں نے کفر کیا کہ وہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے ہیں۔'' (النساء ۴:۵۱)

چونکہ یہودیوں نے بت پرستوں کو موحدین (مسلمانوں) پر ترجیح دی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی۔ اور لعنت کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دوری۔ ان پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت ہے۔ یہ جہاں کہیں بھی ہوں گے لعنتی رہیں گے اور آخرت میں ان پر زیادہ لعنت ہوگی۔ اس کے برخلاف مومنوں کو قرب خداوندی حاصل ہوگا جو کہ رحمت خداوندی کی ایک فرع ہے۔

قریش مکہ اپنے بارے میں یہود کی اس بات سے بہت خوش ہوئے بلکہ مارے خوشی کے اچھلنے لگے اور انھوں نے کہا کہ وہ اس مہم میں آخری سانس تک ان کا ساتھ دیں گے۔

قریش مکہ کی بات چیت سے مطمئن ہو کر یہود کے یہ سردار اور دانشور بنو غطفان کے پاس گئے اور انھیں بھی مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار کیا اور ان کو یہ لالچ دیا کہ خیبر کے نخلستانوں میں جس قدر کھجوریں پیدا ہوں گی، اس کا نصف حصہ ہر سال آپ لوگوں کو دیا جائے گا۔ یہ پیش کش سن کر عیینہ بن حصن فزاری بھی مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کے لیے

Marfat.com

تیار ہو گیا۔ بنو غطفان سے مطمئن ہو کر یہی لوگ باقی قبائل عرب میں بھی گئے اور انھیں مسلمانوں کے خلاف اس متحدہ محاذ میں شامل ہونے کی دعوت دی اور ان میں سے بہت سے قبائل نے ان کو اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ اس طرح یہودی سیاست دانوں نے پوری کامیابی کے ساتھ کفر کے بڑے بڑے گروہوں کو اسلام اور اس کی دعوت کے خلاف بھڑکایا اور انھیں جنگ کے لیے تیار کر کے متحدہ محاذ میں شمولیت پر راضی کر لیا۔

اب ایک طے شدہ پروگرام کے تحت جنوب سے قریش، کنانہ اور تہامہ میں آباد حلیف قبائل ابوسفیان کے پاس آئے اور چار ہزار کا یہ لشکر مرالظہران پہنچا۔ یہاں پر بنو سلیم اس لشکر میں شامل ہوئے۔ مشرق کی طرف سے بنو غطفان کے قبائل فزارہ، مرہ اور اشجع عیینہ بن حصن، حارث بن عوف اور مسعر بن رحیلہ کی زیر قیادت یہاں پہنچ گئے۔ ان کے علاوہ بنو اسد اور دیگر قبائل کے بھی بہت سے آدمی اس لشکر میں آ کر شامل ہو گئے۔ اس لشکر کی مجموعی تعداد دس ہزار ہو گئی اور ایک طے شدہ پروگرام کے تحت اس نے مدینہ کی اسلامی سلطنت کو تاخت و تاراج کرنے کے لیے مدینہ کا رخ کیا۔ یہ اتنا بڑا لشکر تھا کہ مسلمانوں نے اس سے قبل اتنا بڑا لشکر کبھی دیکھا نہیں تھا اور نہ ان کے وہم و گمان میں ہی تھا کہ عرب کے قبائل اس طرح متحدہ محاذ بنا کر ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔

مشرکین اور یہود کی اس مشترکہ پلاننگ سے مدینہ کی بیدار مغز اور چوکس قیادت غافل نہیں تھی، ان کی انگلیاں ہمیشہ حالات کی نبض پر رہتی تھیں اور وہ حالات کے ہر قسم کے نشیب و فراز سے نمٹنے کے لیے مناسب ترین قدم اٹھاتے تھے۔ چنانچہ جب اس لشکر کی حرکات کے بارے میں آپ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے مدینہ کی ہائی کمان کی مجلس مشاورت طلب کی اور مدینہ کے دفاعی منصوبے کے لیے غور و خوض کیا۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ عرب کے کئی قبائل مجتمع ہو کر قریباً دس ہزار کی تعداد میں مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ یہ اتنا بڑا لشکر ہے کہ مدینہ کی کل آبادی بھی اس کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ اس وجہ سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا دفاعی نقطۂ نظر سے مفید نہیں، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مدینہ کے گرد خندق کھود کر اور شہر کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کو بالاتفاق منظور کر لیا گیا۔

Marfat.com

ایران کے لوگ جب دیکھتے کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ شہر پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو وہ اپنے دفاع کے لیے خندق کھودنے کا یہ دفاعی منصوبہ بنایا کرتے تھے۔ عرب اس منصوبے سے بالکل ناآشنا تھے، لیکن یہ منصوبہ سب کو پسند آیا۔ مدینہ کے اردگرد خندق کھودنے کا کام شروع کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے خندق کی حدود خود قائم فرمائیں اور خط کھینچ کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرما دی۔ خندق اس قدر گہری کھودی گئی کہ نیچے سے تری نکل آئی اور اتنی جلدی کھودی گئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چھ روز میں خندق کھود کر فارغ ہو گئے۔ (فتح الباری: ۳۰۵/۷، طبقات ابن سعد: ۴۸/۲)

بعض حضرات نے یہ مدت بیس روز لکھی ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ (زرقانی: ۱۱۰/۲)

خندق کی کھدائی کا افتتاح خود پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے کدال دست مبارک میں لے کر زمین پر ماری اور یہ کلمات آپ ﷺ کی زبان مبارک پر تھے:

بسم الله وبه بدينا
ولو عبدنا غيره شقينا
حبذا ربا و حبذا دينا

یعنی ”بنام خدا ہمارے کام کا آغاز اسی ذات کے نام سے ہوتا ہے اور اگر ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت کریں تو نہایت بدبخت اور بدنصیب ہیں۔ وہ کیسا اچھا رب ہے اور کیسا اچھا دین ہے۔“ (فتح الباری: ۳۰۴/۷، روض الانف: ۱۸۹/۲)

سخت سردی کا موسم تھا۔ ہر طرف سرد ہوائیں چل رہی تھیں۔ کپڑے پھٹے ہوئے، پیٹ میں بھوک بلکہ کئی کئی دن کا فاقہ، لیکن یہ درویش صفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت لگن اور ذوق کے ساتھ خندق کی کھدائی میں مصروف تھے۔ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کدالوں سے مٹی کھودتے اور کچھ اٹھا اٹھا کر باہر لاتے، لیکن ہر ایک کی زبان پر یہ کلمات تھے

نحن الذين بايعوا محمدا
على الجهاد ما بقينا ابدا

”ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمد ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے۔ جب

Marfat.com

تک جسم میں جان ہے ہم کافروں سے جہاد کرتے رہیں گے۔"

سرکار دو عالم ﷺ جب ان کے منہ سے یہ کلمات سنتے تو جواب میں یہ ارشاد فرماتے ۔

الـلهم لاعيش الاعيش الآخرة
فـاغـفـر الانـصـار والمهاجرة

"اے اللہ! بے شک زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے۔ پس تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔"

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو دیکھا کہ خندق سے مٹی ڈھوڈھو کر لا رہے ہیں۔ گرد و غبار سے آپ ﷺ کا جسم اَٹ گیا۔ میں نے اسی حالت میں آپ ﷺ کو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ رجزیہ کلمات کہتے ہوئے سنا۔ آپ مٹی ڈھوتے جاتے اور یہ کلمات کہتے جاتے:

الـلهـم لـو لا انت ما اهتدينا
ولا تـصـدقـنـا ولا صـلينـا
فـانـزلـن سـكـينـة عـلينـا
وثبـت الاقـدام ان لاقيـنـا
ان الالـى قـد بـغـوا عـلينا
اذا اردوا فتـنـة ابيـنـا

(۱) اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔

(۲) پس تو ہم پر سکون و اطمینان نازل فرما۔ اور اگر دشمن سے ٹکراؤ ہو جائے تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔

(۳) ان لوگوں نے ہم پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اگر وہ ہمیں فتنہ میں ڈالنا چاہیں گے تو ہم ہرگز سرنگوں نہ ہوں گے۔ (بخاری: ۱/۳۹۷، ۲/۵۸۸-۵۸۹)

اِدھر دشمن کے لشکر کے پہنچنے کی خبریں برابر آرہی تھیں اور اُدھر مسلمان نہایت گرم جوشی اور وجدانی کیفیت کے ساتھ دن رات خندق کھود رہے تھے تاکہ دشمن کے پہنچنے تک خندق

Marfat.com

کی تکمیل ہو جائے، لیکن دوسری طرف بھوک کی شدت نے بھی نڈھال کر رکھا تھا اور سردی کی شدت بھی اپنی انتہا کو تھی۔ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خندق کی کھدائی کے دوران ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی بھوک کا شکوہ کیا اور اپنے پیٹ کھول کر ایک ایک پتھر دکھایا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا پیٹ کھول کر دو پتھر دکھلائے۔ (مشکوۃ:۲/۴۴۸ رواہ الترمذی)

اسی سلسلے میں امام بخاری نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے خندق کی کھدائی کے دوران دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ کے چہرہ مبارک پر بھوک کے آثار واضح ہیں، تو انھوں نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور ان کی بیوی نے ایک صاع (قریباً ایک کلو) جو پیسا۔ کھانا چونکہ کم تھا لہٰذا نہایت رازداری کے ساتھ آپ ﷺ سے عرض کی کہ "اے جانِ دو عالمؐ! چند مخصوص ساتھیوں کے ساتھ تشریف لا کر میرے غریب خانہ پر کچھ تناول فرمالیں۔" سرکار دو عالم ﷺ نے تمام اہلِ خندق کو جن کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی ساتھ لیا اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ گھر والے اتنے حضرات دیکھ کر پریشان تو ہوئے، لیکن جب حضور ﷺ ساتھ تھے تو غم کس بات کا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ایک ہزار آدمی نے اس تھوڑے سے کھانے سے پیٹ بھر کر کھالیا۔ پھر بھی سالن کی ہنڈیا بھری کی بھری رہی اور گوندھا ہوا آٹا بھی اسی طرح رہا۔ یعنی ان دونوں میں کوئی کمی نہ ہوئی۔

(بخاری:۲/۵۸۸)

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے کہ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ خندق کے پاس دو مٹھی کھجوریں لے کر آئیں تاکہ اس کے ابا اور ماموں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو جو کئی دنوں سے بھوکے تھے، دوں، لیکن جب وہ سرکار دو عالم ﷺ کے پاس سے گزریں تو آپ ﷺ نے اس سے وہ کھجوریں لے لیں اور ایک کپڑا بچھا کر اس پر بکھیر دیں۔ پھر اہلِ خندق کو دعوت دی۔ اہلِ خندق انھیں کھاتے گئے یہاں تک کہ سارے اہل خندق کھا کھا کر چلے گئے اور کھجوریں تھیں کہ کپڑے کے کناروں سے باہر گر رہی تھیں۔ (وانه لسيقط من اطراف الثوب) (ابن ہشام:۲/۲۱۸)

مجاہدین اسلام جب خندق کھود رہے تھے تو ایک چٹان نما سخت ٹکڑا ظاہر ہوا۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ یہ سخت پتھر نما ٹکڑا خندق کی کھدائی میں آڑے آ گیا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے

Marfat.com

فرمایا: ٹھہرو، میں اتر رہا ہوں۔ جب آپ ﷺ اٹھے تو آپ ﷺ کے شکم پر ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ ہم نے بھی تین دن سے کچھ نہ چکھا تھا۔ پھر سرور کائنات ﷺ نے کدال پکڑ کر اس چٹان پر ماری تو وہ دفعتاً ایک تودۂ ریت بن گئی۔ (بخاری: ۵۸۸/۲)

یہ تو بخاری کی روایت ہے، سنن نسائی اور مسند احمد میں سیدنا براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خندق کی کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آ گئی۔ ہم اس پر کدال مارتے تھے تو وہ اچٹ جاتی تھی۔ ہم نے بارگاہ رسالتؐ میں عرض کی، آپ ﷺ تشریف لائے، کدال لی اور بسم اللہ پڑھ کر پہلی کدال ماری تو وہ چٹان ایک تہائی ٹوٹ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ بخدا! میں شام کے سرخ محلوں کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

اس کے بعد دوسری ضرب لگائی تو دوسرا تہائی ٹکڑا ٹوٹ کر گرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! ملک فارس کی کنجیاں مجھ کو عطا کی گئیں، بخدا! مدائن کے قصر ابیض کو میں اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسری بار آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر ضرب لگائی تو باقی ماندہ چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ پھر فرمایا: اللہ اکبر! ملک یمن کی کنجیاں مجھے دی گئی ہیں، بخدا! میں صنعاء کے دروازوں کو اپنی آنکھوں سے اس جگہ کھڑا دیکھ رہا ہوں۔

(فتح الباری: ۳۰۴/۷۔۳۰۵، نسائی: ۵۶/۲)

مدینہ طیبہ کی دفاعی پوزیشن کچھ ایسی تھی کہ جانب شمال کے علاوہ باقی اطراف سے چٹانوں، پہاڑوں اور کھجوروں کے باغات سے گھرا ہوا تھا۔ اور اس پر یورش صرف شمال کی جانب ہی سے ہو سکتی تھی۔ اس وجہ سے سرکار دو عالم ﷺ نے خندق صرف شمال کی جانب ہی کھدوائی۔

ابن ہشام نے نقل کیا ہے کہ کھدائی کا کام صرف دن کو ہوتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دن بھر کھدائی کرتے اور شام کو گھر لوٹ جاتے، یہاں تک کہ قریش کے لشکر کے مدینہ کی دیواروں تک پہنچنے سے پہلے پوری خندق کی کھدائی کا کام مکمل ہو گیا۔

مسلمان خندق کی کھدائی سے فارغ ہوئے تو قریش اور دیگر قبائل کا متحدہ ۱۰ ہزار کا لشکر جرار مدینہ کی حدود میں پہنچ گیا۔ قریش کا اپنا لشکر تو چار ہزار افراد پر مشتمل تھا اور غطفان اور

Marfat.com

دوسرے نجدی قبائل چھ ہزار کی تعداد میں تھے۔ یہ دس ہزار کا لشکر احد کے مشرقی کنارے ذنب نقمی میں خیمہ زن ہوا۔ قرآن حکیم نے کہا ہے کہ اہل ایمان نے جب اس لشکر کو دیکھا تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوا۔ اللہ کے وعدوں پر ایمان زیادہ ہوا اور منافقین اور کمزور دل لوگوں نے اس لشکر جرار کو دیکھا تو کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ صرف ایک فریب تھا۔ (۱۲،۲۲:۳۳)

سرکار دو عالم ﷺ نے اس دس ہزار کے مقابلے میں تین ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا اور کوہ سلع کی طرف پشت کر کے قلعہ بندی کی شکل اختیار کر لی۔ اب حالت یہ تھی کہ فریقین کے مابین خندق حائل تھی۔ یعنی ایک طرف مسلمان تھے اور دوسری طرف کافر اور درمیان میں خندق تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ میں محفوظ ہو جانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ مدینہ کا انتظام سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا اور خود دشمن کے سامنے اپنی فوج کے ساتھ کوہ سلع کے دامن میں تشریف لے گئے۔ یہ وقت مسلمانوں کے لیے نہایت سخت اور آزمائش کا تھا۔ خود قرآن حکیم نے اس کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا ہے:

> ''مسلمانو! یاد کرو، اس وقت کو جب دشمن تمھارے سر پر آ پہنچا تھا اوپر کی جانب سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی اور نگاہیں خیرہ ہو گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کیے جانے لگے۔ اس جگہ اہل ایمان آزمائے گئے اور خوب آزمائے گئے۔''

قریش اور دوسرے قبائل کا یہ اتحادی لشکر راستے میں معلوم نہیں کیا کیا منصوبے بنا کر آیا تھا کہ جاتے ہی یک بارگی حملہ کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں گے، لیکن جب یہاں پہنچے تو انھوں نے اپنے اور اہل مدینہ کے درمیان ایک وسیع اور گہری خندق حائل دیکھی۔ سخت پریشان ہوئے، ان کے وہم و گمان میں بھی مسلمانوں کی یہ دفاعی پلاننگ نہ تھی، کیونکہ جزیرہ نما عرب میں خندق کا یہ دفاعی منصوبہ نہ تھا، لہٰذا اس خندق کو دیکھ کر سخت پریشان ہوئے۔ اب دشمن کے فوجی خندق کے پاس آ کر اس کے چکر لگانے لگے، وہ غصے سے اپنے دانت پیس رہے تھے کیونکہ ان کے حملہ کرنے کے سارے منصوبے مسلمانوں کی اس شاندار دفاعی منصوبہ بندی سے

Marfat.com

خاک میں مل گئے تھے۔ دوسری طرف مسلمان بھی دشمن کے سپاہیوں کی ہر نقل و حرکت پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے اور جب بھی دشمن کا کوئی سپاہی خندق کے قریب آنے کی کوشش کرتا تو اس پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی جاتی تاکہ نہ تو کود کے اس کو عبور کر سکیں اور نہ مٹی ڈال کر اس میں سے آنے کا راستہ بنا سکیں۔ اب دشمن کے لیے سوائے مدینہ کا محاصرہ کرنے کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا۔

نبی کریم ﷺ نے جب بنو نضیر کو مدینہ سے جلاوطن کیا تھا تو بنو قریظہ سے آپ نے تجدید معاہدہ کیا تھا کیونکہ ان کی کارروائیاں بھی بہت حد تک مشکوک تھیں۔ اس وجہ سے بنو قریظہ کے یہودی مشرکین کے اس لشکر سے الگ تھلگ تھے، لیکن قریش کو اس حملے پر جن لوگوں نے اکسایا اور جنھوں نے ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا وہ بھی بنو نضیر کے یہودی تھے جو ایک سال قبل مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر میں ڈیرے لگائے ہوئے تھے اور اب اس لشکر کے ساتھ اپنے آدمی لے کر آئے ہوئے تھے اور اب یہ سانپ اپنی دسیسہ کاریوں سے مسلمانوں کے جسم میں اپنا زہر اتارنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ چنانچہ خندق کی وجہ سے باہر سے تو بڑا حملہ ہونا ناممکن تھا لہٰذا منصوبہ یہ بنایا کہ مدینہ کے اندر سے بغاوت کی آگ بھڑکائی جائے۔ اس لیے بنو قریظہ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی گئی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے بنو نضیر کا سردار حیی بن اخطب خود بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا۔ کعب نے حیی کو آتے دیکھ کر دروازہ بند کر لیا کیونکہ وہ مسلمانوں سے یہ معاہدہ کیے ہوئے تھا کہ وہ بیرونی حملے کی صورت میں آپ ﷺ کی مدد کرے گا۔ حیی نے دستک کے ساتھ آواز بھی دی کہ دروازہ کھولو۔ کعب نے جواب دیا: ''حیی! افسوس ہے تم پر، تم بلاشبہ ایک منحوس آدمی ہو۔ میں محمد ﷺ سے معاہدہ کر چکا ہوں۔ میں اب اس عہد کو ہرگز نہیں توڑوں گا کیونکہ میں نے آپ ﷺ میں سچائی اور ایفائے عہد کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔''

حیی نے جواب دیا:

''کعب تم دروازہ کھولو، میں تمھارے لیے دائمی عزت کا سامان لایا ہوں۔ قریش اور بنو غطفان کی فوجوں کا بحر بے کراں لے کر آیا ہوں۔ میں نے قریش کو اس کے سرداروں اور قائدین کے ساتھ مجمع الاسیال میں اتار دیا ہے۔ ان لوگوں نے مجھ

Marfat.com

سے عہد و پیمان کیا ہے کہ جب تک وہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا مکمل استیصال اور قلع قمع نہ کر دیں گے اس وقت تک یہاں سے ہرگز نہ جائیں گے۔"

کعب نے کہا:

"خدا کی قسم! تم ہمیشہ میرے پاس ذلت و رسوائی اور فوجوں کا برستا ہوا بادل لے کر آئے ہو جو صرف گرج اور چمک رہا ہے، لیکن اس میں کچھ رہ نہیں گیا ہے۔ لہٰذا تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، میں کبھی عہد و پیمان کو نہیں توڑوں گا کیونکہ میں محمد ﷺ سے سچائی اور ایفائے عہد کے سوا اور کچھ نہیں پاتا۔"

لیکن بالآخر حیی بن اخطب نے اپنے پیہم اصرار سے کعب بن اسد قرظی کو رام کر لیا۔ البتہ اس مقصد کے حصول کے لیے اسے کعب سے یہ عہد و پیمان کرنا پڑا کہ "اگر قریش اور اتحادی فوجوں نے محمد ﷺ کو ختم کیے بغیر واپسی کی راہ اختیار کی تو میں بھی تمھارے ساتھ تمھارے قلعہ میں داخل ہو جاؤں گا، پھر جو انجام تمھارا ہوگا وہی میرا ہوگا۔"

حیی کے اس پیمان کے ساتھ کعب بن اسد نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا ہوا عہد توڑ دیا اور مشرکین کی طرف سے جنگ میں شریک ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو جب اس ساری کارروائی کی اطلاع ملی تو آپ نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کو تحقیقِ حال کے لیے بنو قریظہ کے پاس بھیجا اور ان حضرات کو یہ بھی فرمایا کہ اگر یہ خبر صحیح نکلے تو وہاں سے واپس آ کر اس خبر کو ایسے مبہم الفاظ میں بیان کرنا کہ لوگ سمجھ نہ سکیں اور اگر غلط ہو تو پھر علی الاعلان بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس سے حضور ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ لوگ کہیں حوصلہ نہ ہار بیٹھیں۔ اس نازک وقت میں اس خبر کی تحقیق نہایت ضروری تھی تاکہ اس کی روشنی میں پھر دفاعی اقدام میں تبدیلی کی جا سکے۔

یہ سب حضرات جب بنو قریظہ گئے اور کعب بن اسد کو مل کر اس کو معاہدہ یاد دلایا تو وہ انتہائی خباثت پر اتر آیا۔ اس نے گالیاں بکیں، رسول اللہ ﷺ کی توہین کی اور کہنے لگا، اللہ کا رسول کون اور کون سا معاہدہ، ہمارا ان سے کوئی معاہدہ نہیں۔ یہ سن کر یہ حضرات واپس آ گئے اور رسول اللہ ﷺ سے صرف اتنا کہا عضل اور قارہ۔ یعنی جس طرح ان دو قبیلوں نے اصحاب

Marfat.com

رجیع کے ساتھ بدعہدی کی تھی، اسی طرح انھوں نے بھی بدعہدی اور پیمان شکنی کی ہے۔

(زرقانی: ۲/۱۱۱، ابن ہشام: ۲/۲۲۱۔۲۲۲، عیون الاثر: ۲/۹۱۔۹۲)

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اکبر! مسلمانو! خوشخبری ہو۔'' مسلمان اس وقت انتہائی نازک صورت حال سے دوچار تھے۔ عقب میں بنو قریظہ تھے جن کے حملہ کو روکنے کے لیے مسلمانوں کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی، پھر مسلمان عورتیں اور بچے جو کسی حفاظتی انتظام کے بغیر بنو قریظہ کے یہودیوں کے بالکل قریب تھے، سامنے دس ہزار کا لشکر جرار خشم گیں نگاہوں سے مسلمانوں کو دیکھ رہا تھا۔ سخت سردی کی راتیں اور کئی کئی دن کا فاقہ، لیکن اللہ کا پیغمبرؐ پھر بھی انھیں خوشخبری سنا رہا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ خبر سن کر اور مسلمانوں کی کیفیت دیکھ کر آپ ﷺ نے اپنا سر اور منہ کپڑے سے ڈھانک لیا اور دیر تک چت لیٹے رہے، اب اس کیفیت کو دیکھ کر مسلمانوں کے اضطراب میں کچھ اضافہ ہوا، لیکن اس کے بعد آپ ﷺ اٹھے، اللہ اکبر کہا اور فرمایا: مسلمانو! اللہ کی مدد اور فتح کی خوشخبری سن لو۔ پھر آپ ﷺ نے آئندہ کے لیے اپنا دفاعی پروگرام بنایا تاکہ ان پیش آمدہ حالات سے اچھی طرح نمٹا جا سکے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سب سے پہلے مدینہ کی نگرانی کے لیے محافظ بھیجے تاکہ یہود عورتوں اور بچوں کی طرف سے ہمیں غافل دیکھ کر حملہ نہ کر دیں۔

اس بارے میں دوسرا اقدام آپ ﷺ نے یہ سوچا کہ اتحادی فوجوں کے اتحاد میں دراڑ پیدا کر کے ان کی قوت کو کم کیا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے یہ سوچا کہ غطفان کے دونوں سرداروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف سے مدینہ کے نخلستان کی ایک تہائی پیداوار دے کر مصالحت کر لی جائے تاکہ یہ دونوں سردار اپنے اپنے قبائل کو لے کر واپس چلے جائیں اور مسلمانوں کو اس محاصرہ سے نجات مل جائے۔ چنانچہ آپ نے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ تجویز رکھی۔ دونوں نے بیک زبان ہو کر عرض کیا: ''یارسولؐ اللہ! اگر تو یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے تو پھر بلا چوں و چرا سرِ تسلیم خم ہے۔ اور اگر صرف ہماری خاطر ایسا کیا جا رہا ہے تو ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''صرف تمھاری خاطر یہ سب کچھ کرنا چاہتا ہوں اس لیے کہ عرب نے متفق و متحد ہو کر ایک کمان سے تم پر تیر اندازی شروع کی ہے، اس طریق سے میں ان کی اجتماعی قوت کو توڑنا چاہتا ہوں۔''

Marfat.com

قبیلۂ اوس کے رئیس سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسولؐ اللہ! جب ہم اور یہ کافر اور مشرک تھے، بتوں کی پرستش کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کو نہ جانتے تھے اور نہ مانتے تھے، اس وقت بھی ان کی یہ مجال نہ تھی کہ ہم سے کھجور کا ایک دانہ بھی لے سکیں مگر یہ کہ مہمانی کے طور پر یا خرید کر۔ اور اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایمان کی لازوال اور بے مثال نعمت سے سرفراز فرمایا ہے اور ہدایت اور اسلام سے ہم کو عزت بخشی ہے تو اب ہم ان کو اپنا مال کیوں دیں؟ یہ ناممکن ہے۔ اللہ کی قسم! انھیں اپنا مال دینے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ بخدا! ہم ان کو سوائے تلوار کے اور کچھ نہ دیں گے۔ ان سے جو ہو سکتا ہے وہ کر گزریں۔'' سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تائید کی۔ اس بارے میں صلح کی جو تحریر لکھی گئی تھی، سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے وہ نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک سے لے کر اس کی تمام عبارت مٹا دی۔ (ابن ہشام: ۲/۲۲۳، عیون الاثر: ۲/۹۱)

قریباً مدینہ کے محاصرہ میں دو ہفتے گزر گئے۔ ادھر خندق کے پار بیٹھے ہوئے قریشی شہسواروں کو یہ صورت گوارا نہ تھی کہ خندق کے پاس جنگ کے نتائج کے انتظار میں بے فائدہ بیٹھے رہیں۔ ان کے ذہنوں میں مسلمانوں کو ختم کرنے کی ہوا بھری ہوئی تھی۔ یہ جو کچھ ہو رہا تھا ان کی شان اور عادت کے خلاف تھا۔ وہ تو اپنے بدر کے مقتولوں کا بدلہ جلد از جلد لینا چاہتے تھے لیکن یہاں انھیں انتظار کرنا پڑ رہا تھا۔ جب سے آئے تھے کوئی مقابلہ یا دست بدست لڑائی کی نوبت نہیں آئی تھی۔ صرف کبھی کبھی طرفین میں تیر اندازی ہوتی رہی۔ بالآخر قریش کے چند سوار عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب، ضرار بن خطاب اور نوفل بن عبداللہ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے جب خندق کے پاس پہنچے تو کہا: ''خدا کی قسم، یہ مکر و فریب اس سے پہلے عرب میں نہ تھا۔'' ایک مقام سے خندق تنگ تھی وہاں سے اس کو پار کر لیا اور ان کے گھوڑے خندق اور سلع کے درمیان چکر کاٹنے لگے۔ ادھر سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ خندق کے اس مقام پر پہنچے جہاں سے انھوں نے گھوڑے کدائے تھے، اس مقام کو اپنے قبضہ میں لے کر ان کی واپسی کا راستہ بند کر دیا۔ اس پر عمرو بن عبدود نے جو جنگ بدر میں زخم کھا کر گر گیا تھا، سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا، مقابلے کے لیے آواز دی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے اور ایک ایسا فقرہ چست کیا کہ وہ طیش میں آ کر گھوڑے سے کود پڑا، اس کی کوچیں کاٹیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دو بدو مقابلہ میں آ گیا۔ یہ بڑا

Marfat.com

بہادر اور شہ زور تھا، عرب اس کی بہادری کی مثالیں دیا کرتے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''عمرو! میں تجھ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلاتا ہوں اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔'' عمرو نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اچھا تو پھر میں تم کو لڑائی کی دعوت دیتا ہوں۔ عمرو بن عبدود نے کہا: ''برخوردار! تم ابھی کمسن ہو اپنے سے بڑے کو میرے مقابلہ کے لیے بھیجو، میں تمھارے قتل کو پسند نہیں کرتا۔'' کیونکہ عمرو کی عمر اس وقت نوے سال سے متجاوز تھی۔ لیکن دم خم وہی جوانوں والا تھا (زرقانی) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لیکن میں تمھارے قتل کو پسند کرتا ہوں۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ جملہ سن کر عمرو بن عبدود کو طیش آ گیا اور اس نے آگے بڑھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر وار کیا۔ دونوں میں زوردار ٹکر ہوئی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر معمولی سا زخم بھی آ گیا۔ بالآخر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس پر ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کا کام تمام ہو گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ نصرت خداوندی آ گئی ہے۔ (روض الانف: ۱۹۱/۲)

بعض کتابوں میں ہے کہ جونہی عمرو بن عبدود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تلوار خارا شگاف سے لقمۂ اجل بن کر فرش پر مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا تو اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے ؎

نـصر الحجارة من سفارة رائيه

ونـصـرتُ رب محمدٍ بصواب

عمرو بن عبدود نے اپنی حماقت کے باعث پتھروں کی مدد کی اور میں نے عقل و ہوش سے کام لیتے ہوئے محمد (ﷺ) کے پروردگار کی مدد کی۔

فصدوتُ حين تركته متجدلاً

كـالجذع بين دكادكٍ و روائی

پس میں وہاں سے اس حالت میں نکلا کہ میں نے اسے نرم ریت کے ڈھیروں اور ٹیلوں میں درخت کے مُڈھ کی طرح مٹی میں لت پت چھوڑا۔

ولا تـحسبـن الله خاذل دينه

ونبيـه يـا معشـر الاحـزاب

Marfat.com

اے مشرکوں کے گروہ! تم ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین اور اپنے نبیؐ کو بے یارومددگار چھوڑ دے گا۔

اس واقعہ کے بعد ایک ماہ تک کفار محاصرہ کیے رہے لیکن پھر کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اللہ کے شیروں کے کچھار کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

(الاکتفاء فی مغازی رسول اللہ وثلاثۃ خلفاء:۱۲۹/۲، سلیمان بن موسیٰ)

نوفل بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ کے قتل کے ارادے سے آگے بڑھا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ خندق کو پھلانگتے ہوئے خندق میں گر پڑا اور مر گیا۔ دشمن نے اس کی لاش لینے کے لیے دس ہزار درہم کی پیش کش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ بھی ناپاک تھا اس کی دیت بھی خبیث اور ناپاک ہے، ہمیں نہ دس ہزار کی ضرورت ہے اور نہ اس کی لاش کی۔ لہٰذا بلا معاوضہ اس کی لاش ان کو دے دی۔ (زرقانی:۱۱۴/۲)

اس کے بعد مشرکین نے کئی بار اس خندق کو پار کرنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے ہر دفعہ انھیں اس کام سے دور رکھا، اپنے تیروں سے ان کا اس طرح مقابلہ کیا کہ ان کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔ ان مقابلوں کے دوران سرکار دو عالم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بعض نمازیں قضا ہو گئیں۔ (بخاری:۵۹۰/۲)

ان نمازوں کے قضا ہونے کا آپؐ کو اس قدر افسوس ہوا کہ آپؐ نے مشرکین کے لیے بددعا کی۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جس طرح انھوں نے ہم کو نماز وسطیٰ کی ادائیگی سے مشغول رکھا، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔'' (بخاری:۵۹۰/۲)

امام نووی کے مطابق محاصرہ کے دوران مختلف دنوں میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں قضا ہوئیں۔ (نووی شرح مسلم:۲۲۷/۱)

خندق نے مسلمانوں کا بہت بڑا دفاع کیا کیونکہ مشرکین کے لیے خندق کو پار کرنا مشکل تھا۔ اس وجہ سے دونوں طرف سے کبھی کبھی تیر اندازی ہوتی تھی۔ اس تیر اندازی سے فریقین کے چند آدمی مارے گئے۔ ایک روز اسی تیر اندازی میں ایک تیر سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حلق میں آ کر لگا جس سے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو گئے۔ یہ تیر حبان بن عرقہ قریشی مشرک نے مارا تھا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے زخمی ہونے کے بعد بارگاہ الوہیت میں یہ دعا کی:

Marfat.com

”اے اللہ تو بخوبی جانتا ہے کہ جس قوم نے تیرے رسولؐ کی تکذیب کی اور انھیں ان کے شہر سے نکال باہر کیا، ان سے تیری راہ میں جہاد کرنا مجھے اس قدر محبوب ہے، اتنا کسی اور قوم سے محبوب نہیں۔ اگر قریش کی لڑائی کچھ باقی رہ گئی ہے تو مجھے ان کے لیے باقی رکھ کہ میں تیری راہ میں جہاد کروں اور اگر تو نے اس جنگ کو ختم کر دیا ہے تو اس زخم کو میری موت کا ذریعہ بنا دے اور اس وقت تک مجھے موت نہ دے جب تک کہ بنوقریظہ کی ذلت ورسوائی سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔“

(ابن ہشام: ۲/۲۲۷، بخاری: ۲/۵۹۱)

اب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نصرت کے لیے مختلف اسباب فراہم کیے۔ نبی اکرم ﷺ اتحادی فوجوں میں اختلاف پیدا کر کے ان کی جمعیت کو توڑنا چاہتے تھے، جب سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے نخلستان کا تہائی نہ دینے کا اظہار کیا تو اب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے ایک نئی صورت یہ پیدا کر دی کہ بنوغطفان کے رئیس نعیم بن مسعود اشجعی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ”یارسولؐ اللہ! میں آپ ﷺ پر ایمان لایا ہوں، لیکن میری قوم کو میرے ایمان لانے کا کوئی علم نہیں، لہٰذا مجھے کوئی حکم فرمائیں جو اس وقت مسلمانوں کے لیے فائدہ مند ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم کوئی ایسی تدبیر کرو جس سے یہ حصار ختم ہو۔ فرمایا: تم ایک تجربہ کار آدمی ہو، لہٰذا کوئی ایسی کوشش کرو کہ یہ متحدہ محاذ ختم ہو اور بنوقریظہ نے جو ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے، اس میں دراڑ پیدا ہو اور وہ قریش کے متحدہ لشکر کی امداد سے دست کش ہو جائے۔ نعیم اسی وقت اٹھ کر بنوقریظہ کے پاس گئے۔ ان سے ان کے بڑے گہرے روابط تھے۔ انھوں نے بنوقریظہ سے کہا کہ تمھیں معلوم ہے کہ میں تم لوگوں کا ہمیشہ خیر خواہ رہا ہوں اور مجھے آپ لوگوں سے ایک خصوصی تعلق ہے۔ انھوں نے ان گہرے روابط کا اعتراف کیا۔ نعیم نے کہا، پھر غور سے سنئے کہ قریش کا معاملہ آپ لوگوں سے مختلف ہے، یہ علاقہ آپ کا اپنا ہے۔ آپ کا گھر بار، مال ودولت اور بال بچے ہیں، آپ ان سب کو چھوڑ کر کہیں اور نہیں جا سکتے، مگر قریش، غطفان اور ان کے حلیف اور اتحادی قبائل محمد (ﷺ) سے جنگ کرنے کے لیے آئے تو آپ نے محمد ﷺ کے خلاف ان کا ساتھ دیا۔ ان کا یہاں کچھ نہیں اور نہ وہ یہاں کے رہنے والے ہیں، لہٰذا اگر مناسب ہوا تو وہ کوئی اہم قدم اٹھائیں گے

Marfat.com

ورنہ بوریا بستر باندھ کر چلے جائیں گے۔ پھر آپ لوگ ہوں گے اور محمد ﷺ ، لہٰذا پھر مسلمان جیسا چاہیں گے آپ لوگوں سے انتقام لیں گے۔ نعیم کی یہ بات سن کر بنوقریظہ چونکے اور کہا کہ اب کیا کیا جائے؟ ہم سے تو واقعی بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔ ہم نے بغیر سوچے سمجھے یہ فیصلہ کر دیا۔ اب اس کا کیا علاج ہے؟ نعیم نے کہا: دیکھیے، آپ اتحادی فوجوں سے کہیں کہ جب تک تم اپنے کچھ آدمی یرغمال اور ضمانت کے طور پر ہمیں نہیں دو گے ہم اس وقت تک تمھارے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ بنوقریظہ نے نعیم کی اس رائے کو بہت پسند کیا۔

بنوقریظہ سے یہ بات کرنے کے بعد نعیم سیدھے قریش کے پاس پہنچے اور ان سے کہا جو خیر خواہی اور محبت مجھے آپ لوگوں سے ہے اس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ انھوں نے اعتراف کیا کہ یہ بات بالکل درست ہے۔ نعیم نے ان کو اپنے اعتماد میں لیتے ہوئے کہا کہ یہود نے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے پیمان شکنی کی ہے اس پر وہ سخت نادم ہیں۔ اب ان میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ وہ آپ کے کچھ آدمی بطور یرغمال لے کر محمد ﷺ کے حوالے کر دیں۔ اس طرح سے وہ محمد ﷺ کے ساتھ اپنا معاملہ استوار کر لیں گے، لہٰذا اگر بنوقریظہ آپ سے کچھ آدمیوں کو یرغمال کے طور پر مانگیں تو آپ ان کی بات ہرگز ہرگز نہ مانیں۔ اس کے بعد انھوں نے بنوغطفان اور ان کے اتحادی قبائل کو اکٹھے کر کے یہی بات کہی۔ اس بات سے ان سب کے بھی کان کھڑے ہو گئے اور انھوں نے ٹھان لی کہ وہ بنوقریظہ کی یہ شرط نہیں مانیں گے۔

اب قریش اور اس کے اتحادی قبائل نے جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات کو بنوقریظہ کو یہ پیغام بھیجا کہ محاصرہ کو کافی دن ہو گئے ہیں اور ہمارے فوجی تنگ آ گئے ہیں۔ دوسرے ہمارا قیام بھی کسی موزوں جگہ پر نہیں ہے۔ گھوڑے اور اونٹ سردی اور بھوک سے مر رہے ہیں، لہٰذا باہر سے ہم لوگ اور اندر سے آپ لوگ محمد ﷺ کے لشکر پر حملہ کر دیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارا یہ متحدہ حملہ نتیجہ خیز ہوگا۔

ان کی اس تجویز کے جواب میں بنوقریظہ نے انھیں کہلا بھیجا کہ آج سبت (ہفتہ) کا دن ہے، اس روز ہمارے لیے حملہ کرنا ممکن نہیں کیونکہ یہ شریعت موسوی کی خلاف ورزی ہے۔ علاوہ ازیں آپ لوگ جب تک ہمیں اپنے کچھ آدمی یرغمال کے طور پر نہیں دیں گے اس وقت تک ہم لڑائی میں شریک نہیں ہوں گے۔ بنوقریظہ کا یہ جواب جب قریش اور غطفان کے پاس

Marfat.com

پہنچا تو انھوں نے کہا: بخدا! نعیم نے سچ ہی کہا تھا۔ بنو قریظہ کی اندر سے نیت درست نہیں ہے۔ چنانچہ انھوں نے بنو قریظہ کو کہلا بھیجا کہ ہم کسی صورت بھی اپنے آدمی آپ لوگوں کے پاس یرغمال کے طور پر رکھنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ سن کر بنو قریظہ نے نعیم کی بات کی تصدیق کی کہ وہ واقعی بالکل صحیح کہتا تھا۔ اس طرح دونوں فریقوں کا ایک دوسرے سے اعتماد اٹھ گیا اور ان میں تشتت وافتراق پیدا ہو گیا اور بنو قریظہ قریش کی امداد سے دست کش ہو گئے۔

(زرقانی: ۱۱۶/۲، فتح الباری: ۳۰۹/۷، ابن ہشام: ۲۲۹/۲۔۲۳۰)

ادھر نعیم نے بنو قریظہ اور قریش اور اس کی اتحادی فوجوں کے درمیان بداعتمادی پیدا کر دی اور بنو قریظہ نے قریش کی امداد سے انکار کر دیا۔ اسی دوران مسلمانوں نے محاصرہ کی شدت اور سختی کا ذکر کر کے رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے انھیں یہ دعا مانگنے کے لیے ارشاد فرمایا:

((اَللّٰھم استر عوراتنا وآمن روعاتنا))

”اے اللہ ہمارے عیبوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے محفوظ و مامون فرما۔“ (فتح الباری: ۳۰۹/۷، زرقانی: ۱۲۱/۲)

خود سرکار دو عالم ﷺ نے مسجد احزاب میں زوال کے بعد کھڑے ہو کر یہ دعا مانگی:

((اللھم منزل الکتاب، سریع الحساب، وھازم الاحزاب، اھزمھم وانصرنا علیھم))

”اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے، ان لشکروں کو شکست دینے والے، انھیں شکست دے اور ہمیں ان پر فتح عطا فرما۔“

(بخاری: ۵۹۰/۲، زرقانی: ۱۲۰/۲)

آخر کار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کی دعائیں سن لیں اور قریش اور غطفان پر تند و تیز ہوا کا طوفان بھیج دیا۔ ان کے تمام خیمے اکھڑ گئے۔ رسیاں اور طنابیں ٹوٹ گئیں۔ ہانڈیاں الٹ گئیں۔ گویا سب کچھ الٹ پلٹ اور منتشر ہو گیا۔ صحرا کا گرد و غبار اڑ کر ان کی آنکھیں بھرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی فرشتوں کا لشکر بھیج دیا جنھوں نے ان کی ہمتیں پست کر دیں، حوصلے توڑ دیے اور ان کے دلوں میں رعب اور خوف کی ایک خاص کیفیت پیدا

Marfat.com

کر دی، جس کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"اے ایمان والو! اللہ کے اس انعام کو یاد کرو جو تم پر اس وقت ہوا جب کافروں کے بہت سارے لشکر تمھارے سروں پر آ پہنچے تھے۔ پس اس وقت ہم نے تمھارے دشمنوں پر ایک آندھی بھیجی اور تمھاری مدد کے لیے آسمان سے ایسے لشکر اتارے جو تم کو دکھائی نہیں دیتے تھے۔ (یعنی فرشتے) اور اللہ تمھارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے۔" (الاحزاب)

رات بھی نہایت سرد تھی اور ہوا بھی تند و تیز تھی، سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ قریش کی خبر لے کر آؤ۔ میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں کہیں پکڑا نہ جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو بالکل نہیں پکڑا جائے گا۔ پھر میرے لیے دعا فرمائی: "اے اللہ! اس کی آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے حفاظت فرما۔" سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی اس دعا کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میرا سارا خوف دور ہو گیا۔ اور میں نہایت شاداں و فرحاں اپنی مہم پر روانہ ہوا۔ جب میں جانے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "حذیفہ: کوئی نئی بات نہ کرنا۔"

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس لشکر میں پہنچا تو دیکھا کہ ہوا اس قدر تیز تھی کہ کوئی شے نہیں ٹھہرتی تھی اور تاریکی ایسی چھائی ہوئی تھی کہ کوئی شے دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اتنے میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو یہ کہتے سنا کہ "اے گروہ قریش! یہ ٹھہرنے کا مقام نہیں، ہمارے جانور ہلاک ہو گئے، بنو قریظہ ہماری امداد سے دست کش ہو گئے اور تیز و تند ہوا نے ہمیں ایسا سراسیمہ اور خوفزدہ کر دیا ہے کہ چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا نہایت مشکل ہو گیا، میری مانو تو فوراً واپس لوٹ چلو" اور یہ کہہ کر وہ خود اونٹ واپس لے جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے چاہا کہ ابوسفیان کو تیر سے مار ڈالوں کیونکہ وہ میرے نشانے پر تھا، لیکن مجھے حضور ﷺ کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ "ابو حذیفہ! کوئی نئی بات نہ کرنا۔" اس لیے میں واپس آ گیا۔ اور آپ ﷺ کو سب کچھ بتا دیا جو میں نے دیکھا تھا۔" (زرقانی: ۱۱۸/۲)

رسول اللہ ﷺ جب صبح اٹھے تو دیکھا کہ میدان بالکل صاف ہے اور اللہ تعالیٰ نے دشمن کو اس کے غیظ و غضب سمیت بے نیل و مرام واپس لوٹا دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنا

Marfat.com

وعدہ پورا کیا:

﴿اعز جندہ، نصر عبدہ، وھزم الاحزاب وحدہ﴾

''اپنے لشکر کو عزت بخشی، اپنے بندوں کی مدد کی اور اکیلے ہی سارے لشکروں کو شکست دے دی۔'' (بخاری: ۵۹۰/۲)

غزوۂ خندق شوال سنہ ۵ ھ کو پیش آیا۔ ابن سعد اور بلاذری کے قول کے مطابق یہ محاصرہ پندرہ دن رہا۔ سعید بن المسیب کا قول ہے کہ چوبیس دن رہا لیکن تمام ماخذوں پر مجموعی نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محاصرے کا آغاز شوال میں ہوا اور خاتمہ ذی قعدہ میں۔ جس روز آپ ﷺ خندق سے واپس ہوئے اس روز بدھ کا دن تھا اور ذی قعدہ کے مہینے کے ختم ہونے میں صرف سات روز باقی تھے۔

اس جنگ کے دو نام ہیں ایک جنگ احزاب اور دوسرا جنگ خندق۔ جنگ احزاب اس کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں تمام قبائل ایک متحدہ محاذ بنا کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے آئے تھے۔ اس لیے قرآن حکیم میں اس بارے میں جو سورت نازل ہوئی اس کا نام بھی ''سورۃ الاحزاب'' ہے اور جنگ خندق اس لیے کہتے ہیں کہ اس جنگ میں مسلمانوں نے خندق کھود کر اپنا دفاع کیا تھا۔

جنگ خندق جان اور مال کے نقصان کی جنگ نہ تھی بلکہ اعصاب کی جنگ تھی۔ اس میں اگرچہ زیادہ خونریزی نہیں ہوئی تھی لیکن مسلمان اور کافر دونوں ایک بہت بڑی اعصابی جنگ میں مبتلا رہے۔ یہ جنگ ایک فیصلہ کن جنگ تھی کیونکہ اس سے پہلے مشرکین نے اتنا بڑا لشکر کبھی اکٹھا نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی وہ مسلمانوں کو تباہ اور نیست و نابود نہ کر سکے، لہٰذا اب ان کے حوصلے ٹوٹ گئے، ہمتیں پست ہو گئیں اور مسلمانوں کے بارے میں یاس اور ناامیدی کے بادل ان کے قلب ونظر پر چھا گئے۔ چنانچہ ان کے واپس جانے کے بعد ہادیٔ برحق اور اسلامی لشکر کے قائد اعظم ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا:

((الان یغزوھم ولا یغزوننا، نحن نسیر الیھم)) (بخاری: ۵۹۰/۲)

''اب ہم ان پر حملہ آور ہوں گے اور یہ ہم پر حملہ آور نہیں ہو سکیں گے ہم ان پر چڑھ دوڑیں گے۔''

Marfat.com

یعنی کفر اب اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ اس میں اتنی ہمت اور طاقت نہیں رہی کہ وہ اسلام کے مقابلے میں کوئی دوسرا اقدام کر سکے اور اسلام صرف دفاعی پوزیشن میں ہو۔ بلکہ اب اسلام کی حالت یہ ہوگئی ہے اور وہ اتنا قوی ہو گیا ہے کہ وہ کفر وشرک کے مقابلے میں جارحانہ اقدام کرے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ کا یہ فرمان حرف بحرف درست ثابت ہوا اور اس جنگ کے بعد قریش کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ مسلمانوں ہی نے ان پر حملہ کیا۔ یہود پر بھی جنگ خیبر کی صورت میں مسلمانوں نے حملہ کیا اور انھیں وہاں سے نکالا۔ پھر ۸ ھ میں قریش پر حملہ کر کے مکہ مکرمہ کو فتح کیا۔ مکہ کا فتح ہونا تھا کہ مسلمانوں کی دھاک پورے جزیرہ عرب میں بیٹھ گئی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔

﴿یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا﴾(النصر ۱۱۰:۲)

اس جنگ میں کافروں کے تین آدمی قتل ہوئے، جن کے نام یہ ہیں:

① عمرو بن عبدود: اس کو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی شمشیر خارا شگاف نے جہنم رسید کیا جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں کیا گیا ہے۔

② نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ: اس کو سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کیا۔

نوفل کے بارے میں ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سے جب اس پر حملہ کیا تو تلوار کے ایک ہی وار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے حتیٰ کہ اس کی زین کو بھی درمیان سے کاٹ دیا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی کاٹ کی داد دیتے ہوئے کسی نے کہا:

''اے زبیر! ہم نے تیری تلوار جیسی کوئی تلوار نہیں دیکھی۔''

آپ نے جواب میں فرمایا:

واللہ ماھو السیف ولکنّھا الساعد۔ (سبل الہدیٰ:۵۳۵/۴)

''خدا کی قسم! یہ تلوار کا کمال نہیں بلکہ اس بازو کا مال ہے جس سے تلوار چلائی۔''

کفار نے عمرو بن عبدود اور نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ کی لاشوں کی واپسی کے لیے دس دس ہزار درہم معاوضہ پیش کیا لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

((لانا کل ثمن الموتیٰ))

Marfat.com

''ہم مردوں کی قیمت نہیں کھایا کرتے۔'' (تاریخ الخمیس: ۴۹۲/۱)

چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی لاشوں کو بلا معاوضہ واپس کر دیا۔

(۳) دشمن کا تیسرا آدمی جو قتل ہوا وہ عثمان بن منبہ تھا۔

اور مسلمانوں کے چھ حضرات نے جام شہادت نوش فرمایا:

(۱) سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ (۲) سیدنا انس بن عوف رضی اللہ عنہ (۳) سیدنا عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ (۴) سیدنا طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ (۵) سیدنا ثعلبہ بن عتمہ رضی اللہ عنہ (۶) سیدنا کعب بن زید رضی اللہ عنہ۔

بعض اصحاب السیر نے دو نام اور دیے ہیں:

(۱) سیدنا قیس بن زید رضی اللہ عنہ (۲) سیدنا عبداللہ بن خالد رضی اللہ عنہ۔

(عیون الاثر: ۱۰۱/۲، زرقانی: ۱۲۶/۲)

غزوۂ بنو قریظہ (شوال ۵ھ)

سرکار مدینہ ﷺ غزوۂ خندق سے نماز صبح کے بعد واپس ہوئے۔ آپ ﷺ اور تمام مسلمانوں نے جنگ سے فراغت کی وجہ سے اپنے ہتھیار کھول دیے۔ اسی روز ظہر کے وقت جب آپ ﷺ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر غسل فرما رہے تھے، سیدنا جبرائیل امین علیہ السلام ایک خچر پر سوار عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اس جگہ آ کر کھڑے ہو گئے جہاں مسجد سے علیحدہ جنازہ پڑھنے کے لیے آپ ﷺ نے جگہ بنائی ہوئی تھی۔ (طبقات: ۵۳/۲)

جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا: ''کیا آپ ﷺ نے ہتھیار اتار دیے جبکہ فرشتوں نے ابھی تک اپنے ہتھیار نہیں اتارے اور نہ ابھی تک واپس ہوئے ہیں، لہٰذا آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کو لے کر بنو قریظہ جایئے میں خود بھی آپ ﷺ کے آگے آگے وہیں جا رہا ہوں۔ میں ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کروں گا اور ان کے دلوں میں رعب اور ہیبت ڈال دوں گا۔'' یہ کہہ کر جبرائیل فرشتوں کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

(ابن ہشام: ۲۳۳/۲، عیون الاثر: ۱۰۳/۲، البدایہ والنہایہ: ۱۱۶/۴)

Marfat.com

حافظ ابن حجر سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ بنو قریظہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان پہلے سے معاہدہ تھا۔ جب قریش دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو بنو قریظہ عہد شکنی کر کے قریش سے جا ملے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قریش کو شکست دے دی تو بنو قریظہ قلعوں میں جا گھسے۔ جبرائیل علیہ السلام فرشتوں کی جماعت کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ بنو قریظہ کی طرف جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے ساتھی تھکے ماندے ہیں۔ (یعنی محاصرہ کی اعصابی جنگ نے انھیں تھکا دیا ہے) جبرائیل علیہ السلام نے کہا: آپ اس کا خیال نہ کریں میں ابھی جا کر ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کر دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر جبرائیل فرشتوں کی جماعت کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

(فتح الباری: ۳۱۳/۷)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مدینہ میں اسی وقت منادی کرا دی کہ جو شخص سمع و طاعت پر قائم ہے، وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ کا انتظام سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو جنگ کا پرچم دے کر آگے روانہ فرما دیا۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کو کھلم کھلا گالیاں دینا شروع کر دیں۔

اتنے میں رسول اللہ ﷺ مہاجرین و انصار پر مشتمل تین ہزار کا لشکر لے کر جس میں تیس گھوڑے تھے، بنو قریظہ پہنچ گئے اور ان کے علاقہ میں ''انا'' نامی کنویں پر نزول فرمایا اور بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا۔ ۲۵ روز تک محاصرہ رہا۔ جب محاصرہ سخت ہو گیا تو ان کے سردار کعب بن اسد (جس نے معاہدہ توڑ کر قریش کا ساتھ دیا تھا) نے بنو قریظہ سے کہا: ''میں تمھارے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں۔ ان میں سے جس ایک کو چاہو اختیار کر لو تا کہ تمھیں محاصرہ کی اس مصیبت سے نجات مل جائے۔

(۱) یا تو ہم اس شخص (محمد ﷺ) پر ایمان لے آئیں اور اس کے پیروکار بن جائیں کیونکہ خدا کی قسم تم پر یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ وہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ﷺ ہیں اور یہ وہی نبی ہیں جن کو تم تورات میں لکھا پاتے ہو۔ اگر ان پر تم ایمان لے آؤ گے تو تمھاری جان و مال اور بال بچے محفوظ ہو جائیں گے۔ انھوں نے کہا ''یہ منظور نہیں۔''

Marfat.com

(۲) یا پھر خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیں اور پھر تلوار سونت کر پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔ اس کے بعد یا تو فتح پائیں گے یا سب کے سب مارے جائیں گے، اگر فتح پا گئے تو عورتیں بہت ہیں۔ ان سے بچے بھی ہو جائیں گے اور اگر شکست کھا گئے تو بچوں اور عورتوں کا غم نہ ہوگا۔ اس تجویز پر بنو قریظہ نے کہا کہ بیوی بچوں کو قتل کر کے زندگی کا کیا لطف رہ جاتا ہے۔ لہٰذا یہ تجویز بھی ہمیں منظور نہیں۔

(۳) کعب نے کہا اگر یہ شرط بھی منظور نہیں تو آج ہفتہ کی رات ہے۔ عجب نہیں کہ محمد (ﷺ) اور آپؐ کے ساتھی غافل اور بے خبر ہوں اور انھیں یہ خیال ہو کہ سبت کے روز یہود حملہ نہیں کر سکتے۔ ان کی اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر ان پر شب خون مار دو۔

بنو قریظہ نے ان تینوں تجاویز کو رد کر دیا۔ اب ان کے سامنے صرف ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دیں اور اپنی قسمت کا فیصلہ ان پر چھوڑ دیں، لیکن انھوں نے چاہا کہ ہتھیار ڈالنے سے پہلے اپنے بعض مسلمان حلیفوں سے رابطہ قائم کریں۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں ہتھیار ڈالنے کے نتائج سے کچھ آگاہی ہو جائے۔

سیدنا ابو لبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بنو قریظہ کے حلیفانہ تعلقات تھے۔ اس لیے انھوں نے بارگاہ رسالتؐ میں یہ درخواست کی کہ ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کو ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم ان سے کچھ مشورہ کر لیں۔ آپ ﷺ نے ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ہاں جانے کی اجازت دے دی۔ جب یہ وہاں پہنچے تو مرد تو انھیں دیکھ کر ان کی طرف دوڑ پڑے اور عورتیں اور بچے ان کے سامنے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر سیدنا ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کا دل بھر آیا۔ یہود نے پوچھا: ''ابو لبابہ! کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ محمد ﷺ کے فیصلے پر ہتھیار ڈال دیں؟'' انھوں نے جواب دیا ہاں، لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے حلق کی طرف اشارہ بھی کر دیا کہ ذبح کر دیئے جاؤ گے۔ یعنی حضور ﷺ کا ارادہ تمھارے قتل کا ہے۔ یہ اشارہ کر کے انھیں احساس ہوا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کی ہے۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ کے پاس واپس آنے کے بجائے سیدھے مسجد نبویؐ پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ فرمائیں گے اور رسولؐ اللہ مجھے اپنے دست مبارک سے نہیں کھولیں گے، اس وقت تک اس جگہ سے نہیں

Marfat.com

ٹلوں گا اور وہ آئندہ بنوقریظہ کی سرزمین میں کبھی داخل نہیں ہوں گا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ ان کی واپسی کا انتظار فرما رہے تھے لیکن جب رسول اللہ ﷺ کو سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے معاملہ کی تفصیلات کا علم ہوا تو فرمایا: "اگر وہ میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لیے استغفار کرتا، لیکن جب وہ خود ایسا کام کر بیٹھا ہے تو اب میں بھی اسے نہیں کھول سکتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے۔" (ابن ہشام: ۲۳۶/۲، عیون الاثر: ۱۰۶/۲، البدایہ والنہایہ: ۱۱۹/۴)

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اس اشارہ کے باوجود بنوقریظہ نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس کے سوا اب ان کے پاس اور کوئی چارۂ کار بھی نہیں تھا کیونکہ اپنے رئیس کی وہ تینوں تجاویز نامنظور کر چکے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور سرکار دو عالم ﷺ سے کہا کہ جو فیصلہ آپ ﷺ مناسب سمجھیں کریں، ہمیں منظور ہے حالانکہ وہ ایک طویل عرصے تک محاصرہ برداشت کر سکتے تھے۔ کیونکہ ان کے پاس خورد ونوش کا سامان وافر مقدار میں موجود تھا۔ پانی کے چشمے اور کنویں تھے۔ مضبوط قلعے تھے اور دوسری طرف مسلمان کھلے میدان میں شدت کی سردی میں بھوک کی سختیاں جھیل رہے تھے اور جنگ خندق کی تھکن اور تکان سے چور ہو چکے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب اور ہیبت ڈال دی تھی۔ محاصرہ کے دوران ان کے حوصلے دن بدن ٹوٹتے جا رہے تھے۔ ان کے حوصلوں کی شکستگی اس وقت انتہا کو پہنچ گئی جب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، علم بردار لشکر اسلام اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی فرمائی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے گرجدار آواز میں یہ اعلان کیا کہ "ایمان کے فوجیو! خدا کی قسم، اب میں بھی یا تو وہی مزہ چکھوں گا جو حمزہ رضی اللہ عنہ نے چکھا یا ان کا قلعہ فتح کر کے رہوں گا۔" سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عزم دار جملے سن کر بنوقریظہ اور بھی سہم گئے اور انھوں نے جلد ہی اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا۔ (عیون الاثر: ۱۰۹/۲)

رسول اللہ ﷺ کے حکم سے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی ان سب کے ہاتھ باندھ دیئے گئے اور عورتوں اور بچوں کو مردوں سے الگ کر دیا گیا۔ قبیلۂ اوس کے بعض حضرات نے بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کیا کہ آپ ﷺ نے بنوقینقاع کے ساتھ جو سلوک فرمایا تھا، ان پر احسان فرما کر ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں۔ بنوقینقاع ہمارے بھائی خزرج کے حلیف تھے اور یہ لوگ ہمارے حلیف ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا آپ لوگ اس پر راضی نہیں

Marfat.com

کہ ان کے متعلق آپ ہی کا ایک آدمی فیصلہ کرے؟'' انھوں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ معاملہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا جاتا ہے۔'' اوس کے لوگوں نے کہا ہم اس پر راضی ہیں کہ جو وہ فیصلہ کر دیں وہ ہمیں منظور ہے۔ (زرقانی: ۲/۱۳۳)

اس کے بعد آپ ﷺ نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ وہ زخمی ہونے کے باعث اس لشکر میں تشریف نہیں لائے تھے۔ چنانچہ انھیں مدینہ طیبہ سے ایک گدھے پر سوار کر کے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں لایا گیا۔ جب وہ قریب پہنچے تو ان کے قبیلے کے لوگوں نے انھیں دونوں طرف سے گھیر لیا اور کہنے لگے! ''سعد اپنے حلیفوں کے بارے میں احسان سے کام لیجیے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے آپ کو اسی لیے حکم بنایا ہے کہ آپ ان سے حسن سلوک کریں، لیکن سیدنا سعد رضی اللہ عنہ ان کی باتیں سن کر بالکل خاموش تھے، انھیں کوئی جواب نہیں دے رہے تھے۔ جب لوگوں نے مطالبہ کی بھرمار کر دی تو بولے: ''اب وقت آ گیا ہے کہ سعد کو اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی پروا نہ ہو۔'' سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ بات سن کر بعض لوگ اسی وقت مدینہ طیبہ آ گئے اور انھوں نے بنو قریظہ کی موت کی خبر پھیلا دی۔

(ابن ہشام: ۲/۲۳۹، عیون الاثر: ۲/۱۰۸)

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنے سردار کی تعظیم کے لیے اٹھو۔ چنانچہ لوگوں نے اٹھ کر انھیں سواری سے اتارا۔ آپ ﷺ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''یہ لوگ تمھارے فیصلہ پر رضا مند ہوئے ہیں۔'' سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیا میرا فیصلہ ان پر نافذ ہو گا؟'' لوگوں نے کہا: ''جی ہاں۔'' انھوں نے کہا مسلمانوں پر بھی؟ لوگوں نے کہا ان پر بھی نافذ ہو گا۔ پھر فرمایا: اور جو یہاں بیٹھے ہیں، ان پر بھی؟ ان کا اشارہ سرکار دو عالم ﷺ کی طرف تھا لیکن تعظیم اور ادب کے سبب چہرہ دوسری طرف کر رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں مجھ پر بھی۔'' اس کے بعد سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا فیصلہ ان کے بارے میں یہ ہے کہ ''ان کے لڑنے والے مرد قتل کر دیے جائیں، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کا تمام مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔'' آپ ﷺ نے یہ فیصلہ سن کر ارشاد فرمایا: ''تم نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا جو سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بالکل صحیح

Marfat.com

فیصلہ تھا اور تورات کے فیصلہ کے مطابق تھا۔ (استثناء، باب ۲۰)

کیونکہ بنو قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ اس وقت عہد شکنی کی جب وہ نازک ترین لمحات میں سے گزر رہے تھے۔ علاوہ ازیں انھوں نے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے ڈیڑھ ہزار تلواریں، دو ہزار نیزے، تین سو زرہیں اور پانچ سو ڈھالیں مہیا کر رکھی تھیں۔ جن پر مسلمانوں نے فتح کے بعد قبضہ کیا۔ پھر جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اسلامی علم لے کر بنو قریظہ گئے تو بجائے اس کے کہ بنو قریظہ کو اپنے پیمان شکنی کے جرم کا احساس ہوتا، انھوں نے سرکار دو عالم ﷺ کو کھلم کھلا دشنام طرازی شروع کر دی جو بذات خود ایک ناقابل عفو جرم تھا۔

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ سنا دیا۔ اس فیصلہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حکم پر بنو قریظہ کو مدینہ لا کر بنو نجار کی ایک عورت، جو حارث کی بیٹی تھیں، کے مکان میں قید کر دیا گیا اور مدینہ کے بازار میں خندقیں کھودی گئیں۔ بعد ازاں دو دو چار چار کو مکان سے نکالا جاتا اور خندقوں میں لا کر ان کی گردنیں ماردی جاتیں۔

کارروائی شروع ہونے کے تھوڑی دیر بعد باقی ماندہ قیدیوں نے اپنے سردار کعب بن اسد سے دریافت کیا کہ آپ کا کیا اندازہ ہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے جواب دیا: ''تم لوگ اتنے ہی بیوقوف ہو۔ تمھیں کوئی سمجھ بوجھ نہیں؟ دیکھتے نہیں کہ پکارنے والا رک نہیں رہا اور جانے والا واپس نہیں آرہا۔ واللہ! یہ ہمیں قتل کیا جارہا ہے۔'' بہرحال ان سب کی گردنیں ماردی گئیں۔ ان کی تعداد چھ سات سو کے درمیان تھی۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ان کی تعداد چار سو بتائی گئی ہے۔ (زرقانی: ۲/۱۳۷، عیون الاثر: جلد۲)

اس کارروائی کے بعد ان آستین کے سانپوں کا مکمل خاتمہ ہو گیا جو ہر آڑے وقت میں مسلمانوں اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔

بنو قریظہ کی اس تباہی میں سب سے زیادہ ہاتھ بنو نضیر کے رئیس حیی ابن اخطب کا تھا۔ اسی نے کعب بن اسد کو معاہدہ توڑنے کے لیے زور دیا تھا۔ کعب بن اسد بھی مارا گیا اور حیی بن اخطب بھی اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ یہ شخص سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کا والد تھا۔ قریش اور غطفان کی واپسی کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تو یہ بھی بنو قریظہ کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا۔ کیونکہ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر

Marfat.com

جب یہ شخص کعب بن اسد کو عہد شکنی پر آمادہ کرنے کے لیے آیا تھا اس نے وعدہ کیا تھا کہ اگر قریش اور بنو غطفان مسلمانوں کا مکمل استیصال کیے بغیر واپس چلے گئے تو میں اپنے آپ کو آپ لوگوں کے سپرد کر دوں گا۔ اب وہ اپنے اسی وعدہ و پیمان کو نباہ رہا تھا۔ اسے جس وقت قتل کرنے کے لیے خدمت نبویؐ میں پیش کیا گیا تو وہ ایک جوڑا زیب تن کیے ہوئے تھا جسے اس نے خود ہی ہر جانب سے ایک ایک انگلی پھاڑ رکھا تھا تا کہ اسے مال غنیمت میں نہ رکھوا لیا جائے۔ اس کے دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے رسی سے بندھے ہوئے تھے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا: ''واللہ! میں اپنے نفس کو آپ کی دشمنی کی بارے میں ملامت نہیں کرتا، لیکن حق یہ ہے کہ خدا جس کی مدد نہ کرے اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔'' پھر اس نے لوگوں کی طرف دیکھا اور کہا: ''لوگو! اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے جو سزا مقرر کی تھی اور جو مصیبت ان کے لیے لکھ دی تھی، وہ پوری ہوئی۔'' اس کے بعد وہ بیٹھ گیا اور اس کی گردن بھی مار دی گئی۔''

عورتوں میں سوائے ایک عورت کے اور کسی کو قتل نہیں کیا گیا۔ اس نے سیدنا خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر چھت سے چکی کا پاٹ گرا کر انھیں شہید کیا تھا۔ اس کے قصاص میں اسے قتل کیا گیا۔ مؤرخین نے اس عورت کا نام ''بنانہ'' لکھا ہے اور جو صحابی سیدنا خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ان کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ان کو دو شہیدوں کا ثواب ملا۔''

(عیون الاثر: ۲/۱۱۰، ابن ہشام: ۲/۲۴۰۔۲۴۲)

سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد تھا کہ جس کے زیر ناف بال آ چکے ہوں، اسے قتل کر دیا جائے۔ ان میں ایک نوجوان عطیہ بھی تھے۔ ان کو ابھی بال نہ آئے تھے، لہٰذا انھیں زندہ چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے۔ (عیون الاثر: ۲/۱۱۱)

چند اور حضرات نے بھی اسی رات ہتھیار ڈالنے کی کارروائی سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا لہٰذا وہ بھی اپنے مال واسباب کے ساتھ محفوظ رہے۔

سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالتؐ میں گزارش کی کہ زبیر بن باطا اور اس کے اہل وعیال کو میرے لیے ہبہ کر دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ زبیر نے سیدنا ثابتؓ پر کچھ احسانات کیے ہوئے تھے اور وہ اس طرح ان کے احسانات کا بدلہ چکانا چاہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے

Marfat.com

ان کی گزارش منظور فرما لی اور زبیر اور اس کے اہل و عیال انھیں دے دیئے گئے۔ سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ نے زبیر سے کہا کہ اب میں تمھیں اور تمھارے اہل و عیال کو آزاد کرتا ہوں۔ لیکن جب زبیر کو معلوم ہوا کہ اس کی قوم قتل کر دی گئی ہے تو اس نے کہا: ''ثابت! میں تمھیں اپنے احسانات کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے بھی میرے دوستوں کے پاس پہنچا دو۔'' چنانچہ اس کی گردن بھی مار کر اس کی قوم کے پاس پہنچا دیا گیا۔ البتہ سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ نے زبیر بن باطا کے ایک لڑکے عبدالرحمٰن کو زندہ رکھا جو اسلام لا کر صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ (عیون الاثر: ۲/۱۱۱)

بنو قریظہ کے اموال کو رسول اللہ ﷺ نے خمس نکال کر لشکر اسلامی میں تقسیم فرما دیا۔ شہسوار کو تین حصے دیئے۔ ایک حصہ اس کا اور دو گھوڑے کے اور پیادہ کو ایک حصہ دیا۔ قیدیوں اور بچوں کو سیدنا سعد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی نجد بھیج کر ان کے عوض گھوڑے اور ہتھیار خریدے۔ (زرقانی: ۲/۱۳۷، عیون الاثر: ص ۱۱۲)

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ ستون سے بندھے ہوئے تھے۔ صرف نماز اور قضائے حاجت کے لیے کھول دیئے جاتے تھے، نہ کھاتے تھے، نہ پیتے تھے۔ صرف یہی بات ورد زبان تھی کہ میں اسی طرح رہوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائیں۔ چھ رات دن سے مسلسل ستون سے بندھے ہوئے تھے۔ چھ روز کے بعد سحر کے وقت ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اس وقت آپ ﷺ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ خود سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے حجرے کے دروازہ پر کھڑے ہو کر مجھ سے کہا: ''ابولبابہ! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تمھاری توبہ قبول فرما لی۔'' یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انھیں کھولنے کے لیے دوڑے لیکن ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں قسم کھا چکا ہوں کہ جب تک ختمی مرتبت ﷺ خود اپنے دست مبارک سے مجھے نہیں کھولیں گے، اس وقت تک نہ کھولوں گا۔'' چنانچہ جب آپ ﷺ نماز صبح کے لیے تشریف لائے تو خود اپنے دست مبارک سے ان کو کھولا۔ (زرقانی: ۲/۱۳۶)

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت:

جب بنو قریظہ کا کام تمام ہو چکا تو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ رئیس اوس کی اس دعا کی

Marfat.com

قبولیت کے ظہور کا وقت آ گیا جس کا ذکر ہم نے غزوۂ خندق میں کیا ہے۔ انھوں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ:

''اے اللہ! اس وقت تک مجھے موت نہ دینا جب تک کہ بنو قریظہ کی ذلت و رسوائی سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔''

حبان بن عبد مناف نے انھیں ایک تیر مارا تھا جس سے ان کی ہفت اندام کٹ گئی اور اس نے نہایت جوش میں کہا ''میں عرقہ کا بیٹا ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا: ''خدا اس کا چہرہ دوزخ میں غرق کرے۔''

اس کے بعد مسجد نبویؐ میں ایک خیمہ لگایا گیا اور رفیدہ اسلمیہ کو ان کی خدمت پر مامور کیا گیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اس خیمہ میں رہتے تھے اور سرکار دو عالم ﷺ روزانہ ان کی عیادت کو تشریف لاتے۔

بنو قریظہ کے بارے میں جو فیصلہ سنایا گیا اس کے بعد کچھ دنوں تک زندہ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود زخم کو داغا۔ عارضی طور پر خون بند ہو گیا لیکن ایک روز اچانک ان کا زخم پھٹا اور اس زور سے خون جاری ہوا کہ مسجد نبویؐ سے گزر کر بنی غفار کے خیموں تک پہنچا۔ لوگوں کو یہ خون دیکھ کر بڑی تشویش ہوئی۔ انھوں نے پوچھا یہ کیا بہہ کر آ رہا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ سعد رضی اللہ عنہ کا زخم پھٹا ہے۔ حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو سخت گھبرائے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ دیکھا تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ نعش کو آغوش مبارک میں لے کر بیٹھے۔ خون برابر بہہ رہا تھا۔ لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نعش کو دیکھ کر چیخ ماری۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رو کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔

جنازہ روانہ ہوا تو سرکار مدینہ ﷺ ساتھ تھے۔ فرمایا: ان کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے شریک ہیں جو اس سے قبل کبھی آسمان سے نازل نہ ہوئے تھے۔

(روض الانف: ۱۹۳/۲، عیون الاثر: ۱۱۴/۲)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت سے اللہ کا عرش ہل گیا ہے۔ (بخاری: ۵۳۶/۱، مسلم: ۲۹۴/۲، ترمذی: ۲۲۵/۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ آسمان کے تمام دروازے ان کے لیے کھول دیے گئے

Marfat.com

اور آسمانوں کے فرشتے ان کی روح کے چڑھنے سے مسرور ہوئے۔ (فتح الباری: ۹۴/۷)

ایک انصاری کا یہ فخریہ شعر ہے

وما اهتز عرش الله من موت هالك

سمعنا به الا لسعد ابی عمرو

''یعنی کسی مرنے والے کی موت پر اللہ کا عرش نہیں ہلا مگر سعد بن ابی عمرو کی موت پر۔'' (عیون الاثر: جلد ۲)

امام سہیلی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ دفن کے بعد ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔

(روض الانف: ۱۹۳/۲)

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ جب سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافقین نے کہا کہ ان کا جنازہ کس قدر ہلکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے فرشتے اٹھائے ہوئے تھے۔'' (ترمذی: ۲۲۵/۲، عیون الاثر: ۱۱۲/۲، ابن ہشام: ۲۵۱/۲)

یہ غزوہ ذی قعدہ میں پیش آیا۔ بنو قریظہ کا قریباً ۲۵ روز تک محاصرہ قائم رہا۔ جنگ خندق اور اس غزوۂ بنو قریظہ کا چونکہ چولی دامن کا ساتھ ہے یعنی غزوۂ بنو قریظہ، غزوۂ خندق کا تتمہ ہے۔ اس لیے سورۂ احزاب میں بہت سی آیات اس بارے میں بھی نازل ہوئیں، جن میں ان دونوں غزوات کی اہم جزئیات اور کیفیات پر تبصرہ فرمایا گیا۔

مدینہ سے کفار کی ناکام واپسی اور بنو قریظہ کے اس انجام سے مسلمانوں کو ایک گونہ تسکین ہو گئی۔ منافقین مرعوب ہو گئے اور عرب کے گھر گھر میں مسلمانوں کی شوکت وعظمت کے چرچے ہونے لگے۔ اب قریش یہ سوچنے لگے کہ رسول اکرم ﷺ اور ہم آخر ایک دوسرے کے قرابت دار ہیں، اگر ان سے تنازعہ ختم کر دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جبکہ ان کے رفقاء جو مہاجرین ہیں، وہ بھی انہی کے اکابر اور تعلق دار ہیں، گویا اب انھوں نے نئی لائنوں پر غور وفکر شروع کیا۔

سریہ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ (محرم ۶ ھ)

غزوۂ احزاب اور غزوۂ بنو قریظہ کے بعد یہ پہلا سریہ ہے جس کو سرکار دو عالم ﷺ

Marfat.com

نے بھیجا۔ ۱۰ محرم الحرام سنہ ۶ ھ کو سرور کائنات نے تیس سواروں کے ایک مختصر دستے کو محمد بن مسلمہ انصاریؓ کی قیادت میں نجد کے اندر بکرات کے علاقہ میں ضریہ کے آس پا قرطاء نامی بستی میں بھیجا۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ ضریہ اور مدینہ کے مابین سات دن کا راستہ ہے۔ (زرقانی: ۲/۱۴۴)

اور اس دستہ کا ہدف بنو بکر بن کلاب کی ایک شاخ تھی۔ مسلمانوں نے جا کر ان پر چھاپہ مارا تو دشمن کے تمام لوگ بھاگ گئے، لیکن پھر بھی دس آدمی قتل ہوئے۔ ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بکریاں مال غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ ان سب کو ہانک کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ۱۹ روز کے بعد یعنی ۲۹ محرم سنہ ۶ ھ کو یہ لوگ مدینہ طیبہ پہنچے۔ خمس نکال کر باقی تمام مال آپ ﷺ نے مجاہدین میں تقسیم فرما دیا۔ غنیمت کی تقسیم میں ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا گیا۔ (طبقات: ۲/۵۶)

یہ لوگ بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو بھی گرفتار کر کے لے آئے۔ وہ مسیلمہ کذاب کے حکم سے بھیس بدل کر نبی اکرم ﷺ کو قتل کرنے کی نیت سے نکلا تھا۔

(سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۹۷)

لیکن مسلمانوں نے اسے راستے میں گرفتار کر لیا اور مسجد نبویؐ کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ مسجد کے ستون کے ساتھ اس لیے باندھا تھا تا کہ پانچ وقت بارگاہ خداوندی میں مسلمانوں کے عجز و نیاز کا نظارہ کریں اور مسلمانوں کے اس عمل کو دیکھ کر آخرت کی طرف راغب ہوں۔

سرکار دو عالم ﷺ جب ثمامہ کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''ثمامہ میری نسبت تمھارا کیا گمان ہے؟ ثمامہ نے کہا: ''میرا گمان آپ ﷺ کی نسبت اچھا ہی ہے۔ اگر آپ ﷺ مجھے قتل کریں گے تو آپ ﷺ ایک خونی کو قتل کریں گے، اگر آپ ﷺ احسان فرمائیں تو ایک شکر گزار اور قدردان پر احسان فرمائیں گے۔ اگر مال کی خواہش ہے تو جتنا چاہیں حاضر ہے۔''

سرکار دو عالم ﷺ یہ سن کر خاموش گزر گئے۔ دوسرے روز پھر آپ گزرے تو ثمامہ نے پہلا اور تیسرا جملہ حذف کر دیا اور صرف اتنا جواب دیا: ''اگر احسان فرمائیں تو ایک قدردان اور شکر گزار پر احسان ہو گا؟'' حضور ﷺ پھر خاموش گزر گئے۔ تیسرے روز پھر گزرے تو وہی سوال فرمایا۔ ثمامہ نے اب کی بار دوسرے جملہ کو بھی حذف کر دیا اور اپنا معاملہ

Marfat.com

آپ ﷺ کے خلقِ عظیم اور عفوِ جمیل پر چھوڑ دیا۔ رحمت عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''ثمامہ کو آزاد کر دو۔'' محمد ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ خود آپ ﷺ نے ثمامہ سے فرمایا:

''ثمامہ میں نے تجھ کو معاف کیا اور آزاد کیا۔''

ثمامہ جونہی رہا ہوا، مسجد نبویؐ کے قریب ایک نخلستان میں گیا، غسل کیا اور پھر مسجد میں آیا اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ پھر اس نے آپ ﷺ سے کہا: ''محمد ﷺ! اس سے قبل رُوئے زمین پر کوئی چہرہ آپ ﷺ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہ تھا، لیکن اب رُوئے زمین کے سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے اور خدا کی قسم! رُوئے زمین پر کوئی دین آپ ﷺ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا لیکن اب آپ ﷺ کا دین دوسرے تمام ادیان سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے اور آپ ﷺ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر مجھے مبغوض نہ تھا اور آج آپ ﷺ کا شہر تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ کے سواروں نے مجھے اس حالت میں گرفتار کیا کہ میں عمرہ کا ارادہ کر رہا تھا، اب جو ارشاد ہو گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمرہ کریں۔

جب ثمامہ رضی اللہ عنہ مکہ آئے تو کسی کافر نے کہا: ''ثمامہ تو بے دین ہو گیا۔'' ثمامہ رضی اللہ عنہ نے کہا، ''بالکل غلط، میں تو محمد ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہوں۔ اس لیے کہ کفر و شرک کوئی دین نہیں بلکہ ایک لغو اور بے ہودہ خیال ہے اور خدا کی قسم، میں کبھی بھی تمھارے مذہب کی طرف رجوع نہیں کروں گا۔'' پھر فرمایا: ''سنو! خدا کی قسم، یمامہ سے جو غلہ تمھارے پاس آتا ہے، اب ایک دانہ بھی تمھارے پاس نہ آئے گا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اجازت نہ فرمائیں۔'' چنانچہ ثمامہ رضی اللہ عنہ نے وطن پہنچ کر غلہ کا آنا بالکل بند کر دیا۔ یمامہ مکہ کے لیے کھیت کی حیثیت رکھتا تھا۔ غلہ کے بند ہونے سے قریش سخت پریشان ہوئے، مجبور ہو کر انھوں نے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک عریضہ لکھا کہ آپ ﷺ تو صلہ رحمی کا سبق دیتے ہیں اور ہم آپ ﷺ کے رشتہ دار ہیں، ہم پر رحم فرمائیں اور ثمامہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجیں کہ غلہ کی روانگی بند نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ثمامہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ غلہ نہ روکیں۔

(فتح الباری: ۶۸/۸، زاد المعاد: ۱۱۹/۲، عیون الاثر: ۱۱۸/۲، دلائل النبوۃ بیہقی: ۷۸/۴، مسلم حدیث: ۱۷۶۴)

Marfat.com

سیدنا ثمامہ رضی اللہ عنہ نہایت جلیل القدر صحابہ میں سے ہوئے ہیں۔ ان کی وجہ سے تین ہزار آدمی مسیلمہ کذاب کا ساتھ چھوڑ کر اسلام کے حلقے میں آ گئے۔ (زرقانی: ۲/۱۴۴) مسیلمہ کذاب نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بہت سمجھایا جو اسلام چھوڑ کر مسیلمہ کے ساتھ مل گئے تھے، لیکن جب انھوں نے ان کی بات نہ مانی تو سیدنا ثمامہ رضی اللہ عنہ نے اس شہر ہی کو چھوڑ دیا۔

غزوۂ بنولحیان (ربیع الاول ۶ ھ)

بنولحیان وہی قبیلہ ہے جس نے رجیع کے مقام پر دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ بھی تھے، گھیر کر شہید کر دیا تھا اور دو کو قریش مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا، جہاں انھیں بے دردی اور سفاکی سے قتل کر دیا گیا۔ بنولحیان کا علاقہ حدود مکہ سے قریب اور مدینہ سے بہت دور تھا۔ اس لیے اتنی دور جا کر دشمن پر حملہ کرنا جنگی نقطۂ نگاہ سے مناسب نہیں تھا۔ پھر اس قبیلہ کے قریش کے ساتھ بھی گہرے روابط تھے، لیکن جب جنگ احزاب میں قریش کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور مختلف قبائل میں پھوٹ پڑ گئی اور مسلمانوں کا رعب قبائل کے دلوں میں بیٹھ گیا تو اب آپ ﷺ خود ربیع الاول یا جمادی الاولیٰ سنہ ۶ ھ میں دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جمعیت کے ہمراہ اپنے مقتول صحابہ کرامؓ کا بدلہ لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے مدینہ کا انتظام سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جمعیت کے ساتھ امج اور عسفان کے درمیان بطن غران نامی ایک وادی میں، جہاں آپ ﷺ کے ان آٹھ صحابہ کرامؓ کو شہید کیا گیا تھا پہنچے، ان کے لیے رحمت کی دعائیں فرمائیں۔

بنولحیان کو جب آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے اور کوئی آدمی بھی مسلمانوں کے ہاتھ نہ لگا۔ آپ ﷺ نے دو روز یہاں قیام فرمایا اور اس کے ارد گرد کے علاقوں میں اپنے آدمیوں کو بھیجا جن میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی تھے، ان کو بھی دس سواروں کے ساتھ دشمن کا پتہ لگانے کے لیے بھیجا، لیکن دشمن ہاتھ نہ آیا۔ آخر کار آپ ﷺ چودہ روز بعد واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

(زرقانی: ۲/۱۴۷، عیون الاثر: ۲/۱۴۴، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۷۹۔۲۸۰، طبقات ابن سعد: ۲/۷۸۔۷۹)

Marfat.com

غزوۂ ذی قرد (ربیع الاول ۶ھ)

ذی قرد ایک چشمے کا نام ہے جو بلاد غطفان کے قریب ہے۔ یہ مقام سرکار دو عالم ﷺ کے اونٹوں کی چراگاہ تھا۔ ایک روز عیینہ بن حصن فزاری نے چالیس سواروں کے ساتھ اس چراگاہ پر حملہ کر دیا اور آپ ﷺ کے اونٹوں کو پکڑ کر لے گیا۔ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو جو اونٹوں کی حفاظت پر متعین تھا، قتل کر دیا اور سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو پکڑ کر لے گیا۔

یہ ایک بہت بڑا حادثہ تھا۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ایک نہایت جانباز اور تیر انداز صحابی تھے۔ انھیں جونہی اس بات کی خبر ملی فوراً ان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے اور ایک ٹیلے کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اتنے زور سے آواز لگائی کہ تمام مدینہ گونج اٹھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ آواز سنی۔ آپ ﷺ نے فوری طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع ہونے کا حکم فرمایا۔

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بڑے تیر انداز تھے۔ انھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انتظار کیے بغیر خود ہی ان کا تعاقب کیا اور ان حملہ آوروں کو پانی کے ایک چشمہ پر جا پکڑا۔ یہ ان پر تیر برساتے جاتے اور شعر پڑھتے جاتے:

انـــا ابــن الاکـــوع والـيـوم يـوم الــرضـع

''میں ابن اکوع ہوں اور آج کے دن معلوم ہو جائے گا کہ کون کمینہ ہے اور کون شریف۔''

انھوں نے اپنی بہادری سے ان سے اپنے اونٹ چھڑا لیے اور تیس یمنی چادریں بھی ان سے چھین لیں۔

یہ جب دشمن کے پیچھے بھاگ رہے تھے تو بعد میں سرکار دو عالم ﷺ بھی پانچ یا سات سو مجاہدین کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے اور نہایت تیزی سے مسافت طے کر کے وہاں پہنچے۔ آپ ﷺ اپنے روانہ ہونے سے پہلے بھی مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ، عباد بن بشر، سعد بن زید رضی اللہ عنہ، اسید بن ظہیر رضی اللہ عنہ، عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ، محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ، ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اور کئی ایک اور صحابہ کو روانہ فرما چکے تھے۔ اس دستے پر آپ ﷺ نے سعد بن زید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔

(عیون الاثر: ۱۲۶/۲)

Marfat.com

ان حضرات نے پہلے پہنچ کر ان کا مقابلہ کیا۔ مشرکین کے دو افراد مارے گئے اور مسلمانوں میں سے سیدنا محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ (اصابہ: ۳/۳۶۸، طبقات: ۲/۶۰)

جب آپ ﷺ مجاہدین کے ساتھ پہنچے تو سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: ''میں ان کو فلاں جگہ پیاسا چھوڑ کر آیا ہوں، اگر مجھے سو آدمی مل جائیں تو سب کو پابجولاں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابن اکوع! جب تو ان پر قابو پائے تو نرمی کرنا۔''

مشرکین شکست کھا کر بھاگ گئے، سرکار دو عالم ﷺ ایک دن رات وہاں قیام فرما کر پانچ روز کے بعد مدینہ منورہ واپس چلے آئے۔ اس غزوہ کو ''غزوۃ الغابہ'' بھی کہتے ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام: ۲/۲۸۱۔۲۸۴، عیون الاثر: ۲/۱۲۵۔۱۳۰، زرقانی: ۲/۱۴۸۔۱۵۲، فتح الباری: ۷/۳۵۳۔۳۵۵ وغیرہ)

اس غزوہ کے دوران سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے عامل تھے۔

سریۂ عکاشہ بن محصن الاسدی رضی اللہ عنہ:

ربیع الاول ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی قیادت میں چالیس مجاہدین کا ایک دستہ روانہ فرمایا کہ وہ بنو اسد کے ایک چشمہ جو غمر مرزوق کے نام سے مشہور تھا، وہاں آباد لوگوں کی آئے روز کی شرارتوں کا سد باب کریں۔ ان لوگوں کو مسلمانوں کے اس لشکر کے پہنچنے سے قبل اس کی اطلاع مل گئی تھی۔ چنانچہ وہ بھاگ گئے تھے۔ جب مسلمان وہاں پہنچے تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ آبادیاں بالکل خالی تھیں۔ اسلامی لشکر ان کے بلند علاقے میں خیمہ زن ہوا اور سیدنا شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو ان کا سراغ لگانے کے لیے بھیجا لیکن ان کا کچھ پتہ نہ چلا۔ صرف ان لوگوں کا ایک آدمی پکڑا گیا۔ اس نے بتایا کہ ان لوگوں کے اونٹ فلاں فلاں وادی میں چر رہے ہیں۔ وہ وہاں سے سارے اونٹ ہانک کر لے آئے۔ اس لشکر کو دشمن سے جنگ کرنے کی نوبت نہیں آئی۔

سریۂ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ (ربیع الآخر ۶ھ)

ذی القصہ نامی ایک بستی مدینہ طیبہ سے ۲۴ میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ یہ لوگ بھی

Marfat.com

کچھ سرکش اور شرارت پسند تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دس مسلمانوں کو ان کی اصلاح احوال کے لیے بھیجا۔ مجاہدین کا یہ دستہ رات کے وقت وہاں پہنچا اور آرام کرنے کے لیے وہاں لیٹ گیا۔ جب ان لوگوں کو مسلمانوں کی اس آمد کا علم ہوا تو وہ سو مسلح آدمیوں پر مشتمل آ گئے اور مسلمانوں کا محاصرہ کر کے ان سب کو شہید کر دیا۔ خوش قسمتی سے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بچ گئے لیکن وہ بھی شدید زخمی تھے۔ وہاں سے ایک مسلمان کا اتفاقاً گزر ہوا تو وہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اونٹ پر بٹھا کر مدینہ منورہ لے آیا۔ (امتاع الاسماع: ۲۰۶/۱)

سریۂ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ (ربیع الاول ۶ ھ)

اسی سال رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو چالیس آدمیوں کا امیر بنا کر ذی القصہ کی طرف روانہ فرمایا کیونکہ اس زمانے میں بنی ثعلبہ اور بنو انمار کے علاقوں میں نہایت خشک سالی تھی اور وہ لوگ جس علاقے میں بارش ہوتی وہاں پہنچ جاتے۔ انھیں پتہ چلا کہ المراض سے تغلمین تک خوب بارش ہوئی ہے تو بنو محارب، بنو ثعلبہ اور انمار تینوں قبیلے وہاں پہنچ گئے۔ جب یہ اسلام دشمن قبائل اکٹھے ہوئے تو انھیں یہ خیال آیا کہ مسلمانوں کی ایک چراگاہ ھیفاء پر حملہ کریں جہاں مویشی چرا کرتے تھے اور جو مدینہ طیبہ سے صرف سات میل کے فاصلے پر تھی۔ یہ سب قبائل مراض میں اکٹھے ہوئے تھے جو مدینہ طیبہ سے ۳۶ میل کے فاصلے پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ان کے اس خیال بد کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کی سرکوبی کے لیے سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ۴۰ مجاہدین کا قائد بنا کر بھیجا۔ نماز مغرب کے بعد مجاہدین کا یہ دستہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوا اور ساری رات چلتا رہا۔ صبح طلوع ہوتے ہی یہ وہاں پہنچ گئے۔ ان لوگوں کو مسلمانوں کی آمد کی بھنک پڑ گئی اور وہ پہاڑوں کی جانب بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا لیکن وہ ایسے بھاگے کہ ہاتھ نہ آئے۔ ان کا صرف ایک آدمی پکڑا گیا۔ اس شخص نے اسلام قبول کر لیا اس وجہ سے اسے تو رہا کر دیا گیا، البتہ ان لوگوں کے اونٹ اور گھریلو سامان بطور مال غنیمت لے کر یہ دستہ مدینہ طیبہ واپس آ گیا۔ (امتاع الاسماع: ۲۰۶/۱)

سریۂ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (ربیع الثانی ۶ ھ)

رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ قریش مکہ کا ایک تجارتی قافلہ عراق کے راستے

Marfat.com

سے شام جا رہا ہے اور اس کے پاس چاندی اور دیگر سامان بہت زیادہ مقدار میں ہے۔ فرات ابن حیان اس قافلے کا قائد اور رہبر تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک سو ستر سواروں کا امیر بنا کر اس قافلے پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا تاکہ غنیم کی معیشت تباہ ہو۔ اسلامی لشکر نے قافلے پر حملہ کر کے سارا ساز و سامان لے لیا اور سرکار دو عالم ﷺ کے سب سے بڑے داماد ابو العاص بن ربیع اور مغیرہ بن معاویہ بن ابی العاص کو قیدی بنا کر مدینہ طیبہ لے گئے۔ ابو العاص نے اپنی بیوی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے پناہ مانگی۔ چنانچہ انھوں نے انھیں پناہ دے دی۔ بعد میں ابو العاص کو بھی رہا کر دیا گیا اور قافلے کا سارا سامان بھی واپس کر دیا گیا۔

سریۂ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (شعبان ۶ ھ)

شعبان ۶ ھ میں سرکار دو عالم ﷺ کو حکم فرمایا کہ وہ دومۃ الجندل میں بنو کلب کو اسلام کی دعوت دیں۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ سات سو مسلمانوں کو بھیجا۔ انھیں رخصت کرنے سے قبل جو عمامہ انھوں نے باندھا ہوا تھا وہ کھول کر اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر باندھا۔ نیچے والا شملہ ان کے کاندھوں کے درمیان لٹکا دیا اور فرمایا: ''عوف کے فرزند عمامہ اس طرح باندھا کرو۔'' پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کے راستے میں رخصت ہو جاؤ، جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرے اس کے ساتھ جنگ کرو اور کسی کے ساتھ دھوکا نہ کرنا، مکر و فریب نہ کرنا، بدعہدی نہ کرنا اور کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اٹھا کر ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! پانچ چیزوں سے بچو اس سے پیشتر کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو:

① جب کسی قوم کا پیمانہ (ناپ تول) کم ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو قحط اور پیداوار کی کمی سے دوچار کر دیتا ہے۔

② اور جب کوئی قوم اپنا وعدہ توڑ دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمن کو مسلط کر دیتا ہے۔

③ اور جو قوم زکوٰۃ دینا بند کر دیتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس پر نزول باراں روک دیتا ہے، اور اگر بے زبان جانور نہ ہوں تو انھیں پینے کے لیے پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہو۔

Marfat.com

④ اور جس قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے اس پر اللہ تعالیٰ وبائی امراض طاعون وغیرہ مسلط کر دیتا ہے۔

⑤ اور جو قوم احکام قرآن کے بغیر فیصلہ کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی وحدت ملی کو پارہ پارہ کر دیتا ہے اور وہ ایک دوسرے پر ظلم وتشدد کرنے لگ جاتے ہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ کی یہ تمام نصائح سن کر سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ بنو کلب میں پہنچ کر آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق آپ ﷺ نے تبلیغ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ دو روز تک تو ان پر مسلمانوں کی وعظ ونصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس دوران میں وہ جنگ کرنے کے لیے اپنی تلواریں تیز کرتے رہے۔ تیسرے روز جب مسلمانوں نے دعوت اسلام کا نعرہ بلند کیا تو ان کی وحدت میں شگاف پڑنے شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے ان کے رئیس نے دعوت اسلام کو قبول کیا۔ جونہی رئیس حلقہ بگوش اسلام ہوا تو اسلام قبول کرنے والوں کا ایک تانتا بندھ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز کے بعد پورا قبیلہ عیسائیت کو ترک کر کے دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔ جو لوگ عیسائیت ترک کرنے پر راضی نہ ہوئے انھوں نے جزیہ دے کر اسلامی ریاست کا پُر امن شہری رہنا قبول کر لیا۔

بنو کلب کے رئیس کا نام اصبغ بن عمرو الکلبی تھا۔ اس کی ایک لڑکی تماضر نام کی تھی۔ رئیس نے اس کا رشتہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ آپ نے سرکار دو عالم ﷺ کے فرمان کے مطابق اس سے نکاح کر لیا اور اس بیوی کو مدینہ طیبہ اپنے ساتھ لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اس بیوی سے ایک لڑکا عطا فرمایا جس کا نام ابو سلمہ رکھا گیا۔ یہ بچہ (ابوسلمہ) حافظ تھا، ثقہ تھا، بکثرت احادیث روایت کرتا تھا۔ یہ تابعین میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ ان کا اصل نام عبداللہ تھا اور ان کی وفات سنہ ۹۴ھ میں ہوئی۔

(السیرۃ النبویہ احمد بن زینی دحلان: ۱۶۱/۲)

سریۂ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ:

لہٖ ۶ھ مدینہ طیبہ سے ۳۶ میل کے فاصلے پر "طرف" نامی ایک بستی تھی جو ایک چشمے کے قریب واقع تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو پندرہ مجاہدین کا امیر بنا کر

Marfat.com

بھیجا۔ ان مجاہدین کی آمد کا سن کر بنو ثعلبہ کے لوگ بھاگ گئے۔ لیکن ان کے بہت سے اونٹ اور بکریاں قبضے میں آ گئیں۔ چنانچہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ بیس اونٹ اور بکریاں لے کر صبح سویرے مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ اس سفر میں جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

سریۂ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (رجب ٦ ھ)

یہ سریہ بعض روایات کے مطابق زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بعض روایات کے مطابق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت رجب ٦ ھ میں وادی القریٰ کی جانب روانہ کیا گیا۔ وادی القریٰ کے علاقے اور اطراف میں بنو فزارہ آباد تھے۔ ان کی ایک شاخ ''بنو بدر'' کے شرپسندوں نے اسلامی ریاست سے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنی سرشت اور جبلت کے مطابق مسلمانوں کا ایک تجارتی قافلہ لوٹ لیا۔ اسلامی ریاست اب اتنی کمزور نہ تھی کہ اس نوعیت کی فتنہ انگیزیوں کو نظر انداز کر دیتی۔ تجارتی قافلے کی اس لوٹ کے علاوہ اس سریہ کی ایک اور بھی بڑی معقول وجہ تھی۔ بنو بدر ایک تیز طرار اور مکار عورت ''ام قرفہ'' [1] نے سرکار دو عالم ﷺ کے قتل کی سازش کی اس سلسلے میں اس نے تین شہسوار اور بھی تیار کر رکھے تھے۔ چنانچہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے ام قرفہ کی سرکوبی کا حکم صادر ہوا۔ اس سریہ میں سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ سریہ کے سپہ سالار سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز کے فوراً بعد غنیم پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ فیصلہ کے مطابق مجاہدین بجلی کی طرح ان شرپسندوں پر ٹوٹ پڑے۔ ام قرفہ کے جنگ جو تہ تیغ کر دیے گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں سے کچھ لوگوں کو قتل کیا۔ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ بن اکوع نے دیکھا کہ شرپسندوں کا ایک گروہ پہاڑ کی طرف بھاگا جا رہا ہے۔ اس میں چند خواتین بھی تھیں۔ اس سے قبل کئی بار ایسا ہوا کہ

---

[1] ام قرفہ ربیعہ بن بدر فزاری کی بیٹی تھی۔ اپنی قوت اور اپنے حفاظتی انتظامات میں اس کا نام ''ضرب المثل'' کے طور پر لیا جاتا ہے۔ اس کے گھر میں ہر وقت پچاس تلواریں آویزاں رہتی تھیں۔ پچاس مردانِ شمشیر زن ہر وقت وہاں موجود رہتے تھے۔ یہ سب اس کے بیٹے اور پوتے تھے۔ اس کے ایک بیٹے کا نام قرفہ تھا۔ اس کی وجہ سے اس کی کنیت ام قرفہ تھی جب کہ اس کا اصلی نام فاطمہ بنت ربیعہ تھا۔ اس کا گھر وادی القریٰ کے ایک جانب تھا جو مدینہ طیبہ سے سات رات کی مسافت پر تھا۔ (امتاع الاسماع: ۱/۲۰۹)

Marfat.com

جونہی لشکر اسلام پہنچا دشمن نے پہاڑوں میں چھپ کر جانیں بچالیں لیکن اس دفعہ ایسا نہ ہوسکا۔ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ بن اکوع نہایت برق رفتاری سے ان بھاگنے والوں کے تعاقب میں دوڑے اور جب مناسب فاصلہ رہ گیا تو کمان میں تیر چڑھا کر بھاگنے والوں کو متنبہ کیا، لیکن اس وارننگ کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اب سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ نے تیر چھوڑ دیا جو اس شرارت پسند گروہ اور پہاڑ کے مابین زمین میں پیوست ہو گیا۔ یہ دراصل فرار ہونے والوں کی آخری حد کا تعین تھا۔ اب بھاگنے والوں کا یہ گروہ رک گیا۔ ام قرفہ بھی اسی گروہ میں شامل تھی۔ چنانچہ اسے گرفتار کرلیا گیا۔ ام قرفہ خود تو ایک نہایت بدصورت عورت تھی، لیکن اس کی بیٹی جو ماں کے ساتھ گرفتار ہوئی، سرزمین عرب کی ایک حسین ترین دوشیزہ تھی۔ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ان گرفتار شدگان کو لے کر امیر لشکر کے پاس حاضر ہوئے۔ امیر نے یہ دوشیزہ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو عطا کر دی لیکن سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ اس دوشیزہ سے دور رہے۔ اس طرح یہ لڑکی بارگاہِ رسالت ﷺ میں پیش کر دی گئی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس دوشیزہ کے بدلے میں مکہ مکرمہ میں قید متعدد مسلمان رہا کرائے۔ (السیرۃ النبویہ دحلان: ۱۶۲/۲، تاریخ الخمیس: ۱۲/۲)

سریۂ کرز بن جابر الفہری (شوال ۶ ھ)

بعض روایات میں ہے کہ یہ واقعہ ۶ ھ جمادی الآخر میں پیش آیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس واقعہ کو اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ عُکل اور عُرینہ کے چند لوگ بارگاہِ رسالت ﷺ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے لیکن مدینہ کی آب وہوا انھیں راس نہ آئی اور وہ بیمار ہو گئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے انھیں اونٹوں کی چراگاہ میں بھیج دیا اور فرمایا کہ تم ان اونٹنیوں کا بول اور دودھ پینا۔ وہ وہاں چلے گئے اور بول اور دودھ پینے کے باعث وہ بالکل تندرست ہو گئے۔ اب شیطان نے ان کے دل میں یہ جذبہ اور شرارت پیدا کی کہ انھوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور چراگاہ کی اونٹنیاں لے کر بھاگ گئے۔ صبح سرکار دو عالم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ آپ ﷺ نے ان کے تعاقب میں سوار بھیجے۔ جب سورج کافی اوپر آ گیا تو آپ ﷺ کے بھیجے ہوئے سوار اُن کو پکڑ کر لے آئے۔ سرکار دو عالم ﷺ کے حکم پر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلاخیں پھیری

Marfat.com

گئیں، اور انھیں دھوپ میں ڈال دیا گیا۔ ان کے پانی طلب کرنے پر بھی انھیں پانی نہیں دیا گیا۔ (بخاری) ان لوگوں نے چرواہے کے ساتھ بھی کچھ کیا تھا جو ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا۔

طبقات ابن سعد میں اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے تعاقب میں کرز بن جابر الفہری رضی اللہ عنہ کو بیس سواروں کے ساتھ بھیجا۔ اہل عرینہ کی تعداد آٹھ تھی۔ وہ شیر خوار اونٹنیاں ذی الجدر کی چراگاہ میں چرتی تھیں۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے قریباً ۱۰ کلومیٹر دور تھی اور قبا کے نواح میں واقع تھی۔ سب سے پہلے رسول اللہ کے غلام یسار رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ انھیں جالیا اور ان سے لڑنا شروع کر دیا۔ ان ظالموں نے سیدنا یسار رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے اور ان کی زبان اور آنکھوں میں کانٹے چبھو دیے اور اس حالت میں انھیں پھینک دیا کہ انھوں نے تڑپ تڑپ کر جان دی۔ اب جب یہ تمام مجرم عدالت رسالت پناہ میں پیش ہوئے تو اقلیم عدل وانصاف کے شہنشاہ نے ان کو وہی سزا دی جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں بیان کی ہے۔ (المائدہ ۵:۳۳)

ایک اور روایت یہ بھی ہے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا کرز بن جابر رضی اللہ عنہ کو بیس سواروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں بھیجا تو آپ ﷺ بارگاہِ الوہیت میں یوں دست بہ دعا ہوئے کہ ''اے اللہ! ان ظالم قاتلوں کو بصارت سے اتنا محروم کر دے کہ ان کو کچھ سجھائی نہ دے، اور اے اللہ! اہل عرینہ پر راستہ کنگن سے بھی تنگ کر دے۔'' الفاظ دعا سے عیاں ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو ان کی شیطانی حرکت کا کتنا غم تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ وہ ادھر ادھر بھٹکنے لگے اور انھیں بھاگنے کے لیے کوئی راستہ دکھائی نہ دیتا تھا، حالانکہ سب راستے ان کے دیکھے بھالے تھے۔ وہ اسی سراسیمگی کی حالت میں تھے کہ مجاہدین کا دستہ ان کے سر پر جا پہنچا اور ان سب کو گرفتار کر لیا۔

غزوۂ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ (شوال ۶ھ)

ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کے قتل کے بعد یہود نے اسیر بن زارم کو اپنا سردار منتخب کیا۔ اس نے سردار بننے کے بعد یہودی فطرت کے تحت دیگر قبائل سے ساز باز کرنا شروع کر دی اور انھیں مسلمانوں کے خلاف اکسانا شروع کر دیا، اور یہ باور کرانے کی پوری پوری کوشش

Marfat.com

کی کہ مدینہ کی اسلامی ریاست کا استحکام قبائل کی موت کے مترادف ہے، لہٰذا قبل اس کے کہ اسلامی ریاست مستحکم ہو اس کو ختم کر دینا ہم سب کے لیے بہتر ہے۔ اسلامی ریاست کی انٹیلی جنس نے اس بارے میں بارگاہ رسالتؐ میں اطلاع دی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت تیس مجاہدین کو بھیجا تا کہ اس فتنہ کا جلد استیصال کر دیا جائے تا کہ فساد کی یہ کونپل پھوٹنے سے پہلے ہی مسل دی جائے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نہایت سمجھ دار انسان تھے۔ انھوں نے مکمل منصوبہ بندی کے بعد اسیرم سے رابطہ قائم کیا اور اس سے بالمشافہ گفتگو کا آغاز فرمایا۔ انھوں نے اسیرم سے کہا کہ ''ہم امن و سلامتی کے خواہش مند ہیں۔'' اسیرم نے جواب میں کہا کہ میں بھی امن کا خواہش مند ہوں۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم سرکار دو عالم ﷺ کا خاص پیغام لے کر آئے ہیں۔ اگر آپ ہمارے ساتھ بارگاہِ رسالتؐ میں چلیں تو آپ کو بہت فائدہ ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کو خیبر کی امارت سونپ دی جائے۔ یہ بات اسیرم کو بہت اچھی لگی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ بارگاہِ رسالتؐ میں جانے کے لیے تیار ہو گیا، لیکن احتیاطاً تیس جنگ جو اپنے ساتھ جانے کے لیے تیار کر لیے، لیکن اندر سے فریقین ایک دوسرے پر اعتبار کرنے سے گریزاں تھے۔ مسلمانوں نے اسیرم کو پھانسنے کے لیے دام ہم رنگ زمین بچھایا ہوا تھا، لہٰذا وہ ہر یہودی پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔ جب یہ لوگ خیبر سے چھ میل کی مسافت پر ''قرقرہ اثار'' پہنچے تو اسیرم کو پچھتاوے نے آلیا اور اس کو اپنے تیس جنگ جُو مسلمانوں کے تیس مجاہدین کے مقابلے میں کمزور نظر آنے لگے۔ اس نے اچانک سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ اسیرم کی اس چال کو سمجھ گئے اور طرح دے گئے۔ اسیرم خجالت اور ندامت بھرے انداز میں مسکرانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پھر سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ اب سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سے اونٹ پر سوار اسیرم کو اس زور سے ہاتھ مارا کہ اس کا پاؤں پنڈلی سمیت دور جا گرا اور اسیرم خود بھی اونٹ سے نیچے گر گیا۔ اس کے ہاتھ میں خم دار سرے والی چھڑی تھی۔ اس نے اس چھڑی سے سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سر پر وار کیا جو کارگر نہ ہوا۔ مسلمان مجاہدین پہلے ہی سے اس لڑائی کے لیے تیار تھے لہٰذا انھوں نے نہایت برق رفتاری سے یہودیوں پر حملہ کر دیا۔ سوائے ایک یہودی کے باقی سب یہودی تہ تیغ کر دیئے گئے۔ ان حضرات نے جب

Marfat.com

مدینہ طیبہ آ کر سرکار دو عالم ﷺ کو اس لڑائی کی روداد سنائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو ظالم قوم سے نجات دلا دی۔'' سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو جو زخم آیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے زخمی چہرہ پر اپنا لعاب دہن لگایا جس سے ان کا زخم مندمل ہو گیا اور آپ کی تکلیف جاتی رہی۔ (السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۴/۴۱۸، دلائل النبوۃ بیہقی: ۴/۲۹۵)

Marfat.com

معاہدۂ حدیبیہ

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ سے گئے ہوئے چھ سال گزر گئے۔ ان چھ سالوں میں وہ دشمن سے مدافعت کی وجہ سے مسلسل جنگوں میں مصروف رہے۔ کبھی قریش کے حملوں سے خود کو محفوظ رکھنے میں منہمک اور کبھی یہود کی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں سے نجات حاصل کرنے کی فکر۔ یہ سارا زمانہ ان کا مختلف پریشانیوں میں گزرا لیکن ان پریشانیوں کے باوجود اسلام کی دعوت ہر طرف پھیلتی گئی اور اس کے حامیوں میں قوت واستقلال بڑھتا گیا اور اس کی دعوت کے سیلاب کے سامنے مشرکین اور کافروں کا ہر بند مسمار ہو گیا۔

ہجرت کے پہلے سال نمازوں میں بیت المقدس کے بجائے مسجد الحرام کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا، یعنی مسلمانوں کے لیے اس کو قبلہ نما بنایا گیا۔ پھر یہ کعبہ جو مکہ میں تھا اس کی تعمیر میں آپ ﷺ نے لڑکپن اور جوانی میں حصہ لیا۔ اس کے حجر اسود کو اپنے ہاتھ سے رکھا۔ مکہ آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے مہاجر ساتھیوں کا آبائی وطن بھی تھا۔ یہیں یہ حضرات پیدا ہوئے تھے، یہیں ان کا بچپن اور جوانی گزری اور بعض حضرات نے تو اپنے بڑھاپے کی بھی کچھ منازل یہیں طے کیں۔ یہ شہر ان کے ساتھ ایک روحانی تعلق بھی رکھتا تھا۔ یہ ان کا مرکز ایمان تھا، اطمینان گاہ روح و جان تھا۔ یہ خدا کی وہ تجلی گاہ تھا جس کی زیارت کے لیے کئی ہزار سال قبل سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تمام انسانی سعید روحوں کو دعوت عام دی تھی۔ یہ وہ شہر تھا جہاں خدا کی سعید روحیں ہر سال حاضر ہو کر بیت عتیق کا طواف اور اس کی زیارت کر کے سعادت ابدی کی دستاویز حاصل کرتی تھیں۔ اس قرار گاہ روح میں سرکار دو عالم ﷺ پر تیرہ سال تک وحی آتی رہی، اس لحاظ سے یہ مہبط ایمان بھی تھا اور اس کی زیارت کا شوق فطرتِ ایمانی کا جزو لاینفک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ باوجود اس بات کے کہ یہ ان کا آبائی وطن نہیں تھا

Marfat.com

بلکہ وہ ایک غلام کی حیثیت سے مکہ مکرمہ آئے تھے، ایمان لائے تو مکہ کا ایک ایک گھرانہ ان کا جانی دشمن ہو گیا۔ انھیں اتنی تکلیفیں دی گئیں کہ ان کو لکھتے ہوئے قلم کا سینہ شق ہو جاتا ہے، لیکن مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد ایک عرصہ تک ان کی یہ حالت رہی کہ جب کبھی مکہ کا خیال آتا تو موسلا دھار بارش کی طرح آنسو گرنے شروع ہو جاتے۔ یہ ایمانی تعلق کی وجہ سے تھا جو ہر مومن کو اللہ کے اس گھر اور پیغمبر اسلام ﷺ کے اس پیدائشی شہر سے ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو لوگوں نے سنا کہ یہ شعر گنگنا رہے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے:

''کاش میں جان لیتا کہ پھر کبھی ایسا ہو گا کہ میں اس وادی میں رات گزاروں اور میرے ارد گرد اذخر اور جلیل ہو۔ (یہ گھاس کے نام ہیں جو مکہ مکرمہ میں ہوتی ہیں) اور کیا پھر کبھی ایسا ہو گا کہ میں مجنہ کے چشمہ پر فروکش ہوں اور کوہ شامہ مجھے دکھائی دے اور کوہ طفیل کو میں اپنی ان آنکھوں سے دیکھ سکوں۔'' (بخاری: ۲۵۳/۱)

جب ایک ایسے شخص کے مکہ کے بارے میں یہ جذبات واحساسات ہیں تو محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے مہاجر رفقاء کے جذبات کا کیا حال ہو گا کیونکہ وہ تو وہیں پیدا ہوئے بلکہ کچھ تو ماں کے پیٹ سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے۔ اسی شہر میں انھوں نے اپنی جوانی تک کے لمحات گزار دیے اور ان کے آباؤ اجداد کی ہڈیاں بھی اسی شہر میں دفن تھیں (اگرچہ وہ کافر ہی تھے) اب چھ سال ہو گئے تھے کہ اس شہر کی ہوا بھی انھیں نہیں لگی تھی حالانکہ ایک لمحہ کی جدائی بھی اس شہر کی انھیں گوارا نہ تھی، پھر ان کی یہ بندش بھی جبری تھی کیونکہ جب سے رسول اللہ ﷺ اور آپ ؐ کے ساتھیوں نے ہجرت کی تھی، اہل مکہ نے ان کے بیت اللہ میں داخل نہ ہونے پر قسم کھالی تھی۔ قریش اس بات پر تل گئے تھے کہ جب تک رسول اللہ ﷺ اور آپ ؐ کے ساتھی جو ہبل، لات، عزیٰ اور نائلہ اور دوسرے بتانِ کعبہ کی خداوندی کے منکر ہیں، ان کے اور اپنے اسلاف کے خداؤں کو نہ مانیں، ان کے ساتھ جنگ کرنا فرض اور انھیں کعبہ میں آنے سے روکنا واجب ہے۔

مسلمان ان چھ سالوں میں کعبہ کی زیارت اور حج وغیرہ کے دینی فریضہ کی ادائیگی سے قاصر تھے، خصوصاً مہاجرین بیت اللہ کے فراق کا صدمہ زیادہ محسوس کرتے تھے، انھیں اور غموں کے علاوہ مکہ کی جدائی کا الم بھی گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ انھیں وطن

Marfat.com

اور اپنے اہل وعیال کی جدائی کا غم بھی چین نہ لینے دیتا تھا، لیکن اس کے ساتھ انھیں یہ بھی امید تھی کہ ایک نہ ایک دن اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ اور اس کے تابع داروں کو ضرور کامیاب کرے گا اور اسلام کو ہر ایک دین پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ انھیں اس گھڑی کے بہت جلد آنے کا یقین تھا، جس میں خداوند دو جہاں ان پر مکہ کے دروازے کھول دے گا اور وہ بھی بیت اللہ کا طواف کریں گے، جسے اللہ نے تمام عالم کے لیے ضروری اور فرض قرار دیا ہے۔

کئی سال گزر گئے جن میں مسلمانوں کو مختلف لڑائیوں نے گھیرے رکھا۔ بدر کا معرکہ ختم ہوا تو احد کی ہولناک جنگ مسلط ہوگئی، اس کے بعد خندق کی جنگ مسلط کر دی گئی۔ اسی طرح یہود اور دوسرے مختلف قبائل کی جنگوں نے انھیں چین نہ لینے دیا، لیکن طواف کعبہ کا جو اشتیاق تھا اس اشتیاق میں وہ ہمہ وقت چشم براہ تھے۔

رسول اللہ ﷺ کو ایک روز یہ خواب دکھلایا گیا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کی چابی لی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کیا۔ پھر بعض لوگوں نے سر کے بال منڈوائے بعض نے کتروائے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس خواب سے مطلع فرمایا تو انھوں نے اس پر بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ انھیں چونکہ زیارت کعبہ کے شوق نے دیوانہ بنایا ہوا تھا، اس لیے وہ سمجھے کہ اس سال ہی مکہ میں داخلہ نصیب ہوگا۔ محبت وشوق کی جو چنگاری صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی، لہٰذا انھوں نے سفر مکہ کی تیاری شروع کر دی۔

یکم ذی قعدہ سنہ ۶ ھ کو اتوار کے دن رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کا قصد فرمایا۔ قریباً پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ مدینہ پر سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ یا سیدنا نمیلہ لیثی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ جانے سے قبل آپ ﷺ نے مدینہ اور گردوپیش کی آبادیوں میں اعلان فرما دیا کہ جو لوگ ان کے ہمراہ جانا چاہیں، وہ آجائیں لیکن بہت سے اعراب نے تاخیر کی۔ چنانچہ آپ ﷺ یکم ذی قعدہ کو مدینہ سے اپنی قصواء نامی اونٹنی پر روانہ ہوئے، آپ ﷺ کے ہمراہ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ بند تلواروں (میان کے اندر تلوار) کے سوا اور کسی قسم کا کوئی ہتھیار

Marfat.com

آپ ﷺ کے پاس نہ تھا۔

(زرقانی: ۱۸۰/۲، فتح الباری: ۲۴۲/۵، طبقات ابن سعد: ۶۹/۲، عیون الاثر: ۱۶۰/۲۔۱۶۱)

ذوالحلیفہ پہنچ کر ہدی (وہ جانور جسے حج وعمرہ میں منیٰ میں ذبح کرتے ہیں) کو قلادہ پہنایا اور عمرہ کا احرام باندھا تاکہ لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ آپ ﷺ صرف عمرہ کے لیے جارہے ہیں، جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔ جب آپ ﷺ غدیر اشطاط پہنچے تو بنوخزاعہ کا ایک جاسوس آگے بھیج دیا تاکہ وہ قریش کے عزائم کی خبر لائے۔ جاسوس کا نام بسر بن سفیان تھا، لیکن جب آپ ﷺ عسفان کے قریب پہنچے تو اس جاسوس نے آکر خبر دی کہ میں کعب بن لوی (قبیلہ) کو اس حالت میں چھوڑ کر آرہا ہوں کہ انھوں نے آپ ﷺ سے مقابلہ کرنے کے لیے حلیف قبائل کو جمع کر رکھا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی اکٹھے کر رکھے ہیں اور وہ آپ ﷺ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ خالد بن ولید بطور مقدمۃ الجیش (ہراول دستہ) کے دوسو سواروں کو لے کر غمیم کے مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ (یہ مقام رسول اللہ ﷺ کے پڑاؤ سے آٹھ میل کی مسافت پر تھا۔) یہ اطلاع ملنے پر سرکار دوعالمؐ نے فرمایا:

> ”قریش پر افسوس، وہ جنگوں میں تباہ ہو گئے مگر پھر بھی عقل ٹھکانے نہیں آئی، اگر آج وہ مسلمانوں اور تمام عرب زائرین کو طواف اور زیارت کعبہ سے نہ روکتے تو ان کا کیا بگڑتا! اس صورت حال کے پیش نظر اگر وہ مجھ پر غالب آ گئے تو انھیں انتہائی مسرت ہوگی اور اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے ان پر غالب کر دیا تو وہ جوق در جوق اسلام قبول کر لیں گے، اگر انھوں نے جنگ شروع کر دی جس کی ان میں قوت ہے ہی کہ وہ گھروں سے اسی نیت سے نکلے ہیں اور مسلمان صرف طواف وزیارت کے لیے، مگر میرے متعلق وہ کسی مغالطے میں ہیں۔ خدا کی قسم، میں اسلام کو قائم رکھنے کے لیے ہمیشہ ہمیشہ جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کر دے یا دست اجل مجھ پر اپنا قبضہ کر لے۔“

آپ ﷺ اس بارے میں کچھ فکر مند تھے کیونکہ آپ ﷺ جنگ کے لیے نہیں بلکہ عمرہ کے لیے آئے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور فرمایا:
”کیا آپ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ جو لوگ قریش کی اعانت پر کمربستہ ہیں ہم ان کے اہل وعیال

Marfat.com

پر دھاوا بول دیں۔ اس کے بعد اگر وہ خاموش بیٹھتے ہیں تو اس حالت میں خاموش بیٹھتے ہیں کہ جنگ کی مار اور غم والم سے دوچار ہو چکے ہیں اور آتے ہیں تو وہ بھی اس حالت میں کہ اللہ تعالیٰ ان کی گردن توڑ چکا ہوگا۔ یا پھر آپ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ ہم بیت اللہ کا رخ کریں اور جو بھی ہماری راہ میں حائل ہو، اس سے جنگ کریں؟

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ ''اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، لیکن ہم تو صرف عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں، کسی سے جنگ کرنے اور لڑنے نہیں آئے، البتہ جو ہمیں بیت اللہ جانے سے روکے گا اس سے ضرور جنگ کریں گے۔'' آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: تب چلو اور آپ ﷺ نے سفر جاری رکھا، لیکن اپنا راستہ بدل دیا اور کراع الغمیم کی شاہراہ چھوڑ کر ایک پر پیچ راستہ اختیار کیا جو پہاڑی راستوں سے ہو کر گزرتا تھا۔ اس راستہ کو اختیار کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ وادی غمیم کا وہ مرکزی راستہ جو تنعیم سے گزر کر حرم تک جاتا تھا اور جس پر خالد بن ولید اپنا دستہ لیے بیٹھے تھے، بائیں جانب رہ گیا۔ خالد کو جب مسلمانوں کے اس راستہ کی تبدیلی کا علم ہوا تو انھوں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور فوری طور پر مکہ جا کر قریش کو اس نئی صورت حال سے آگاہ کیا اور ان سے نئی ہدایات لینی چاہیں۔

ادھر سرکار دو عالم ﷺ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ جب آپ ﷺ ثنیۃ المرار پہنچے تو آپ ؐ کی اونٹنی قصواء بیٹھ گئی۔ لوگوں نے اس کو اٹھانے کی غرض سے ''حل حل'' کہا لیکن وہ نہ اٹھی۔ لوگوں نے کہا: ''یا رسولؐ اللہ! قصواء اڑ گئی۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''قصوا کی اڑنے کی عادت نہیں بلکہ اس کو اس ہستی نے روک دیا ہے جس نے ہاتھی کو روکا تھا۔'' بعد ازاں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، قریش مجھ سے کسی بھی ایسی بات کا مطالبہ نہیں کریں گے جس میں شعائر اللہ کی تعظیم کر رہے ہوں لیکن میں ضرور اس کو تسلیم کروں گا۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے اونٹنی کو اٹھنے کے لیے کہا تو وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر وہاں سے تھوڑا سا ہٹ کر اقصائے حدیبیہ میں ایک چشمہ پر قیام فرمایا۔

گرمی کا موسم تھا۔ پیاس کی شدت اور پانی کی قلت تھی۔ اس وجہ سے تھوڑا سا پانی کھینچنے سے پانی ختم ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہ رسالت میں پانی نہ ہونے کی شکایت

Marfat.com

کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور حکم دیا کہ چشمہ میں گاڑ دیں۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی۔ اسی وقت اس چشمے کے پانی نے اس قدر جوش مارا کہ سارا لشکر سیراب ہو گیا۔ (فتح الباری: ۲۴۳/۵)

حدیبیہ میں قیام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خراش بن امیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو ایک اونٹ پر سوار کر کے قریش کے پاس مکہ بھیجا کہ انھیں بتا دیں کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آئے بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ اہل مکہ نے ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور ارادہ کیا کہ انھیں بھی قتل کر ڈالیں لیکن کچھ لوگوں نے منع کر دیا، چنانچہ سیدنا خراش رضی اللہ عنہ بمشکل جان بچا کر واپس آئے اور بارگاہ رسالتؐ میں سارا واقعہ بیان کر دیا۔

قریش ایک عجیب تشویش میں مبتلا تھے، وہ اس مخمصے میں پڑ گئے کہ اگر مسلمانوں نے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو انھیں جان پر کھیل جانے کے بغیر اور کوئی چارۂ کار نہیں رہے گا، لیکن پھر ان کے ذہنوں میں بدر و احد اور جنگ خندق کے تصورات بھی موجزن ہوتے کہ ہم ان جنگوں میں اتنی بھاری اکثریت کے باوجود مسلمانوں کو نیست و نابود نہیں کر سکے بلکہ حالت یہ ہو گئی ہے کہ اب یہ ہمارے شہر کے دروازے تک پہنچ گئے ہیں۔ اگر مسلمان اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو وہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ چنانچہ کافی سوچ اور غور و فکر کے بعد انھوں نے یہی بات مناسب سمجھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے دانشور اور غور و خوض کرنے والے آدمیوں کو بھیجا جائے جو ایک طرف تو ان کی قوت کا جائزہ لیں اور دوسری طرف انھیں عمرہ کیے بغیر واپس جانے پر آمادہ کریں۔ چنانچہ انھوں نے بدیل بن ورقہ خزاعی کو چند آدمیوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بات چیت کرنے کے لیے بھیجا۔

قبیلۂ خزاعہ اگرچہ ابھی تک مشرف بہ اسلام نہ ہوا تھا لیکن شروع ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف اور خیر خواہ چلا آ رہا تھا۔ مشرکین مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو سازشیں کرتے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا کرتا تھا۔ اس لحاظ سے یہ قبیلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رازدار بھی تھا۔ اس قبیلہ کا رئیس بدیل بن ورقاء اپنے قبیلہ بنو خزاعہ کے چند افراد کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بدیل نے کہا میں کعب بن لوی (قبیلہ قریش) کو دیکھ کر آ رہا ہوں کہ وہ حدیبیہ کے نواح میں پانی کے بڑے چشموں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے کے لیے ایک بہت بڑا لشکر تیار

Marfat.com

کررہے ہیں تاکہ آپ کو کسی صورت مکہ میں داخل نہ ہونے دیں اور دودھ والی اونٹنیاں اور بچے ان کے ساتھ ہیں یعنی طویل قیام کا ارادہ ہے، یعنی کھاتے پیتے رہیں اور آپ ﷺ کے مقابلے میں ڈٹے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا مقصد بیان فرمایا کہ ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے بلکہ ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے۔ قریش کو جنگوں نے نہایت کمزور کر دیا ہے اور انھیں تھکا کر رکھ دیا ہے، لہٰذا اگر وہ چاہیں تو ان کے لیے ایک مدت صلح کی مقرر کر دوں کہ اس مدت میں کوئی ایک دوسرے سے تعرض نہ کرے اور مجھ کو اور عرب کو چھوڑ دیں، اگر اللہ کے فضل سے میں غالب ہو گیا تو وہ چاہیں تو اس دین میں داخل ہو جائیں اور فی الحال وہ آرام کر لیں اور اگر بالفرض عرب غالب آ گئے تو تمھاری تمنا پوری ہو جائے گی، لیکن میں تم سے کہے دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضرور اپنے اس دین کو غالب کر کے رہے گا اور اس دین کے غلبہ اور نصرت کا جو وعدہ اس نے کیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا اور اگر انھیں لڑائی کے سوا کچھ منظور نہیں تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں ضرور ان سے جنگ کروں گا یہاں تک کہ میری گردن الگ ہو جائے یا جب تک اللہ تعالیٰ اپنا امر نافذ نہ کر دے۔

بدیل آپ ﷺ کی یہ تمام باتیں سن کر قریش کے پاس گئے اور کہا: میں ان صاحب کے پاس سے آ رہا ہوں۔ میں نے ان سے ایک بات سنی ہے اگر چاہو تو پیش کر دوں۔ اس پر ان کے احمقوں نے کہا کہ ہم ان کی کوئی بات سننا نہیں چاہتے، لیکن جو لوگ نشیب وفراز سے آشنا اور جہاں دیدہ تھے انھوں نے کہا: سنائیے! آپ نے کیا سنا ہے؟ بدیل نے حضور ﷺ کی پوری بات انھیں سنا دی۔ قریش نے بدیل کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔

اب قریش نے مکرز بن حفص کو بھیجا، اسے دیکھ کر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ”یہ بدعہد آدمی ہے۔“ جب اس نے آپ ﷺ سے گفتگو کی تو آپ ﷺ نے اس کو بھی وہی بات کہی جو اس سے قبل بدیل بن ورقاء سے فرما چکے تھے۔ اس نے بھی واپس جا کر قریش کو پوری بات سے باخبر کر دیا۔

اب بنو کنانہ کے ایک شخص حلیس بن علقمہ نے کہا کہ مجھے ان کے پاس جانے دیں۔ میں ان سے بات کرتا ہوں۔ جب وہ آپ ﷺ کے پاس آ رہا تھا تو آپ ﷺ نے اسے پہچان کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا یہ شخص فلاں ہے اور یہ ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے جو ہدی

Marfat.com

کے جانوروں کا بہت احترام کرتی ہے، اس لیے تم لوگ ہدی کے جانوروں کو اس کے سامنے کھڑا کر دو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جانوروں کو کھڑا کر دیا اور خود بھی لبیک پکارتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ اس شخص نے یہ کیفیت دیکھی تو آپ ﷺ سے ملاقات کیے بغیر واپس چلا گیا اور کہنے لگا: ''میں نے ہدی کے جانور دیکھے ہیں جن کے گلوں میں قلادے ہیں اور جن کے کوہان چیرے ہوئے ہیں، لہٰذا انھیں روکنا مناسب نہیں۔ پہلے دو وفود کی طرح اس کی باتوں نے بھی قریش کو چراغ پا کر دیا اور انھوں نے غصے میں کہا: ''آخر تم بدّو ہی نکلے۔ تم ان باتوں کو کیا سمجھو۔'' یہ سن کر حلیس کے تن بدن میں آگ لگ گئی، اس نے قریش سے کہا: ''میں ان لوگوں کو کعبہ کی زیارت سے روکنے کے لیے تمھارا حلیف نہیں ہو سکتا۔'' اس نے یہ بھی کہا ''میرے قبیلے میں سے کوئی شخص محمد ﷺ کو طواف سے روکنے کے لیے حائل نہیں ہوگا۔'' حلیس کی اس دھمکی سے قریش کے بدن پر رعشہ طاری ہو گیا۔ اب انھوں نے منتیں کرنی شروع کر دیں کہ ہمیں آپ ﷺ کی اس بات پر غور و فکر کر لینے دیجیے۔

اب قریش نے ایسا آدمی تجویز کرنے کا منصوبہ بنایا جو نہایت دانشور اور ذہین ہو۔ اس کے لیے ان کی نگاہ عروہ بن مسعود ثقفی پر پڑی۔ پہلے وفد کی ذلت عروہ کے سامنے ہی ہوئی تھی، اس لیے اس نے جانے سے انکار کر دیا، لیکن قریش کے اطمینان دلانے پر وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حدیبیہ چلا گیا اور آپ ﷺ سے گفتگو شروع کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی وہی بات کہی جو اس سے قبل بدیل اور دوسرے دو حضرات سے کر چکے تھے۔ اس پر عروہ نے کہا:

> ''اے محمد ﷺ! فرمایئے، اگر آپ ﷺ نے اپنی قوم کا صفایا کر دیا تو آپ ﷺ نے اس سے پہلے کسی عرب کے متعلق سنا کہ اس نے اپنی قوم کا صفایا کر دیا ہو اور اگر دوسری صورت حال پیش آئی (یعنی قریش کو غلبہ ہوا) تو میں دیکھتا ہوں کہ یہ جو مختلف قوموں میں ملے جلے لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ہیں، وہ اس وقت آپ ﷺ کو چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے۔''

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے غصے میں آ کر کہا: ''جا، لات کی شرمگاہ چوس، ہم حضور ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟''

Marfat.com

عروہ نے کہا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس نے کہا: ''خدا کی قسم، اگر ان کا مجھ پر احسان نہ ہوتا جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا تو ان کی اس بات کا جواب ضرور دیتا۔''

اس کے بعد عروہ نے حضور ﷺ سے پھر گفتگو شروع کی۔ دوران گفتگو آپ کی ریش مبارک کو ہاتھ لگا لگا کر بات کر رہا تھا۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہاتھ میں تلوار لیے اور سر پر خُود پہنے آپ ﷺ کے پاس ہی کھڑے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ عروہ بن مسعود ثقفی کے بھتیجے تھے۔ انھیں بارگاہ نبویؐ میں اپنے چچا کی یہ جرأت گوارا نہ ہوئی۔ وہ ہر مرتبہ تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے کہ اپنا ہاتھ حضور ﷺ کی داڑھی سے پرے رکھ۔ آخر عروہ نے سر اٹھایا اور بولا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: مغیرہ بن شعبہ ہیں۔ (انھوں نے خود پہنا ہوا تھا اس لیے عروہ نہ پہچان سکا) اس پر عروہ نے کہا: او بدعہد! کیا میں تیری بدعہدی اور پیمان شکنی کے سلسلے میں دوڑ دھوپ نہیں کر رہا ہوں۔ یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ جاہلیت میں سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے ساتھ مقوقش شاہ مصر کے پاس تھے۔ مقوقش نے مغیرہ کی بہ نسبت ان کے دوسرے ساتھیوں کو زیادہ انعامات دیے، جس کا مغیرہ کو بہت رنج تھا۔ راستہ میں جب ایک مقام پر ٹھہرے تو انھوں نے ان کو سوتے میں قتل کر دیا اور ان کا مال لے کر بھاگ آئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ عروہ نے ان تیرہ مقتولوں کی دیت ادا کر کے قصہ کو رفع دفع کیا۔

عروہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عقیدت اور صدق واخلاص کا ایسا منظر دیکھا جو اس سے قبل اس نے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ جب وہ واپس آیا تو اس نے اشارہ کر دیا کہ اگر جنگ ہوئی تو نتیجہ قریش کے حق میں بہتر نہ ہوگا۔ اس نے قریش سے کہا:

''اے قوم! میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، لیکن وہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی جو محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کو محمد (ﷺ) کے ساتھ ہے۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ وضو کرنے میں جو پانی گرتا ہے اس پر ان کے ساتھی ٹوٹ پڑتے ہیں۔ بلغم یا لعاب دہن گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں میں لیتے ہیں اور چہروں اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں۔ جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو اس کی بجا آوری کے لیے سب دوڑ

Marfat.com

پڑتے ہیں اور انھوں نے تمھیں ایک اچھی تجویز پیش کی ہے لہٰذا اسے قبول کر لو۔''

ایک روایت میں ہے کہ عروہ نے یہ کہا: ''اے میری قوم! میں نے بہت سے بادشاہوں کو دیکھا مگر محمد (ﷺ) جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ مجھے بادشاہ معلوم نہیں ہوتے۔'' گویا یہ اشارہ تھا کہ آپؐ نبی ہیں۔ (زرقانی: ۱۹۲/۲)

جب قریش کے جنگ باز نوجوانوں نے دیکھا کہ ان کے سربرآوردہ حضرات صلح کے حامی ہیں تو انھوں نے صلح میں رخنہ اندازی کا ایک پروگرام بنایا۔ وہ یہ کہ رات کو چپکے سے مسلمانوں کے کیمپ میں گھس کر ایک ایسا ہنگامہ برپا کر دیں کہ جنگ کی آگ بھڑک اٹھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اس منصوبے پر عمل کرنے کی کوشش بھی کی اور رات کی تاریکی میں ستر یا اسی نوجوانوں نے جبل تنعیم سے اتر کے مسلمانوں کے کیمپ میں چپکے سے گھسنے کی کوشش لیکن مسلمان پہرہ داروں کے کمانڈر سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سب کو گرفتار کر لیا، حضور ﷺ نے ان سب کو معاف کرتے ہوئے رہا کر دیا۔ انھی کے بارے میں قرآن نے یہ فرمایا:

''وہی ہے جس نے بطن مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے روکے اور تمھارے ہاتھ ان سے روکے اس کے بعد کہ تم کو ان پر قابو دے چکا تھا۔'' (۲۴:۴۸)

قریش کی اس بد خلقی، جہالت اور اقدام جنگ کے باوجود رحمت عالم ﷺ کا جذبۂ مصالحت غالب رہا اور جوابی کارروائی کے بجائے آپ ﷺ نے ایک مرتبہ پھر صلح کی پیشکش فرمائی اور اس مقدس سفارت کے لیے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کو کہا گیا لیکن انھوں نے یہ کہتے ہوئے معذرت کر دی کہ یا رسولؐ اللہ! آپ ﷺ کو پتہ ہے کہ اہل مکہ مجھ سے کس قدر برہم اور کس درجہ میرے دشمن ہیں۔ اگر مجھے اذیت دی گئی تو مکہ میں بنی کعب کا ایک شخص بھی ایسا نہیں جو میری حمایت میں بگڑ سکتا ہو۔ اس لیے اگر آپ ﷺ میری بجائے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیجیں تو بہتر ہوگا کیونکہ ان کا قبیلہ اور کنبہ مکہ میں ہے۔ وہ آپ ﷺ کی سفارت صحیح طریقہ سے ادا کر سکیں گے۔ آپ ﷺ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے پسند آئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر انھیں مکہ اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں، صرف عمرہ کرنے آئے ہیں۔ انھیں اسلام کی دعوت بھی دیں۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مکہ میں مسلمان مردوں اور عورتوں کے پاس جا کر انھیں فتح و نصرت کی خوشخبری بھی

Marfat.com

سنا دیں اور انھیں بتلا دیں کہ اللہ تعالیٰ اب اپنے اس دین برحق کو مکہ میں ظاہر و غالب کرنے والا ہے اور پھر کسی اہل ایمان کو یہاں روپوش ہونے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو امیہ سے تھا۔ ان کے قبیلے کے بڑے بڑے لوگ وہاں موجود تھے۔ خود ابوسفیان کا تعلق بھی بنو امیہ سے تھا۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کے سفیر کی حیثیت سے قریش مکہ کے پاس تشریف لے گئے۔ جب مقام بلدح میں قریش کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے تو انھوں نے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ کہا میں رسول اللہ ﷺ کا یہ پیغام لے کر مکہ جا رہا ہوں۔ قریش کے ان لوگوں نے کہا: آپ جائیے۔ ادھر سعید بن العاص نے اٹھ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خوش آمدید کہا اور اپنے گھوڑے پر زین کس کر آپ کو اپنے ساتھ بٹھا کر اور اپنی پناہ میں لے کر سربراہان قریش کے پاس مکہ لے گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے مکہ کے سرداروں کو حضور ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ جب آپ بات چیت سے فارغ ہو چکے تو قریش نے بیت اللہ کے طواف کی آپ کو پیشکش کی۔ مدینہ سے مکہ کا اتنا طویل سفر صرف طوافِ بیت اللہ کے لیے ہی کیا گیا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مقصود سفر حاصل ہو رہا تھا۔ لیکن آپ نے قریش کی وہ پیشکش فوراً ٹھکرا دی اور یہ بات ہرگز گوارا نہ کی کہ رسول اللہ ﷺ کے بغیر طواف کعبہ کر لیں، چنانچہ قریش خاموش ہو گئے اور انھیں روک لیا گیا۔ روکنے سے ان کا مقصد شاید کچھ غور و فکر اور صلاح و مشورہ کر کے اس پیش آمدہ صورت حال اور آپ ﷺ کی صلح کی پیشکش کا کوئی مثبت جواب دے کر واپس کرنا تھا، لیکن ادھر حدیبیہ میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

بیعتِ رضوان:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دیر تک مکہ میں رکے رہنے کی وجہ سے جب یہ افواہ پھیل گئی کہ قریش نے انھیں شہید کر دیا ہے تو آپ ﷺ کو بہت صدمہ ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک میں قریش سے اس قتل کا بدلہ نہیں لے لوں گا تب تک یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ پھر آپ ﷺ نے وہاں ایک کیکر کے درخت کے نیچے اس بات پر بیعت لی کہ جب تک اس قتل کا بدلہ نہ لے لیں، میدان چھوڑ کر نہیں بھاگیں گے۔ سب سے پہلے سیدنا ابوسنان اسدی رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نے آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے جو مشہور بہادر اور ماہر تیر انداز تھے، تین مرتبہ بیعت کی۔ یعنی ابتداء میں بھی، درمیان میں بھی اور آخر میں بھی۔ جب سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیعت کر چکے تو سرکار دو عالم ﷺ نے خود اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں پر رکھا اور فرمایا یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہے۔ یعنی بایاں ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے تھا اور دایاں ہاتھ رسول اللہ ﷺ کا۔ اس واقعہ کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میری جانب سے رسول اللہ ﷺ کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔ (زرقانی: ۲/۲۰۶، ۲۰۸)

اس بیعت کو قرآن حکیم نے بیعت رضوان کا نام دیا ہے کیونکہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی رضا کی سند عطا فرمائی۔ جنھوں نے اس موقع پر آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی جس کا ذکر سورۃ الفتح میں فرمایا گیا ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح ۴۸:۱۸)

"بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ایمان والوں سے جبکہ وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔"

قریش کو جب اس بیعت کا علم ہوا تو وہ خوفزدہ ہو گئے اور حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے انھوں نے فوری طور پر صلح کے لیے خود تگ ودو شروع کر دی۔ (فتح الباری: ۷/۳۴۵)

چنانچہ اب کی بار انھوں نے سہیل بن عمرو کو صلح کرنے کے لیے بھیجا۔ سہیل بن عمرو ذاتی طور پر ایک اچھے اور شریف آدمی تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے انھیں آتے دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

قد سهل لكم من امركم۔

"یعنی اب تمھارا کام تھوڑا سا سہل اور آسان ہو گیا ہے۔"

چونکہ قریش کے سفیر کا نام سہیل تھا جو سہل کا اسم تصغیر ہے اور "من" بھی تبعیض کے لیے آتا ہے، لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا آسان تو نہیں البتہ تھوڑا سا آسان ہو گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو زرقانی: ۲/۱۹۴)

Marfat.com

آپ ﷺ سہیل کی شخصیت سے آشنا تھے اور اس کی ذاتی شرافت اور دانشمندی سے بھی واقف تھے، اس سے بھی آپ ﷺ نے اندازہ لگا لیا کہ قریش اب صلح چاہتے ہیں تبھی انھوں نے اس شخص کو بھیجا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ سہیل کو بھیجتے وقت قریش نے انھیں تاکید کی تھی کہ صلح میں یہ بات ضرور طے کی جائے کہ آپ ﷺ اس سال واپس چلے جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عرب ہمیں یہ کہیں کہ آپ ﷺ ہمارے شہر میں جبراً داخل ہو گئے ہیں۔ اس سے ہماری پورے عرب میں رہی سہی عزت و آبرو بھی چلی جائے گی۔ سہیل بن عمرو نے قریش کی دی گئی ہدایات کے مطابق دیر تک آپ ﷺ سے گفتگو کی۔ بالآخر فریقین میں صلح کی مندرجہ ذیل شرائط طے ہوئیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ اس سال عمرہ نہ کریں بلکہ واپس چلے جائیں۔ اگلے سال یہ مکہ آئیں گے اور تین روز قیام کریں گے۔ ان کے پاس میانوں میں بند تلواریں ہوں گی اور قریش ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کریں گے۔

(۲) فریقین دس سال تک جنگ نہیں کریں گے۔ اس عرصہ میں لوگ بالکل مامون رہیں گے۔

(۳) جو محمد ﷺ کے معاہدہ میں داخل ہونا چاہے اسے داخل ہونے کی پوری پوری اجازت ہوگی اور جو قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے، داخل ہو سکے گا۔ جو قبیلہ جس فریق کا حلیف ہونا چاہے گا وہ اس فریق کا ایک جزو سمجھا جائے گا لہٰذا ایسے کسی قبیلہ پر زیادتی خود اس فریق پر زیادتی متصور ہوگی۔

(۴) قریش کا جو شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد ﷺ کے پاس جائے گا، محمد ﷺ اسے واپس کر دیں گے، لیکن مسلمانوں میں سے جو شخص بھاگ کر پناہ کی خاطر قریش کے پاس آئے گا اسے واپس کرنے کے وہ پابند نہیں ہوں گے۔

یہ معاہدہ جو طے ہوا وہ اس بیعت رضوان کی وجہ سے ہوا ورنہ اس سے قبل تو قریش کسی بھی صورت میں محمد ﷺ سے مصالحت کرنے کے لیے تیار نہ تھے بلکہ قریش کے جس سفیر نے بھی صلح کی بات کی انھوں نے اس کا مذاق بھی اڑایا اور اس کی توہین بھی کی۔ بیعت رضوان نے قریش کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے اور انھوں نے بدر و احد اور جنگ خندق

Marfat.com

میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ مسلمان وہ لوگ ہیں جو قتل فی سبیل اللہ کو ابدی حیات، جان کی قربانی کو معراج ایمان اور سید الانبیاء ﷺ کے قدموں میں مرگ ناگہاں کو سعادت عظمیٰ یقین کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر زخمی ہو کر گرتے ہیں تو آہ و فغان کے بجائے ان کی زبان بے ساختہ پکار اٹھتی ہے:

فزت وربك الكعبة۔

''رب کعبہ کی قسم، میں کامیاب ہو گیا۔''

پھر یہ بیعت بھی آپ ﷺ نے اپنی مرضی سے نہیں لی بلکہ اللہ کے حکم سے لی۔ چنانچہ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دوپہر کا وقت تھا۔ ہم آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے تھے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے منادی نے اعلان کیا: "ایها الناس البیعه، نزل روح القدس" (لوگو! آؤ بیعت کرو۔ روح القدس نازل ہوئے ہیں) چنانچہ ہم جلدی سے اٹھے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ آپ ﷺ اس وقت ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔

معاہدہ کی شرائط جب طے ہو گئیں تو آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور معاہدہ املا کرایا۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے "بسم الله الرحمن الرحیم" لکھنے کا حکم فرمایا۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق اس نامہ پر "باسمك اللهم" لکھا کرتے تھے۔ سہیل نے کہا: ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہے؟ آپ پرانے دستور کے مطابق "باسمك اللهم" لکھیں۔ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ یہی لکھو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ لکھوایا: ''یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی۔ سہیل نے اس پر بھی نقطۂ اعتراض اٹھایا کہ اگر ہم آپ ﷺ کو اللہ کا رسول جانتے تو پھر ہم نہ تو آپ ﷺ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ جنگ کرتے، لہٰذا آپ ''محمد ابن عبداللہ'' املا کرائیے۔ آپ نے فرمایا: ''خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم لوگ میری تکذیب کرو۔'' چنانچہ آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''رسول اللہ'' کا لفظ کاٹ کر ''ابن عبداللہ'' لکھ دیں لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کا مٹانا گوارا نہ کیا۔ آپ ﷺ نے خود اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ اس کے بعد جب پوری دستاویز کی تکمیل ہو چکی تو بنو خزاعہ آپؐ کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے۔ یہ لوگ دراصل خواجہ عبدالمطلب کے زمانہ

Marfat.com

سے بنو ہاشم کے حلیف تھے۔ دوسری طرف بنو بکر قریش کے عہد و پیان میں داخل ہو گئے۔

دستاویز ابھی لکھی جا رہی تھی کہ سہیل کے بیٹے ابو جندل رضی اللہ عنہ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے مکہ کی قید سے نکل کر یہاں آ پہنچے۔ یہ پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے اور کفارِ مکہ ان کو پابجولاں کر کے اور قید و بند کی صعوبتیں دے کر طرح طرح کی ایذائیں پہنچا رہے تھے، انھوں نے یہاں پہنچ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا۔ سہیل نے کہا یہ پہلا شخص ہے جو عہد نامہ کے مطابق واپس ہونا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی تو نوشتۂ صلح پورا لکھا بھی نہیں گیا یعنی لکھے جانے اور پھر فریقین کے اس پر دستخط ہو جانے کے بعد اس پر عمل شروع ہونا چاہیے، لیکن سہیل کا ایک ہی جواب تھا کہ پھر میں کسی بات پر صلح کا کوئی معاملہ ہی نہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے سہیل سے کہا کہ اچھا تو تم اس کو میری خاطر یہاں چھوڑ دو، لیکن وہ نہ مانا۔ پھر سہیل نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ مارا اور اس کے کرتے کا گلا پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ زور زور سے چلّا کر کہنے لگا، کیا میں مشرکین کی طرف واپس کیا جاؤں گا کہ وہ میرے دین کے متعلق مجھے فتنے میں ڈالیں؟ آپ ﷺ نے اسے صبر کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اور تمھارے جیسے دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔ ہم نے قریش کے ساتھ ایک عہد کر لیا ہے اس لیے بدعہدی نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اچھل کر ابو جندل رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ وہ ان کے ساتھ چلتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے: ابو جندل رضی اللہ عنہ! صبر کرو یہ لوگ مشرک ہیں۔ ان کا خون تو بس کتے کا خون ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی تلوار کا دستہ ان کے قریب کرتے جا رہے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یہ اس لیے کر رہا تھا کہ مجھے امید تھی کہ ابو جندل رضی اللہ عنہ تلوار لے کر اپنے باپ سہیل کا سر اڑا دیں گے لیکن انھوں نے اپنے باپ کے بارے میں بخل سے کام لیا۔ آخر کار رسول اللہ ﷺ نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو سہیل کے حوالے کر دیا۔

الغرض یہ معاہدہ مکمل ہو گیا اور گواہان اور فریقین کے دستخط ہو گئے۔ مسلمانوں کی طرف سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کاتب عہد نامہ، سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بطور گواہان دستخط کیے جبکہ مشرکین کی طرف سے بھی کئی لوگوں نے دستخط کیے

Marfat.com

جن میں حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص کے نام کتابوں میں درج ہیں۔ صلح نامہ کی ایک کاپی آپ ﷺ کے پاس رہی اور دوسری کاپی سہیل بن عمرو کے پاس رہی۔ (طبقات:۷۱/۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ابو جندل رضی اللہ عنہ کی واپسی بہت شاق گزری۔ انھیں معاہدہ کی شرائط کے تحت واپس کیا گیا تھا، لہٰذا اس معاہدہ کی شرائط بھی وہ اپنے لیے باعث ذلت سمجھتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہو کر کہا: ''یا رسولؐ اللہ! کیا آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں؟'' پھر عرض کیا: ''کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''پھر ہم یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ کا برحق نبی ہوں۔ اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا اور وہ میرا معین و مددگار ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسولؐ اللہ! کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے؟'' آپ ﷺ نے جواب دیا میں نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پریشانی دور نہ ہوئی۔ وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ ان سے بھی یہی گفتگو کی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جوابات دیے جو حضور ﷺ نے دیے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں بعد میں اپنی اس گستاخی پر سخت نادم ہوا اور اس کے کفارے میں بہت نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، بہت سے غلام آزاد کیے اور بہت سا صدقہ وخیرات کیا۔

معاہدہ کی تکمیل کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کے لیے فرمایا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان شرائط صلح سے قدر شکستہ خاطر تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے تین بار فرمانے کے بعد بھی کوئی مسلمان نہ اٹھا۔ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس کیفیت کو دیکھا تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور صحابہ کے اس پیش آمدہ طرزِ عمل کا ذکر کیا۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''یا رسولؐ اللہ! یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گزری ہے جس کی وجہ سے وہ افسردہ اور شکستہ خاطر ہیں، اس لیے تعمیل ارشاد نہیں کر سکے۔ آپؐ باہر ان کے پاس تشریف لے جائیں اور کسی کو کچھ کہے بغیر چپ چاپ اپنا جانور ذبح فرما دیجیے اور اپنے حجام کو بلا کر سر منڈا لیجیے۔ یہ خود بخود آپ ﷺ کی اتباع کریں گے۔''

Marfat.com

چنانچہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور کسی سے کچھ کہے بغیر اپنی قربانی کا جانور ذبح کر دیا اور حجام کو بلا کر سر منڈا لیا۔ جب لوگوں نے حضور ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا تو فوراً اٹھ کر اپنے اپنے جانور ذبح کر دیئے اور اس کے بعد باہم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ روایت میں ہے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرطِ غم کے باعث ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔ اس موقع پر اونٹ اور گائے سات سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیے گئے۔ آپ ﷺ نے وہ اونٹ ذبح کیا جو کسی زمانے میں ابو جہل کے پاس تھا۔ اس کی ناک میں چاندی کا ایک حلقہ تھا۔ شاید اس سے مشرکین کو جلانا مقصود تھا۔ پھر آپ ﷺ نے سر منڈانے والوں کے لیے تین بار مغفرت کی دعا کی اور قصر کرانے والوں کے لیے ایک بار۔ اس روز آپ ﷺ کا حجام خراش بن امیہ بن فضل خزاعی رضی اللہ عنہ تھا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حل میں ہے اور کچھ حرم میں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کا قیام تو حل میں تھا لیکن نمازیں آپ ﷺ حدود حرم میں آکر پڑھتے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایک لاکھ نمازوں کا ثواب مسجد حرام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ حدود حرم میں جہاں بھی نماز ادا کی جائے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملے گا۔

(زاد المعاد: ۱۲۸/۲)

حدیبیہ میں دو ہفتے قیام کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ جب مدینہ اور مکہ کے درمیان پہنچے تو سورۂ فتح نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کر کے سورہ فتح "انا فتحنالك فتحامبينا" سنائی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس صلح کو اپنی شکست سمجھے ہوئے تھے اس لیے افسردہ دل اور شکستہ خاطر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح مبین فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ازراہ تعجب آپ ﷺ سے دریافت کیا، کیا یہ فتح مبین ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بے شک یہ عظیم الشان فتح ہے۔

(فتح الباری: ۲۴۵/۵_ ۲۵۶، زرقانی: ۲۱۰/۲، طبقات ابن سعد: ۷۰/۲، عیون الاثر: ۱۶۰/۲_ ۱۷۳، بخاری: ۳۷۸/۱_۳۸۱، ۵۹۸/۲_۶۰۰، مسلم: ۱۰۳/۲، ۱۰۵، ۱۰۶، زاد المعاد: ۱۲۲/۲_۱۲۷، ابن ہشام: ۳۰۸/۲_۳۲۲)

Marfat.com

معاہدہ حدیبیہ کے اثرات:

اس معاہدے کے اثرات اور نتائج بڑے خوشگوار ثابت ہوئے۔ بظاہر یہ معاہدہ دشمن کے سامنے جھک کر کیا گیا تھا جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا اور اسی وجہ سے وہ شکستہ خاطر اور مغموم تھے، لیکن فراست نبویؐ جو کچھ سمجھ رہی تھی اور رسالت کی دور رس نگاہیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں وہ سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، مزاج شناس نبوت کے اور کوئی نہیں سمجھ رہا تھا۔ اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو انھوں نے وہی جواب دیا تھا جو خود نبوت نے دیا تھا۔ اس سے مقام صدیقیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ معاہدہ دراصل اپنے آپ کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے وقفہ حاصل کرنا تھا۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے قریش کے تمام مطالبات تسلیم کر کے ان سے صرف ایک یقین دہانی لے لی وہ یہ کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی۔ اب تک یہ تھا کہ مسلسل حالت جنگ کی وجہ سے دعوت و تبلیغ کا کام مکمل طور پر رکا ہوا تھا، جونہی آپ ﷺ حدیبیہ سے لوٹے فوراً دعوت و تبلیغ کا کام عرب اور اطراف عرب میں تیزی سے شروع کر دیا۔ ابتدائی زمین پہلے ہی تیار ہو چکی تھی۔ اب صرف تخم ریزی کی ضرورت تھی۔ پرامن حالات نے جو موقع دیا اس میں دعوت کا کام تیزی سے پھیلنے لگا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ اسلام کے حلقے میں آنے شروع ہو گئے۔ عرب قبائل ایک کے بعد ایک اسلام میں داخل ہونے لگے۔ عرب کے باہر دوسرے ملکوں میں اسلام کی دعوت پھیلائی جانے لگی۔ کفار مکہ کی طرف سے مامون ہو کر آپ ﷺ نے مختلف ملکوں کے بادشاہوں کو خطوط کے ذریعے اسلام کی دعوت دی۔ خیبر کے یہودیوں کے خلاف کارروائی کی اور ان کا خاتمہ کر دیا۔ قرآن حکیم نے بھی یہ واضح کیا ہے کہ ”عصمت من الناس“ کا راز دعوت میں چھپا ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک، وان لم تفعل فما بلغت رسالتک، واللہ یعصمک من الناس﴾

”اے رسولؐ! جو کچھ بھی آپ ﷺ کی طرف آپ ﷺ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کو لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا تو آپ ﷺ نے اپنا حق رسالت ادا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ

Marfat.com

آپ ﷺ کو لوگوں سے محفوظ و مامون رکھے گا۔"

اسلام کی تاریخ بھی بتاتی ہے کہ جب بھی اہل ایمان کے لیے دوسروں سے عدم تحفظ کا خطرہ ہو یا مغلوبیت کا سوال پیدا ہو تو ان کو دعوت الی اللہ کے کام کی طرف دوڑنا چاہیے۔ اس کام میں لگنے سے خدا کا قانون ان کے حق میں متحرک ہوگا اور وہ غیر معمولی اسباب پیدا ہوں گے جو بالآخر ان کے لیے نجات اور کامیابی کا زینہ بن جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ہر ممکن قیمت دے کر جنگ وجدال کا ماحول ختم کیا اور پُر امن حالات میں دعوتی عمل جاری کیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو سال کی قلیل مدت میں مسلمانوں کی تعداد چار گنا سے بھی زیادہ ہوگئی۔ دعوتی سرگرمیوں کے ساتھ داخلی استحکام اور تیاری کا کام بہت بڑے پیمانے پر ہونے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلح کے صرف دو سال بعد اسلام اتنا طاقتور ہوگیا کہ قریش نے لڑے بھڑے بغیر ہتھیار ڈال دیئے۔ جس مکہ سے توہین آمیز پالیسی پر اپنے کو راضی کرلیا گیا تھا اسی مکہ میں اس واپسی سے فاتحانہ داخلے کا راستہ نکل آیا۔

اس معاہدہ کی وجہ سے فریقین کی آمد و رفت شروع ہوگئی۔ خاندانی اور تجارتی تعلقات اور ربط کی وجہ سے مشرکین مدینہ آتے اور کئی کئی روز تک قیام کرتے، مسلمانوں سے ملتے جلتے اور مسلمانوں کے اخلاق، اخلاص اور نیکوکاری سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے اور اس وجہ سے ان کے دل اسلام کی طرف کھنچے آتے تھے۔ چنانچہ اس عرصہ میں کئی صنادید قریش اسلام میں داخل ہوئے جو اس سے قبل لڑائیوں سے داخل نہ ہوسکے تھے۔

مختصر یہ کہ اس صلح نے مشرکین مکہ اور دوسرے قبائل پر گہرے اثرات چھوڑے اور وہ نہایت تیزی کے ساتھ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوگئے۔ اس وجہ سے معاہدہ صلح کا واقعہ ایک فتح مبین تھی۔

اس صلح کی ایک دفعہ جو مسلمانوں پر بہت شاق گزری تھی کہ قریش کا جو آدمی بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آئے گا مسلمان اسے واپس کردیں گے، لیکن مسلمانوں میں سے جو شخص پناہ کی غرض سے بھاگ کر قریش کے پاس آئے گا، قریش اسے واپس نہ کریں گے۔ یہ شق بھی مسلمانوں کے لیے نقصان دہ نہ ہوئی بلکہ بہت مفید ثابت ہوئی۔ کیونکہ کوئی مسلمان مدینہ منورہ سے مسلمان رہتے ہوئے بھاگ نہیں سکتا کیونکہ مدینہ تو اس کا مرکز ایمان ہے اور مومن ہوتے

Marfat.com

ہوئے کوئی شخص بھی مرکز ایمان سے بھاگنے کی کبھی سوچے گا بھی نہیں، وہ صرف مرتد ہو کر بھاگے گا اور اگر وہ مرتد ہو جائے تو مسلمان معاشرہ کو اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

((انه من ذهب منا اليهم فابعده الله))

''بے شک جو ہمیں چھوڑ کر مشرکین کی طرف بھاگا اللہ نے اسے دور کر دیا یعنی تباہ و برباد کر دیا۔'' (مسلم:۲/۱۰۵)

چنانچہ ہوا بھی یہی کہ سرکار دو عالم ﷺ جب واپس مدینہ تشریف لے گئے تو ایک شخص ابو بصیر رضی اللہ عنہ مشرکین مکہ کی قید سے بھاگ کر مدینہ منورہ پناہ حاصل کرنے کے لیے پہنچے۔ قریش کے دو آدمی ان کے پیچھے فوراً مدینہ پہنچے اور حضور ﷺ سے ان کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ معاہدے کی رو سے آپ ﷺ نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو ان دونوں آدمیوں کے حوالے کر دیا اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں معاہدہ کے خلاف نہیں کر سکتا، لہٰذا بہتر ہے کہ تم ان کے ساتھ چلے جاؤ۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کی طرح آپ ﷺ کے حضور میں واپس جانے پر آہ وزاری کی کہ آپ ﷺ مجھے ان مشرکین کی طرف واپس کر رہے ہیں جو مجھ کو میرے دین اسلام سے پھیرنا چاہتے ہیں اور طرح طرح سے مجھ کو ایذائیں دیتے ہیں۔ آپ نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو تسلی دی اور صبر کی تلقین فرمائی اور یہ بھی فرمایا:

''امید رکھو عنقریب اللہ تعالیٰ تمھاری کشادگی اور نجات کی صورت پیدا فرما دے گا۔''

ابو بصیر رضی اللہ عنہ بادل نخواستہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ واپس ہو لیے۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے اور جو کھجوریں ان کے پاس تھیں وہ کھانے لگے تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک شخص سے کہا کہ اے فلاں! میں دیکھتا ہوں کہ تمھاری یہ تلوار کیسی عمدہ ہے؟ اس نے تلوار کو نیام سے نکال کر کہا: ہاں ہاں، واللہ واقعی بہت عمدہ ہے۔ میں نے بارہا اس کو آزمایا ہے۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ذرا مجھے دکھلاؤ تو، میں بھی تو دیکھوں کیسی ہے؟ اس احمق نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو تلوار دے دی۔ جونہی ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے تلوار پکڑی فوراً ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ ڈھیر ہو گیا۔ دوسرا شخص بھاگ کر فوراً مدینہ آیا اور دوڑتا ہوا مسجد نبویؐ میں گھس گیا اور ہانپتا کانپتا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: خدا کی قسم! میرا ساتھی قتل کر دیا گیا اور میں بھی قتل کر دیا جانے والا ہوں۔

Marfat.com

اتنے میں ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! اللہ نے آپ ﷺ کا عہد پورا کر دیا۔ آپ ﷺ نے تو مجھے ان کی طرف لوٹا دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دے دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی ماں کی بربادی ہو، اسے اگر کوئی ساتھی مل جائے تو یہ تو جنگ کی آگ بھڑکا دے گا۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد سے ابو بصیر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ اگر میں یہاں رہا تو آپ ﷺ پھر مجھے مشرکین کے حوالے کر دیں گے، اس لیے وہ مدینہ طیبہ سے نکل کر ساحل سمندر پر آ کر قیام پذیر ہو گئے اور اس شاہراہ پر مقیم ہوئے جہاں سے قریش کے کاروان تجارت شام کو آتے جاتے تھے۔ مکہ کے بے بس مسلمانوں کو جب ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے یہاں قیام کا پتہ چلا تو وہ بھی راتوں کی تاریکی میں چھپ چھپ کر ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ بن سہیل بن عمرو بھی کسی طریقہ سے مکہ سے چھوٹ کر وہاں آ گئے۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق ستر آدمیوں کی ایک جماعت (اور امام سہیلی کے مطابق تین سو آدمی۔ ملاحظہ ہو زرقانی: جلد ۲ ص ۲۰۳) یہاں جمع ہو گئے۔ اب ان لوگوں نے قریش کے شام آنے جانے والے ہر قافلے کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنی شروع کر دی۔ قافلہ والوں کو مار کر ان کا مال ضبط کر لیتے یہاں تک کہ قریش کے تجارتی قافلوں کا وہاں سے گزرنا مشکل ہو گیا۔ قریش نے تنگ آ کر کچھ آدمی آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجے کہ ہم آپ ﷺ کو اللہ اور قرابت کا واسطہ دیتے ہوئے التماس کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ان لوگوں کو اپنے پاس مدینہ بلا لیں۔ اب جو بھی آپؐ کے پاس! جائے گا ہم اس کو ہرگز واپس نہیں لیں گے۔ گویا معاہدہ کی اس شق کو خود انھوں نے منسوخ کر دیا۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک والا نامہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے نام ارسال فرمایا اور اسے اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ چلے آنے کو کہا۔ یہ والا نامہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ کا پاس اس وقت پہنچا جب وہ اس دنیا سے آخرت کو انتقال فرما رہے تھے۔ امام سہیلی رحمہ اللہ نے لکھا کہ جب آپ ﷺ کا والا نامہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ پڑھتے جاتے تھے اور خوش ہوتے جاتے تھے یہاں تک کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور والا نامہ ان کے سینے پر تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہاتھ میں تھا۔ (روض الانف: ۲/۲۳۳، عیون الاثر: ۲/۱۷۸۔۱۸۰، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۳۲۳۔۳۲۴)

سیدنا ابو جندل رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین کی اور انھیں اس جگہ دفن کر

Marfat.com

دیا اور اس کے قریب ایک مسجد تعمیر کر دی۔ پھر وہ سب آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے کشادگی پیدا فرمادی جو مکہ سے قریش کی سزاؤں کی وجہ سے بھاگ کر مدینہ آنا چاہتے تھے لیکن معاہدہ کی رو سے مدینہ میں انھیں پناہ نہیں مل سکتی تھی۔

معاہدہ کے بعد کچھ مسلمان عورتیں بھی بھاگ کر مدینہ پناہ لینے کے لیے آئیں۔ قریش نے معاہدہ کی رو سے انھیں بھی واپس مانگا، لیکن آپ ﷺ نے ان کے اس مطالبہ کو اس دلیل کے ساتھ مسترد کر دیا کہ اس دفعہ میں لفظ ''رجل'' لکھا ہوا ہے جس کے معنی ''مرد'' ہے۔ یہ لفظ عورتوں کو شامل نہیں کرتا ہے لہٰذا یہ واپس نہیں جا سکتیں۔ اس دلیل پر قریش کو خاموشی اختیار کرنا پڑی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اس بارے میں آیات نازل فرما دیں جن میں ان کی واپسی کرنے پر منع کر دیا گیا۔ (۶۰:۱۰،۱۲)

معاہدۂ حدیبیہ کے بعد:

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ معاہدۂ حدیبیہ کے بعد دعوت و تبلیغ کا دور شروع ہوا۔ آج تک جتنی بڑی بڑی لڑائیاں مسلمانوں نے لڑیں وہ قریش کے ساتھ تھیں۔ جیسے بدر، احد اور خندق کی جنگیں۔ قریش کے ساتھ اب دس سال کے لیے امن کا سمجھوتہ ہو گیا۔ جس سے یہود اور بنو غطفان دونوں کو سخت نقصان ہوا کہ انھیں اپنی شر انگیزیوں اور دسیسہ کاریوں اور فتنہ کی آگ بھڑکانے میں مشکل پیش آنے لگی اور ان کا ایک مضبوط بازو ان سے الگ ہو گیا۔ اس وجہ سے آپ ﷺ نے اپنی زیادہ تر توجہ اسلام کی دعوت پھیلانے میں صرف کی، چنانچہ معاہدۂ حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں اور امراء کو خطوط لکھے جن میں انھیں اللہ کی توحید اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس دعوت کے بھی بڑے اچھے اثرات مرتب ہوئے اور اسلام کا پیغام مختلف ملکوں میں پھیل گیا۔ کچھ لوگوں نے اس دعوت کو قبول کیا لیکن جنھوں نے قبول نہ کیا وہ بھی اس دعوت کے پیغام سے آشنا اور باخبر ہو گئے کہ اسلام کہتا کیا ہے۔

Marfat.com

بادشاہانِ عالم اور امراء کے نام خط

اسلام کی دعوت اس سے پہلے ہی جزیرہ نما عرب میں پھیل چکی تھی اور لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اس سے آشنا ہو چکی تھی اور اس پر لبیک کہہ چکی تھی۔ اب سنہ ۶ ھ کے اخیر میں آپ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی پر مختلف بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط لکھوا کر انھیں اسلام کی دعوت دی۔ جب ﷺ آپ نے انھیں خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ سے کہا گیا کہ سربراہانِ مملکت بغیر مہر کے کسی خط کو قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس پر ''محمد رسول اللہ'' اس طرح لکھوا ہوا تھا کہ محمد ایک سطر میں، رسول دوسری سطر میں اور اللہ تیسری سطر میں۔ جس کی شکل یہ تھی:

(بخاری: ۸۷۲/۲)

عرب کی ایک چھوٹی سی ریاست مدینہ کی طرف سے دنیا کی سپر طاقتوں اور بادشاہوں کو دعوتِ اسلامی کے خطوط لکھنا جہاں ایک جرأت مندانہ اقدام ہے وہاں ایک حیرت افزا معاملہ بھی ہے۔ کیونکہ ان خطوط سے اس بات کا اندیشہ بھی تھا کہ مبادا ایسی دعوت کی پاداش میں آپ ﷺ کے ساتھ تمام عرب کو ان بادشاہوں اور سپر طاقتوں میں سے کسی کی رعایا ہو کر رہنا پڑے۔ مطلب یہ کہ ان بادشاہوں کی شوکت اور دبدبہ کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے انھیں دین حق کی دعوت دینے میں کوئی تامل نہ فرمایا۔ ایک روز آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

Marfat.com

''اے صحابہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام عالم کے لیے باعث رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لوگ بھی عیسیٰ ابن مریم کے حواریوں کی طرح میری نافرمانی پر اتر آؤ۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے رسالت پناہ! سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حواری کن معنوں میں ان کے خلاف ہو گئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ابن مریمؑ نے اپنے حواریوں کے ذریعے یہی پیغام بادشاہوں کو پہنچانا چاہا۔ ان میں سے جس کو کسی نزدیک کے بادشاہ کے پاس بھیجا اس نے تو خوشی سے تعمیل کر لی لیکن دور و بھیجے جانے والوں میں سے بعض کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے۔ اس طرح یہ لوگ اپنے فرائض کی بجا آوری میں پورا نہ اتر سکے۔''

پھر فرمایا: ''میں تم لوگوں کو اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے بادشاہوں اور امراء کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہایت خندہ پیشانی سے اس مقصد کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ نے مختلف سربراہان مملکت کی طرف بھیجا، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

①	سیدنا دحیہ بن خلیفہ کلبی	ہرقل شاہ روم
②	سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ	کسریٰ ایران (خسرو پرویز)
③	سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ	نجاشی شاہ حبشہ (اصحمہ)
④	سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	مقوقش شاہ مصر و اسکندریہ
⑤	سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	شاہان عمان
⑥	سیدنا سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ	رئیس یمامہ (ھوذہ)
⑦	سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ	رئیس بحرین (منذر بن ساویٰ)
	سیدنا شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ	رئیس غسان (حارث بن ابی شمر)
	سیدنا مہاجر بن اُمیہ مخزومی رضی اللہ عنہ	رئیس یمن (حارث حمیری)

ان سفیرانِ رسالت مآب ﷺ کے بارے میں روانگی کے متعلق دو روایات ہیں۔ ایک یہ کہ سب بیک وقت مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے اور دوسری روایت یہ ہے کہ مختلف اوقات

Marfat.com

میں خط لے کر روانہ ہوئے۔

ان تمام خطوط کا مضمون قریباً ایک جیسا ہی تھا۔ الفاظ کا معمولی فرق تھا۔ توحید خداوندی اور رسالت محمدیؐ کی دعوت ان تمام خطوط کا مشترکہ مضمون تھا۔ ان میں سے ایک خط نمونہ کے طور پر یہ ہے جو آپ ﷺ نے ہرقل قیصر روم کی جانب روانہ فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی جانب سے ہرقل عظیم روم کی طرف:

اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ تم اسلام لاؤ، سلامتی پا جاؤ گے۔ اسلام لاؤ اللہ تعالیٰ تمھیں دوہرا اجر دے گا۔ اگر تم نے روگردانی کی تو تم پر تمھاری رعایا کا بھی گناہ ہوگا۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور اللہ کے سوا ہمارا بعض، بعض کو اپنا رب نہ بنائے۔ پس اگر لوگ اعراض برتیں تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔ (بخاری مع فتح الباری: ۱/۳۱، ۳۵ وغیرہ)

کیا رسول اللہ ﷺ کا اپنے ہم عصر سربراہان مملکت اور رئیسان سلطنت کی طرف اسلام کی دعوت تعجب انگیز اور حیرت زا امر نہیں اور اس سے بھی زیادہ یہ امر حیرت افزا نہیں ہے کہ اس دعوت کے بعد صرف تیس سال کی مدت کے اندر یہ تمام ممالک بھی اسلام کے زیر نگیں ہو گئے اور ان مملکتوں کے اکثر و بیشتر لوگ شروع ہی میں مسلمان ہو گئے۔

اسلام کا جس وقت ظہور ہوا اس وقت ایران میں مجوسیت اور روم میں مسیحیت مذاہب کے طور پر لوگوں کے ذہنوں پر مستوی تھے لیکن یہ دونوں مذاہب اپنی اصلیت کھو چکے تھے۔ مادی طور پر ایران اور روم کی دونوں سلطنتیں عظمت و اقتدار میں اپنا حریف نہ رکھتی تھیں لیکن تجدید اور فکر نو کی سخت دشمن اور قدامت و رسوم پرستی کی دلدادہ تھیں۔ دونوں نے روحانی ترقی کے لیے اپنے ذہن کے دروازے بند کر رکھے تھے۔ چنانچہ روحانی لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کے عہد کی پس ماندہ اقوام میں یہی ایران اور روم دنیا کی دو سب سے بڑی سلطنتیں تھیں جن کی نشاۃ ثانیہ کے لیے حضور ﷺ نے انھیں خط لکھے کیونکہ اب آپ ﷺ کی دعوت اس کمال تک آ پہنچی تھی کہ آپ ﷺ اپنے ساتھ ان قوموں کو بھی ترقی کی شاہراہ پر آگے بڑھا سکیں جو دین

Marfat.com

کے غلط تصورات اور رسوم پرستی کی وجہ سے بر سرِ منزل تھک کر بیٹھ چکی تھیں۔ جن بادشاہوں کو آپ نے دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے انھوں نے ان پر کافی ردعمل کا اظہار کیا۔

(۱) فارس کے بادشاہ خسرو پرویز جس کا لقب کسریٰ تھا، اس کے پاس آپ کا خط سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو سفیر کے طور پر لے جانے کے لیے منتخب کیا گیا۔ جب یہ خط کسریٰ ایران نے پڑھا تو اس نے غصے میں آ کر اس کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آپ ﷺ کو جب اس کی اس حرکت کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے میرا خط نہیں پھاڑا بلکہ اپنی سلطنت کو پارہ پارہ کیا ہے۔'' پھر وہی ہوا جو پیغمبر اسلام ﷺ کی زبان سے نکلا تھا۔ خط اس نے تکبر کی وجہ سے پھاڑا کیونکہ حکومت اور تکبر دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اس نے متکبرانہ انداز میں کہا کہ میری رعایا میں سے ایک حقیر غلام اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتا ہے اور مجھے ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ (یکتب الی بهذا وهو عبدی)

آپ ﷺ کو اپنا غلام کہنے کی وجہ یہ تھی کہ جس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی، اس زمانہ میں جزیرہ نما عرب سامراجی طاقتوں کی شکارگاہ بنا ہوا تھا۔ جزیرہ عرب کے شمال میں شام کا علاقہ مکمل طور پر رومی سلطنت کے زیر اقتدار تھا۔ اس کے اوپر روم کے ماتحت امرائے عرب کی حکومت قائم تھی۔ اسی طرح جنوب میں یمن کا علاقہ ایران کے زیر اقتدار تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ کے زمانہ میں یہاں جو ایرانی گورنر وہاں مقیم تھا، اس کا نام باذان تھا۔ عربوں کے ہاتھ میں صرف حجاز، تہامہ اور نجد کے علاقے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ چٹیل اور بے آب و گیاہ بیابان تھے۔ جن میں کہیں کہیں کچھ زرخیز ٹکڑے نظر آتے تھے۔ کسریٰ نے جب آپ ﷺ کا مکتوب پھاڑا تو اس کا یہی سیاسی پس منظر تھا۔

سرکار دو عالم ﷺ کا خط پھاڑنے کے بعد کسریٰ نے اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ یہ شخص جو حجاز میں نبوت کا مدعی ہے، اس کے یہاں دو مضبوط اور توانا آدمی بھیجو تاکہ وہ اسے گرفتار کر کے میرے پاس حاضر کریں۔ باذان نے کسریٰ کے حکم کی تعمیل میں دو آدمیوں کو خط دے کر آپؐ کے پاس روانہ کیا جس میں آپ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپ ﷺ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس حاضر ہو جائیں، لیکن جب وہ مدینہ پہنچے اور آپؐ کے سامنے حاضر ہوئے تو انھوں نے اپنے آنے کی غرض و غایت بیان کی اور آپ ﷺ کو کسریٰ

Marfat.com

کے حضور حاضر ہونے کے لیے کہا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کو حکم دیا کہ کل ملاقات کریں۔

ادھر یہ ہو رہا تھا اور دوسری طرف خسرو پرویز کے خاندان کے اندر ایک زبردست بغاوت کا شعلہ بھڑک رہا تھا جس کے نتیجے میں قیصر کی فوج کے ہاتھوں ایرانی افواج کی پے در پے شکستوں کے بعد اب خسرو کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کو قتل کر کے بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ یہ منگل کی رات ۱۰ ر جمادی الاولیٰ کا واقعہ ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کو اس بات کا علم بذریعہ وحی ہوا۔ چنانچہ صبح کے وقت جب باذان کے وہ دونوں آدمی حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انھیں اس واقعے کے بارے میں اطلاع دی۔ ان دونوں نے اس بات کو غلط کہا اور کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے کہا: ”کیا آپ ﷺ کی یہ بات ہم بادشاہ کو لکھ دیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں لکھ دو اور اسے یہ بھی لکھ دو کہ میرا دین اور میری حکومت وہاں تک پہنچ کر رہے گی جہاں تک کسریٰ پہنچ چکا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے اس جگہ جا کر رکے گی جس سے آگے اونٹ اور گھوڑے کے قدم جا ہی نہیں سکتے۔“ آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ ”اپنے بادشاہ کو یہ بھی کہہ دینا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو جو کچھ تمھارے زیر اقتدار اور زیر حکومت ہے وہ سب میں تمھیں دے دوں گا۔“ اس کے بعد باذان کے یہ دونوں آدمی باذان کے پاس چلے گئے اور اسے تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد باذان کے پاس ایک خط پہنچا کہ شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ شیرویہ نے اپنے خط میں یہ بھی ہدایت کی کہ جس شخص کے بارے میں میرے والد خسرو پرویز نے تمھیں لکھا تھا کہ اس کو میرے پاس حاضر کرو، اسے تاحکم ثانی برانگیختہ نہ کرنا۔

اس واقعہ نے باذان اور اس کے ساتھیوں پر بہت اثر کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سب مشرف بہ اسلام ہو گئے اور اپنے اسلام کے بارے میں سرکار دو عالم ﷺ کو اطلاع بھی دی۔

(ملاحظہ ہو زرقانی: ۳۴۲/۳، البدایہ والنہایہ: ۲۶۸/۴۔۲۷۲، محاضرات حضری: ۱۴۷/۱، فتح الباری: ۲۱۷/۸، طبری: ۹۰/۳)

(۲) اس زمانہ کی دوسری سپر پاور اور سب سے مضبوط حکومت قیصر روم کی تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر اس کی طرف اپنا خط دے کر بھیجا۔ قیصر روم اس زمانہ میں فارس پر اپنی فتح یابی کا شکر بجالانے کے لیے حمص سے ایلیا (بیت المقدس) پیدل آیا

Marfat.com

ہوا تھا کیونکہ فارسیوں نے خسرو پرویز کو قتل کرنے کے بعد رومیوں سے ان کے مقبوضہ علاقوں کی واپسی کی شرط پر صلح کر لی اور وہ صلیب بھی انھیں واپس کر دی جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اس پر سیدنا مسیح علیہ السلام کو پھانسی دی گئی تھی۔ قیصر روم نے اس صلیب کو اس کی اصل جگہ پر نصب کرنے اور اللہ تعالیٰ کا اس فتح پر شکر بجا لانے کی غرض سے سنہ ۷ھ مطابق ۶۲۹ء میں بیت المقدس کا سفر کیا۔

سیدنا دحیہ کلبی محرم سنہ ۷ھ کو بیت المقدس پہنچے اور بصریٰ کے رئیس کے توسط سے قیصر روم کے دربار میں پہنچ کر سرکار دو عالم ﷺ کا والا نامہ پیش کیا۔ (بخاری: ۱/۴)

حضور ﷺ کا والا نامہ قیصر روم کو پیش کرنے سے قبل آپ نے ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ جس میں فرمایا:

''اے قیصر! جس ہستی نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے وہ سب سے بلند و بالا اور اعلیٰ و ارفع ہے، لہٰذا میں جو کچھ آپ کے سامنے عرض کروں اس کو نہایت متواضع ہو کر سنیں اور نہایت غور و فکر اور اخلاص سے اس کا جواب دیں۔ اگر آپ اس کو متواضع ہو کر نہ سنیں گے تو اس کو بخوبی سمجھ نہ سکیں گے اور اگر جواب میں اخلاص نہ ہوگا تو وہ جواب درست اور عادلانہ نہ ہوگا۔''

''یہ تو آپ بخوبی جانتے ہیں کہ سیدنا مسیح علیہ السلام نماز پڑھا کرتے تھے، جس کے لیے سیدنا مسیح علیہ السلام نماز پڑھا کرتے تھے اور جس کے سامنے وہ اپنی جبین نیاز جھکاتے تھے اور جس نے انھیں بطن مادر میں بنایا اور جس ذات نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا، میں اس ذات ستودہ صفات کی طرف آپ کو بلاتا ہوں۔ پھر اس نبی امی ﷺ کی نبوت کی دعوت دیتا ہوں جس کی سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام نے بشارت دی ہے اور آپ کو اس کی بخوبی خبر ہے۔ اگر آپ اس دعوت کو قبول کریں گے تو یہ آپ کے لیے دنیا اور آخرت دونوں کے لیے بہتر ہوگی اور اگر قبول نہ کریں گے تو آپ کے لیے دنیا و آخرت دونوں میں خسارہ ہوگا ورنہ آخرت تو تمھارے ہاتھ سے جاتی ہی رہے گی اور دنیا میں دوسرے لوگ آپ کے شریک ہوں گے اور اس بات کو بھی بخوبی جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ جو منکرین کو پامال کر دیتا ہے، اپنی

Marfat.com

نعمتوں کو بدلتا رہتا ہے۔"

قیصر روم سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی اس تقریر سے بہت متاثر ہوا اور اس نے ان کے ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کا والا نامہ لے کر سر اور آنکھوں پر رکھا اور اسے چوما۔ پھر اسے کھول کر پڑھا اور کہا: میں سوچ کر اس کا جواب دوں گا۔" (روض الانف: ۲/۳۵۵)

اس نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ عرب کے جو لوگ میرے ملک میں آئے ہوئے ہیں ان کو میرے دربار میں حاضر کرو۔ میں اس نبی کے حالات ان سے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اتفاق سے ابوسفیان بن حرب قریش کی ایک جماعت کے ساتھ معاہدۂ حدیبیہ کے تحت عرصۂ امن میں تجارت کے لیے ملک شام گئے ہوئے تھے۔ یہ لوگ بیت المقدس (ایلیا) میں قیصر روم کے پاس حاضر ہوئے۔ (بخاری: ۱/۴)

ہرقل نے انھیں اپنے دربار میں بلایا۔ یہ حضرات اس وقت غزہ میں مقیم تھے، ان کو ہرقل کے آدمی غزہ سے لے کر آئے۔ دربار میں اساطین سلطنت، بڑے بڑے پادری اور راہبان موجود تھے۔ ان سب کی موجودگی میں اس نے ان لوگوں سے اپنے ترجمان کے ذریعے پوچھا کہ تم میں سے اس مدعی نبوت کا حسب و نسب کے لحاظ سے سب سے زیادہ قریبی شخص کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا: میں ہوں۔ ہرقل نے کہا: تم میرے قریب آجاؤ۔ دوسرے ساتھیوں کو ان کے پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ان پیچھے بیٹھنے والوں سے کہا کہ میں اس شخص سے اس مدعی نبوت کے بارے میں کچھ سوالات کروں گا۔ اگر یہ جھوٹ بولے تو تم لوگ اس کی تکذیب کر دینا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مجھ کو جھوٹ بولنے کی بدنامی کا خوف نہ ہوتا تو میں آپ ﷺ کے بارے میں یقیناً جھوٹ بولتا۔ بعد ازاں اس نے ان سے مختلف سوالات کیے جن کو بخاری نے متعدد ابواب میں نقل کیا ہے۔ وہ سوالات پوچھنے کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ تم اس شخص (ابوسفیان) سے کہو کہ میں نے تم سے اس شخص کا نسب پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ اونچے نسب کا ہے اور دستور یہی ہے کہ نبی اپنی قوم میں اونچے حسب و نسب والا ہوتا ہے۔

پھر میں نے یہ پوچھا کہ کیا یہ بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؟ تم نے بتلایا کہ نہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر یہ بات اس سے قبل کسی اور نے کہی ہوتی تو میں یہ کہتا کہ یہ شخص ایک ایسی بات کی نقالی کر رہا ہے جو اس سے قبل کہی جا چکی ہے۔

Marfat.com

پھر میں نے دریافت کیا کہ اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ تو نہیں گزرا؟ تم نے کہا کہ نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ شخص اپنے باپ دادا کی گئی ہوئی سلطنت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

پھر میں نے تم سے پوچھا کہ جو بات اس نے کہی ہے اسے کہنے سے پہلے تم نے اسے کسی معاملے میں جھوٹا تو نہیں پایا۔ تم نے جواب دیا کہ نہیں اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ باندھے اور اللہ پر جھوٹ باندھے۔

پھر میں نے یہ دریافت کیا کہ اس کی پیروی اور اتباع بڑے بڑے لوگ کر رہے ہیں یا کمزور اور ضعیف لوگ؟ تو تم نے بتایا کہ اس کی پیروی کرنے والے اکثر کمزور اور ضعفاء ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کی اتباع کرنے والے ضعفاء اور غرباء ہی ہوتے ہیں۔

پھر میں نے پوچھا کہ اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص ناراض اور برگشتہ ہو کر مرتد بھی ہو جاتا ہے تو تم نے بتایا کہ نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی بشاشت اور حلاوت جب دلوں میں سرایت کر جاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ نکلتی نہیں۔

پھر میں نے پوچھا کہ کیا وہ بدعہدی بھی کرتا ہے؟ تو تمھارا جواب یہ تھا کہ نہیں اور بے شک نبی اور رسول ایسے ہی ہوتے ہیں، وہ کسی سے بدعہدی اور پیمان شکنی نہیں کرتے۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ کبھی تم نے اس سے جنگ بھی کی ہے اور جنگ کا نتیجہ کیا نکلا۔ تو تمھارا جواب یہ تھا کہ کبھی وہ غالب ہوا اور کبھی ہم۔ بے شک انبیاء کے ساتھ ابتداءً اللہ تعالیٰ کا یہی معاملہ رہتا ہے لیکن انجام کار غلبہ اور فتح انہی کو حاصل ہوتی ہے۔

پھر میں نے یہ دریافت کیا کہ وہ کن کن باتوں کا حکم دیتا ہے تو تم نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور کسی کو اس کی ذات وصفات میں شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیتا ہے۔ بت پرستی سے روکتا ہے، نماز اور زکوٰۃ، سچائی اور پرہیزگاری اور عفت اور پاک دامنی وغیرہ کا حکم دیتا ہے۔

جو کچھ تم نے بتایا اگر وہ سب صحیح ہے تو یہ شخص بہت جلد میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کا مالک ہوگا۔ میں جانتا تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے لیکن میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم لوگوں میں سے ہوگا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ اس کے حضور پہنچ سکوں گا تو اس سے ضرور ملاقات کرتا اور اگر اس کے پاس ہوتا تو اس کے دونوں پاؤں دھوتا۔

Marfat.com

پھر ہرقل نے سرکار دو عالم ﷺ کا والا نامہ منگا کر پڑھا۔ جب خط پڑھ چکا تو ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس وقت ہم سب کو باہر نکال دیا گیا۔ باہر آنے کے بعد میں نے کہا کہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ ابو کبشہ (یعنی محمد ﷺ) کے بیٹے کا معاملہ بڑا زور پکڑ گیا۔ اب تو اس سے بنو اصفر (رومیوں) کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے۔ اس کے بعد مجھے پورا یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا دین تمام ادیان پر غالب آ کر رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی توفیق عطا فرما دی۔ (بخاری: ۱/۳۰-۳۸)

سرکار مدینہ ﷺ کے والا نامہ کا ہرقل پر یہ اثر ہوا جس کا مشاہدہ ابوسفیان نے کیا۔ چنانچہ اسی اثر کے تحت اس نے سفیر نبوت سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی مال اور پارچہ جات سے تواضع کی، لیکن سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ جب وہ تمام تحائف لے کر واپس ہوئے تو قبیلہ جذام کے کچھ لوگوں نے ان پر ڈاکہ ڈال کر سب کچھ لوٹ لیا۔ سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچنے کے بعد سیدھے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک دستہ حسمی روانہ فرمایا۔ انھوں نے قبیلہ جذام پر شب خون مار کر ان کی خاصی تعداد کو قتل کر دیا اور ان کے چوپایوں اور عورتوں کو ہانک لائے۔ چوپایوں میں ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں تھیں اور قیدیوں میں ایک سو عورتیں اور بچے تھے۔ بعد میں آپؐ نے اس قبیلہ کے سردار زید بن رفاعہ کے احتجاج اور فریاد پر ان کا احتجاج قبول فرماتے ہوئے تمام مال غنیمت اور قیدی واپس کر دیئے۔ (زاد المعاد: ۲/۱۲۲)

قیصر روم ہرقل اپنے پادریوں اور روسا سے ڈر کر مسلمان نہ ہوا کیونکہ اسے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر میں مسلمان ہو گیا تو کہیں میری حکومت نہ چھین لی جائے، لیکن اس نے حضور ﷺ کے والا نامہ اور آپ کے ایلچی سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کا بڑا اعزاز و احترام کیا۔

حافظ ابن حجر نے معجم طبرانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہرقل نے سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ ﷺ نبی ہیں، لیکن میں اگر ایسا کروں تو میری سلطنت جاتی رہے گی اور رومی مجھے قتل کر دیں گے۔ (فتح الباری: ۱/۳۴)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۴/۲۶۲-۲۶۸، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح: ۱/۹۴، فتح الباری: ۱/۳۴-۴۰)

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خط قیصر روم نے سونے کے ایک قلمدان میں نہایت عزت و احترام سے رکھا اور پھر اس کی نسل میں یہ خط نسلاً بعد نسلٍ چلتا آیا۔ وہ اس خط کی بہت حفاظت کرتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جب تک یہ خط ہمارے پاس محفوظ رہے گا ہماری سلطنت باقی رہے گی۔

(۳) نجاشی شاہ حبشہ کے نام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا، سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو یہ خط دے کر فرمایا: ''اصحمہ ! (نجاشی شاہ حبشہ کا نام) مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ امید ہے کہ آپ میری اس بات کو غور و خوض سے سنیں گے۔ ہمیں آپ پر حسن ظن بھی ہے اور اعتماد بھی۔ ہم نے جب کبھی آپ سے کسی خیر کی امید کی ہمیں وہ خیر آپ سے حاصل ہوئی۔ آپ کے سایۂ امن و عاطفت میں ہمیں کبھی کوئی خوف نہیں ہوا۔ انجیل ہمارے اور آپ کے مابین شاہد عادل ہے۔ جس کی شہادت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آپ نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو آپ اس نبیؐ کے حق میں ایسے ہی ثابت ہوں گے جیسا یہود سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفیر دو سرداروں کے پاس بھی بھیجے ہیں لیکن دوسروں کی نسبت آپ سے زیادہ امید ہے۔

سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک جب نجاشی کے حوالے کیا تو نجاشی نے اسے اپنی آنکھوں سے لگایا اور تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو اس وقت حبشہ میں موجود تھے، کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس والا نامہ کا جواب لکھوایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم O

محمد رسول اللہ کی خدمت میں نجاشی اصحمہ کی طرف سے:

اللہ کے نبیؐ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام اور اس کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، میں اس ایک اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی ہدایت اور توفیق مرحمت فرمائی۔

اے اللہ کے رسولؐ! مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ موصول ہوا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ذکر فرمایا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

Marfat.com

اس سے ایک ذرہ برابر بڑھ کر نہ تھے۔ مجھے قسم ہے آسمانوں اور زمین کے پروردگار کی، وہ ویسے ہی ہیں جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ہماری طرف بھیجا ہے ہم نے اسے جانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی (سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ) آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مہمان نوازی کی اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی سے بیعت کی اور ان کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لیے اسلام قبول کیا۔

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بیٹے ارہا بن اصحمہ ابجر کو بھیج رہا ہوں۔ میں صرف اپنی ذات کا مالک ہوں۔ اگر ارشاد ہو تو خود حاضر خدمت ہونے کو تیار ہوں۔ یا رسولؐ اللہ! میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ بالکل درست اور حق ہے۔ سلام ہو آپ پر اے اللہ کے رسولؐ!

نجاشی نے اپنے بیٹے ارہا کو ساٹھ آدمیوں کے ساتھ ایک کشتی میں سوار کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں روانہ کیا لیکن وہ کشتی راستہ میں غرق ہوگئی۔

یہ وہی نجاشی ہے جس کے پاس سنہ ۵ نبوی میں مسلمان ہجرت کر کے گئے تھے اور اس نے ان کا بڑا اعزاز واحترام کیا تھا۔ اس کا نام اصحمہ تھا۔ یہ سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا اور رجب سنہ ۹ ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ جس روز اس کی وفات ہوئی جبریل امین علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ گاہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو یہ بھی لکھا تھا کہ وہ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور دوسرے مہاجرین حبشہ کو مدینہ روانہ کر دے۔ چنانچہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو کشتیوں میں ان کی روانگی کا بندوبست کیا۔ ایک کشتی کے سوار جس میں سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

Marfat.com

تھے، خیبر پہنچ کر براہِ راست خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے اور دوسرے کشتی کے سوار جن میں زیادہ تر عورتیں اور بچے تھے، سیدھے مدینہ پہنچے۔ (ابن ہشام: ۳۵۹/۲)

اس کی وفات کے بعد دوسرا شخص اس کا جانشین ہو کر تخت پر بیٹھا۔ آپ ﷺ نے اسے بھی ایک خط ارسال فرمایا لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں۔

(زرقانی: ۳۴۶/۳)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری: ۸۹/۳، زرقانی: ۳۴۳/۳۔۳۴۵، زادالمعاد: ۶۰/۳، ہدایہ الحیاری لابن قیم: ص ۳۲)

(۴) نبی اکرم ﷺ نے ایک خط مقوقش شاہ مصر و اسکندریہ کے نام بھی روانہ فرمایا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ خط کو سربمہر کر کے سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو دیا کہ اسے شاہ مصر کے پاس پہنچائیں۔ وہ پہلے مصر پہنچے تو معلوم ہوا کہ بادشاہ اسکندریہ میں ہے۔ جب اسکندریہ پہنچے تو دیکھا کہ وہ ایک جھروکے میں بیٹھا ہوا ہے جو دریا کے کنارے پر ہے۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی۔ اس نے سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کو جھروکے کے اندر بلایا۔ انھوں نے اندر پہنچ کر آپ ﷺ کا والا نامہ دیا۔ بادشاہ نے نہایت عظمت و توقیر کے ساتھ اس والا نامہ کو پڑھا۔

(زرقانی: ۳۴۷/۳)

بادشاہ کو خط دینے کے بعد سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے مقوقش کے بھرے دربار میں فرمایا:

”اس سرزمین میں (یعنی مصر میں) تم سے پہلے ایک شخص گزرا ہے جو اپنے کو ”رب اعلیٰ“ سمجھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اول و آخر کے لیے عبرت بنا دیا۔ پہلے تو اس کے ذریعے لوگوں سے انتقام لیا۔ پھر خود اس کو انتقام کا نشانہ بنایا، لہٰذا اس سے عبرت پکڑو۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں۔“

سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان ہے کہ اس کے بعد شاہ اسکندریہ مقوقش نے مجھے شاہی مہمان کے طور پر شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا۔ ایک روز اس نے تمام عمائدین سلطنت اور زعمائے حکومت کو اکٹھا کر کے مجھے بلایا اور کہا کہ میں تم سے کچھ اہم سوالات پوچھنا چاہتا ہوں ذرا غور و فکر سے جواب دینا۔ پھر مقوقش نے کہا! اگر وہ واقعی اللہ کے رسولؐ ہیں تو جس وقت ان

Marfat.com

کی قوم نے انھیں مکہ سے نکالا تو انھوں نے ان کے حق میں بددعا کیوں نہ کی کہ وہ تباہ وبرباد ہو جاتے۔ سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول نہ تھے؟ اس نے جواب دیا: بے شک وہ اللہ کے رسول تھے۔ حاطب رضی اللہ عنہ نے کہا: جب وہ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے، تو جب ان کے دشمنوں نے انھیں صلیب دینے کا ارادہ کیا تو سیدنا مسیح علیہ السلام نے اس وقت ان کی ہلاکت کے لیے بددعا کیوں نہ کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی طرف اٹھالیا؟ مقوقس ان کے اس جواب سے لاجواب ہوگیا اور بولا: ''بے شک تو حکیم ہے اور ایک حکیم کے پاس سے آیا ہے۔'' (زرقانی: ۳/۳۴۸، خصائص کبریٰ، بیہقی: ۲/۱۲)

پھر مقوقس نے انھیں کچھ اور سوالات کیے جن کے انھوں نے نہایت تسلی بخش جوابات دیے۔ ان کے جوابات سے مطمئن ہوکر مقوقس نے کہا: میں نے اس نبی کے بارے میں بہت غور وفکر کیا تو پایا کہ وہ پسندیدہ باتوں کا حکم دیتے ہیں اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتے ہیں۔ قابل نفرت چیزوں کا حکم نہیں دیتے اور قابل رغبت باتوں سے روکتے نہیں۔ وہ نہ گمراہ اور جادوگر ہیں اور نہ ہی جھوٹے کاہن بلکہ ان میں نبوت کی علامات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً غیب کی خبریں دینا۔ اس بارے میں مزید غور کروں گا۔ پھر اس نے آپ ﷺ کے والا نامہ کو ہاتھی دانت کے ڈبہ میں بند کر کے اور اسے سربمہر کر کے اپنے خازن کو حکم دیا کہ اسے حفاظت سے رکھیں اور ایک کاتب کو بلا کر آپ ﷺ کے والا نامہ کا جواب ان الفاظ میں دیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم O

محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس عظیم قبط کی طرف سے:

آپ ﷺ پر سلام ہو۔ میں نے آپ ﷺ کا والا نامہ پڑھا اور اس میں ذکر کی گئی تمام باتوں کو سمجھا، مجھے معلوم ہے کہ ابھی تک ایک نبی کی آمد باقی ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ شام سے مبعوث ہوگا۔ میں نے آپ ﷺ کے قاصد کا اعزاز و اکرام کیا۔ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں دو لونڈیاں بھیج رہا ہوں اور سواری کے لیے ایک خچر بھی ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ والسلام!

مقوقس نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا اور اسلام نہیں لایا۔ دونوں لونڈیاں ماریہ

Marfat.com

قبطیہ رضی اللہ عنہا اور سیرین قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ماریہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے حرم میں داخل ہوئیں۔ سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ بن محمد رسول اللہ ﷺ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ دوسری سیرینؓ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عطا ہوئیں۔ اس خچر کا نام دلدل تھا جو آپ ﷺ کو بھیجا گیا۔ سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ جب واپس مدینہ طیبہ میں آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو تمام واقعہ بیان کیا۔ ارشاد فرمایا کہ وہ اپنی سلطنت کے چھن جانے کے خوف سے مسلمان نہیں ہوا، لیکن اس کا ملک اور سلطنت باقی نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر اور اسکندریہ کو فتح کر لیا۔

(زرقانی: ۳۴۸/۳، روض الانف: ۳۵۵/۲، الجواب الصحیح: ۹۹/۱، ہدایہ الحیاریٰ: جلد ۳۳، زادالمعاد لابن قیم: ۶۰/۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الجواب الصحیح جلد: ۱ ص ۱۰۱۔۱۰۳ پر لکھا ہے کہ اس والا نامہ سے قبل بھی مقوقس سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کے حالات معلوم کر چکا تھا۔ وہ مسلمان ہونے سے قبل چند ساتھیوں کے ساتھ اس کے ملک میں گئے تھے۔ چنانچہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ مقوقس کی باتوں ہی سے متاثر ہو کر واپس مدینہ آ کر مسلمان ہو گئے لیکن خود مقوقس کے مقدر میں اسلام نہیں تھا، لہٰذا اسلام کو قبول نہ کیا۔

شاہ بحرین منذر بن ساویٰ کے نام بھی آپ نے ایک خط لکھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس خط کو سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ شاہ بحرین کے پاس بھیجا۔ منذر بن ساویٰ نے اس خط کے جواب میں سرکار دو عالم ﷺ کو لکھا: ''اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کا خط بحرین کے باشندوں کو پڑھ کر سنایا۔ ان میں سے بعض نے اسلام کو محبت اور پاکیزگی کی نگاہ سے دیکھا اور اس کو قبول کر لیا اور بعض نے پسند نہیں کیا۔ اور میری اس سرزمین میں یہود اور مجوس بھی ہیں، لہٰذا آپ اس بارے میں اپنا حکم صادر فرمایئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا جو جواب دیا اس کو علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد: ۶۱/۲۔۶۲ پر نقل کیا ہے اور زرقانی نے بھی اپنی کتاب کی جلد ۳ ص ۳۵۱ پر وہی خط نقل کیا ہے۔ یہ خط ماضی قریب میں دستیاب ہوا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مرحوم (فرانس) نے اس کا فوٹو بھی شائع کیا ہے۔

امام سہیلی رحمہ اللہ نے منذر کا جو جواب نقل کیا ہے وہ یہ ہے: ''کہ میں جس دین پر ہوں

Marfat.com

میں نے اس میں بہت غور وخوض کیا تو اس کو صرف دنیا کے لیے پایا نہ کہ آخرت کے لیے اور جب آپ ﷺ کے پیش کردہ دین پر غور وخوض کیا تو اسے دین و دنیا دونوں کے لیے مفید پایا، لہٰذا اس دین کو قبول کرنے میں مجھے کیا چیز مانع ہے کہ جس کے قبول کرنے میں زندگی کی تمنائیں اور امنگیں اور موت کی راحت اور سکون ہے؟ اب تک میں اس شخص کی حالت پر نہایت تعجب کرتا تھا جو اس دین اسلام کو قبول کرے لیکن اب حالت یہ ہوگئی ہے کہ اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو اس دین برحق کو رد کرتا ہے۔ (روض الانف: ۳۵۶/۲، الجواب الصحیح: ۱۱۳/۱)

یمامہ کے رئیس ہوذہ بن علی کے نام بھی آپ ﷺ نے ایک خط سیدنا سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ کیا۔ آپ جب یہ خط ہوذہ کے پاس لے کر گئے تو اس نے ان کا بہت احترام کیا۔ ان کو شاہی مہمان بنایا۔ سیدنا سلیط رضی اللہ عنہ نے ہوذہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"ہوذہ! تجھ کو بوسیدہ ہڈیوں نے حکمران بنا دیا ہے اور حقیقت میں سردار اور حکمران وہ ہے جو ایمان سے متمتع ہوا اور جس نے تقویٰ و پرہیز گاری کا زادِ راہ لیا۔ میں تجھے ایک بہترین شے کا حکم کرتا ہوں اور ایک بدترین شے سے تجھے منع کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم کرتا ہوں اور شیطان کی عبادت سے منع کرتا ہوں۔ اگر تو اس کو قبول کرے گا تو تیری امیدیں اور تمنائیں بر آئیں گی اور اگر تو انکار کرے گا تو یاد رکھ قیامت کا ہولناک منظر ہمارے اور تمھارے درمیان سے اس حائل پردہ کو اٹھا دے گا۔"

ہوذہ نے سیدنا سلیط رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے کچھ روز مہلت دیں، میں اس دعوت پر غور وفکر کر لوں۔ چنانچہ چند روز کے بعد اس نے آپ ﷺ کے خط کا یہ جواب دیا:

"جس شے کی طرف آپ ﷺ بلاتے ہیں وہ بہت اچھی اور خوب ہے۔ عرب میرے دبدبہ اور مرتبہ سے خوفزدہ ہیں۔ آپ ﷺ مجھے کچھ اختیار عنایت فرمائیں میں آپ ﷺ کا اتباع کروں گا۔"

ہوذہ نے چلتے وقت سفیر رسول سیدنا سلیط رضی اللہ عنہ کو کچھ ہدیئے اور تحفے دیئے اور کچھ ہجر کے بنے ہوئے کپڑے بھی دیئے۔ سیدنا سلیط رضی اللہ عنہ نے واپس جا کر وہ تمام تحائف آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے اور تمام تفصیلات بھی گوش گزار کیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کا خط پڑھ کر فرمایا: "خدا کی قسم، اگر وہ زمین کا ایک ٹکڑا بھی مجھ سے طلب کرے تو میں اسے

Marfat.com

نہ دوں گا۔ وہ خود بھی تباہ ہوگا اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ بھی تباہ ہوگا۔"

جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے واپس تشریف لائے تو جبریل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ کو ہوذہ کے مرنے کی خبر دی۔ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

"سنو یمامہ میں ایک کذاب ظاہر ہونے والا ہے جو نبوت کا دعویٰ کرے گا اور میرے بعد قتل ہوگا۔"

(زاد المعاد: ۶۳/۳، زرقانی: ۳۵۵/۳)

اسی طرح کا ایک خط آپ ﷺ نے حارث غسانی حاکم دمشق کے پاس بھیجا لیکن وہ اپنی بدقسمتی سے اسلام نہ لایا۔ (زرقانی: ۳۵۶/۳، طبقات: ۱۷/۱)

اور ایک اور خط آپ ﷺ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ شاہ عمان جیفر اور اس کے بھائی عبد کے نام روانہ کیا۔ انھوں نے اس خط کو پڑھا اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے بہت سے سوال و جواب کے بعد اسلام کی دعوت کو قبول کر لیا۔

(زاد المعاد: ۶۲/۳، زرقانی: ۳۵۳/۳، طبقات ابن سعد: ۱۸/۱، ہدایہ الحیاری: ۳۴، روض الانف: ۳۵۶/۲، اصابہ: ۲۶۲/۱)

آپ ﷺ نے ان سربراہان مملکت کے نام جو خطوط ارسال فرمائے اور انھیں اسلام کی دعوت دی، اس سے پتہ چلا کہ اسلام صرف ایک خاص قوم یا کسی خاص خطۂ زمین کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے ہے اور ہر رنگ و نسل اور ہر دین و ملت کا آدمی آپ ﷺ پر ایمان لانے کا مکلّف ہے۔

آپ ﷺ کے خطوط کے جواب میں کچھ بادشاہ ایمان لائے اور کچھ نے اسلام کی دعوت کو رد کر دیا۔ جنھوں نے رد کیا وہ تباہ و برباد ہو گئے اور جنھوں نے قبول کیا وہ تاریخ عالم میں زندہ جاوید ہو گئے، دوسرے یہ کہ خواہ کسی نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کیا یا رد، لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان خطوط کے بعد اسلام تمام دنیا میں ایک جانی پہچانی دعوت و قوت بن گیا اور ہر شخص اسلام کے بارے میں سوچنے لگا اور اسلام کی دعوت جزیرۂ عرب سے نکل کر تمام دنیا میں پھیلنی شروع ہو گئی۔

Marfat.com

غزوۂ خیبر

(محرم ۷ھ)

اگر چہ یہود کے تمام قبائل کو آپ ﷺ نے مدینہ سے جلا وطن کر دیا اور ان کی اکثریت خیبر میں جا کر آباد ہو گئی لیکن یہ لوگ وہاں جا کر بھی بدعہدی اور پیمان شکنی کے لیے ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ چنانچہ جنگ خندق میں خیبر کے یہودی ہی تھے جو مشرکین اور دوسرے قبائل عرب کا ایک متحدہ محاذ قائم کر کے انھیں مدینہ پر چڑھا لائے تھے۔ پھر بنو قریظہ کی عہد شکنی میں بھی خیبر کے انہی یہودیوں کا ہاتھ تھا۔

اس بات میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں کہ حدیبیہ کے معاہدہ نے رسول اللہ ﷺ کو نہ صرف قریش بلکہ پوری جنوبی سمت سے مطمئن کر دیا تھا لیکن مدینہ کے شمال میں بسنے والے خیبر کے یہود سے ہر وقت آپ ﷺ کو خطرہ لاحق رہتا تھا کہ ہرقل شاہ روم یا کسریٰ شاہ فارس، خیبر کے ان یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف نہ بھڑکا دیں اور یہود کا وہ پرانا ناسور پھر رسنے لگے جو ان کے دینی بھائیوں، بنو قینقاع اور بنو نضیر کی مدینہ سے جلا وطنی اور بنو قریظہ کے قتل عام کی صورت میں رونما ہوا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ کو یہودیوں کی سرشت اور طینت کا بخوبی علم تھا کہ وہ کینہ توزی میں نہ صرف قریش بلکہ دنیا کی ہر قوم سے بڑھے ہوئے ہیں اور دینی حیثیت میں بھی قریش اور دوسری تمام اقوام عالم سے زیادہ متعصب اور سرکش ہیں۔ خطرہ تھا کہ اگر انھیں ہرقل یا کسریٰ کی طرف سے مدد مل جائے تو مسلمانوں سے انتقام لینے میں انھیں کوئی تامل نہیں ہو گا۔

چنانچہ معاہدہ حدیبیہ کے بعد جب قریش مکہ کے ساتھ محاذ آرائی کا خاتمہ ہوا اور ان

Marfat.com

مجرم یہودیوں کے محاسبہ کے لیے فضا صاف ہو گئی تو آپ ﷺ نے فیصلہ کر لیا کہ یہود کے فتنہ کو جڑ سے اکھیڑ کر عرب سے باہر دھکیل دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے خلاف یہ خلش کا کانٹا ہمیشہ کے لیے نکل جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے متعلق مناسب کارروائی عمل میں لانے کا تہیہ کر لیا اور اس مہم میں اور بھی عجلت سے کام لیا تاکہ بنو غطفان یا مسلمانوں کا کوئی اور دشمن ان کی مدد کے لیے نہ پہنچ سکے۔

خیبر کو روانگی:

آپ ﷺ نے محمد ابن اسحاق کے بیان کے مطابق حدیبیہ سے واپسی پر ذی الحجہ کا پورا مہینہ اور محرم کے چند دن مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ پھر محرم کے باقی ماندہ دنوں میں آپ ﷺ خیبر کی اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ (عیون الاثر: ۲/۱۸۱)

لشکر کو روانگی کا حکم دیتے ہوئے صرف انہی مسلمانوں کو لشکر میں شریک ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جو حدیبیہ کی مہم میں شریک تھے اور ان کے سوا دوسرے مسلمانوں کی شمولیت سے انکار تو نہ فرمایا لیکن انھیں غنیمت سے مستثنیٰ فرما دیا۔ حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد صرف چودہ سو تھی مزید دو سو حضرات نے شرکت فرمائی۔ چنانچہ آپ اخیر محرم الحرام ۷ھ میں چودہ سو پیادوں اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے صرف ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں۔ صلح حدیبیہ میں بھی یہی آپ ﷺ کے ہم رکاب تھیں۔ (زرقانی: ۲/۲۱۷، فتح الباری: ۷/۳۵۶، زاد المعاد: ۲/۱۳۳)

ہر ایک مسلمان کے دل میں نصرت خداوندی کا یقین موجزن تھا اور حدیبیہ سے واپسی پر سورۂ فتح کی بشارت کی وجہ سے سب پُر امید تھے۔ چونکہ منافقین حدیبیہ کے سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے کے بجائے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے تھے، اس لیے اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو ان کے بارے میں بتا دیا کہ فتح خیبر کی بشارت سن کر منافقین بھی آپ ﷺ سے استدعا کریں گے کہ ہم بھی اس سفر میں آپ کے رفیق ہوں گے۔ اللہ کا حکم یہ ہے کہ یہ لوگ ہرگز آپ ﷺ کے ساتھ اس سفر میں نہ جائیں۔ (ملاحظہ ہو سورۂ فتح: ۱۵)

اس غزوہ کے دوران مدینہ طیبہ کا انتظام سیدنا سباع بن عرفطہ انصاری رضی اللہ عنہ کے سپرد

Marfat.com

کیا گیا اور محمد ابن اسحاق کی روایت کے مطابق سیدنا نمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔

(عیون الاثر: ۲/۱۸۱، ابن ہشام: ۲/۳۲۸)

اور لشکر کا علم بردار سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

اسی موقع پر سیدنا سباع بن عرفطہ انصاری رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان سے ملے اور کھانا وغیرہ تناول کرنے کے بعد سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے خیبر کی جانب روانہ ہو گئے۔ جب خدمت نبویؐ میں پہنچے تو خیبر فتح ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو بھی مال غنیمت میں شریک فرمالیا۔

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں خیبر کے لیے روانہ ہوئے۔ دوران سفر ایک شخص نے عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور شاعر تھے، سے کہا کہ ہمیں اپنے کچھ رجزیہ اشعار سناؤ۔ چنانچہ وہ سواری سے اتر کر حدی خوانی کرنے لگے۔ آپ لشکر کے آگے آگے تھے اور یہ رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے:

اللھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

فاغفر فداء لك ما اتقینا والقین سکینة علینا

وثبت الاقدام ان لاقینا انا اذا صیح بنا اتینا

وبالصیاح عولوا علینا

”اے اللہ! اگر تو ہدایت نہ فرماتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔ ہم تجھ پر قربان تو ہمیں بخش دے جب تک ہم تقویٰ اختیار کریں اور ہم پر سکینت نازل فرما۔ اگر ہم ٹکرائیں تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔ ہم کو جب جہاد کے لیے پکارا جاتا ہے تو دوڑ کر پہنچتے ہیں اور للکار میں لوگوں نے ہم پر اعتماد کیا ہے۔“

مسند احمد میں یہ کلمات بھی ہیں:

ان الذین قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنة ابینا

ونحن عن فضلك ما استغنینا

”جن لوگوں نے ہم پر تعدی کی، جب وہ کسی فتنہ میں ہمیں مبتلا کرنے کا ارادہ کرتے

Marfat.com

ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں اور اے اللہ! ہم تیرے فضل سے مستغنی نہیں ہوسکتے۔‘‘

یہ اشعار سن کر آپ ﷺ نے پوچھا یہ حُدی خوان کون ہے؟ لوگوں نے کہا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اس پر رحم فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اللہ تیری مغفرت فرمائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ ﷺ اس کے لیے تو جنت واجب ہوگئی۔ کاش آپ عامر رضی اللہ عنہ کے وجود سے ہمیں چند روز اور بہرہ ور ہونے دیتے۔

(بخاری: ۶۰۳/۲، فتح الباری: ۳۵۷/۷، مسلم: ۱۱۵/۲)

کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پتہ تھا کہ جب آپ ﷺ جنگ کے موقع پر کسی شخص کے لیے خصوصیت سے دعائے مغفرت فرماتے تو وہ ضرور شہید ہو جاتا۔ چنانچہ سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شہید ہوگئے۔

اِدھر حضور ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے اُدھر منافقین نے یہود کی حمایت میں اپنی تگ ودو شروع کردی۔ چنانچہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے خیبر کے یہود کو پیغام بھجوایا کہ اب محمد ﷺ نے تمھاری طرف رخ کیا ہے۔ اس لیے خوب تیاری کر کے ان کا مقابلہ کرو۔ ڈٹ جاؤ کیونکہ تم تعداد اور اسلحہ میں ان سے برتر ہو۔ تمھارے مقابلے میں مسلمان بالکل تہی دست ہیں۔ جب اہل خیبر کو معلوم ہوا کہ مسلمان اب ہماری طرف آرہے ہیں تو انھوں نے کنانہ بن ابی الحقیق اور ہوذہ بن قیس کو مدد کے لیے بنوغطفان کے پاس روانہ کیا کیونکہ وہ یہود کے حلیف تھے۔ یہود نے انھیں یہ پیشکش بھی کی کہ اگر وہ مسلمانوں کے خلاف فتح یاب ہوئے تو خیبر کی پیداوار کا نصف انھیں دیا جائے گا۔ بنوغطفان یہود کی مدد کے لیے تیار بھی ہوگئے لیکن جب اپنی آبادی سے باہر نکلے تو انھیں اپنے پیچھے کچھ شوروغل سنائی دیا۔ وہ سمجھے کہ مسلمانوں نے ان کے بال بچوں پر حملہ کردیا ہے، اس لیے وہ واپس پلٹ گئے اور خیبر کے یہودیوں کی کوئی مدد نہ کی۔

راستے میں آپ ﷺ جبل عصر (عین کے زیر اور ص ساکن کے ساتھ اور بعض کے نزدیک دونوں پر زبر ہے) کو عبور کر کے وادی صہبا سے گزرے۔ پھر وادی رجیع میں پہنچے۔ پھر آپ ﷺ نے ان دونوں ماہرین کو بلایا جو لشکر کو راستہ بتانے پر مامور تھے اور ان دونوں سے ایسا مناسب ترین راستہ معلوم کرنا چاہا، جسے اختیار کر کے خیبر میں شمال کی جانب سے یعنی مدینہ

Marfat.com

کے بجائے شام کی جانب سے داخل ہو سکیں تا کہ اس طریقہ سے ایک طرف تو یہود کے شام بھاگنے کا راستہ بند کر دیں اور دوسری طرف بنو غطفان اور یہود کے درمیان حائل ہو کر ان کی طرف سے مدد و نصرت کے ہر امکان کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بتائے ہوئے راستہ مرجب کو اختیار کیا۔

راستہ میں ایک بلند مقام پر پہنچے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اوپر رحم کرو۔ تم کسی بہرے اور غائب خدا کو نہیں پکار رہے ہو۔ تم تو اس خدا کو پکار رہے ہو جو سننے والا اور قریب ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے بالکل قریب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے "لا حول ولا قوہ الا باللہ" پڑھتے ہوئے سنا تو "عبداللہ بن قیس" کہہ کر مجھے آواز دی (یہ سیدنا ابو موسیٰ کا نام تھا) میں نے کہا: میں حاضر ہوں، میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ فرمایا: میں تجھ کو جنت کا خزانہ بتاؤں؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں ضرور بتلائیں۔ آپ نے فرمایا: لا حول ولا قوہ الا باللہ یعنی یہ جنت کا خزانہ ہے۔

مسلمان مدینہ سے چل کر تیسرے روز نماز مغرب کے بعد رات کو خیبر پہنچے اور رات بھر قلعہ خیبر کے نیچے پڑے رہے اور یہود کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور یہ تھا کہ جب رات کے وقت کسی قوم کے پاس پہنچتے تو رات میں کسی پر حملہ نہ فرماتے، بلکہ صبح کا انتظار فرماتے۔ اگر اذان کی آواز سنتے تو حملہ نہ فرماتے اور اگر اذان کی آواز نہ سنتے تو حملہ فرما دیتے۔ اسی سنت کے مطابق خیبر میں بھی صبح کی اذان کا انتظار فرمایا۔ جب صبح کی اذان نہ سنی تو حملہ کی تیاری فرمانی شروع کی۔ ادھر اہل خیبر، جنھیں بالکل علم نہیں تھا کہ مسلمانوں کا لشکر باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے، صبح کے وقت جب وہ پھاوڑے اور کھانچی وغیرہ لے کر کھیتی باڑی کے لیے نکلے تو باہر لشکر کو پڑاؤ ڈالے دیکھا۔ لشکر کو دیکھ کر وہ چیختے ہوئے واپس بھاگے کہ محمد والخمیس یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ آ گئے ہیں۔ لشکر کو خمیس اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے پانچ حصے ہوتے ہیں: مقدمہ، میمنہ، میسرہ، قلب اور ساقہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آوازہ سنا تو فرمایا:

((اللہ اکبر خرجت خیبر، انا اذا انزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین))

Marfat.com

"اللہ اکبر خیبر کی تباہی کا وقت آ پہنچا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر پڑتے ہیں تو ان ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔" (جامع الاصول، لابن اثیر: ۲۱۳/۳)

خیبر کے یہودی بھی پہلے سے یہ خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ رسول اللہ ان سے ان کے دشمنوں کو پناہ دینے کی وجہ سے جنگ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ وہ ایسے وقت سے غافل نہ تھے۔ ان میں سے بعض لوگ جو قبائل میں سے کسی سے مدد نہ چاہتے تھے، حفظ ماتقدم کی بنا پر وادی القریٰ اور تیماء کے یہودیوں سے ساز باز بھی کر چکے تھے تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں جو کینہ حیی ابن اخطب کی طرف سے مدینہ پر بلوہ کی صورت میں رونما ہو چکا ہے، اس کی تلافی ہو جائے۔ چنانچہ انھوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی تیاری کی سُن گُن پائی تو فوراً بنو غطفان کو اطلاع دی تاکہ وہ وقت پر ان کی مدد کر سکیں لیکن جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، وہ وقت پر ان کی مدد کے لیے نہ پہنچ سکے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے لشکر کے پڑاؤ کے لیے ایک جگہ کا انتخاب فرمایا۔ اس پر سیدنا حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسولؐ! یہاں آپ ﷺ اللہ کے حکم کے تحت پڑاؤ ڈال رہے ہیں یا اپنی مرضی سے اور جنگی تدبیر کی وجہ سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنی رائے سے اس جگہ پڑاؤ ڈال رہا ہوں۔ عرض کی "یا رسولؐ اللہ! یہ جگہ قلعہ نطاۃ سے بہت ہی قریب ہے اور خیبر کے سارے جنگجو افراد اسی قلعے میں ہیں۔ انھیں ہمارے حالات کا پورا علم رہے گا، جبکہ ہمیں ان کے حالات کی کوئی خبر نہ ہوگی۔ ان کے تیر ہم تک پہنچ جائیں گے جبکہ ہمارے تیر ان تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے۔ وہ جب چاہیں ہم پر شبخون بھی مار سکتے ہیں۔ پھر یہ مقام پستی میں واقع ہے اور کھجوروں کے باغات کے درمیان پڑتا ہے۔ اس لیے کسی اور جگہ پڑاؤ ڈالنا میری رائے میں بہتر ہوگا۔ آپ ﷺ نے سیدنا حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تحسین فرمائی اور دوسری مناسب جگہ پڑاؤ ڈالنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

خیبر پر مسلمانوں کے حملے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح تمام جزیرہ نمائے عرب میں پھیل گئی۔ عرب کا ہر شخص نتیجے کے لیے گوش بر آواز تھا۔ خصوصاً قریش مکہ نہایت بیتابی کے ساتھ نتیجہ کے منتظر تھے۔ انھیں پوری پوری امید تھی کہ خیبر کے یہودی اپنی بہادری، اپنے قلعوں کی سربلندی، اسلحہ کی بہتات اور پہاڑوں کی بلند ترین چوٹیوں کی وجہ سے مسلمانوں کا نہ صرف

Marfat.com

حملہ ناکام کر دیں گے بلکہ ان کی وہ درگت بنائیں گے کہ انھیں چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ چنانچہ ان میں سے اکثر نے تو شرط بھی لگا رکھی تھی۔

خیبر کی آبادی دو منطقوں میں منقسم تھی۔ ایک منطقے میں حسب ذیل پانچ قلعے تھے:

(۱) حصن ناعم (۲) حصن صعب بن معاذ (۳) حصن زبیر

(۴) حصن ابی (۵) حصن نزار۔

ان میں سے مشہور تین قلعوں پر مشتمل علاقہ نطاۃ کہلاتا تھا اور بقیہ دو قلعوں پر مشتمل علاقہ شق کے نام سے مشہور تھا۔

دوسرا منطقہ کتیبہ کہلاتا تھا۔ اس میں صرف تین قلعے تھے:

(۱) حص قموص: یہ قلعہ بنو نضیر کے خاندان ابوالحقیق کا قلعہ تھا۔

(۲) حصن وطیح

(۳) حصن سلالم

ان آٹھ قلعوں کے علاوہ خیبر میں مزید قلعے اور گڑھیاں تھیں مگر وہ چھوٹی تھیں اور مضبوطی اور حفاظت کے نقطۂ نظر سے ان قلعوں کے ہم پلہ نہ تھیں۔

جنگ صرف پہلے منطقے میں ہوئی۔ دوسرے منطقے کے تینوں قلعے لڑنے والوں کی کثرت کے باوجود جنگ کے بغیر ہی مسلمانوں کے حوالے کر دیئے گئے۔

مسلمانوں نے خیبر میں داخل ہو کر صف بندی کی اور خیبر کے قلعوں کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ یہود نے اپنے سرغنہ سلام بن مشکم کے مشورہ سے یہ انتظام کیا کہ مال و اسباب، مستورات اور بچوں کو قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم میں پہنچا دیا۔ اجناس اور رسد قلعہ ناعم میں منتقل کر دی گئیں اور سپاہی اپنے جنگ آزمودہ اور تجربہ کار سپہ سالاروں کی قیادت میں غنیم کے حملہ سے عہدہ برآ ہونے کے لیے سب کے سب قلعہ علاۃ میں جمع ہو گئے۔

قلعہ ناعم کی فتح:

مسلمان فوج نے سب سے پہلے قلعہ ناعم پر حملہ کیا کیونکہ یہ قلعہ جنگی محل وقوع کے لحاظ سے یہود کی پہلی دفاعی لائن کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا سب سے پہلے فتح کرنا ضروری

Marfat.com

تھا۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے سیدنا محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ایک دستے اس کو فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے نہایت بہادری اور جوانمردی سے اس قلعہ کو فتح کرنے کے لیے حملہ کیا اور کافی دیر تک یہودیوں سے مقابلہ کیا۔ گرمی بہت سخت تھی، اس لیے تھک کر دم لینے کے لیے وہ قلعہ کی دیوار کے سایہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ کنانہ بن ربیع نے قلعہ کی فصیل کے اوپر سے چکی کا ایک بہت بھاری پاٹ گرایا جس سے وہ شہید ہو گئے لیکن قلعہ بہت جلد فتح ہو گیا۔ (فتح الباری: ۳۵۸/۷، عیون الاثر: ۱۸۴/۲)

ناعم کی فتح کے بعد چند چھوٹی گڑھیاں اور قلعے تھے۔ وہ آسانی کے ساتھ فتح ہو گئے۔ اس کے بعد قلعہ قموص کا محاصرہ کیا گیا۔ یہ اس شہ زور اور بہادر یہودی کا قلعہ تھا، جس کو مرحب کہتے تھے اور جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ایک ہزار مردوں کے برابر ہے۔

محاصرہ کو کئی روز گزر گئے اور قلعہ فتح نہ ہوا۔ روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ دردِ شقیقہ کی وجہ سے میدان میں تشریف نہ لا سکے۔ اس لیے علم دے کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انھوں نے جی توڑ کر مقابلہ کیا لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ دوسرے روز سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو علم دے کر بھیجا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی پوری جواں مردی سے مقابلہ و مقاتلہ کیا لیکن بغیر فتح کے رات کو واپس ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں کل علم اس شخص کو دوں گا، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ سے اس قلعہ کو فتح فرما دے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ رات نہایت اضطراب میں گزاری۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جو قناعت پسندی میں اپنی مثال آپ تھے اور آپ نے کبھی حکومت اور سرداری کی تمنا نہیں کی تھی، وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ اس موقع کی تمنا میں ان کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی۔ (مسلم: ۲۷۸/۲)

صبح کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے پوچھا ''علی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس وقت آشوب چشم میں مبتلا تھے اور جنگ کرنے کے قابل نہ تھے، لیکن حضور ﷺ نے انھیں اپنے پاس بلایا اور ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: خـذهذه الرايه، فـامـض بها حتى يفتح الله عليك اے علی رضی اللہ عنہ یہ جھنڈا لو اور غنیم پر حملہ کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمھارے ہاتھ سے اسے فتح فرمائے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کیا

Marfat.com

لڑ کر یہود کو مسلمان بنالیں؟'' فرمایا نرمی کے ساتھ ان پر اسلام پیش کرو۔ اگر ایک شخص بھی تمھاری ہدایت سے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تو یہ بات تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔
(بخاری:۶۰۵/۲، ۵۲۵/۱، مسلم:۲۷۹/۲)

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فوج لے کر اس قلعہ کے سامنے پہنچے اور یہود کو اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے اس دعوت کو مسترد کر دیا۔ اس وقت قلعہ میں بیس ہزار سپاہی تھے۔ وہ اپنے رئیس قلعہ مرحب کی کمان میں اسلامی فوج کے مدمقابل آ کھڑے ہوئے۔ مرحب نے میدان جنگ میں اتر کر دعوت مبارزت دی۔ جس کی کیفیت سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کی ہے کہ مرحب اپنی تلوار لے کر ناز و تکبر کے ساتھ اٹھلاتا ہوا اور یہ کہتا ہوا نمودار ہوا:

قد علمت خیبر انی مرحب   شاکی السلاح بطل مجرب
اذا الحروب اقبلت تلھب

''یعنی خیبر کے تمام لوگ اس سے آشنا ہیں کہ میں مرحب ہوں، ہتھیار پوش اور بہادر تجربہ کار جب جنگ کا شعلہ بھڑکتا ہے۔''

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا یہ رجز سن کر میرے چچا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے میدان جنگ میں آئے۔ چونکہ یہ بھی شاعر تھے، انھوں نے یہ رجز پڑھا:

قد علمت خیبر انی عامر
شاکی السلاح بطل مغامر

''یعنی خیبر جانتا ہے کہ میں عامر بن اکوع ہوں۔ ہتھیار پوش، جنگجو اور شہ زور۔''

پھر دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ مرحب کی تلوار عامر کی ڈھال پر لگی اور عامر رضی اللہ عنہ نے اسے نیچے سے مارنا چاہا لیکن ان کی تلوار چھوٹی تھی۔ انھوں نے مرحب کی پنڈلی پر وار کیا لیکن تلوار کا سرا پلٹ کر ان کے گھٹنے پر لگا جس سے گہرا زخم ہو گیا۔ آخر کار اسی زخم کی وجہ سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی دو انگلیاں اکٹھی کر کے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کے لیے دوہرا اجر ہے۔ وہ بڑے جانباز اور جان نثار مجاہد تھے۔ ان جیسا عرب کم ہی پیدا ہوا گا۔ (بخاری:۶۰۳/۲، مسلم، باب غزوۂ خیبر:۱۲۲/۳، ۱۱۵)

Marfat.com

سیدنا عامر رضی اللہ عنہ کے زخمی ہونے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ مرحب کے مقابلہ میں تشریف لائے۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

انا الذی سمتنی امی حیدرہ　　کلیث غابات کریہ المنظرہ

اوفیھم بالصاع کیل السندرہ

''میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ جنگ کے شیر کی طرح خوفناک ہوں۔ میں انھیں صاع کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کروں گا۔''

بعدازاں مرحب کے سر پر اس زور سے تلوار ماری کے اس کے سر کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ (فتح الباری: ۳۶۷/۷)

یہ روایت تو عام روایت ہے جس کو ہمارے اردو کے اکثر مؤرخین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے لیکن ہمارے نزدیک صحیح روایت یہ ہے کہ جب مرحب نے دعوت مبارزت دی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کون اس کے مقابلہ میں جائے گا؟ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: انا لہ یا رسول اللہ اے اللہ کے رسول! میں اس کے مقابلہ میں جاؤں گا۔ کل میرا بھائی مارا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اٹھو اور جاؤ۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا ''اے اللہ! اس کی مدد فرمانا۔ (اللھم اعنہ علیہ)

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسے ایسی تلوار ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

(ابن ہشام: ۳۳۳/۲، عیون الاثر: ۱۸۶/۲)

طبری نے بھی یہ لکھا ہے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مرحب کو قتل کیا تھا۔

حافظ ابن کثیر نے بھی واقدی، زہری اور محمد بن اسحاق سے مختلف سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مرحب کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مرحب کی تلوار، اس کا نیزہ اور اس کا خود محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۸۹/۴، ابن اثیر: ۲۱۹/۳)

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

''ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مارا تھا۔ مسند احمد بن حنبل اور نووی شرح مسلم میں بھی ایک روایت ہے لیکن صحیح مسلم اور حاکم: ۳۹/۲ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے اور یہی

Marfat.com

اصح الروایات ہے۔'' (سیرۃ النبی ﷺ :۱/۴۸۹)

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قاتل مرحب ہونے کی روایت مشہور بھی ہے اور صحیح بھی۔ (ابن اثیر: ۲/۲۱۹)

اس بارے میں ہم نے تفصیل اپنی کتاب سیدنا علی رضی اللہ عنہ ''شخصیت اور کردار'' میں بیان کر دی ہے۔ بہر حال مرحب کو قتل سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کیا یا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے، جونہی مرحب قتل ہوا، اس کا بھائی یاسر میدان میں کود پڑا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا۔

یہ قلعہ بیس روز کے محاصرہ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زیر پرچم فتح ہوا اور بہت سے مال غنیمت کے علاوہ بہت سے قیدی بھی ہاتھ آئے جن میں صفیہ جو حیی بن اخطب رئیس بنی نضیر کی بیٹی اور کنانہ بن ربیع کی بیوی تھیں وہ بھی تھیں۔ (فتح الباری: ۷/۳۶۷)

اس قلعہ کی فتح میں بہت سے سربرآوردہ یہودی کام آئے۔ اس قلعہ کا محاصرہ کئی روز تک رہا۔ جب یہود نے دیکھا کہ ہم مسلمانون کو زیر نہیں کر سکتے تو وہ پوشیدہ طور پر اس قلعہ سے قلعہ صعب بن معاذ میں منتقل ہو گئے۔

قلعہ صعب بن معاذ کی فتح:

قلعہ قموص کی فتح کے بعد مسلمانوں نے قلعہ صعب بن معاذ کا محاصرہ کر لیا کیونکہ یہ قوت و حفاظت کے لحاظ سے دوسرا سب سے بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ مسلمانوں نے سیدنا حباب بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت اس قلعے پر حملہ کیا۔ تین روز کے محاصرے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کی فتح کے لیے خصوصی دعا فرمائی۔ دعا کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے مسلمانوں کو اس قلعے پر حملے کی دعوت دی۔ یہاں بھی قلعہ کے سامنے مبارزت اور مار کاٹ ہوئی۔ پھر اسی دن سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے یہ قلعہ فتح ہو گیا۔ خیبر میں کوئی قلعہ ایسا نہ تھا جہاں اس قلعہ سے زیادہ خوراک اور چربی اور خورد و نوش کا دیگر سامان مسلمانوں کو ملا ہو۔

قلعہ قموص کا محاصرہ چونکہ بیس روز تک رہا۔ دوران محاصرہ مسلمان فوج کی رسد ختم ہو گئی۔ آپ ﷺ کی خدمت میں رسد کے ختم ہونے کی بابت عرض کیا گیا لیکن کوئی مداوا نہ بن

Marfat.com

آیا۔ ناچار فوج کی سواری کے گھوڑے ذبح کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ اسی اثناء میں یہود کے ایک قلعہ سے بکریوں کا ریوڑ اتر رہا تھا جس میں سے دو بکریاں بچھڑ گئیں اور مسلمانوں نے اس کے گوشت پر اکتفا کیا۔ اب قلعہ صعب بن معاذ فتح ہوا تو یہاں سے اس قدر رسد حاصل ہوئی کہ مسلمانوں نے خوردونوش سے بے فکر ہو کر محصورین کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ لیکن یہودی اپنی سرزمین کا ایک چپہ بھی آسانی سے چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔ وہ اپنے ہر قلعہ کی حفاظت میں جان کی بازی لگا دیتے اور جب تک پوری طرح بے بس نہ ہو جاتے، قبضہ نہ چھوڑتے۔

روایت ہے کہ ایک روز آپ ﷺ نے دیکھا کہ ہر طرف آگ جل رہی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا پک رہا ہے؟ عرض کیا گیا گوشت پکا رہے ہیں۔ پوچھا کس چیز کا گوشت ہے۔ عرض کیا اہلی گدھوں کا۔ آپ نے فرمایا وہ نجس ہے۔ سب پھینک دو اور برتنوں کو توڑ دو۔ کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر گوشت پھینک کر برتنوں کو دھولیں تو کیا اس کی اجازت ہے۔ فرمایا ہاں برتنوں کو دھولو۔

قلعہ زبیر کی فتح:

اس قلعہ کے فتح ہونے کے بعد یہود نے حصن قلعہ (اس کو قلعہ زبیر بھی کہتے ہیں) میں جا کر پناہ لی۔ یہ بھی بہت محفوظ اور مستحکم قلعہ تھا اور پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا، اسی لیے اس کو حصن قلہ کہتے تھے کیونکہ قلہ کے معنی پہاڑ کی چوٹی کے ہیں۔ راستہ اتنا پر پیچ تھا کہ سواروں کی رسائی مشکل تھی اور پیادوں کا بھی وہاں پہنچنا دشوار تھا۔ آپ ﷺ نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ کو ابھی تین روز ہوئے تھے کہ حسن اتفاق سے ایک یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''ابوالقاسمؑ! اگر آپ ﷺ مہینہ بھر بھی اس کا محاصرہ جاری رکھیں تو بھی ان لوگوں کو کوئی پروا نہیں۔ ان کے پاس زمین کے نیچے پانی کے چشمے ہیں۔ یہ رات کو نکلتے ہیں اور پانی پی کر اور کچھ ساتھ لے کر واپس قلعہ میں چلے جاتے ہیں۔ اگر آپ ان کا پانی بند کر دیں تو یہ گھٹنے ٹیک دیں گے۔'' آپ ﷺ نے ان کا پانی بند کر دیا۔ مجبور ہو کر یہ باہر نکلے اور مسلمانوں سے زبردست جنگ کی، جس میں کئی مسلمان شہید ہوئے اور قریباً دس یہودی بھی مارے گئے، لیکن قلعہ فتح ہو گیا۔ (زادالمعاد: ۱۳۶/۲)

Marfat.com

اس قلعے کی فتح کے بعد نطاۃ کے علاقے کے تمام قلعے فتح ہو گئے۔اب آپ دوسرے منطقے کی طرف بڑھے اور ان کے قلعوں کو فتح کرنا شروع کیا۔(البدایہ والنہایہ:۴/۱۹۸)

قلعہ ابی کی فتح:

قلعۂ زبیر کی فتح کے بعد اب یہودی حصن ابی میں قلعہ بند ہو گئے۔یہودی حوصلہ ہار چکے تھے۔مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اس قلعہ کا بھی محاصرہ کر لیا۔اب دو یہودی شہ زور یکے بعد دیگرے دعوت مبارزت دیتے ہوئے میدان میں نکلے۔لیکن دونوں ہی مسلمان جانبازوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

دوسرے یہودی کے قاتل میدان احد کے جانباز مجاہد سیدنا ابودجانہ سماک بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔وہ دوسرے یہودی شہ زور جانباز کو قتل کر کے نہایت تیزی کے ساتھ قلعہ میں جا گھسے اور ان کے ساتھ ہی اسلامی لشکر بھی جا گھسا۔قلعہ کے اندر کچھ دیر تک زوردار رن پڑا لیکن یہودیوں کے پاؤں کھسک گئے اور وہ سب کے سب بھاگ کر قلعۂ نزار میں چلے گئے۔

قلعۂ نزار کی فتح:

یہ قلعہ اس علاقے کا نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا اور یہود کو پورا پورا یقین تھا کہ مسلمان اپنی انتہائی کوشش کے باوجود اس قلعے کو سر نہیں کر سکتے۔اس لیے اس قلعہ میں وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے گئے۔جبکہ پہلے چار قلعوں میں عورتیں اور بچے ان کے ساتھ نہ تھے۔

جتنا یہودی اس قلعے کو مضبوط سمجھتے تھے،مسلمانوں نے اتنا ہی سختی کے ساتھ اس قلعہ کا محاصرہ کیا اور یہود پر سخت دباؤ ڈالا۔لیکن قلعے کے بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے اس میں داخل ہونا مشکل تھا۔اور یہودی باہر آ کر مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کر رہے تھے۔البتہ تیروں اور پتھروں کو پھینک کر مسلمانوں کا مقابلہ کر رہے تھے لیکن یہ مقابلہ نہایت کمزور تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے جب اس قلعے کی فتح میں دشواری محسوس کی تو حکم فرمایا کہ منجنیق لگا کر گولہ باری کی جائے۔تاریخ کے اوراق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چند گولے پھینکے گئے اور

Marfat.com

قلعہ کی دیواروں میں ان گولوں سے شگاف بھی پڑ گئے اور مسلمان قلعہ کے اندر گھس گئے اور وہاں زور کا رن پڑا۔ یہودی پہلے ہی حوصلہ ہارے ہوئے تھے۔ لہٰذا مقابلے کی تاب نہ لا کر فاش اور بدترین شکست کھائی اور اس طرح بے محابا بھاگے کہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ نہ لے جا سکے اور انھیں اہل اسلام کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

اس قلعے کی فتح سے خیبر کا نصف اول پورے کا پورا مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اب وہ شہر کے دوسرے حصے یعنی منطقہ کتیبہ کی طرف بھاگ گئے۔

وطیح اور سلالم کی فتح:

جب تمام قلعوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو آخر میں آپ ﷺ وطیح اور سلالم کی طرف بڑھے۔ بعض روایات میں الکتیبہ کا ذکر بھی آیا ہے۔ سلالم بنو نضیر کے ایک مشہور یہودی ابوالحقیق کا قلعہ تھا۔ یہ شخص مدینہ سے جلاوطن ہو کر یہاں آیا تھا۔ یہود اب ہر طرف سے سمٹ سمٹا کر انہی قلعوں میں جمع تھے۔

آپ ﷺ نے ان قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ چودہ دن کے محاصرہ کے بعد مجبور ہو کر یہود نے صلح کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرما لی۔ چنانچہ انھوں نے ابن ابی الحقیق کو صلح کی گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے اس شرط پر صلح کر لی کہ قلعہ میں موجود تمام فوج کی جان بخشی کر دی جائے گی اور ان کے بال بچوں کو لونڈی اور غلام نہیں بنایا جائے گا بلکہ یہ انہی کے پاس رہیں گے۔ اور وہ اپنے بال بچوں کو ساتھ لے کر وطیح کی سرزمین یک لخت خالی کر دیں گے۔ اپنے اموال، زمینیں، باغات اور سونا چاندی، گھوڑے اور تمام اسلحہ رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیں گے۔ اپنے ساتھ صرف اتنا کپڑا لے جائیں گے، جتنا ایک انسان کی پشت اٹھا سکتی ہے۔ (ابوداؤد: ۷۶/۲)

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ کوئی چیز چھپا کر لے گئے تو پھر اللہ اور اس کا رسول ؐ بری الذمہ ہیں۔ یہود نے ان تمام شرائط کو منظور کر لیا اور صلح ہو گئی اور خیبر کی فتح مکمل ہو گئی، لیکن یہود کی سرشت میں ہے کہ وہ کسی معاہدہ کا احترام نہیں کرتے۔ اس سے قبل بھی انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیے گئے ہر عہد و پیمان کو توڑا تھا۔ اب بھی وہ اپنی

Marfat.com

پیمان شکنی سے باز نہ آئے اور ابوالحقیق کے دونوں بیٹوں نے بہت سا مال غائب کر دیا۔ کیونکہ یہودی ذہن مال کے معاملے میں بہت حریص واقع ہوا ہے۔ حیی ابن اخطب کا ایک چمڑے کا بہت بڑا تھیلا تھا جس میں بہت سامان اور زیورات تھے، اس کو غائب کر دیا۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کنانہ بن ابی الحقیق کو لایا گیا۔ اس کے پاس بنو نضیر کا خزانہ تھا جو ایک چرمی تھیلے میں بند تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ وہ تھیلا کہاں ہے؟ کنانہ نے کہا کہ وہ سارا مال جنگوں میں خرچ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مال تو بہت زیادہ تھا، اس مختصر عرصے میں کیسے خرچ ہو گیا۔ یہ روایت ابن سعد کی ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ سعیہ سے دریافت فرمایا اور بیہقی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ کنانہ اور اس کے بھائی وغیرہ سے بھی دریافت کیا گیا لیکن ان سب نے یہی کہا کہ وہ سب مال خرچ ہو گیا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خزانے کا تھیلا ہم نے تمھارے پاس سے برآمد کر لیا تو ہم تمھیں قتل کر دیں گے۔ اس نے کہا مجھے منظور ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک انصاری صحابی کو حکم دیا کہ جاؤ فلاں جگہ ایک درخت کی جڑ میں وہ مال دبایا ہوا ہے۔ اسے کھود کر لے آؤ۔ وہ صحابی گئے اور زمین کھود کر وہ تھیلا برامد کر کے لے آئے۔ جو مال اس تھیلے سے برآمد ہوا، اس کی قیمت دس ہزار دینار تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ اس سے صرف آدھا مال برآمد ہوا۔ دوسرے آدھے مال کی برآمدگی کے لیے آپ نے اسے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا اور فرمایا کہ اسے سزا دو یہاں تک کہ اس کے پاس جو کچھ ہے، وہ سب بھی یہ شخص اگل دے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اس پر بہت سختی کی۔ پھر اسے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اسے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے اس لیے بھی کیا کہ اسی کنانہ نے ان کے بھائی محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو قلعہ کی فصیل سے چکی کا پاٹ گرا کر شہید کیا تھا۔ یہ بھی اس کا بہت بڑا جرم تھا۔ چنانچہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے بھائی کے قتل کی پاداش میں قتل کر دیا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۳۳۶/۲)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی: ۱۲۹/۲، سنن ابی داؤد مع عون المعبود: ۱۲۰/۳، سیرۃ حلبیہ: ۱۶۴/۲۔۱۶۶، البدایہ والنہایہ: جلد۴، زاد المعاد: ۱۳۶/۲)

حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوالحقیق کے دونوں بیٹوں کو قتل

Marfat.com

کر دیا گیا تھا اور ان میں سے بعض [illegible]

[illegible] آپ کے [illegible]

رسول اللہ ﷺ نے [illegible] فرمایا [illegible]

[illegible]

[illegible] آپ ﷺ نے [illegible]

[illegible]

[illegible] اور دوسرے جنگی

[illegible] ان کے پاس [illegible] تھے۔ اس کے علاوہ [illegible] اور [illegible]

[illegible]

سرداروں کے [illegible]

[illegible] آخر کار میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں رہا۔ اس جنگ میں مسلمان

شہداء کی تعداد ایک روایت کے مطابق سولہ ہے اور دوسری روایت اٹھارہ کی ہے اور مسلمانوں

کے مقابلے میں یہودی مقتولین کی تعداد ۹۳ بتائی گئی ہے۔

غنائم کی تقسیم:

خیبر کی غنیمت میں سونا اور چاندی تو بہت کم تھے۔ گائے، بیل اور اونٹ اور کچھ دیگر سامان تھا۔ سب سے بڑی چیز وہاں کی زمینیں اور باغات تھے۔ زمینوں اور باغات کے علاوہ جو سامان تھا، وہ تو سرکار دو عالم ﷺ نے قرآنی حکم کے مطابق غانمین پر تقسیم فرمادیا اور زمینوں کو صرف اہل حدیبیہ پر تقسیم کیا۔ (روض الانف: ۲۳۶/۳)

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ اس غزوہ میں آپ ﷺ نے ان مجاہدین کو شرکت کے لیے کہا جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے۔ کیونکہ اس سفر میں جب ان حضرات کا اخلاص واضح ہوگیا تو بارگاہ رب العزت سے ان شکستہ دلوں اور شکستہ حالوں کی شکستگی دور کرنے کے لیے فتح خیبر کی بشارت نازل ہوئی تو یہ حکم دیا کہ خیبر کی غنائم حاضرین حدیبیہ کے لیے مخصوص ہوں گی۔ کوئی دوسرا اس میں شریک نہ ہوگا۔ اس وجہ سے آپ ﷺ نے غنائم خیبر کو

Marfat.com

ان حضرات ہی میں تقسیم کیا۔ خیبر کے اموال کی کثرت کی وجہ سے ان سب حضرات کی مالی درماندگی دور ہوگئی۔ چنانچہ بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ''ہم لوگ اس وقت تک آسودہ حال نہ ہوئے جب تک کہ خیبر کو فتح نہ کیا۔'' اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا کہ اب ہمیں پیٹ بھر کر کھجور ملے گی۔'' (بخاری:۲/۶۰۹)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خیبر میں کھجوروں کے بڑے بڑے باغات تھے جو فتح کے بعد مسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ مسلمانوں کی فتح خیبر سے آسودہ حالی کا پتہ اس روایت سے بھی چلتا ہے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ خیبر سے مدینہ واپس تشریف لائے تو مہاجرین نے انصار مدینہ کے کھجوروں کے وہ سب درخت واپس کر دیئے جو انصار نے ان کی نصرت اور امداد کے طور پر انھیں دے رکھے تھے۔ کیونکہ اب خیبر سے انھیں مال اور کھجور کے درخت مل گئے تھے۔

(زاد المعاد:۲/۱۴۸، مسلم:۲/۹۶)

خیبر کی زمینوں اور باغات کو آپ ﷺ نے کس طرح تقسیم فرمایا، اس کے بارے میں سنن ابی داؤد میں مرقوم ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے خمس نکالنے کے بعد خیبر کی زمینوں کو ۳۶ حصوں میں بانٹ دیا۔ ان میں سے اٹھارہ حصے مسلمانوں کی ضروریات کے لیے مخصوص فرما دیے یعنی ان سے مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات وحوائج کی تکمیل مقصود تھی۔ باقی اٹھارہ حصے مجاہدین پر تقسیم فرما دیئے اور ہر حصے میں سو سو کا حصہ مقرر فرمایا۔ یہ اہل حدیبیہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عطیہ تھا۔ خیبر کی اس فوج میں دو سو گھوڑے بھی تھے۔ چونکہ سوار کے علاوہ خود گھوڑے کو بھی حصہ ملتا ہے، اور گھوڑے کا حصہ ڈبل ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے دو سو گھوڑ سواروں کو چھ سو سپاہیوں کے برابر حصہ ملا۔ خیبر کی اراضی کا وہ حصہ جس کو آپ ﷺ نے تقسیم نہیں فرمایا، اس میں الکتیبہ اور وطیح وسلالم اور اس کی ملحقہ اراضی تھی۔ (سنن ابی داؤد:۲/۴۲۵)

اس لشکر کی تعداد میں اختلاف ہے۔ ایک روایت میں چودہ سو ہے کیونکہ حدیبیہ میں چودہ سو حضرات تشریف لے گئے تھے۔ ایک روایت پندرہ اور سولہ سو کی بھی ہے۔

(سنن ابی داؤد:۲/۴۲۶، بذل المجہود:۴/۱۴۶)

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی تمام زمینوں کو تقسیم نہیں فرمایا بلکہ صرف نطاۃ اور شق اور ان کی ملحقہ زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم فرمایا اور باقی تمام اراضی کو

Marfat.com

مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات وحوادث اور ان کے مصالح کے لیے محفوظ فرما دیا۔

(شرح معانی الآثار: ۱۴۴/۲)

اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ خیبر کی اراضی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جنگ کے نتیجہ میں حاصل شدہ اراضی۔ اس اراضی کو آپ ﷺ نے مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

(۲) بغیر جنگ کے حاصل شدہ اراضی۔ یہ اراضی ریاست کی ملکیت تھی۔

اس کو سرکار دو عالم ﷺ نے یہود کو بٹائی پر دے دیا اور اس کی آمدن مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو خیبر سے جلاوطن کرنے کا ارادہ فرمایا اور ان سے جو معاہدہ ہوا تھا، اس میں طے بھی یہی ہوا تھا کہ وہ خیبر کو چھوڑ کر باہر چلے جائیں گے لیکن یہود نے کہا ''اے محمدؐ! ہمیں اسی سرزمین میں رہنے دیجیے۔ ہم اس علاقے کی اراضی کی دیکھ بھال کریں گے کیونکہ ہمیں آپ لوگوں سے زیادہ اس کی معلومات ہیں۔'' ادھر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس اس قدر غلام اور نوکر نہ تھے جو ان زمینوں کی دیکھ بھال اور اس میں کاشتکاری کرتے۔ دوسرے اس وقت مدینہ کے اردگرد دشمنوں کے خطرات ہر وقت منڈلا رہے تھے اور مسلمانوں کے پاس اتنی فرصت نہیں تھی کہ اس اراضی کی دیکھ بھال کرسکیں۔ اس وجہ سے آپ ﷺ نے خیبر کی اراضی اس شرط پر یہود کے حوالے کر دی کہ ساری کھیتی اور تمام پھلوں کی پیداوار کا آدھا یہود کو دیا جائے گا اور جب تک سرکار دو عالم ﷺ کی مرضی ہوگی، بٹائی کے اس معاہدہ کو برقرار رکھیں گے اور جب چاہیں گے اراضی چھین کر انھیں جلاوطن کر دیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہر سال سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ پیداوار کی بٹائی کے لیے خیبر تشریف لاتے۔ اجناس کی تمام اقسام دو حصوں میں تقسیم فرما کر مزارعین سے فرماتے کہ ''دونوں میں سے جو ڈھیر پسند ہو، اٹھا لو۔'' اس پر ایک مرتبہ اہل خیبر نے کہا ''اسی عدل پر زمین و آسمان قائم ہیں۔'' (فتوح البلدان، ابوداود: ۱۲۸/۲، باب الخرص)

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ انھیں یہ فرماتے:

''اے گروہ یہود! تمام مخلوق خدا میں تم میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہو۔

Marfat.com

تمہی نے اللہ کے انبیاء کو قتل کیا، تمہی نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا، لیکن تمھارا یہ بغض اور تمھاری یہ عدوات مجھ کو کبھی اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتے کہ تم پر کسی قسم کا ظلم کروں۔'' (شرح معانی الآثار: ۱/۳۱۶، باب الخرص)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے یہود خیبر کے لیے تو ان کی اراضی پر کاشتکاری کا حق قائم رہنے دیا جبکہ اس سے قبل مدینہ کے یہود بنو قینقاع اور بنو نضیر کو ان کی اراضی سے بالکل بے دخل کر دیا حتیٰ کہ دونوں قبائل کو جلاوطن کر دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خیبر کے یہود کا معاملہ یہود مدینہ سے مختلف ہے۔

(۱) فتح خیبر کے بعد یہاں کے یہودیوں کے سر اٹھانے کا خطرہ ختم ہو گیا۔

(۲) خیبر میں باغات و نخلستان اور اراضی اس قدر زیادہ تھی کہ اس کی پیداوار صحیح طور پر حاصل کرنے کے لیے بہت کدو کاوش کی ضرورت تھی۔

(۳) مدینہ کے مسلمان اگرچہ خود زراعت پیشہ تھے، لیکن ان کی ذاتی اراضی بھی ان کی توجہ اور کاوش کے بغیر آباد نہیں رہ سکتی تھی۔ اس وجہ سے وہ خیبر جا کر ان زمینوں کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے تھے۔

(۴) جنگوں میں مصروف ہونے کی وجہ سے خود ان کی ذاتی اراضی بھی اتنی پیداوار نہیں دے رہی تھی، جتنی اسے دینی چاہیے تھی۔ اس وجہ سے خیبر کی زمینیں یہود ہی کی نگرانی اور کاشتکاری میں رہنے دیں۔

(۵) خیبر میں یہود کی بساط سیاست الٹنے سے اب ان کے لیے کاشتکاری پر اکتفا بھی بہت غنیمت تھا اور اب ان کی طرف سے کسی بغاوت کا کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ یہود اپنی بدطینتی کی وجہ سے ان زمینوں کو وہ توجہ نہ دیتے جس کی وہ مستحق تھیں۔ چنانچہ رفتہ رفتہ وہاں کی اراضی بنجر ہوتی چلی گئی۔

اسی غزوہ کی فتح کے بعد سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی جن کی تعداد سو سے زیادہ تھی، حبشہ سے واپس تشریف لائے۔ ان لوگوں کو بلوانے کے لیے سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی کے پاس بھیجا تھا تاکہ وہ ان لوگوں کو آپ ﷺ کے پاس روانہ کر دے۔ چنانچہ نجاشی نے آپ ﷺ کے حکم

Marfat.com

کی تعمیل میں انھیں دو کشتیوں پر سوار کر کے مدینہ بھیج دیا۔ یہ لوگ سیدھے خیبر آئے لیکن ان کے خیبر پہنچنے سے قبل خیبر فتح ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں بھی مال غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ ﷺ نے ان حضرات کو اصل غنیمت میں سے حصہ دیا یا خمس میں سے دیا یا اموال منقولہ میں سے قبل از تقسیم غنیمت بطور امانت کچھ عطا فرمایا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو حصہ محض اپنی رائے اور اختیار سے دیا یا مسلمانوں کی اجازت سے دیا۔ (عمدۃ القاری: ۱۴۷/۷، قسطلانی: ۲۰۰/۵)

غزوۂ خیبر میں کچھ غلام اور کچھ عورتیں بھی مجاہدین کی خدمت کے لیے شریک ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے بطور اعانت ان کو بھی خیبر سے حاصل شدہ مال سے کچھ دیا۔ اراضی سے انھیں کوئی حصہ نہیں ملا۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۰۴/۴)

سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جب خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اور ان کا سر منہ چوم کر فرمایا: ''میں نہیں جانتا کہ مجھے خیبر کی فتح کی خوشی زیادہ ہے یا جعفر رضی اللہ عنہ کی آمد کی۔'' (بخاری: ۴۴۳/۱، فتح الباری: ۴۸۴/۷۔۴۸۷)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی:

خیبر کی قیدی عورتوں میں سے ایک حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ یہ یہود کے رئیس حیی بن اخطب کی بیٹی اور کنانہ بن ابی الحقیق کی بیوی تھیں۔ ان کا شوہر بدعہدی اور پیمان شکنی کے باعث قتل کر دیا گیا۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا قیدی ہو کر خدمت نبویؐ میں پیش ہوئیں۔ سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ ''یا رسولؐ اللہ! مجھے قیدی عورتوں میں سے ایک لونڈی عنایت فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے انھیں فرمایا کہ جاؤ ایک لونڈی لے لو۔ سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے انھیں منتخب کیا۔ اس پر ایک شخص نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کی رئیس زادی صفیہ کو دحیہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا حالانکہ وہ آپ کے شایانِ شان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دحیہ اور صفیہ دونوں کو بلاؤ۔ چنانچہ یہ دونوں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انھیں دیکھ کر فرمایا کہ قیدی عورتوں میں سے کوئی دوسری

Marfat.com

لونڈی لے لو۔ پھر آپ ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا پر اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے انھیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی۔ ان کی آزادی ہی ان کا حق مہر تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب ''امہات المومنین'': ص ۲۷۷۔۲۸۶)

آپ ﷺ کو زہر دینے کا واقعہ:

فتح خیبر کے بعد آپ ﷺ نے چند روز خیبر ہی میں قیام فرمایا۔ ایک دن سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے ایک بھنی ہوئی بکری ہدیہ کے طور پر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجی۔ آپ ﷺ نے گوشت چکھتے ہی ہاتھ روک لیا اور بشر بن براء معرور رضی اللہ عنہ جو کھانے میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک تھے، انھوں نے کچھ گوشت کھا لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاتھ روک لو۔ کوئی اس کا گوشت نہ کھائے کیونکہ اس بکری کے گوشت میں زہر ملا ہوا ہے۔

آپ ﷺ نے زینب کو بلا کر کہا کہ اس گوشت میں زہر ملا ہوا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ آپ ﷺ نے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ایسا اس لیے کیا کہ اگر آپ ﷺ نبی برحق ہیں تو آپ ﷺ کو پتہ چل جائے گا کہ اس گوشت میں زہر ہے اور اگر نبی کاذب ہیں تو لوگ آپ ﷺ سے نجات پا جائیں گے۔ چونکہ آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، لہٰذا آپ ﷺ نے کوئی تعرض نہ فرمایا لیکن جب بعد میں سیدنا بشر بن براء رضی اللہ عنہ اس زہر کھانے کی وجہ سے انتقال فرما گئے تو آپ ﷺ نے زینب کو ان کے وارثان کے حوالے کر دیا، جنھوں نے اسے قصاص میں قتل کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ ابتداء میں اسے اس لیے قتل نہ کیا گیا کہ وہ اسلام لے آئی تھی۔ (فتح الباری: ۳۸۰/۷)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام: ۳۳۷/۲، بخاری: ۴۴۹/۱، ۶۱۰/۲، ۸۶۰، فتح الباری: ۳۸۰/۷، زاد المعاد: ۱۳۹/۲)

یہود کے باقی تین مراکز:

1___ فدک: رسول اللہ ﷺ نے قلعہ وطیح اور سلالم کے محاصرہ کے دوران میں پیغام بھجوا

Marfat.com

دیا تھا کہ ''تم لوگ مسلمان ہو جاؤ تو ٹھیک ورنہ تمھیں اپنے اموال ہمارے سپرد کرنا پڑیں گے۔ آپ ﷺ کا یہ پیغام محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ خیبر پہنچتے ہی آپ ﷺ نے اہل فدک کو یہ پیغام بھجوایا تھا لیکن پہلے تو انھوں نے اس پیغام کی طرف کوئی توجہ نہ کی، لیکن جب خیبر فتح ہوگیا تو ان کے دلوں پر مسلمانوں کی سطوت وعظمت کا رعب بیٹھ گیا۔ اب ان لوگوں نے خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیام بھیجا کہ ہماری جانوں کو امان دی جائے۔ ہم بھی اہل خیبر کی شرائط کے مطابق نصف پیداوار دینے کے لیے تیار ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی اس پیشکش کو قبول فرمالیا اور اس طرح سے فدک کی سرزمین خالص رسول اللہ ﷺ کے لیے ہوگئی کیونکہ یہ علاقہ بغیر کسی حملہ اور فوج کشی کے فتح ہوا اور اس پر نہ اونٹ اور گھوڑے دوڑائے گئے اور نہ پیادہ فوجیوں نے اس کو فتح کیا۔ لہٰذا خیبر کی طرح مجاہدین میں تقسیم نہ ہوا۔

2___ فتح وادئ القریٰ: یہ بستیاں خیبر اور مدینہ کی گزرگاہ پر واقع تھیں۔ یہاں بھی یہود کی ایک جماعت قیام پذیر تھی۔ اس کے ساتھ عرب کی ایک جماعت بھی شامل ہوگئی تھی۔ خیبر سے واپسی پر مسلمان وادئ القریٰ سے ذرا دور ہی تھے کہ یہود نے تیر برسانا شروع کر دیے۔ وہ پہلے سے صف بندی کیے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک غلام مدعم آپ ﷺ کا کجاوہ اتار رہا تھا تو ایک ناگہانی تیر اس کو آکر لگا جس سے وہ شہید ہوگیا۔ لوگوں نے کہا اس کے لیے جنت مبارک ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اس نے جنگ خیبر میں مال غنیمت کی تقسیم سے قبل جو چادر چرائی تھی، وہ آگ بن کر اس پر بھڑک رہی ہے۔ ایک شخص نے جب آپ ﷺ کی زبان سے یہ جملہ سنا تو وہ جوتی کا تسمہ لے کر آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ایک تسمہ بھی خیانت کیا ہوا جہنم سے ہے۔ (بخاری: ۲/۶۰۸)

اب سرکار دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صف بندی کا حکم فرمایا۔ پورے لشکر کا علم بردار سیدنا سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ ایک پرچم سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو دیا اور تیسرا پرچم سیدنا عبادہ بن بشر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ نبرد آزمائی سے پہلے آپ ﷺ نے یہود کو اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے دعوت اسلامی کو قبول کرنے سے انکار کیا۔

Marfat.com

دعوت اسلام کے انکار کے بعد ان کا ایک ایک جانباز میدان میں نکلنا شروع ہوا۔ مگر ان کی قسمت میں واپس لوٹنا نہ تھا۔ جب پہلا آدمی نکلا تو سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے میدان میں نکلے اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر ان کا دوسرا آدمی نکلا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے بھی جہنم رسید کر دیا۔ اس کے بعد ایک اور آدمی آیا۔ اس کے مقابلے کے لیے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میدان میں نکلے اور اسے ڈھیر کر دیا۔ اس طرح ان کے گیارہ آدمی مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں فرش خاک پر گرے۔ جب ایک آدمی مارا جاتا تو آپ ﷺ باقی یہودیوں کو اسلام کی دعوت دیتے۔

اسی طرح لڑتے لڑتے رات ہو گئی اور جنگ بند کر دی گئی۔ دوسرے روز صبح کے وقت سورج ابھی ایک نیزہ برابر بھی بلند نہ ہوا ہو گا کہ انھوں نے از خود اطاعت کا پیغام بھجوا دیا۔ چنانچہ ان کے اموال مجاہدین میں تقسیم کر دیے گئے اور انھیں بٹائی پر اراضی اور نخلستان سونپ دیے گئے۔ (زاد المعاد: ۱۴۶/۲)

وادیٔ القریٰ میں آپ ﷺ نے چار روز قیام فرمایا۔

3۔ تیما: اس راہ پر وادیٔ تیماء بھی واقع ہے۔ یہ بھی ایک یہودی بستی تھی۔ انھیں جب خیبر، فدک اور وادیٔ القریٰ کے باشندوں کی شکست فاش اور سپر انداز ہونے کی اطلاع ملی تو انھوں نے محاذ آرائی کے بجائے صلح میں اپنی خیریت سمجھی۔ چنانچہ انھوں نے از خود آدمی بھیج کر صلح کی پیشکش کر دی جس کو آپ ﷺ نے قبول فرما لیا۔ انھوں نے آپ ﷺ سے جزیہ پر صلح کر لی اور یہ یہود اپنے مال و متاع کے ساتھ وہاں مقیم رہے۔

(زاد المعاد: ۱۴۷/۲، زرقانی: ۲۴۷/۲، فتح الباری: ۱۷/۵)

اس صلح کے بارے میں آپ ﷺ نے انھیں ایک تحریر بھی دی جو حسب ذیل ہے:

''یہ تحریر محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنو عادیا کے لیے ہے۔ ان کے لیے ذمہ ہے اور ان پر جزیہ ہے۔ نہ انھیں جلاوطن کیا جائے گا اور نہ ان پر کوئی زیادتی ہو گی۔ یہ معاہدہ دائمی ہو گا۔''

یہ تحریر سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے لکھی۔ (طبقات ابن سعد: ۲۷۹/۱)

Marfat.com

یہود کا انجام:

یہودیوں کی ان بستیوں (خیبر، فدک اور وادی القریٰ وغیرہ) کے فتح ہو جانے سے صدیوں کی آباد قوم یہود کا تمام رعب اور دبدبہ جزیرہ نما عرب سے ختم ہو گیا اور وہ مسلمانوں کی ماتحتی پر مجبور ہو گئے اور جس طرح قریش مکہ کی جانب سے صلح حدیبیہ کے بعد تمام خطرات کا انسداد ہو گیا، اسی طرح ان یہودی بستیوں کی فتح سے شمال کی طرف سے بھی تمام دسیسہ کاریوں اور فتنوں کا دروازہ بند ہو گیا۔ یہود کے سرنگوں ہو جانے سے ان کے متعلق مسلمانوں خصوصی طور پر انصار مدینہ، کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ کیونکہ یہ لوگ ان کے بڑے ستم رسیدہ تھے۔ ان میں سے بعض کی مدینہ میں آبادکاری پر بھی مسلمانوں نے چشم پوشی سے کام لیا۔ اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ نے بحرین کے یہود بنوعریض اور بنوغازیہ کے ساتھ بھی اطاعت، جزیہ اور اپنے دین پر قائم رہنے کی صورت میں معاہدہ کر لیا۔ اب پورے عرب میں ان کے مراکز ٹوٹ گئے۔ چنانچہ احساس ذلت کی وجہ سے انھیں اس سرزمین کو خیر باد کہنا پڑا جہاں صدیوں سے ان کی سطوت وعظمت کا ڈنکا بج رہا تھا، لیکن یہ لوگ دفعتاً سرزمین عرب کو خیر باد کہہ کر نہیں گئے بلکہ کچھ مدت تک یہاں آباد رہے، مگر جب تک یہاں عرب میں رہے، مسلمانوں پر غصے سے دانت پیستے رہے اور جو کچھ ان کے خلاف بن آیا، کرتے رہے۔ کیونکہ ان کی فطرت اور طینت ہی میں شرانگیزی اور فتنہ پروری تھی۔

مدینہ کو واپسی:

یہود کی ان تمام بستیوں سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر آپ ﷺ نے اخیر شب میں آرام کی خاطر ایک وادی میں پڑاؤ ڈالا اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو یہ تاکید کر کے تمام لشکر سو رہا کہ ہمیں صبح ہوتے ہی نماز کے لیے بیدار کر دینا۔ اتفاق سے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھ بھی لگ گئی۔ وہ مشرق کی طرف منہ کر کے اپنی سواری کے ساتھ ٹیک لگا کر سو گئے۔ اتفاق سے کسی کی آنکھ نہ کھلی یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ گھبرا کر اٹھے۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو بیدار کیا اور اس وادی سے کوچ کرنے کا حکم دیا کہ یہاں شیطان ہے۔ اس وادی سے نکل کر آپ ﷺ نے آگے نزول اجلال فرمایا اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ وضو کر کے پہلے صبح کی دو رکعت

Marfat.com

سنتیں پڑھیں، پھر بلال رضی اللہ عنہ کو اقامت کے لیے فرمایا اور جماعت کے ساتھ صبح کی نماز قضا کی گئی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ کسی دوسرے سفر میں پیش آیا تھا۔ (زاد المعاد: ۲/۱۴۷، ابن ہشام: ۲/۳۴۰)

نبی اکرم ﷺ کی واپسی یا تو صفر ۷ھ میں ہوئی یا پھر ربیع الاول میں۔

غزوہ ذات الرقاع:

جنگ خندق میں تین فریقوں نے متحدہ محاذ بنا کر مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ اس وجہ سے اس جنگ کو ''جنگ احزاب'' بھی کہتے ہیں۔ احزاب کے دو بازوؤں کو جو سب سے زیادہ مضبوط تھے، نبی اکرم ﷺ نے اپنی فراست سے شل کر دیا۔ اب ان کی طرف سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ قریش مکہ سے تو دس سالہ امن معاہدہ ہو گیا۔ یہود کو جنگ کے ذریعے نیست و نابود کر دیا۔ اب تیسرا بازو وہ بدو تھے، جو نجد کے صحرا میں خیمہ زن ہو کر لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ ان کا تعلق بنو غطفان وغیرہ سے تھا۔

اس غزوہ کے بارے میں بہت اختلاف ہے کہ یہ کب وقوع پذیر ہوا۔ عام مؤرخین نے اس کا تذکرہ ۴ھ کے واقعات میں کیا ہے۔ ایک روایت پانچ ہجری کی بھی ہے لیکن امام بخاری نے اس کے وقوع کا زمانہ ۷ھ بتایا ہے۔ چونکہ اس غزوہ میں سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی شرکت کی تھی اور یہ دونوں حضرات ۷ھ میں مدینہ آئے۔ اس وجہ سے ہمارے نزدیک امام بخاری کا موقف زیادہ صحیح ہے۔ یہ دونوں حضرات فتح خیبر کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ غزوہ خیبر کے بعد پیش آیا۔

اس غزوہ کا نام ''ذات الرقاع'' اس لیے پڑ گیا کہ اس سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاؤں چل چل کر زخمی ہو گئے تھے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میرے پاؤں بھی زخمی ہو گئے اور ناخن جھڑ گئے۔ اس لیے ہم نے اپنے پاؤں پر چیتھڑے اور پٹیاں لپیٹ رکھی تھیں۔ اس وجہ سے اس غزوہ کو ''ذات الرقاع'' یعنی چیتھڑوں والا غزوہ کہا جانے لگا۔ (بخاری: ۲/۵۹۲)

اہل سیر نے اس غزوہ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کو پتہ چلا قبیلہ انمار یا بنو غطفان کی دو شاخوں بنو ثعلبہ اور بنو محارب مسلمانوں کے مقابلہ میں لشکر جمع کر رہے ہیں۔

(بنو ثعلبہ اور بن محارب بنو غطفان کی دو شاخیں ہیں)۔ (زرقانی: ۲/۹۱)

Marfat.com

یہ خبر سنتے ہی آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کا انتظام سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور خود چار سو یا سات سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں ان کی سرکوبی کے لیے بلادِ نجد کا رخ کیا۔ آپ ﷺ مدینہ سے دو دن کے فاصلے پر جب پہنچے تو بنو غطفان کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ لیکن جنگ نہ ہوئی۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے صلوٰۃ الخوف پڑھائی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ یہ پہلی صلوٰۃ الخوف تھی۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۶۱، عیون الاثر: ۲/۷۹)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دستور یہ تھا کہ جب کبھی حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں جاتے تو پڑاؤ کے وقت سایہ دار درخت آپ ﷺ کے لیے چھوڑ دیتے تا کہ آپ ﷺ اس کے سایہ میں آرام فرمائیں۔ چنانچہ اس غزوہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام کرنے کے لیے عرض کیا اور خود درخت کا سایہ حاصل کرنے کے لیے ادھر ادھر کانٹے دار درختوں کے درمیان بکھر گئے۔ جس درخت کے نیچے حضور ﷺ آرام فرما رہے تھے، آپ اسی درخت کے ساتھ اپنی تلوار لٹکا کر سو گئے۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہمیں بس ذرا سی نیند آئی تھی کہ ایک مشرک جس کا نام غورث بن حارث (بخاری) یا بقول واقدی دعثور تھا، نے آ کر سرکار دو عالم ﷺ کی تلوار سونت لی اور بولا ''تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟'' آپ ﷺ نے بلا جھجک جواب دیا ''اللہ۔'' ابو عوانہ کی روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے اللہ کہا تو تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ پھر وہ تلوار حضور ﷺ نے اٹھالی اور فرمایا ''اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟'' (من یمنعك منی) اس نے عرض کیا آپ ﷺ اچھے پکڑنے والے ہوئے یعنی مجھ پر احسان فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم شہادت دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا کہ میں آپ ﷺ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ ﷺ سے لڑائی نہیں کروں گا اور نہ آپ ﷺ سے لڑائی کرنے والوں ہی کا ساتھ دوں گا۔ آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔ اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا کہ میں سب سے اچھے انسان کے پاس سے ہو کر آ رہا ہوں۔

(مسند ابی عوانہ: ۲/۳۶۵، فتح الباری: ۷/۴۱۶، عیون الاثر: ۲/۱۸۰)

محمد ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جبریل امین علیہ السلام نے اس کے سینے پر ایک گھونسا مارا جس سے فوراً تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور آپ ﷺ نے اٹھالی اور فرمایا

Marfat.com

کہ بتلاؤ تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ اس نے جواب دیا کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ میں نے تمھیں معاف کیا۔ (عیون الاثر: ۲/۸۰)

اس غزوہ سے واپسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مشرک عورت کو گرفتار کرلیا۔ اس پر اس کے شوہر نے یہ نذر مانی کہ وہ آپ ﷺ کے ایک صحابی کو ضرور قتل کرے گا۔ چنانچہ وہ رات کے وقت آیا۔ مسلمان ایک گھاٹی پر ٹھہرے ہوئے تھے اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ درہ کی حفاظت کے لیے مامور کیے گئے تھے۔ ان دونوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ اول نصف شب میں عباد رضی اللہ عنہ بن بشر جاگیں گے اور آخر نصف شب میں عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر نگہبانی کریں گے۔ چنانچہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سو گئے اور عباد رضی اللہ عنہ نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ اس مشرک نے تاک کر سیدنا عباد رضی اللہ عنہ بن بشر کو ایک تیر مارا۔ انھوں نے نماز توڑے بغیر تیر نکال کر جھٹک دیا۔ پھر اس نے دوسرا اور تیسرا تیر مارا لیکن یہ اللہ کے بندے نماز میں برابر مشغول رہے۔ نماز ختم ہوئی تو سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو جگایا۔ کیونکہ اب یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں دشمن حملہ نہ کردے اور وہ غرض ہی فوت نہ ہو جائے جس کے لیے حضور ﷺ نے ہمیں یہاں متعین فرمایا ہے۔ دشمن انھیں جگاتے دیکھ کر فرار ہوگیا۔ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ اٹھے تو دیکھا کہ عباد رضی اللہ عنہ کا پورا بدن خون سے لت پت ہے۔ انھوں نے کہا تم نے مجھے پہلے ہی تیر پر کیوں نہ جگا دیا؟ کہا میں ایک سورت پڑھ رہا تھا اس کو قطع کرنا اچھا نہ لگا۔ (ابن ہشام: ۲/۲۰۸)

اس غزوہ کا بڑا اثر ہوا اور غطفان کے ان قبائل نے اس کے بعد پھر کبھی سر اٹھانے کی جرأت نہ کی بلکہ بعد میں وہ مسلمان ہوگئے اور ان کے کئی قبائل فتح مکہ اور غزوہ حنین میں مسلمانوں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ اس طریقے سے وہ تینوں بازو مسلمانوں کی قوت بازو سے ٹوٹ گئے جو متحدہ محاذ بنا کر جنگ خندق میں حملہ آور ہوئے تھے۔ یوں اس پورے علاقے میں شورش ختم اور امن و سلامتی کا دور دورہ ہوگیا۔ (تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی: ۲/۹۱، فتح الباری: ۷/۳۳۰، ابن ہشام: ۲/۲۰۳)

عمرۃ القضاء:

عمرۃ القضاء کا نام اس لیے عمرۂ قضا رکھا گیا ہے کہ یہ عمرۂ حدیبیہ کی قضا کے طور پر تھا۔ یا پھر اس لیے کہ یہ حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق کیا گیا تھا کیونکہ اس طرح کی مصالحت کو عربی

Marfat.com

زبان میں قضا اور مقاضاۃ کہتے ہیں۔ اس دوسری وجہ کو علمائے محققین نے راجح قرار دیا ہے۔
(فتح الباری: ۷/۵۰۰، زاد المعاد: ۱/۲/۱۷۲)

حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق ایک سال گزر جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کا مکہ جانے کا وقت آ گیا۔ جونہی ذی قعدہ کا چاند نظر آیا، آپ ﷺ نے مسلمانوں کو عمرۃ القضاۃ کی تیاری کا حکم دیا جس سے گزشتہ سال مسلمانوں کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا گیا تھا۔ اس بات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اس اعلان سے مسلمانوں کے دل خوشی سے کس قدر اچھل رہے تھے۔ ان میں مکہ کے وہ مہاجرین بھی تھے، جو کئی سال سے وطن کی صورت دیکھنے کے لیے ترس رہے تھے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ کوئی بھی شخص جو گزشتہ سال حدیبیہ میں موجود تھا، پیچھے نہ رہے۔ چنانچہ ان میں سے اس مدت میں جو لوگ جام شہادت نوش کر چکے تھے، ان کو چھوڑ کر باقی سب لوگ روانہ ہوئے۔ ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی عمرہ کے لیے رفیق سفر ہو گئے۔ گزشتہ سال حدیبیہ میں چودہ سو افراد تھے، لیکن اس سال ان مسلمانوں کی تعداد دو ہزار تھی جو آپ ﷺ کے ساتھ پا بہ رکاب تھے۔ عورتیں اور بچے اس کے علاوہ تھے۔ (فتح الباری: ۷/۵۰۰)

آپ ﷺ نے اپنی غیر حاضری میں مدینہ کا منتظم سیدنا ابورہم انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ ساٹھ اونٹ ساتھ لیے اور ناجیہ بن جندب اسلمی رضی اللہ عنہ کو ان کی دیکھ بھال کا کام سپرد کیا۔ ذوالحلیفہ کے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا اور لبیک کی صدا لگائی۔

پابندی شرائط کے احترام کی وجہ سے کسی مسلمان نے تلوار کے ساتھ اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لیا۔ اگرچہ اللہ کے پیغمبر ﷺ قریش کی بے وفائی سے خائف بھی تھے اس لیے احتیاط کی بنا پر ایک سو مسلمانوں کا دستہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زیر کمان پہلے سے روانہ کر دیا لیکن انھیں تاکید فرما دی کہ حرم مکہ میں داخل نہ ہوں بلکہ مرالظہر ان میں پڑاؤ کریں۔

مدینہ سے روانگی کے وقت مسلمانوں کے ہمراہ قربانی کے ساٹھ جانور تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار آ گے آ گے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلب میں مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کے طواف کرنے کی خوشی اور مسرت اٹھکیلیاں لے رہی تھی۔ مہاجرین اور بھی بے تاب تھے کہ جس بستی میں انھوں نے آنکھیں کھولیں، اسے دیکھنا نصیب ہوگا۔ جس شہر کی دیواروں

Marfat.com

کے سایہ میں پل کر جوان ہوئے، ان دیواروں کو مس کرتے ہوئے اس شہر کے گلی کوچوں میں گشت کریں گے۔ جن دوستوں کے ساتھ زندگی کا طویل عرصہ گزارا، انھیں دیکھ کر آنکھوں کو طراوت نصیب ہوگی۔ وطن کی خوشگوار ہوا سے مشام جان معطر ہوگا۔ اس مبارک بستی کی خاک سرمۂ چشم بنے گی جہاں فخرِ موجودات ﷺ پیدا ہوئے، ان کا بچپن گزرا، ان کا لڑکپن گزرا اور انھوں نے اپنی جوانی کو بڑھاپے میں تبدیل کیا اور جس سرزمین میں سید الملائکہ جبریل امین خدا کی پہلی وحی لے کر سرکار دوعالم ﷺ کے پاس آئے۔

اس طرح دو ہزار آدمیوں کی جمعیت اس جوش وخروش کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف گامزن تھی۔ ان کے دل فرط مسرت سے بلیوں اچھل رہے تھے۔ تصورات میں تھا کہ جونہی اپنی اپنی سواریوں سے اتر کر شہر میں داخل ہوں گے، دوستوں اور اعزاء واقارب سے مل کر زندگی کے اس دور کی یاد تازہ کریں گے جس کی آخری گھڑیوں میں قضا وقدر نے انھیں گھر سے بے گھر کرکے نکال دیا تھا۔ ان احباب کا تذکرہ ہوگا جنھیں مکہ میں جلاوطن ہوتے وقت زندہ چھوڑ گئے تھے اور اس کے بعد وہ آسودۂ لحد ہوگئے۔ اعزاء واقارب کے ساتھ بیٹھ کر اپنے ان مال و اسباب کی لوٹ کی داستان بھی دریافت کی جائے گی، جس سے خدا کی راہ میں ہجرت کے موقع پر ہاتھ دھو کر روانہ ہوگئے۔ اور یہ تصور بھی ان کے دماغ میں کروٹیں لے رہا تھا کہ جس ایمان نے ان کی زندگی میں یہ انقلاب پیدا کر دیا ہے، وہ انھیں کس انداز سے خدا کے گھر کی طرف لے آیا ہے۔ ابھی تک وہ منظر بھی ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوا تھا جب انھیں گزشتہ سال اس مقدس فریضے سے زبردستی روکا گیا تھا۔ آج وہ کس قدر خوش تھے کہ چند دنوں بعد اس مقدس سرزمین میں وہ امن وسلامتی کے ساتھ داخل ہوں گے۔

چونکہ صلح حدیبیہ میں یہ شرط تھی کہ ہتھیار ساتھ نہ لائیں، اس لیے جب یاجج پہنچے تو سارے ہتھیار اور سیدنا اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت دوسو آدمیوں کا ایک دستہ وہیں چھوڑ دیا جوان کے ہتھیاروں کی حفاظت کے لیے تھا۔ صرف میان میں رکھی ہوئی تلواریں لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ (فتح الباری: ۷/۵۰۰، زاد المعاد: ۲/۱۵۱)

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں اس گھاٹی کے راستہ سے داخل ہوئے جو جیجون پر نکلتی ہے۔ روایات میں ہے کہ مشرکین نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور کو ایک نظر دیکھنے کے لیے لائن

Marfat.com

لگا رکھی تھی۔ آپ ﷺ داخلے کے وقت مسلسل لبیک کہہ رہے تھے۔ یہاں تک کہ حرم میں جا کر اپنی چھڑی سے حجر اسود کو چھوا۔ رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تلوار حمائل کیے آپ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے اور رجز کے یہ اشعار آپ ﷺ کی زبان پر تھے:

خلوا بنی الکفار عن سبیله قد انزل الرحمن فی تنزیله
بان خیر القتل فی سبیله نحن قتلناکم علی تاویله
کما قتلناکم علی تنزیله

''اے کافر کے بچو! آپ ﷺ کا راستہ چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ بہترین قتل وہ ہے جو خدا تعالیٰ کے راستے میں ہو۔ ہم نے تمھارے ساتھ جہاد وقتال کیا اس کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے جیسے قرآن کے منزل من اللہ ہونے کو نہ ماننے کی وجہ سے تم سے قتال کیا۔''

ایک اور روایت میں یہ دو اشعار بھی مرقوم ہیں:

الیوم نضربکم علی تنزیله ضربا یزیل الهام عن مقیله
و یذهل الخلیل عن خلیله یا رب انی مومن بقیله

''آج ہم اللہ کے حکم سے تمھیں ایسا ماریں گے کہ تمھاری کھوپڑی سر سے الگ ہو جائے گی اور دوست کو دوست سے بے خبر کر دے گی۔ اے اللہ! میں اس کے قول پر ایمان رکھتا ہوں۔''

یہ اشعار سن کر سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ابن رواحہ رضی اللہ عنہ! تم حضور ﷺ کے سامنے اور اللہ کے حرم میں اشعار پڑھ رہے ہو؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے عمر! انھیں رہنے دو۔ ان کے یہ شعر کافروں کے حق میں تیر کی مار سے زیادہ سخت ہیں۔

(ترمذی: ۲/۱۰۷، فتح الباری: ۷/۵۰۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر! میں سن رہا ہوں اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابن رواحہ! ان اشعار کے بجائے یہ پڑھو:

لا اله الا الله وحده، نصر عبده، واعز جنده، وهزم الاحزاب وحده۔

Marfat.com

''یعنی ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی نے اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور اس کے لشکر کو عزت بخشی اور تمام گروہوں کو اکیلے نے شکست دی۔''

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ان کلمات کو پڑھنا شروع کر دیا۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہ کلمات دہراتے۔ ان کی آواز سے دشت وجبل گونج اٹھے اور پہاڑ میں دبکے ہوئے مشرکین کے دل ہیبت سے کانپ اٹھے۔ (طبقات ابن سعد: ۸۸/۲)

مشرکین مسلمانوں کا مکہ مکرمہ میں داخلہ دیکھنے کے لیے گھروں سے نکل کر کعبہ کے شمال میں واقع جبل قعیقان پر جا بیٹھے تھے۔ انھوں نے آپس میں کہا کہ تمھارے پاس ایک ایسی جماعت آ رہی ہے جسے یثرب کے بخار نے توڑ ڈالا ہے۔ اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا کہ وہ پہلے تین چکر دوڑ کر لگائیں۔ البتہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان صرف چلتے ہوئے گزریں۔ اس حکم کا منشاء یہ تھا کہ مشرکین ان کی قوت کا مشاہدہ کر لیں۔ (بخاری: ۲۱۸/۱، ۶۱۰/۲۔ ۶۱۱، مسلم: ۴۱۲/۱)

اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اضطباع کا حکم بھی دیا۔ اضطباع کا مطلب ہے کہ طواف کے وقت دایاں کندھا کھلا رکھیں اور احرام کی چادر داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر اس کا دوسرا کنارہ بائیں کندھے پر ڈال لیں۔ طواف کے پہلے تین چکروں میں مونڈھے مار مار کر اور دوڑ کر چکر لگانا رمل کہلاتا ہے۔

مطاف میں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو اپنی چھڑی سے چھوا، پھر طواف کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی طواف کیا۔ پھر سعی بین الصفاء والمروہ کر کے ہدی کو قربان کیا اور حلال ہو گئے۔ اس کے بعد کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بطن یاجج جو کہ مکہ سے صرف آٹھ میل کے فاصلے پر تھا، چلے جائیں اور ان لوگوں کو طواف اور سعی کے لیے یہاں بھیج دیں جن کو ہم اسلحہ کی حفاظت کے لیے وہاں چھوڑ آئے ہیں۔ یہ فرما کر بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے۔ ظہر تک اندر ہی رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کی چھت پر ظہر کی اذان دی۔

(طبقات: ص ۸۸۲)

قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرہ کی اجازت تو دے دی تھی، لیکن وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو وہ سب کچھ کرتا دیکھ رہے تھے جن کے نہ کرنے کے لیے انھوں نے مسلمانوں سے

Marfat.com

اتنی لڑائیاں لڑیں اور اپنے بڑے بڑے رؤساء اور بہادروں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کروایا۔ وہ شدت غیظ وغضب اور حسد وکینہ کی وجہ سے آپ ﷺ کو اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھ نہ سکے۔ کیونکہ انہی لوگوں نے بدر واحد اور احزاب میں ان کے بڑوں کو خاک وخون میں لٹایا تھا۔ اس لیے سرداران قریش اور ان کے اشراف مکہ مکرمہ کو خالی کر کے پہاڑوں پر چلے گئے۔ (زرقانی:۲/۲۵۵)

قرارداد حدیبیہ کے مطابق تین روز تک آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔ اس عرصہ میں قریش پہاڑوں میں روپوش ہو کر دبکے ہوئے تھے۔ مسلمان شہر کے ہر گلی کوچے میں چلتے پھرتے اور کوئی شخص ان پر اعتراض نہ کرتا۔ مہاجرین اپنے چھوڑے ہوئے گھروں کو دیکھنے کے لیے انصار کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے جو ان کے ساتھ مکہ میں ایسے ہی گھومتے جیسے وہ بھی یہیں کے رہنے والے ہوں۔ مسلمانوں میں سے ہر ایک کا چلن اسلامی سیرت کا نمونہ تھا۔ بیت اللہ میں نماز ادا کر رہے ہیں۔ تنومند اپنے کمزور اور ضعیف بھائی کو سہارا دے کر اٹھا رہا ہے، مال دار محتاج کی مدد کر رہا ہے اور اللہ کے رسولؐ ایک شفیق اور مہربان باپ کی طرح ان کے درمیان آ جا رہے ہیں۔ کسی سے تبسم فرما رہے ہیں، کسی کے ساتھ مسکرا کر بات ہو رہی ہے۔ کسی کے ساتھ مزاح فرمایا جا رہا ہے۔ قریش یہ سب باتیں پہاڑوں کی چوٹیوں سے جھانک جھانک کر دیکھ رہے تھے۔ ان لوگوں نے شاید زندگی میں پہلی بار یہ حیرت ناک منظر دیکھا تھا کہ مسلمان نہ شراب پی رہے ہیں، نہ کسی برائی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ نہ خدا کے کسی حکم کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ جن مناظر میں مخالفین کی جذب وکشش کا یہ سامان ہو، ایسے مناظر تکمیل انسانیت کا حسین مرقع ہونے کی وجہ سے دیکھنے والوں کے قلوب پر اثر ضرور کرتے ہیں۔

مکہ کے اس تین روزہ قیام میں آپ ﷺ نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث عامریہ نے مسلمانوں کے حسن کردار سے متاثر ہو کر سرکار دو عالم ﷺ سے عقد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ عم رسولؐ کی اہلیہ سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ان کے وکیل مقرر ہوئے اور انھوں نے ہی سرکار دو عالم ﷺ سے ان کی شادی کی۔ حق مہر چار سو درہم مقرر ہوا۔ جب مکہ میں قیام کے تین دن گزر گئے تو قریش نے چند آدمی آپ ﷺ کی

Marfat.com

خدمت میں بھیجے کہ مدت گزر گئی ہے، لہٰذا آپ ﷺ تشریف لے جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مہلت دو تو میں مکہ میں میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہ کی عروسی اور دعوت ولیمہ کر لوں، لیکن قریش نے نہایت تُرش روئی سے یہ جواب دیا کہ ہم آپ ﷺ کی عروسی اور دعوت ولیمہ کو نہیں جانتے۔ آپ ﷺ اب تشریف لے جائیں۔ یہ جواب سن کر آپ ﷺ نے فوراً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کوچ کا حکم دیا اور اپنے غلام ابو رافع رضی اللہ عنہ کو سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس چھوڑ گئے۔ سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ انھیں مقام سرف آپ ﷺ کے پاس لائے اور یہاں آپ ﷺ نے عروسی فرمائی۔

آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں جس انداز سے داخل ہوئے تھے، اسی شان سے رخصت ہوئے۔ آگے آگے آپ ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ ایسے دو ہزار نفوس قدسی کا جم غفیر تھا جن کے تقدس کی فرشتے بھی قسم کھاتے ہیں۔ پہلی رات آپ ﷺ نے مقام سرف پر گزاری جو مکہ مکرمہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا آخری زوجہ محترمہ ہیں جو سرکار دو عالم ﷺ کے انتقال کے پچاس سال بعد تک زندہ رہیں اور وفات سے قبل اسی مقام سرف میں اپنی تدفین کی وصیت فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ مکہ سے واپسی پر ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی دو بہنوں کو بھی اپنے ساتھ مدینہ منورہ لائے۔ ان میں ایک سید الشہداء سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بیوہ سیدہ سلمیٰ رضی اللہ عنہا تھیں اور دوسری عمارہ رضی اللہ عنہ جو ابھی نا کتخدا تھیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۵۰۰/۷، مسلم: ۴۱۲/۱، زاد المعاد: ۱۵۲/۲، ترمذی: ۱۰۷/۲، طبقات ابن سعد: ۸۷/۲، زرقانی: ۲۵۴/۲۔۲۵۵، بخاری: ۲۱۸/۱، ص ۶۱۰۔۶۱۱ وغیرہ)

معرکۂ موتہ:

موتہ (میم پر پیش اور واؤ ساکن) شام میں بلقاء کے قریب ایک آبادی کا نام ہے۔ اس جگہ سے بیت المقدس دو مرحلے پر واقع ہے۔

یہ معرکہ سب سے زیادہ خونریز ہے جو رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں مسلمانوں کو پیش آیا اور یہی معرکہ بازنطینی سلطنت کی فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ (روض الانف

Marfat.com

وغیرہ) یہ معرکہ جمادی الاولیٰ سنہ ۸ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ سنہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے عرب کے اطراف میں واقع سلطنتوں کو دعوتی خطوط بھیجنے شروع کیے، اس سلسلے میں ایک مراسلہ حارث بن ابی شمر غسانی کے نام تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے سفیر شجاع بن وہب آپ ﷺ کا مراسلہ لے کر اس کے پاس گئے۔ اس مراسلے میں یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ تمھاری حکومت باقی رہے گی۔ اس نے جب نبی اکرم ﷺ کے مکتوب میں یہ جملہ پڑھا تو غصے سے رنگ سرخ ہو گیا۔ اس نے خط کو زمین پر پٹخ دیا اور کہا: میری حکومت مجھ سے کون چھین سکتا ہے؟

(من ینزع ملکی منی)

حاکم بصریٰ شرحبیل بن عمرو غسانی نے اس سے بھی بے ہودہ سلوک کیا۔ اس رومی گورنر کے پاس نبی اکرم ﷺ کے سفیر سیدنا حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ آپ کا خط لے کر گئے۔ وہ سرحد شام پر موتہ کے مقام پر پہنچے تھے کہ حاکم بصریٰ کے اشارہ پر ایک اعرابی نے آپ ﷺ کے سفیر کو قتل کر دیا۔ بین الاقوامی روایات کے مطابق یہ واقعہ ایک ملک پر دوسرے ملک کی جارحیت کے مترادف تھا۔ اس وجہ سے آپ ﷺ کو جب اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ پر یہ بات سخت گراں گزری۔

علاوہ ازیں مختلف قرائن یہ بھی ظاہر کر رہے تھے کہ شام کی فوجیں پیش قدمی کر کے مدینہ میں داخل ہو جانا چاہتی ہیں۔ رومی شہنشاہیت اس کو برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ عرب میں کوئی آزاد حکومت قائم ہو اور وہ ترقی کرے۔

حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر مدینہ پہنچی تو سرکار دو عالم ﷺ نے اس کا فوجی جواب دینا ضروری سمجھا۔ آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ مسلمان اپنے اپنے ہتھیار لے کر موضع حرق میں اکٹھے ہو جائیں۔ چنانچہ تین ہزار کی تعداد میں اسلامی لشکر اکٹھا ہو گیا۔

(زرقانی: ۲/۲۶۸، زاد المعاد: ۲/۱۵۵)

یہ سب سے بڑا اسلامی لشکر تھا جو اس سے قبل جنگ خندق کے علاوہ کسی اور جنگ میں فراہم نہ ہو سکا تھا۔ حضور ﷺ نے اس لشکر پر سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا اور فرمایا کہ اگر زید رضی اللہ عنہ قتل ہو جائیں تو سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر لشکر ہوں گے، اگر

Marfat.com

جعفر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ لشکر کے سپہ سالار ہوں اور اگر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی قتل ہو جائیں تو پھر مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر مقرر کر لیں۔ اسی وجہ سے اس معرکہ کو معرکہ جیش الامراء بھی کہتے ہیں۔

(فتح الباری: ۵۱۱/۷، زرقانی: ۲۶۸/۲، طبقات ابن سعد: ۹۲/۲، بخاری: ۶۱۱/۲)

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک سفید جھنڈا عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ پہلے اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو بہتر ورنہ اللہ رب العزت سے اعانت اور امداد طلب کر کے ان سے جنگ کرنا۔ پھر آپ ﷺ امراء جیش اور لشکر دونوں کو ہدایات فرماتے ہوئے شہر سے باہر ثنیۃ الوداع تک تشریف لے آئے۔ یہاں ٹھہر کر لشکر کو کچھ ہدایات دیں کہ ہر حال میں تقویٰ اور پرہیز گاری کو ملحوظ رکھنا۔ اپنے ساتھیوں کی خیر خواہی کرنا، پھر فرمایا کہ اللہ کے نام سے، اللہ کی راہ میں، اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے جہاد وقتال کرنا اور دیکھو، بدعہدی نہ کرنا، خیانت نہ کرنا، کسی بچے اور عورت اور عمر رسیدہ بڈھے (شیخ فانی) کو اور گرجا میں رہنے والے تارک الدنیا کو قتل نہ کرنا، کھجور اور کوئی اور درخت نہ کاٹنا اور کسی عمارت کو منہدم نہ کرنا: اغزوا بسم الله فی سبیل الله، لاتغزوا ولا تخلوا ولا تقتلوا ولید ولا امراه ولا کبیر افانیا ولا منعزلا بصومعه ولا تقربوا نخلا ولا شجره ولا تهدموبناء۔ روانگی کے وقت رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے مل کر دعا کی۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو ان الفاظ سے وداع کیا:

((صبحکم الله ودفع عنکم وردکم الینا المسلمین))

''اللہ تعالیٰ تمھاری مدد فرمائے اور تم سے ہر قسم کے ضرر کو دور فرمائے اور صحیح سالم واپس لائے۔''

جب لوگ ان امرائے لشکر کو رخصت کرنے لگے تو سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا: ''خدا کی قسم مجھے نہ تو دنیا سے محبت ہے اور نہ تم سے کوئی تعلق خاطر، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھتے سنا ہے کہ تم میں سے ہر شخص جہنم پر وارد ہونے والا ہے اور یہ تمھارے رب کی فیصلہ کی ہوئی بات

Marfat.com

ہے۔ (۱۹:۱۷) میں نہیں جانتا کہ جہنم پر ورود کے بعد واپسی کیسے ہوگی۔'' اس لیے روتا ہوں۔ مسلمانوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم سب کا حامی و ناصر ہو۔ اس کے بعد آپ نے چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''میں واپسی نہیں چاہتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی راہ میں ایسے گہرے زخموں کا متمنی ہوں جو استخوان شکن اور مغز پاش ہوں۔ یا کسی نیزہ باز کے ہاتھوں آنتوں اور جگر کے پار اتر جانے والے نیزے کی ضرب کا خواہش مند ہوں تا کہ جب لوگ میری قبر پر سے گزریں تو کہیں کہ یہ وہ غازی ہے جسے اللہ نے ہدایت دی اور وہ ہدایت یافتہ رہا۔'' (ابن ہشام: ۳۷۲/۲)

یہ لشکر شمال کی طرف معان پہنچا۔ یہ مقام شمالی حجاز سے متصل شامی علاقے میں واقع ہے۔ یہاں پڑاؤ ڈالا تو جاسوسوں نے خبر دی کہ ہرقل بلقاء کے علاقہ میں مآب کے مقام پر ایک لاکھ رومیوں کے لشکر جرار کے ساتھ خیمہ زن ہے اور اس کے جھنڈے تلے لخم، جذام، بلقین، بہرا اور ربلی قبائل کے مزید ایک لاکھ افراد بھی جمع ہو گئے ہیں۔ مسلمان اس بات کا تصور ہی نہیں کر سکتے تھے کہ انھیں اتنے بڑے لشکر سے سابقہ پیش آئے گا۔ معان میں اسلامی لشکر دو رات ٹھہرا اور ان دو راتوں میں یہی مشورہ ہوتا رہا کہ کیا کرنا چاہیے؟ کون سی حکمت عملی اختیار کی جائے؟ کچھ حضرات نے یہ رائے دی کہ رسول اللہ ﷺ کو صورت حال سے مطلع کیا جائے اور آپ ﷺ کے حکم کا انتظار کیا جائے کیونکہ دو لاکھ فوج سے تین ہزار مجاہدین کا ٹکرانا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے، جو بہادری میں یکتا اور فصاحت میں فرد روزگار تھے، لوگوں سے کہا:

''صاحبو! جس شے سے تم کترا رہے ہو یہ تو وہی شہادت ہے جس کی تمنا دل میں لے کر ہم گھروں سے نکلے ہیں۔ ہم کافروں سے قوت اور کثرت کے بل پر نہیں بلکہ صرف ان سے دین کے بل پر لڑتے ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں مشرف و معزز کیا، اس لیے اٹھو اور آگے بڑھو۔ ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ضرور حاصل ہو کر رہے گی، یا تو ہم دشمن پر غالب آئیں گے یا پھر اس کے ہاتھوں شہادت سے سرفراز ہوں گے۔'' (عیون الاثر: ۲۰۹/۲، ابن ہشام: ۳۷۳/۲)

Marfat.com

لوگ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بات سے متفق ہو گئے اور جانبازوں کی یہ تین ہزار کی جماعت دشمن کے دو لاکھ کے لشکر جرار کے ساتھ ٹکرانے کے لیے موتہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ چنانچہ بلقاء کی ایک بستی مشارف میں ہرقل کی فوجوں سے ان کا سامنا ہو گیا کیونکہ وہ وہاں ڈیرے ڈالے پڑی تھیں۔ اس کے بعد دشمن مزید قریب آ گیا اور مسلمان ''موتہ'' کی جانب سمٹ کر خیمہ زن ہو گئے۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کی صف بندی کی۔ میمنہ پر قطبہ بن قتادہ عذری رضی اللہ عنہ اور میسرہ پر عبادہ بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور پھر دنیا کی نگاہوں نے دیکھا کہ ایمان اور قوت کا مقابلہ ہوا اور تین ہزار کے معمولی لشکر نے دو لاکھ ٹڈی دل کا کس دلیری اور بہادری سے مقابلہ کیا کہ لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

سب سے پہلے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ امیر لشکر نبی اکرم ﷺ کا عطا کردہ سفید جھنڈا لیے ہوئے دشمن کی صفوں میں پیرنے لگے۔ انھیں پورا یقین تھا کہ موت سے مفر نہیں اور مومن کی نگاہ میں موت کا درجہ فتح و کامرانی سے کم نہیں ؎

شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

وہ ایسی بے جگری سے لڑے کہ موت سے کھیلتے ہوئے دشمن کے تیروں کی آماجگاہ بن گئے اور جام شہادت نوش فرما کر زمین پر آ رہے۔ ان کے شہید ہوتے ہی علم اسلام سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آیا۔ ان کی عمر ۳۷ سال تھی، قوی ہیکل، شباب اور ہیبت دونوں ایک سے بڑھ کر ایک۔ دشمن کی فوج میں دھاڑتے ہوئے گھس گئے۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے کچھ دیر کے بعد اس نے نرغے میں لے لیا۔ یہ دیکھ کر سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ اپنے سرخ و سفید گھوڑے کی پیٹھ سے کود پڑے اور اس کی کوچیں کاٹ دیں۔ اب انھوں نے دشمن سے چومکھی لڑائی شروع کر دی۔ وار پر وار کرتے اور روکتے رہے۔ دشمن کے سر گاجر مولی کی طرح اڑانے لگے۔ علم دائیں ہاتھ میں تھا۔ ایک دشمن نے ایسی ضرب لگائی کہ دایاں ہاتھ کٹ گیا۔ اور جھنڈا نیچے گرنے لگا۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر علم اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا، یہاں تک کہ بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا پھر انھوں نے جھنڈے کو اپنی گود میں لے لیا۔ آخر انھوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ ایک دشمن نے ایسی تلوار ماری کہ جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

Marfat.com

بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں بھی اس غزوہ میں شریک تھا۔ ہم نے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی لاش کو تلاش کیا تو دیکھا کہ ان کے جسم پر تلوار اور نیزے کے نوے زخم تھے اور وہ سب سامنے تھے، پشت کی طرف کوئی زخم نہ تھا۔ (بخاری: ۲/۶۱۱)

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پرچم ہاتھ میں لے لیا، وہ گھوڑے پر سوار تھے اور دشمن کی صفوں کی طرف بڑھے اور اپنے آپ کو مقابلے کے لیے آمادہ کرنے لگے یعنی طبیعت میں کچھ تردد اور ہچکچاہٹ پیدا ہوئی۔ پھر فوری طور پر اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے نفس! قسم ہے تو ضرور گھوڑے سے اتر کر اللہ کے دشمنوں سے جنگ کر، خواہ ناگواری کے ساتھ خواہ خوشی خوشی۔ اگر لوگوں نے جنگ برپا کر رکھی ہے اور نیزے تان رکھے ہیں تو میں تجھے جنت سے کیوں گریزاں دیکھ رہا ہوں۔''

یہ کہہ کر گھوڑے سے اتر پڑے۔ اتنے میں ان کے چچازاد بھائی نے آگے بڑھ کر انھیں ایک گوشت لگی ہوئی ہڈی دی اور بولا کہ اس کو چوس لو تا کہ اس کی قوت سے کچھ لڑسکو کیونکہ کئی روز سے تم فاقے سے ہو۔ انھوں نے اس کے ہاتھ سے ہڈی کو لے کر ایک بار چوسا لیکن فوراً ہی پھینک دیا اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ''اے نفس! تو عجیب ہے، لوگ جہاد کر رہے ہیں اور تو دنیا میں مشغول ہے۔ اب تلوار لے کر آگے بڑھے اور دشمن سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔''

تینوں سپہ سالار سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ اس واقعہ کی اطلاع سرکار دو عالم ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی وفات پر اظہار کرتے غم ہوئے فرمایا: ''مجھے تینوں کے بارے میں خواب میں دکھایا گیا کہ وہ سونے کے تختوں پر استراحت فرما ہیں۔ البتہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا تخت ذرا سا جھکا ہوا دیکھا گیا۔ پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ! یہ کیوں؟ فرمایا زید رضی اللہ عنہ اور جعفر رضی اللہ عنہ بغیر ہچکچاہٹ کے میدان جنگ میں کودے اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد آگے قدم بڑھایا۔ جونہی سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے بنو عجلان کے ایک شخص ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے لپک کر جھنڈا اٹھا لیا اور بولے! ''مسلمانو! اپنے میں سے کسی کو امیر بنانے پر متفق ہو جاؤ۔ لوگوں نے کہا: آپ ہی

Marfat.com

ہمارے امیر ہیں۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر جھنڈا سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پکڑا دیا اور کہا: آپ جنگ کے نشیب وفراز سے خوف واقف ہیں، انھیں اپنا امیر مقرر کر لو۔ مسلمانوں نے ان کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ خالد رضی اللہ عنہ سے مسلمانوں کی قلت تعداد اور ضعف قوت پوشیدہ نہ تھی، لیکن وہ فوج کو لڑانے کے ماہر اور رزم گاہ کے نشیب وفراز سمجھنے میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ اگر چہ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، لیکن انھوں نے جھنڈا لیتے ہی، از سر نو فوج کو مرتب کیا اور غروب آفتاب تک اسے دشمن سے پرزور طریقے سے لڑاتے رہے۔

رات کے وقت سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ایک جنگی چال چلی کہ فوج کی بھاری تعداد کو رزم گاہ سے دور چھپا دیا اور صبح جب جنگ جاری تھی تو یہ دستہ نعرے لگاتا ہوا میدان جنگ میں آ کر مسلمانوں سے مل گیا۔ دشمن یہ سمجھا کہ یہ مسلمانوں کی نئی کمک آئی ہے، لہٰذا ان کے دل دہل گئے۔ دل جب دہل جائیں تو پھر پاؤں ہلنے میں دیر نہیں لگتی۔ وہ سوچنے لگے کہ کل اس تھوڑی سی فوج نے ہمارے ٹڈی دل لشکر کا کس ثابت قدمی سے مقابلہ کیا ہے اور کتنے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اب تو انھیں اور کمک پہنچ گئی ہے کہیں انھیں شکست سے دو چار نہ ہونا پڑے۔ بہر حال خالد رضی اللہ عنہ نے نہایت جوانمردی سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ بخاری میں خود ان کا اپنا بیان نقل کیا گیا ہے کہ جنگ موتہ کے دن میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔ صرف ایک یمنی تلوار ہاتھ میں چپک کر رہ گئی۔ (بخاری: ۱۱۶/۲)

موتہ میں جنگ زوروں پر تھی، ادھر مدینہ میں سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ زید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا اور کافروں سے خوب قتال کیا، یہاں تک کہ شہید ہوا اور جنت میں داخل ہوا۔ زید رضی اللہ عنہ کے بعد جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلامی علم سنبھالا اور اللہ کے دشمنوں سے خوب جنگ لڑی یہاں تک کہ وہ بھی شہید کر دیئے گئے اور جنت میں داخل ہوا اور فرشتوں کے ساتھ جنت میں دو بازوؤں کے ساتھ اڑتا پھرتا ہے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا ہے اور کافروں سے خوب قتال کیا اور شہید کر دیئے گئے۔ اس دوران آپ ﷺ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ پھر فرمایا کہ ان کے بعد "سیف من سیوف اللہ" اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے یعنی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسلام کا علم سنبھالا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی۔
(بخاری: ۶۱۱/۲ وغیرہ)

Marfat.com

رومی فوجیں خالد رضی اللہ عنہ کی جنگی داؤ پیچ سے گھبرا گئیں۔ انھیں حملہ کرنے کی جرأت نہ رہی۔ وہ جہاں کھڑے تھے وہی کھڑے رہے۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ دشمن آگے نہیں بڑھتا تو خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کا نظام محفوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو تھوڑا تھوڑا پیچھے ہٹانا شروع کیا، لیکن رومیوں نے اس خوف سے ان کا تعاقب نہ کیا کہ مسلمان دھوکہ دے رہے ہیں۔ کوئی چال چل کر انھیں صحرا کی پہنائیوں میں پھینک دینا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن اپنے علاقے میں واپس چلا گیا اور مسلمان کامیابی اور سلامتی کے ساتھ پیچھے ہٹے اور پھر واپس مدینہ آ گئے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس جنگ میں کسی فریق کو فتح نہیں ہوئی، ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں۔ فتح مسلمانوں کو ہوئی۔ اگر فتح نہ ہوتی تو رومی مسلمانوں کو زندہ واپس آنے نہ دیتے، بلکہ سب کو ختم کر دیتے، لیکن مسلمانوں کے صرف بارہ آدمی جنگ میں کام آئے۔ دوسری بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو فتح اور رومیوں کو شکست ہوئی۔ چنانچہ ابن سعد ابو عامر سے روایت کرتے ہیں کہ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رومیوں پر حملہ کیا تو انھیں ایسی شکست فاش دی کہ میں نے ایسی شکست کبھی نہیں دیکھی۔ مسلمان جہاں چاہتے تھے وہیں اپنی تلواریں رکھتے تھے اور بخاری میں ہے کہ:

حتى فتح الله عليهم۔

''حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔'' (بخاری: ۲/۶۱۱)

حاکم کی روایت میں ہے کہ غنیمت میں کچھ سامان بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ رومیوں کی شکست کے بعد سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب جنگی مصلحت کے پیش نظر مناسب نہ سمجھا اور وہ مسلمانوں کے لشکر کو لے کر واپس مدینہ آ گئے۔

اس جنگ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے، ان میں تین تو سپہ سالار لشکر تھے۔ ان بارہ کے نام یہ ہیں:

① سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
② سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
③ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
④ سیدنا مسعود بن اوس رضی اللہ عنہ

Marfat.com

(۵) سیدنا وہب بن سعد رضی اللہ عنہ

(۶) سیدنا عباد بن قیس رضی اللہ عنہ

(۷) سیدنا حارث بن نعمان رضی اللہ عنہ

(۸) سیدنا سراقہ بن عمر رضی اللہ عنہ

(۹) سیدنا ابوکلیب بن عمرو بن زید رضی اللہ عنہ

(۱۰) سیدنا جابر بن عمرو بن زید رضی اللہ عنہ

(۱۱) سیدنا عمرو بن سعد بن حارث رضی اللہ عنہ

(۱۲) سیدنا عامر بن سعد بن حارث رضی اللہ عنہ

(عیون الاثر: ۲/۲۱۱، ابن ہشام: ۲/۳۸۸۔۳۸۹، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۴۵، زرقانی: ۲/۲۶۸، فتح الباری: ۷/۵۱۳۔۵۱۴، زادالمعاد: ۲/۱۵۶)

اس معرکہ کے نہایت اچھے اثرات مرتب ہوئے۔ اس سے مسلمانوں کی شہرت میں بہت اضافہ ہوا کیونکہ ہرقل کی حکومت اس زمانہ میں سپر پاور تھی۔ اتنی بڑی حکومت سے ٹکر لینا اتنی ہی بڑی حکومت کا کام تھا نہ کہ عرب کی چھوٹی سی نوزائیدہ اسلامی مملکت کا۔ ہرقل سے تو اس وقت کسریٰ ایران بھی شکست کھا چکا تھا، لہٰذا ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ اتنی بڑی حکومت سے ٹکر لینا خودکشی کے مترادف ہے۔ پھر اس حکومت کی بھی اتنی بڑی فوج جس کی تعداد دو لاکھ تھی اور اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی فوج صرف تین ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ اتنے بڑے ٹڈی دل سے مقابلہ کر کے اور صرف ۱۲ نفوس قدسیہ شہید کروا کر واپس آ جانا ایک عجوبہ روزگار سے کم نہ تھا۔ چنانچہ اس کے اہم اثرات یہ مرتب ہوئے کہ اس معرکہ کے فوراً بعد کئی ایسے قبائل جیسے غطفان، ذبیان، بنو سلیم، فزارہ اور اشجع وغیرہ، جو مسلمانوں سے مسلسل برسرِپیکار رہتے تھے، حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

علاوہ ازیں یہ معرکہ آئندہ چل کر بازنطینی سلطنت کی فتوحات اور مسلمانوں کے اقتدار کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور آخر وہ وقت بھی مسلمانوں کی آنکھوں نے دیکھا کہ یہ اتنی بڑی حکومت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے رحم وکرم پر ہو گئی۔

مجاہدین جب اس معرکہ سے واپس ہوئے تو سرکار دو عالم ﷺ اور مسلمانوں نے مدینہ سے باہر جا کر ان کا استقبال کیا۔ یہ ان مجاہدین کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔

Marfat.com

اسی جنگ میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ''سیف اللہ'' کا خطاب ملا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب معرکہ کے شباب میں سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے لشکر اسلام کی کمان سنبھالی تو سرکار دو عالم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں بیٹھے ہوئے یہ دعا فرمائی:

اللھم انہ سیف من سیوفك فانت تنصرہ فمن یومئذ سمی سیف اللہ۔

''خداوند! خالد تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ پس تو اس کی مدد فرما۔ پس اسی روز سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا لقب سیف اللہ ہو گیا۔''

سریۂ ذات السلاسل:

جمادی الآخرۃ سنہ ۸ھ میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ مشارف شام کے اندر رہنے والے عرب قبائل مسلمانوں سے لڑنے کے لیے رومیوں کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے لیے کوئی اچھی بات نہ تھی۔ آپ ﷺ کی فراست نے ان کے درمیان تشتت وافتراق پیدا کرنے کے لیے اور مسلمانوں سے ان قبائل کی دوستی پیدا کرنے کے لیے ایک مہم کا انتظام فرمایا تاکہ پھر اس علاقہ میں رومیوں اور ان کے گٹھ جوڑ سے اتنی بڑی جمعیت فراہم نہ ہو سکے اور ان قبائل پر مسلمانوں کی از سر نو دھاک بیٹھ جائے۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا کیونکہ ان کی والدہ کے میکے قبیلہ بلی میں تھے جو ان قبائل میں سے ایک اہم قبیلہ تھا۔ آپ ﷺ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ جن کے میکے انہی کے نواح میں تھے، اس رشتہ کی وجہ سے اس خطہ کے لوگ مسلمانوں کی اعانت پر آمادہ ہو سکتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک اطلاع یہ بھی ملی تھی کہ بنو قضاعہ نے اطراف مدینہ پر ہلہ بولنے کے ارادہ سے ایک جماعت فراہم کر رکھی ہے، اس وجہ سے آپ ﷺ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زیر کمان ایک دستہ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ ممکن ہے کہ اس جنگ کے دونوں سبب ہوں۔

بہر حال سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک سفید جھنڈا عطا

Marfat.com

فرمایا اور اس کے ساتھ کچھ کالی جھنڈیاں بھی دیں اور ان کی زیر کمان بڑے بڑے مہاجرین و انصار پر مشتمل تین سو افراد کی ایک جماعت، جس کے پاس تیس گھوڑے بھی تھے، دے کر فرمایا کہ بلی، عذرہ اور بلقین کے جن لوگوں کے پاس سے گزریں ان سے مدد کے خواہاں ہوں۔ اس دستے کو آپ نے ''ذات السلاسل'' کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ حضرات رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے۔ جب یہ دشمن کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لیے توقف کیا اور رافع بن مکیث جہنی کو سرکار مدینہ ﷺ کی خدمت اقدس میں یہاں کے حالات سے باخبر کرنے کے لیے بھیجا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی زیر کمان دو سو افراد پر مشتمل ایک دستہ ان کی کمک کے لیے روانہ فرمایا، ان میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے اور اسی طرح انصار کے بھی کئی سردار تھے۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ جلد از جلد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے جا ملیں۔ دونوں مل کر کام کرنا، آپس میں متفق رہنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔ جب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو نماز کے وقت سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے امامت کرانا چاہی۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ امیر لشکر تو میں ہوں اور تم میری مدد کے لیے آئے ہو۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم اپنی جماعت کے امیر ہو اور میں اپنی جماعت کا امیر ہوں۔ اس کے بعد سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے چلتے وقت مجھے آخری حکم یہ فرمایا کہ باہم متفق رہنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا، لہٰذا میں تمھاری اطاعت کروں گا۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہی نماز پڑھاتے رہے اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے۔ (طبقات: ۱۳۱/۲)

اب یہ دونوں لشکر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت بنو قضاعہ کے علاقے میں داخل ہوئے اور ان پر زوردار حملہ کیا۔ بنو قضاعہ مرعوب ہو کر بھاگ اٹھے۔ چنانچہ سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کو اس فتح کی خبر دے کر سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے غلبہ حاصل کرنے کے بعد چند روز یہاں قیام فرمایا اور مختلف اطراف میں اپنے سواروں کو بھیجتے رہے۔ وہ اونٹ اور بکریاں پکڑ کر لاتے اور مسلمان پکا کر کھاتے۔ چنانچہ چند روز قیام کے بعد مجاہدین کا یہ لشکر واپس مدینہ پہنچا اور اس معرکہ کی تفصیل خدمت نبویؐ میں پیش کی۔

ذات السلاسل (پہلی سین کی پیش اور زبر دونوں سے درست ہیں۔ امام سہیلی رحمہ اللہ

Marfat.com

نے روض الانف جلد۴ ص ۲۵۲ میں لکھا ہے کہ پہلی سین پر پیش اور دوسری سین کے نیچے زیر کے ساتھ اس کا تلفظ ہے) وادیٔ القریٰ سے آگے ایک مقام کا نام ہے۔ یہاں سے مدینہ کا فاصلہ دس روز ہے۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مسلمان قبیلۂ جذام کی سرزمین میں واقعہ ''سلسل'' نامی ایک چشمہ پر اترے تھے، اس وجہ سے اس معرکہ کا نام ''ذات السلاسل'' ہے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ سیدنا خالد بن ولیدؓ اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ دونوں ایک ساتھ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان دونوں کو اسلام میں داخل ہوئے ابھی ایک دو مہینہ ہی ہوا تھا کہ غزوۂ موتہ پیش آیا جس میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ امیر بن گئے اور ''سیف اللہ'' کا خطاب بارگاہ رسالت میں حاصل کیا۔ غزوۂ موتہ کے چند ہفتے بعد ''غزوۂ ذات السلاسل'' پیش آیا تو اس میں سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ امیر ہوئے اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور بڑے سردار ان انصاران کے زیر کمان تھے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے سچ فرمایا:

((الناس معادن کمعادن الذهب والفضه، خیارهم فی الجاهلیه خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا))

یعنی ''لوگ سونے چاندی کی کانوں کی طرح ہیں جو لوگ جاہلیت میں بہتر تھے، اسلام لانے کے بعد بھی وہ بہتر رہیں گے اگر انھیں دین سلام کی صحیح سمجھ آ جائے۔''

سریۂ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (شعبان ۷ھ)

سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو تیس سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ بنو ہوازن کی ایک شاخ بنو نصر بن معاویہ اور بنو خیشم بن بکرہ جو تربہ کے مقام پر رہائش پذیر تھے، کی فتنہ انگیزیوں اور شرارتوں پر قابو پانے کے لیے روانہ فرمایا اور بنی ہلال کے ایک شخص کو ان کا دلیل راہ مقرر فرمایا۔ یہ دستہ دن کے وقت چھپ کر آرام کرتا اور رات کی تاریکی میں سفر کرتا۔ جب یہ لوگ بنو ہوازن کے علاقے میں پہنچے تو ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ان کو اطلاع مل گئی تھی کہ مسلمان مجاہدین کا ایک دستہ ان کی سرکوبی کے لیے مدینہ طیبہ سے آ رہا ہے۔ چنانچہ وہ خوفزدہ ہو کر پہلے ہی وہاں سے بھاگ گئے اور اپنی بستی خالی چھوڑ گئے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

جب ان لوگوں کو وہاں سے مفرور پایا تو مدینہ طیبہ واپس لوٹنے کا ارادہ فرمایا۔ کسی نے بتایا کہ خیثعم قبیلہ یہاں سے قریب ہے، لہٰذا ان کی اصلاح کے لیے ان کے خلاف کارروائی کی جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے آقا محمد رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ میں بنوہوازن پر حملہ کروں، کسی دوسرے قبیلہ پر حملہ کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا تھا، اس لیے میں سرکار دو عالم ﷺ کی اجازت کے بغیر کسی پر حملہ نہیں کرسکتا۔ چنانچہ آپ واپس لوٹ آئے۔ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر: ۳/۴۱۸، دلائل النبوۃ: ۴/۲۹۲)

سریۂ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ (شوال ۷ھ)

قبیلۂ بنی مرہ کی فتنہ انگیزیاں کچھ بڑھ گئیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی گوش مالی کے لیے تیس سواروں پر مشتمل مجاہدین کا ایک دستہ سیدنا بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ فرمایا۔ جب مجاہدین کا یہ دستہ بنومرہ کے علاقے میں پہنچا تو ان کے جانوروں کو ہانک لیا۔ بنومرہ نے اچانک حملہ کر کے لڑائی شروع کردی اور سیدنا بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو تہ تیغ کردیا۔ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ بمشکل جان بچا کر مدینہ طیبہ پہنچے اور سرکار دو عالم ﷺ کے حضور سارا واقعہ بیان کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک دستہ تیار کیا اور انھیں حکم فرمایا کہ وہ بنومرہ کو کیفر کردار تک پہنچائیں۔ اس لشکر میں سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن مسعود بدری رضی اللہ عنہ اور سیدنا کعب رضی اللہ عنہ بن عجرہ جیسی ہستیاں شامل تھیں۔

سیدنا بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کا دوسرا سریہ (شوال ۷ھ)

اسی سال ماہ شوال میں سرکار دو عالم دو عالم ﷺ نے بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کو یمن اور جناب کی طرف بھیجا کیونکہ آپ ﷺ کو اطلاع ملی تھی کہ عیینہ فزاری نے اپنی چرب بیانی سے بنوغطفان کے لاتعداد شرپسندوں کو مدینہ طیبہ پر حملہ کے لیے تیار کرلیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تین سو مجاہدین کو ان کے ساتھ بھیجا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اطلاع ملنے پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں مشورہ فرمایا۔ دونوں نے عرض کی کہ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین سو مجاہدین کو بھیجا۔ حسیل بن نویرہ کو ان کا راہ نما مقرر فرمایا۔ یہ لشکر جنوب کی سمت

Marfat.com

میں یمن اور جیار کی بستیوں کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے آگے بڑھا اور ''سلاح نامی بستی میں آکر خیمہ زن ہو گیا۔ یہ بستی خیبر اور وادیٔ القریٰ کے قرب و جوار میں تھی۔ وہاں بنو غطفان کے اونٹوں کی ایک بہت بڑی تعداد چر رہی تھی۔ لشکر مجاہدین کو دیکھ کر چرواہے اونٹ چھوڑ کر بھاگ گئے اور تمام اونٹوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ چرواہوں نے جا کر اونٹوں کے مالکان کو بتایا لیکن کسی کو سامنے آنے کی جرأت اور ہمت نہ ہوئی۔ چنانچہ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ اپنے مجاہدین کے ساتھ بخیر و عافیت مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ راستہ میں عیینہ کا ایک جاسوس گرفتار ہوا جسے قتل کر دیا گیا۔ آگے بڑھے کر عیینہ کے پیروکاروں سے مڈبھیڑ ہوئی لیکن مجاہدین اسلام نے انھیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ ان میں سے دو شخص جنگی قیدی بنا لیے گئے جنھوں نے مدینہ طیبہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا، اور انھیں آزاد کر دیا گیا۔ (امتاع الاسماع، مقریزی: ۳۲۵/۱)

سریۂ ابن حداد الاسلمی رضی اللہ عنہ:

ابن حداد اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی قوم کی ایک خاتون سے شادی کی اور دو سو درہم مہر مقرر ہوا۔ میں بارگاہِ رسالتؐ پناہ میں حاضر ہوا تا کہ اس سلسلے میں حضور ﷺ میری کچھ مدد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم نے کتنا مہر مقرر کیا ہے؟'' عرض کی: ''دو سو درہم۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''سبحان اللہ! تم نے اتنا مہر مقرر کیا ہے، میرے پاس اس وقت کوئی ایسی چیز نہیں جس سے میں تمھاری مدد کر سکوں۔ چنانچہ میں آپ ﷺ کے ہاں چند روز ٹھہرا رہا۔ پھر بنی جشم کا ایک آدمی رفاعہ بن قیس نامی آیا۔ اس کے ساتھ اس کا بہت بڑا قبیلہ تھا۔ چنانچہ اس نے ''الغابہ'' کے مقام پر قیام کیا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ قیس قبیلہ کو وہ دعوت دے تا کہ وہ اس کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہوں۔

سرکار دو عالم ﷺ نے مجھے اور دو اور مسلمانوں کو یاد فرمایا۔ آپ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم اس شخص کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کریں۔ سواری کے لیے ہم تینوں کو ایک بوڑھی اونٹنی دی گئی جو اٹھنے سے بھی عاجز تھی۔ ہم میں سے ایک آدمی اس پر سوار ہوا تو وہ اٹھ نہ سکی۔ لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے دھکیل کر اسے اٹھایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جاؤ اور مکمل معلومات حاصل کر کے مجھے آگاہ کرو۔ ہمارے ہاتھوں میں تلواریں اور تیر

Marfat.com

کمان تھے۔ جب ہم ''الغابہ'' کے مقام پر پہنچے تو سورج حجلۂ مغرب میں سر چھپانے لگا تھا اور رات کی تاریک چادر کائنات پر چھانے والی تھی۔ جونہی شب دیجور کا آغاز ہوا اور سورج کی کرنوں نے کائنات کو روشنی دینے سے انکار کر دیا تو میں ایک کونے میں چھپ گیا اور میں نے دوسرے ساتھیوں کو ایک اور کونے میں چھپنے کے لیے کہا۔ میں نے انھیں یہ ہدایت کی کہ جب تم میرا نعرۂ تکبیر سنو اور دوڑ کر مجھے لشکر میں گھستا ہوا دیکھو تو تم دونوں بھی زور سے نعرۂ تکبیر کہو اور دوڑ کر مجھ سے آملو۔ ہم اب اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ ہمیں دشمن پر حملہ کرنے کا موقع ملے۔ اتفاقاً ان کا ایک چرواہا تھا۔ اس کی واپسی میں تاخیر ہوگئی تو اس کا مالک رفاعہ بن قیس اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی تلوار گردن میں حمائل کی اور کہا: ''بخدا! میں اپنے چرواہے کے پیچھے جاؤں گا۔ اسے ضرور کوئی مصیبت پہنچی ہے۔ اس کے ساتھیوں نے اسے جانے سے نہایت سختی سے روکا۔ ہم جا کر اسے تلاش کر کے لے آتے ہیں۔ اس نے سختی سے کہا کہ میرے بغیر اور کسی کو جانے کی اجازت نہیں۔ انھوں نے کہا کہ پھر ہم بھی تمھارے ساتھ چلتے ہیں لیکن اس نے ساتھ آنے سے منع کر دیا کہ اس کے ساتھ کوئی نہ آئے۔ وہ تنہا نکلا۔ سیدنا ابی الحداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب وہ میرے پاس سے گزرا تو میں نے اس پر اپنا تیر چلایا جو اس کے دل میں پیوست ہو گیا۔ وہ ہائے بھی نہ کر سکا۔ میں نے دوڑ کر اس کا سر قلم کر دیا۔ پھر میں لشکر کی طرف دوڑا اور بلند آواز سے نعرۂ تکبیر کہا جسے سن کر بلند آواز سے نعرۂ تکبیر کہتے ہوئے میرے دونوں ساتھی بھی دوڑ کر آ گئے اور غنیم نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ ان کے اونٹوں کی ایک بہت بڑی تعداد اور بے شمار بھیڑ بکریوں کو ہانک کر ہم مدینہ طیبہ بارگاہِ رسالت میں لے آئے۔ میں رفاعہ کا سر بھی اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ بھی میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ان اونٹوں میں سے تیرہ اونٹ عطا فرمائے تا کہ میں اپنا مہر ادا کر سکوں۔ اس طرح میری اہلیہ میرے گھر میں آ گئی۔ (سنن کبریٰ، بیہقی: ۳۰۳/۴)

Marfat.com

غزوۂ الفتح الاعظم

غزوۂ موتہ سے مسلمانوں کا لشکر کامیابی سے واپس لوٹ آیا اور مسلمانوں نے اس واپسی کو اپنے حق میں بھلائی سے تعبیر کیا لیکن سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادتوں نے مختلف طبقات پر مختلف اثرات مرتب کیے۔

① رومیوں پر اس کے اثرات یہ مرتب ہوئے کہ انھوں نے باوجود اپنی کثرت تعداد کے مٹھی بھر مسلمانوں کی جنگ سے دست برداری کو اپنے حق میں غنیمت سمجھا کیونکہ ان کے دل مسلمانوں کی شجاعت سے دہل گئے تھے۔ انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آخری سپہ سالار سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس ثابت قدمی اور جوانمردی سے لڑے کہ ان کے ہاتھ سے اس روز نو تلواریں ٹوٹیں۔ وہ مسلمانوں کی اسٹرے ٹیجی (Stratagy) سے بھی بڑے متاثر تھے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے دو لاکھ کے ٹڈی دل کے ساتھ اپنے تین ہزار سپاہیوں کو اس مہارت سے لڑایا کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور شام کے نواحی قبائل مسلمانوں کی اس شجاعت اور بہادری کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے کہ تین ہزار کے لشکر نے دو لاکھ کے لشکر جرار کا جس ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اس کی مثال انھیں اس سے قبل دیکھنا تو کجا، سنی بھی نہیں تھی۔ مسلمانوں کی اسی بہادری سے متاثر ہو کر قیصر روم ہرقل کے ماتحت لڑنے والی عرب فوجوں کے سپہ سالار فروہ بن عمرو الجذامی نے اسلام قبول کر لیا۔ قیصر ان کے مسلمان ہونے سے بہت پریشان ہوا۔ چنانچہ انھیں خیانت کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ ہرقل نے انھیں یہ پیش کش کی کہ اگر وہ دوبارہ عیسائی مذہب قبول کر لے تو اسے دوبارہ اس منصب پر فائز کر دیا جائے گا، لیکن جناب فروہ رحمہ اللہ نے ہرقل کی اس پیش کش کو یک قلم ٹھکرا دیا۔ چنانچہ ہرقل نے انھیں قتل کروا دیا۔ لیکن نجد میں جو عراق

Marfat.com

وشام کی سرحد پر واقع تھا، اسلام کا اثر ونفوذ شروع ہو گیا۔

علاوہ ازیں وہ عرب جو ہرقل کے، ماتحت مشرقی روم میں آباد تھے، ان کے اسلام کی طرف مائل ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ رومی فوج میں جو عرب رضا کارانہ طور پر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے اکٹھے ہو گئے تھے، ایک موقع پر رسد تقسیم کرنے والے اہلکار نے اعلان کیا کہ ''یہ رضا کار فوج سے نکل جائیں۔ بادشاہ کی طرف سے صرف سرکاری فوج کے لیے راشن اور رسد ہے۔ سرکار کے ان پالتو کتوں کے لیے کچھ بھی مہیا نہیں کیا جا سکتا۔'' اس اعلان نے ان رضا کاروں کے جذبات کو سخت مجروح کیا اور انھوں نے رومیوں سے بدگمان ہو کر رومی لشکر سے علیحدگی اختیار کر لی۔ چنانچہ اس علیحدگی نے انھیں اسلام کی روشنی کی طرف راہنمائی کی اور حقیقت نے ان کی دستگیری کر کے انھیں صراطِ مستقیم کا راستہ دکھایا۔ ان میں سے کئی قبائل اپنے رئیسوں اور سرداروں کے ساتھ مسلمان ہو گئے۔ یہ قبائل حسب ذیل ہیں:

(۱) قبیلۂ بنو سلیم اپنے سردار عباس بن مرداس کی ہدایت پر حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

(۲) قبیلۂ اشجع نے اسلام کو قبول کر لیا۔

(۳) یہود کے حلیف بنو غطفان نے اسلام کو قبول کر لیا۔ یہ قبیلہ یہود خیبر کا بڑا قوی اور مضبوط بازو تھا، اس لیے ان کے مسلمان ہونے سے یہودیوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور ان کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔

(۴) قبیلۂ بنو عبس بھی مسلمان ہو گیا۔

(۵) قبیلۂ ذبیان اور قبیلہ بنو فزارہ بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو غزوۂ موتہ عرب کے شمال میں شام تک مسلمانوں کے اثر ونفوذ کا سبب ثابت ہوا جس سے اسلام کی شوکت اور سطوت میں بہت اضافہ ہوا۔

(۶) اہل مدینہ پر اس کے اثرات یہ مرتب ہوئے کہ چونکہ کوئی علاقہ فتح نہیں ہوا تھا، نہ کوئی کثیر تعداد میں مال غنیمت حاصل ہوا، لہٰذا انھوں نے جنگ سے واپس لوٹنے والوں کو مفرور کہنا شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ برملا ان لشکریوں کو کہتے: "یا فرارون! فررتم فی سبیل الله" (اے مفرورین! تم جہاد فی سبیل اللہ سے بھاگ کر آئے ہو) نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ بہادر نوجوان بھی ندامت کی وجہ سے گھروں میں چھپ

Marfat.com

گئے تاکہ یہ طعنہ نہ سنیں۔ چنانچہ سیدنا سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ نے اسی طعن سے ڈر کر مسجد میں آنا ترک کر دیا۔

(۷) قریش مکہ پر اس غزوۂ موتہ کے نتائج کا یہ اثر ہوا کہ انھوں نے اس کو مسلمانوں کی شکست اور ذلت سے تعبیر کیا۔ اب ان کو اس معاہدہ کا کوئی پاس نہ رہا تھا جو چند ماہ قبل انھوں نے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں سے کیا تھا، چنانچہ ان کا قریباً ہر شخص عمرۃ القضاء سے پہلے والی فضا قائم کرنے پر آمادہ ہو گیا اور معاہدۂ حدیبیہ کو پس پشت ڈال کر قصاص کی آواز لگانے لگا۔ معاہدۂ حدیبیہ کی یہ شکست فتح مکہ کا سبب بنی۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ وہ فتح اعظم ہے کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو، اپنے رسول ؐ کو، اپنے لشکر کو اور اپنے امانت دار گروہ کو ایک خاص عزت بخشی اور اپنے شہر مکہ کو اور اپنے گھر (کعبۃ اللہ) کو جسے دنیا والوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا اسے کفار ومشرکین کے ہاتھوں سے چھٹکارا دیا۔ اس فتح سے آسمان والوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس کی عزت کی طنابیں جوزاء کے شانوں پر تن گئیں اور لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے شروع ہو گئے، اور رُوئے زمین کا چہرہ روشنی سے جگمگا اٹھا۔ (زاد المعاد: ۲/۱۶۰)

قرارداد حدیبیہ کی خلاف ورزی:

حدیبیہ میں قریش اور رسول اللہ ﷺ کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا اس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ قبائل جس کے عہد و پیمان میں چاہیں داخل ہو جائیں اور جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ شامل ہو گا وہ اس فریق کا ایک حصہ سمجھا جائے گا۔ لہٰذا ایسا کوئی قبیلہ اگر کسی سے زیادتی یا حملے کا شکار ہو گا تو یہ خود اس فریق پر حملہ اور زیادتی سمجھی جائے گی جس فریق کے عہد و پیمان میں وہ داخل ہو گا۔ چنانچہ بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے اور بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں۔ ان دونوں قبائل میں عہد جاہلیت سے ہی عداوت اور کشاکش چلی آ رہی تھی، کیونکہ مالک بن عباد حضرمی ایک دفعہ مال تجارت لے کر بنو خزاعہ کے علاقے کے اندر داخل ہوا۔ خزاعہ کے لوگوں نے اس کا تمام مال لوٹ کر اس کو قتل کر دیا۔ بنو بکر نے موقع پا کر حضرمی کے بدلہ میں بنو خزاعہ کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ اس کے جواب میں بنو خزاعہ نے اپنے

Marfat.com

ایک آدمی کے بدلے میں بنو بکر کے تین سرداروں ذویب، سلمی اور کلثوم کو میدان عرفات میں حدود حرم کے قریب موت کے گھاٹ اتار دیا۔

حدیبیہ میں جب قریش اور مسلمانوں کے درمیان دس سال کے لیے صلح کا معاہدہ ہو گیا اور فریقین ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے تو بنو بکر نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر پرانا بدلہ چکانے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ بنو بکر میں نوفل بن معاویہ دویلی نے ایک جماعت کے ساتھ شعبان سنہ ۸ ھ میں بنو خزاعہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا۔ اس وقت بنو خزاعہ کے لوگ وتر نامی ایک چشمے پر سو رہے تھے۔ اس حملے میں بنو خزاعہ کے متعدد آدمی مارے گئے۔ قریش میں سے صفوان بن امیہ، شیبہ بن عثمان، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزی اور مکرز بن حفص نے پوشیدہ طور پر ہتھیاروں سے بنو بکر کی مدد کی بلکہ رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر قریش کے کچھ آدمی بھی اس حملہ میں شریک ہو گئے۔ بنو خزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی مگر ان کو وہاں بھی قتل سے پناہ نہ ملی۔

بنو خزاعہ کے آدمی مکہ میں بدیل بن ورقاء خزاعی کے مکان میں گھس گئے لیکن بنو بکر اور قریش کے رؤسا نے گھروں میں گھس کر انھیں مارا اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ وہ لوگ یہ سمجھتے رہے کہ یہ مکہ کا اور حرم کا معاملہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ یہاں سے کافی دور ہیں، ان کو اس واقعے کی اطلاع نہ ہو گی، لیکن جب صبح ہوئی تو قریش کو اس جرم پر ندامت ہوئی، وہ سمجھ گئے کہ ہم نے عہد شکنی کی ہے اور جو معاہدہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا تھا، اس کو ہم نے توڑ ڈالا ہے۔

ادھر قبیلۂ بنو خزاعہ کے سردار عمرو بن سالم چالیس آدمیوں کے ایک وفد کے ساتھ فوراً مدینہ منورہ پہنچا۔ سرکار دو عالم ﷺ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر اشعار میں بنو بکر کی پیمان شکنی، اور وتیر پر ان کے حملہ کو بیان کیا۔ ان اشعار میں سے ایک شعر یہ تھا ؎

هم بيتونا بالوتير هجدا وقتلونا ركعا وسجدا

"یعنی ان لوگوں نے چشمہ وتیر پر سوتے ہوئے ہم پر رات کو حملہ کیا اور ہمیں رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا۔" (ان میں سے بعض مسلمان بھی تھے ورنہ وہ خود مسلمان نہ تھے)

Marfat.com

اس فریاد کے بعد وہ آپ ﷺ سے امداد کا طلب گار ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمرو بن سالم! تیری مدد کی گئی۔ اس کے بعد آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا دکھائی دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بادل بنوکعب کی مدد کی بشارت سے دمک رہا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے عمرو بن سالم سے فرمایا کہ ''نہ مدد کیا جاؤں میں اگر تیری مدد نہ کروں۔'' پھر آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا سارے بنوبکر اس حملہ میں شریک تھے۔ عمرو نے کہا: سب بلکہ بنونفاثہ اور ان کا سردار نوفل بھی اس میں شریک تھا۔ آپ ﷺ نے عمرو بن سالم سے ان کی امداد کا وعدہ فرمایا۔ اس کے بعد بدیل بن ورقاء خزاعی کی زیر قیادت بنوخزاعہ کی ایک جماعت مدینہ طیبہ حاضر ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ حملہ میں کون سے لوگ مارے گئے اور کس طرح سے قریش مکہ نے بنوبکر کی پشت پناہی کی۔ اس کے بعد یہ لوگ واپس چلے گئے۔

آپ ﷺ نے ایک قاصد قریش مکہ کے پاس روانہ فرمایا کہ ان کو میرا پیغام پہنچا دے کہ تین باتوں میں سے ایک اختیار کر لیں:

(۱) مقتولین خزاعہ کی دیت دے دی جائے۔

(۲) یا بنونفاثہ کے عہد و پیمان سے علیحدہ ہو جائیں۔

(۳) یا پھر معاہدہ حدیبیہ کے فسخ کا اعلان کر دیں۔

قاصد نے جب آپ ﷺ کا یہ پیغام پہنچایا تو قریش کی طرف سے قرطہ بن عمرو نے یہ جواب دیا کہ ہم نہ مقتولین خزاعہ کی دیت دیں گے اور نہ بنونفاثہ کے عہد و پیمان سے علیحدگی اختیار کریں گے۔ ہاں معاہدۂ حدیبیہ کے فسخ پر راضی ہیں۔ لیکن قاصد کے روانہ ہونے کے بعد انھیں ندامت ہوئی کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے یہ درست نہیں۔ چنانچہ انھوں نے انجام کی سنگینی کو مدنظر رکھتے ہوئے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ ابوسفیان کو اپنا نمائندہ بنا کر تجدید صلح اور مدت صلح کو بڑھانے کے لیے مدینہ روانہ کیا جائے۔ (زرقانی: ۲۹۴/۲، فتح الباری: ۴/۸)

دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ قریش اپنی اس پیمان شکنی کے بعد کیا کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا: ''گویا میں ابوسفیان کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس معاہدہ کو پھر سے پختہ کرنے اور مدت صلح کو بڑھانے کے لیے آ گیا ہے۔''

Marfat.com

ابوسفیان باہمی مشورہ سے طے شدہ قرارداد کے مطابق مکہ کے لیے روانہ ہوا۔ جب وہ عسفان پہنچا تو اس کی ملاقات بدیل بن ورقاء خزاعی سے ہوئی۔ بدیل مدینہ سے واپس جا رہا تھا۔ ابوسفیان ایک ذہین آدمی تھا۔ سمجھ گیا کہ بدیل محمد (ﷺ) سے مل کر آ رہا ہے۔ پوچھا: بدیل! کہاں سے آ رہے ہو؟ بدیل نے جواب دیا: ''میں خزاعہ کے ان آدمیوں کے ہمراہ اس ساحل اور وادی سے آ رہا ہوں۔'' پوچھا: ''کیا تم محمد ﷺ کے پاس نہیں گئے تھے؟'' بدیل نے کہا: ''نہیں۔'' مگر بدیل جب مکہ کی جانب روانہ ہوا تو ابوسفیان نے کہا کہ اگر وہ مدینہ گیا تھا تو وہاں اپنے اونٹ کو چارہ ضرور کھلایا ہوگا، لہٰذا ابوسفیان اس جگہ گیا جہاں بدیل نے اپنے اونٹ کو بٹھایا تھا۔ اس نے وہاں اونٹ کی ایک مینگنی لے کر توڑی تو اس میں سے کھجور کی گٹھلی برآمد ہوئی۔ ابوسفیان نے کہا: ''میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بدیل ضرور مدینہ سے آ رہا ہے اور یہ گٹھلی مدینہ ہی کی کھجور کی ہے۔'' ابوسفیان نے کہا یہ تو غضب ہو گیا۔ بدیل نے مکہ کا تمام ماجرا آپ ﷺ کو سنا دیا ہوگا۔

بہرحال ابوسفیان منزلیں طے کرتا ہوا مدینہ پہنچا اور سیدھا رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرنے کے بجائے ادھر ادھر کی گن سن لینے کا منصوبہ بنا کر اپنی صاحبزادی ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر گیا۔ قریش کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ کے رجحانات کا اندازہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو بھی تھا، لیکن آپ ﷺ کے ارادہ کے بارے میں کوئی اطلاع نہ تھی۔ ابوسفیان نے جب آپ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے فوری طور پر بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان یہ دیکھ کر کچھ پریشان ہو گیا اور کہنے لگا: ''بیٹی! تو نے بستر کو لپیٹ دیا، کیا اس بستر کو میرے قابل نہ سمجھا یا مجھے بستر کے قابل نہ سمجھا؟'' سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''یہ حضور ﷺ کا بستر ہے، اس پر ایک ایسا شخص جو شرک و کفر کی نجاست سے ملوث ہو، ہرگز نہیں بیٹھ سکتا۔'' ابوسفیان نے جھلا کر کہا: ''بیٹی خدا کی قسم، تو میرے بعد شر میں مبتلا ہو گئی ہے۔'' سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''شر میں نہیں بلکہ کفر کی ظلمت سے نکل کر اسلام کے نور میں داخل ہو گئی ہوں اور مجھے آپ پر تعجب ہے کہ آپ قریش کے سردار ہو کر پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔''

ابوسفیان بیٹی کی اس بات سے غضبناک ہو کر مسجد نبوی میں بارگاہِ رسالت میں حاضر

Marfat.com

ہوا اور تجدید معاہدہ اور صلح کا عرصہ بڑھانے کے لیے عرض کیا، لیکن آپ ﷺ نے ابوسفیان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے اس بارے میں بارگاہِ نبوت میں سفارش کی درخواست کی۔ انھوں نے کہا میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے اس بارے میں سفارش کی درخواست کی۔ انھوں نے جواب دیا: ''بھلا میں تم لوگوں کے لیے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں سفارش کروں گا؟ خدا کی قسم، اگر مجھے لکڑی کے ٹکڑے کے سوا کچھ بھی دستیاب نہ ہو تو میں اسی کے ساتھ تم لوگوں سے جہاد کروں گا۔''

اس کے بعد ابوسفیان سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ ابوسفیان نے کہا: ''علی رضی اللہ عنہ! میرے ساتھ تمھارا سب سے گہرا نسبی تعلق ہے۔ میں ایک شدید ضرورت سے آیا ہوں، ایسا نہ ہو کہ جس طرح نامراد آیا ہوں اسی طرح نامراد واپس چلا جاؤں۔ تم میرے لیے محمد ﷺ سے اس بارے میں سفارش کر دو۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ابوسفیان! تجھ پر افسوس، رسول اللہ ﷺ نے ایک بات کا عزم کر لیا ہے، لہٰذا ہم اس بارے میں آپ ﷺ سے کوئی بات نہیں کر سکتے۔'' اس کے بعد ابوسفیان سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: کیا آپ اپنے اس بیٹے کو حکم دے سکتی ہیں کہ وہ لوگوں کے درمیان پناہ دینے کا اعلان کر کے ہمیشہ کے لیے عرب کا سردار ہو جائے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: واللہ! میرا یہ بیٹا ابھی اس درجے کو نہیں پہنچا کہ لوگوں کو پناہ دینے کا اعلان کر سکے اور پھر رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے کون پناہ دے سکتا ہے؟ اب ابوسفیان نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ معاملہ نہایت سنگین ہو گیا ہے، لہٰذا کوئی طریقہ بتلایئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔ البتہ تم بنو کنانہ کے سردار ہو، لہٰذا کھڑے ہو کر لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر دو۔ اس کے بعد تم اپنے شہر واپس چلے جاؤ۔ ابوسفیان نے کہا: ''علی! کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ بات میرے لیے کچھ کارآمد ہو گی۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، خدا کی قسم، میں اسے کارآمد تو نہیں سمجھتا لیکن اس کے علاوہ کوئی اور صورت بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ چنانچہ ابوسفیان یہاں سے اٹھ کر سیدھا مسجد گیا اور کھڑے ہو کر بہ آواز بلند یہ اعلان کیا کہ لوگو! میں معاہدہ کی تجدید اور صلح کی مدت بڑھانے کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ اعلان کرنے کے بعد وہ

Marfat.com

اونٹ پر سوار ہو کر مکہ واپس چلا گیا۔ جب وہ مکہ پہنچا تو قریش نے پوچھا: پیچھے کا کیا حال ہے؟ اس نے وہ مدینہ کی ساری سرگزشت سنا دی، لیکن جب مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر اپنی طرف سے تجدید عہد اور توسیع صلح کے اعلان کا ذکر کیا تو قریش نے کہا: ''کیا محمد (ﷺ) نے اسے نافذ کر دیا؟'' ابوسفیان نے کہا: ''نہیں۔'' قریش نے کہا: تیری تباہی ہو، علی نے تیرے ساتھ مذاق کیا ہے۔ محمد (ﷺ) کی رضامندی اور اجازت کے بغیر تم کیسے مطمئن ہو گئے۔ تم لغو اور بیکار چیز لے کر آئے جس کا توڑنا ان پر کچھ مشکل نہیں۔ تم نہ صلح کی خبر لے کر آئے جس سے اطمینان ہوتا اور نہ جنگ کی خبر لائے کہ ہم تیاری کرتے۔ ابوسفیان نے کہا: ''خدا کی قسم، اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہ بن سکی۔'' اس کے بعد قریش کے مدبرین مستقبل کے لیے لائحہ عمل سوچنے کے لیے بیٹھ گئے۔'' (زرقانی: ۲/۲۹۳)

جنگ کے بارے میں راز داری:

احترام معاہدہ اور مظلوموں اور حلیفوں کی فریاد رسی کے علاوہ ایک اہم مسئلہ یہ بھی تھا کہ اگر اب اس معاملے میں چشم پوشی سے کام لیا جائے گا تو قریش اور اس کے حلیفوں کی دست درازی سے دوسرے قبائل بھی محفوظ و مامون نہیں رہ سکتے جو اہل اسلام کے حلیف ہیں۔ چنانچہ معاہدہ کی پابندی، مظلوم فریق کی فریاد رسی اور اپنے حلیف قبائل کی آئندہ حفاظت کی غرض سے سرکار دو عالم ﷺ نے مکہ کا عزم فرما لیا لیکن اس کی تشہیر کو مناسب نہ سمجھا بلکہ پوری رازداری کے ساتھ تیاری کی گئی اور ہر ممکن کوشش کی گئی کہ اہل مکہ کو اس بارے میں کوئی خبر پہنچنے نہ پائے۔ آس پاس کے قبائل کو بھی تیاری کے لیے کہلا بھیجا۔

طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے پیمان شکنی کی خبر آنے سے تین دن پہلے ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دے دیا تھا کہ آپ ﷺ کا ساز و سامان تیار کر دیں لیکن کسی کو پتہ نہ چلے۔ اس کے بعد سیدہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے، پوچھا: بیٹی! یہ کیسی تیاری ہے؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ بنو اصفر یعنی رومیوں سے جنگ کا وقت نہیں، پھر آپ ﷺ کا ارادہ کس طرف کا ہے؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا: واللہ مجھے علم نہیں۔ تیسرے روز علی الصبح عمرو بن سالم خزاعی ایک جماعت

Marfat.com

کے ساتھ آیا، آپ سے اس بارے میں مدد کی درخواست کی: (یا رب انی ناشد محمدا) تب لوگوں کو پتہ چلا کہ قریش نے عہد شکنی کی ہے۔ پھر بدیل آیا۔ پھر ابوسفیان آیا۔ تو لوگوں کو حالات کے تیور کا پتہ چلا۔ اس کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے تیاری کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ مکہ چلنا ہے اور ساتھ ہی یہ دعا بھی فرمائی کہ اے اللہ! جاسوسوں اور اس بارے میں خبروں کو قریش تک پہنچنے سے روک اور پکڑ لے تا کہ ہم ان کے علاقے میں ان کے سر پر یک دم جا پہنچیں۔

ایک طرف اس معاملے کو نہایت راز داری میں رکھا گیا، دوسری طرف اصحاب بدر میں سے ایک شخص سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک رقعہ لکھ کر ایک عورت کو دیا اور اسے کچھ معاوضہ دے کر یہ کہا کہ اس واقعہ کو قریش تک پہنچا دو۔ چنانچہ وہ سر کی چوٹی میں رقعہ چھپا کر مدینہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئی۔

لسانِ نبوت سے حکم صادر ہوا کہ علی رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ خاخ کے باغ میں فوری پہنچیں۔ (ایک روایت میں ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ کا نام بھی ہے) وہاں ایک شتر سوار عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہو گا۔ وہ خط چھین لائیں۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہو اور صحابہ تعمیل نہ کریں، یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ چنانچہ ارشادِ گرامی کی فوری تعمیل ہوئی۔ خاخ کا باغ مدینہ طیبہ سے قریباً بارہ میل تھا۔ یہ تینوں حضرات خدمت گرامی میں پیش ہوئے۔ پیغمبر ﷺ کا حکم سنتے ہی تینوں گھوڑے دوڑاتے ہوئے خاخ کے باغ میں پہنچے۔ وہاں آپ ﷺ کی نشاندہی کے مطابق ایک عورت ملی۔ اونٹ بٹھلا کر اس کی تلاشی لی گئی لیکن کہیں خط نہ ملا۔ یہ تینوں صحابی پریشان ہو گئے لیکن پھر کہا: خدا کی قسم اللہ کا رسول ﷺ کبھی غلط نہیں کہہ سکتا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا: میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی جھوٹ بولا اور نہ ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ خط تمھارے پاس موجود ہے۔ یا تو تم خود وہ خط نکال کر ہمیں دے دو ورنہ اگر تمھیں ننگا کر کے بھی تمھاری تلاشی لینا پڑی تو ہم اس سے نہیں چوکیں گے۔ جب اس عورت نے ان کی پختگی دیکھی تو کہا کہ اچھا تم لوگ منہ پھیرو۔ انھوں نے منہ پھیرو۔ انھوں نے منہ پھیرا تو اس نے اپنی چوٹی میں سے یہ خط نکالا اور ان کے حوالے کر دیا۔

یہ حضرات خط لے کر بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے، خط پڑھا گیا۔ حاطب بن ابی

Marfat.com

بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ غزوۂ بدر میں شرکت کا شرف بھی حاصل کر چکے تھے اور بھی کئی مہموں میں ساتھ گئے تھے۔ یہ خط انہی سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکہ مکرمہ کے چند روسا کے نام تھا۔ اس میں یہاں کے حالات کے بارے میں لکھا ہوا تھا کہ ''اے گروہ قریش! رسول اللہ ﷺ تم پر ایک لشکر لے کر پہنچ رہے ہیں بلکہ یوں سمجھئے کہ پہنچ چکے ہیں۔ لشکر کہ جیسے ہلاکت و بربادی کی شب تاریک، سیلاب کی طرح رواں دواں، خدا کی قسم، اگر رسول اللہ ﷺ تم پر تنہا ٹوٹ پڑیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے اور فتح و کامرانی کے وعدہ کو پورا فرمائے۔ اب تم خود اپنا انجام سوچ لو۔ والسلام!''

واقدی کی ایک روایت میں ہے کہ سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل کو یہ خط لکھا تھا کہ ''رسول اللہ ﷺ نے غزوہ کا اعلان کر دیا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ حضور ﷺ کا ارادہ آپ لوگوں کے سوا کسی اور طرف کا ہو اور میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ لوگوں پر میرا ایک حسان رہے۔ (فتح الباری: ۵۲۱/۷، زرقانی: ۲۹۸/۲)

خط میں صرف ایک اطلاع کہ اے اہل مکہ تم پر عنقریب حملہ ہونے والا ہے اور کوئی خاص اطلاع نہ تھی لیکن جب میر کاروان ﷺ اس حملہ کو مخفی رکھنا چاہتے تھے تو حاطب رضی اللہ عنہ کا انھیں خبر دینا عسکری اصولوں کے بالکل خلاف تھا۔ حالانکہ اس خط میں انھیں ڈرایا دھمکایا ہی گیا تھا۔ خط سامنے آیا تو سب حضرات کو حیرانگی ہوئی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تو بے تاب ہو گئے۔ عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ یہ سب کچھ تھا لیکن جبین رحمت پر کوئی شکن نہیں تھی۔ نہایت تحمل اور بردباری کے ساتھ ارشاد فرمایا:

حاطب! ما ھذا؟ حاطب یہ کیا ہے؟

سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ نے نہایت عاجزانہ طور پر عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے صفائی پیش کرنے کا موقع عطا فرمائیے۔ خدا کی قسم، اللہ اور اس کے رسول پر میرا ایمان (کامل) ہے۔ میں نہ تو مرتد ہوا ہوں اور نہ مجھ میں کوئی تبدیلی آئی ہے۔ آپ ﷺ نے نہایت شفقت سے فرمایا: بولو! کیا کہنا چاہتے ہو؟ عرض کیا:

''یہ درست ہے، بہت سے مہاجر بھائیوں کے اعزا و اقربا مکہ میں مقیم ہیں۔ یہ قریشی ہیں، قریش سے ان کی رشتہ داری اور قریبی تعلقات ہیں اور ان کے اعزاء و اقارب

Marfat.com

کی بھی رشتہ داری ہے جو مکہ میں مقیم ہیں۔ کوئی نازک وقت ہوتو یہ خطرہ نہیں کہ قریش ان پر ٹوٹ پڑیں گے لیکن میرا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ میں قریشی نہیں ہوں۔ میں ایک حلیف کی حیثیت سے قریش کے ساتھ رہتا تھا۔ میرے اعزاء و اقارب جو مکہ میں مقیم ہیں وہ بے یارو مددگار ہیں۔ ان کا کوئی رشتہ دار مکہ میں نہیں ہے۔ قریش سے ان کی کوئی رشتہ داری نہیں۔ مجھے خیال آیا کہ میں قریش پر کوئی احسان کروں تاکہ مشکل وقت میں وہ میرے رشتہ داروں اور اہل وعیال کو کوئی گزند نہ پہنچائیں۔ خدا جانتا ہے کہ مجھ میں نہ کفر ہے، نہ نفاق، نہ عظمت اسلام کے اعتراف میں انحراف ہے۔ صرف اتنی سی بات تھی جس کے لیے یہ حرکت کر بیٹھا۔''

یہ بات سن کر لسانِ نبوتؐ سے نکلا:

((انه قد صدقكم))

''بے شک حاطب رضی اللہ عنہ نے تم لوگوں سے سچی بات کہہ دی۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ برہنہ تلوار لیے کھڑے تھے اور حاطب رضی اللہ عنہ کا سر قلم کرنے کی اجازت کے طلب گار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: دیکھو، یہ بدری ہیں، اور عمر، تمھیں کیا معلوم، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو خطاب کر کے فرما دیا ہو:

اعملوا ماشئتم فقد غفرت لكم۔

''جو چاہو کرو، میں نے تمھیں بخش دیا۔''

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اہل بدر کے مرتبہ کا پتہ چلا تو ان پر رقت طاری ہوگئی، آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور زبان سے نکلا: الله و رسوله اعلم (اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔) (بخاری: ۱/۴۲۲، ۲/۲۱۶)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی: ۲/۲۹۸، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۸۴، فتح الباری: ۷/۵۲۱)

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان جنگی تیاریوں کی کوئی خبر قریش تک نہ پہنچ سکی۔

مکہ کی راہ میں:

۱۰ رمضان المبارک سنہ ۸ ھ مطابق ۲۲ دسمبر ۶۲۹ء کو دس ہزار خدا پرست اور خدا

Marfat.com

شناس مجاہدین کا باوقار لشکر سید المرسلین ﷺ کی زیر قیادت اور زیر کمان مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا۔ اسلامی لشکر کی یہ روانگی بعد نماز عصر ہوئی۔ (فتح الباری: ۸/۴) ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ جب آپ ﷺ مقام ذوالحلیفہ یا جحفہ پہنچے تو آپ ﷺ کے عم محترم سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جاتے ہوئے ملے۔ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق سامان اور اہل وعیال تو مدینہ بھیج دیئے اور وہ خود آپ ﷺ کے ساتھ لشکر اسلام میں شریک ہو کر جہاد کے لیے مکہ مکرمہ چل پڑے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ایمان تو پہلے لا ہی چکے تھے، لیکن قریش سے اپنا ایمان مخفی رکھا تھا۔ حضور ﷺ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ''عباس! آپ کی یہ ہجرت آخری ہجرت ہے جیسے میری نبوت آخری نبوت ہے۔'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اگرچہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن مکہ میں قیام صرف حضور ﷺ کے حکم سے تھا تاکہ ان کی وساطت سے قریش کی کارگزاریوں کا پتہ چلتا رہے۔

(زرقانی: ۲/۳۰۰)

مقام ابواء پر (جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بستی کا نام ہے اور آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کی قبر بھی یہیں ہے) پہنچے تو آپ کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب (جو آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے، اعلان نبوت سے قبل آپ ﷺ کے نہایت گہرے دوست بھی تھے، کسی وقت آپ ﷺ سے جدا نہ ہوتے تھے، اور جب آپ ﷺ نے اعلانِ نبوت فرمایا تو آپ ﷺ کی ہجو میں شعر کہنے شروع کر دیئے) اور آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن امیہ آپ ﷺ سے ملے۔ (عبداللہ بن امیہ آپ ﷺ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ یہ بھی آپ ﷺ کے مکہ میں شدید مخالفین میں سے تھے) ان دونوں حضرات نے آپ ﷺ سے ملنا چاہا، لیکن آپ ﷺ نے شرف باریابی نہ بخشا، کیونکہ آپ ﷺ نے ان دونوں سے بہت تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کی سفارش کی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایک آپ ﷺ کا چچا زاد بھائی اور دوسرا پھوپھی زاد بھائی، لہٰذا آپ ﷺ انھیں مل لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ان سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چچیرے بھائی نے میری آبروریزی کی اور پھپھیرے

Marfat.com

بھائی نے مکہ میں مجھے یہ کہا تھا کہ خدا کی قسم! میں تجھ پر ہرگز ایمان نہ لاؤں گا اگر چہ تو سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائے اور میں اپنی آنکھوں سے تمھیں دیکھ رہا ہوں اور ایک دستاویز لے کر آسمان سے اترے اور چار فرشتے تیرے ساتھ ہوں جو اس بات کی تصدیق کریں کہ اللہ نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ پھر بھی میں تجھ پر ایمان نہ لاؤں گا۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! جب ان سے بھی بڑے دشمن آپ ﷺ کے مکارم اخلاق سے بہرہ یاب ہوئے تو آپ ﷺ کے چچا زاد اور پھوپھی زاد بھائی اس سے کیوں محروم رہیں؟ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کو جب پتہ چلا کہ آپ ﷺ ملنے سے اعراض فرما رہے ہیں تو اس نے کہلا بھیجا کہ اگر آپ اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت نہ دیں گے تو میں اپنے بیٹے جعفر (اس کا بیٹا جعفر بھی اس کے سات تھا) کو لے کر صحرا میں نکل جاؤں گا اور وہاں بھوکا پیاسا اپنی جان دے دوں گا۔ رحمت عالم ﷺ نے ان کی ندامت اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سفارش کے پیش نظر ان دونوں کو اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مرحمت فرمادی۔ حاضر ہوتے ہی یہ دونوں مشرف بہ سلام ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سفیان بن حارث کو یہ کہا کہ آپ کے چہرۂ انور کے سامنے کھڑے ہو کر وہ کہیں جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے کہا تھا:

﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ﴾ (یوسف ۱۲:۹۱)

”اللہ کی قسم، بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور یقیناً ہم خطا کار تھے۔“

ابوسفیان بن حارث نے یہی کہا اور رحمت عالم ﷺ نے جواب میں یہی فرمایا:

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ (یوسف ۱۲:۹۲)

”آج تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تعالیٰ تمھارا قصور معاف فرمائے، اور وہ سب سے بڑا مہربان ہے۔“

یہ دونوں بھی جانبازی اور سرفروشی کے لیے آپ ﷺ کے ہم رکاب ہو گئے۔

(زرقانی: ۲/۳۰۲)

Marfat.com

ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے پھر چند اشعار بھی کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''تیری عمر کی قسم، جس وقت میں نے اس مقصد کے لیے جھنڈا اٹھایا تھا کہ لات کے شہسوار محمد ﷺ کے شہسواروں پر غالب آ جائیں، اس وقت میری یہ کیفیت تھی کہ جیسے ایک مسافر تیرہ و تار رات میں حیران و سرگرداں ہو، لیکن الحمدللہ! اب یہ وہ وقت ہے کہ مجھے ہدایت دی جا رہی ہے اور میں ہدایت پا رہا ہوں۔ مجھے میرے نفس کے بجائے ایک ہادی نے ہدایت دی، اور اللہ کا راستہ اس شخص نے مجھے بتایا جسے میں نے ہر موقع پر دھتکار دیا تھا۔''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر ایک ضرب لگائی اور فرمایا تم نے مجھے ہر موقع پر دھتکارا تھا۔ (عیون الاثر: ۲/۲۲۸، ابن ہشام: ۲/۴۰۱)

حافظ ابن سید الناس نے لکھا ہے کہ بعد میں سیدنا ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اسلام میں اس قدر پختہ ہو گئے کہ قبول اسلام کے بعد حیا کے سبب سے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف کبھی سر اٹھا کر نہ دیکھا۔ رسولؐ اللہ بھی ان سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے جنت کی بشارت دی اور فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ یہ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا بدل ثابت ہوں گے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو فرمانے لگے: مجھ پر ہرگز نہ رونا کیونکہ اسلام لانے کے بعد میں نے کبھی کوئی گناہ کی بات نہیں کہی۔''

(عیون الاثر: ۲/۲۲۸، زاد المعاد: ۲/۱۶۳)

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ ان قدسی صفات مردان کار کا دس ہزار کا لشکر اور ان کے قائد ﷺ روزے سے تھے۔ عسفان اور قدید کے درمیان کدید نامی چشمے پر پہنچ کر پہلے آپ ﷺ نے روزہ افطار فرمایا۔ پھر آپ ﷺ کی اتباع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روزہ توڑا۔ (بخاری: ۲/۶۱۳)

اس کے بعد آپ ﷺ نے سفر جاری رکھا یہاں تک کہ آپ ﷺ عشاء کے وقت مرالظہران (وادیٔ فاطمہ) پہنچ گئے اور وہاں نزول فرمایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پہرے پر مقرر کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۱۳۵)

Marfat.com

مرالظہران میں پڑاؤ:

رات کا پہلا پہر تھا جب آپ ﷺ نے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ کے قریب نزول فرمایا۔ یہ مقام مکہ سے قریباً ایک منزل پر ہے۔ دس ہزار مجاہدین اسلام کے خیمے پوری وادی میں پھیل گئے اور پھر آپ ﷺ کے حکم سے رات کے وقت خیموں کے سامنے الاؤ جلائے گئے تو ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا ایک شہر آباد ہو گیا ہے۔

جس راز داری کے ساتھ یہ سفر کیا گیا اس کی کامیابی یہ تھی کہ قریش کو اب تک مسلمانوں کے لشکر کی روانگی کا پتہ نہ چلا۔ قریش کو اپنی پیمان شکنی کی وجہ سے دغدغہ لگا ہوا تھا کہ خدا معلوم سرور عالم ﷺ کب ہم پر حملہ آور ہو جائیں، اور یہ بھی ہے کہ قریش کے کچھ سرداروں کے کانوں میں یہ بھنک پڑی ہوئی تھی کہ ایک بہت بڑا لشکر آ رہا ہے۔ اسی بھنک کی تفتیش کی غرض سے مخفی طور پر قریش کے چند روسا اور سردار ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء مکہ سے اسی چھان بین کے لیے نکلے ہوئے یہاں پہنچ گئے، اس وسیع و عریض میدان کو جو میلوں کی وسعت کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے تھا، جگمگاتا دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ انھیں اس بات کا وہم وگمان بھی نہ ہوا کہ یہ شان وشوکت اور آگ کے الاؤ کا یہ بحر ناپیدا کنار محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا ہے جن کو چند سال پہلے سب کچھ چھین کر نہایت کسمپرسی کی حالت میں مکہ سے نکالا گیا تھا۔ خزاعہ وغیرہ قبائل کی طرف ان کا توسن خیال دوڑنے لگا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کا بیان ہے کہ خدا کی قسم، میں رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار جا رہا تھا کہ مجھے ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کی گفتگو سنائی دی۔ وہ باہم تکرار اور ردوقدح کر رہے تھے۔ ابوسفیان کہہ رہا تھا کہ اللہ کی قسم، میں نے جیسی آگ اور جیسا لشکر آج رات دیکھا ہے اس سے پہلے اتنا بڑا لشکر کبھی نہیں دیکھا۔ بدیل بن ورقاء اس کے جواب میں کہہ رہا تھا: ''خدا کی قسم، یہ بنوخزاعہ کا لشکر ہے۔ جنگ نے انھیں چھیل کر رکھ دیا ہے۔'' اس پر ابوسفیان کہہ رہا تھا: خزاعہ اس سے کہیں کم تر اور ذلیل ہیں کہ ان کی آگ اور ان کا لشکر ہو۔ (عیون الاثر:۲/۲۲۸)

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کی یہ گفتگو اس وجہ سے سن لی کہ جونہی اس لشکر نے

Marfat.com

مرالظہران میں پڑاؤ ڈالا، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر نکلے تا کہ اگر کوئی لکڑہارا یا کوئی آدمی مل جائے تو اس کے ذریعے قریش کو یہ خبر بھجوائی جائے تا کہ وہ آپ ﷺ کے مکہ میں داخلہ سے پہلے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر امان طلب کر لیں۔

(عیون الاثر: ۲/۲۲۸)

اب لکڑہارے یا ایک آدمی کے بجائے انھیں مکہ کا سردار ابوسفیان مل گیا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی اور میں نے کہا: ''ابوحنظلہ!'' اس نے بھی اندھیرے میں میری آواز پہچان لی اور بولا: ''ابوالفضل!'' میں نے کہا: ''ہاں۔'' اس نے کہا: ''کیا بات ہے؟'' میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ میں نے کہا: ''یہ رسول اللہ ﷺ ہیں، اپنے ساتھیوں کے ساتھ۔ واللہ! ہائے قریش کی تباہی۔

ابوسفیان نے کہا: اب کیا کیا جائے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ میں نے کہا: خدا کی قسم، اگر انھوں نے تمھیں پا لیا تو تمھاری گردن مار دیں گے، لہٰذا اس خچر پر تم میرے پیچھے بیٹھ جاؤ، میں تمھارے لیے امان طلب کرتا ہوں۔ چنانچہ ابوسفیان میرے پیچھے بیٹھ گیا اور اس کے دونوں ساتھی (بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام) واپس چلے گئے۔

اب اس کو وہ بارگاہِ نبوت میں پیش کرنے کے لیے لے جانے لگے تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے مناسب سمجھا کہ ابوسفیان کو پورے لشکر کا ایک چکر لگوا دیں تا کہ وہ اپنی آنکھوں سے لشکرِ اسلامی کی عظمت اور شوکت کو دیکھ لے اور یہ بھی ملاحظہ کر لے کہ اسلام کس طرح قبائل عرب کو فتح کر چکا ہے اور اب ان کے لیے بہتر کیا ہے؟ یہ خود غور و فکر کر لیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو اپنے پیچھے خچر پر بٹھا لیا اور قبائل کے خیموں کا گشت کرانے لگے۔ خود فرماتے ہیں کہ جب میں کسی الاؤ کے پاس سے گزرتا تو لوگ پوچھتے کون ہے؟ لیکن جب دیکھتے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا خچر ہے اور میں اس پر سوار ہوں تو کوئی تعرض نہ کرتے۔ یہاں تک کہ میں سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے الاؤ کے پاس سے گزرا۔ انھوں نے پوچھا: کون ہے؟ اور اٹھ کر میری طرف آئے۔ جب انھوں نے میرے پیچھے ابوسفیان کو بیٹھے دیکھا تو کہنے لگے: ''ابوسفیان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دشمن، الحمدللہ بغیر کسی عہد و پیمان کے ہاتھ آ گیا'' اور تلوار لے کر لپکے کہ دشمن اسلام ابوسفیان کو اس سے پہلے ختم کر دیں کہ وہ بارگاہ رحمۃ للعالمین ﷺ میں جا کر

Marfat.com

پروانۂ امن حاصل کر سکے لیکن سیدنا عباس رضی اللہ عنہ جہان دیدہ آدمی تھے، وہ اس بات سے غافل نہیں تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا کیا ارادہ ہے؟ انھوں نے فوراً خچر کو ایڑ لگائی اور تیز کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پہلے میں آپ کے خیمے میں پہنچ گیا۔ اتنے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی خیمہ میں گھس آئے۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اصرار تھا کہ ''اے اللہ کے رسول ﷺ! اجازت دیجیے کہ اس فتنۂ مجسم کے بوجھ سے زمین کو ہلکا کر دوں۔'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: یا رسولؐ اللہ! میں نے ابوسفیان کو پناہ دی ہے۔ جب ابوسفیان کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بار بار قتل کے لیے کہا تو میں نے کہا: ''عمر! ٹھہرو، خدا کی قسم، اگر بنو عدی بن کعب (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ) کا آدمی ہوتا تو تم ایسی بات نہ کہتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''عباس رضی اللہ عنہ! خدا کی قسم، تمھارا اسلام لانا میرے نزدیک خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے اور اس کی وجہ میرے نزدیک صرف اور صرف یہ ہے کہ سرور دو عالم ﷺ کے نزدیک تمھارا اسلام لانا خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے۔'' بہر حال دونوں حضرات میں تیز تیز باتیں بھی ہوئیں لیکن جان بخشی اور امان کی جو دیوار پختہ ہو چکی تھی وہ منہدم نہ ہوئی۔

یہ بحث ختم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اس وقت ابوسفیان کو اپنے خیمے میں لے جائیں اور صبح کو اپنے ساتھ لائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان کے دونوں ساتھی مکہ واپس جانے کے بجائے پہلے ہی رحمت عالم ﷺ کے حضور پہنچ کر اسلام سے مشرف ہو چکے تھے اور آپ ﷺ نے ان دونوں (بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام) سے حالات دریافت فرمائے۔ پھر یہ دونوں آپ ﷺ سے اجازت لے کر رات ہی کو واپس مکہ چلے گئے تاکہ اہل مکہ کو صورت حال سے آگاہ کر کے انھیں پُرامن رہنے کی ہدایت کر دیں اور بتا دیں کہ اب لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں، اب تم لوگوں میں آپ ﷺ کی فوج کا مقابلہ کرنے کی طاقت ختم ہو گئی ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو اپنے خیمے میں لے گئے اور صبح کے وقت اس کو لے کر بارگاہ نبوتؐ میں حاضر ہوئے۔ ابوسفیان کو اپنے تمام کارنامے یاد ہوں گے۔ اسلام کو نیست و نابود کرنے کی مسلسل کوشش، مدینہ طیبہ پر احد و احزاب کی شکل میں بار بار حملے، قبائل عرب کو

Marfat.com

آپ ﷺ کے خلاف مشتعل کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک جرم ابوسفیان کے خون کا مطالبہ کر رہا تھا، لیکن ابوسفیان اپنی جگہ پر مطمئن تھا کہ وہ اس صادق وامین کے حضور میں حاضر ہے جس کے کسی بھی ساتھی کی زبان کا لفظ ''امان'' وہ پختہ حصار ہے جس کو توڑا نہیں جا سکتا۔ لیکن لسانِ نبوت نے اس کے ان سنگین جرائم میں سے کسی جرم کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ نے ابوسفیان کو دیکھ کر فرمایا: ''ابوسفیان! تم پر افسوس، کیا تمھیں اب تک پتہ نہیں چلا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' ابوسفیان نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، آپ ﷺ کتنے بردبار، کتنے کریم، کتنے حلیم اور کتنے صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ میں آپ ﷺ کے حسن سلوک اور آپ ﷺ کی صداقت وعفت کا قائل ہوں۔ آپؐ کے مکارم اخلاق کو تسلیم کرتا ہوں، میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ اللہ کے سوا اگر کوئی اور اِلٰہ ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔

آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ابوسفیان تم پر افسوس، کیا تمھارے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ابوسفیان نے پھر کہا کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، آپ ﷺ کس قدر حلیم وکریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں، لیکن آپ ﷺ کی نبوت کے بارے میں اب بھی دل میں کچھ نہ کچھ کھٹک رہا ہے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا کہ اس وقت اس بحث کا موقع نہیں ہے۔ کلمۂ شہادت پڑھ لو، ابو سفیان کو بھی احساس ہوا، چنانچہ انھوں نے کہا:

اشهدان لا اله الا الله واشهدان محمدا رسول الله۔

ابوسفیان کی طرح اور بھی کئی لوگ تھے کہ اس ہنگامی حالت میں ان کا ذہن صاف نہیں تھا، لیکن رعب یا ڈرانے دھمکانے سے کسی کا ذہن صاف نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا بلکہ تالیف قلب کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو تین ہفتوں کی مدت میں جب رسول اللہ ﷺ مکہ اور اطراف مکہ میں تشریف فرما رہے، ذہنوں کی تمام الجھنیں اور دلوں کی تمام کھٹک جاتی رہی اور یہ مولفتہ القلوب کامل الایمان ہو گئے۔ چنانچہ ابوسفیان کا اپنا اقرار ہے کہ اللہ نے میرے دل میں اسلام کو داخل کر دیا۔ (بخاری: ۴۱۳/۱) پھر یہی ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے کہ اپنی دونوں آنکھیں کفر کے خلاف جہاد میں قربان کر دیں۔

(ملاحظہ ہو احقر کی کتاب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار: جلد ا)

Marfat.com

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: ابوسفیان سرداران مکہ میں سے ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے کوئی مناسب معاملہ کر دیں جو اس کے لیے باعث عزت وشرف اور موجب امتیاز ہو۔ ارشاد فرمایا: اعلان کر دو کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو اس کے لیے امن ہے۔" ابوسفیان نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! میرا گھر کوئی اتنا بڑا نہیں۔ اس میں سب آدمی کہاں سما سکتے ہیں؟ فرمایا: "جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کے لیے امان ہے۔" ابوسفیان نے کہا: یا رسولؐ اللہ! مسجد حرام میں اتنے آدمی کہاں آسکتے ہیں؟ فرمایا: "اچھا جو شخص اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے وہ بھی مامون ہے۔"

(مسلم: ۲/۱۰۴، المصنف عبدالرزاق: ۵/۳۷۶، المصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴/۴۹۶، زادالمعاد: ص۲، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۹۰، عیون الاثر: ۲/۲۲۹، نسب قریش: ص۱۲۲، طبقات: ۲/۹۸)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ دور جاہلیت میں بھی سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ میں دوستی اور ہم نشینی تھی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے اکابر اور بزرگ آپس میں دوستی رکھتے تھے، چنانچہ انہی قدیم مراسم کے تحت ان دونوں کی بھی آپس میں دوستی اور ہم نشینی تھی۔ اسی دوستی کے تحت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس نرمی اور بردباری سے پیش آرہے تھے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الاستیعاب: ۴/۱۸۶، اسد الغابہ: ۵/۲۱۶، کتاب المحبر لابی جعفر محمد بن حبیب: ص ۱۷۵)

ابوسفیان جو کچھ بھی تھا ذاتی طور پر ایک شریف انسان تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" میں لکھا ہے کہ:

"مکہ میں نیک دل اشراف کی بھی کمی نہ تھی۔ جب کچھ آوارہ لڑکے (بڑوں کے ایمان پر) مکہ کی گلیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرتے اور ان پر پتھر وغیرہ پھینکتے، اس وقت اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے گھر کے قریب ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر میں پناہ حاصل کر سکتے تھے۔ ابوسفیان خود آوارہ چھوکروں کو ڈانٹ کر بھگا دیتے۔ جب یہ آوارہ منش لڑکے بھاگ جاتے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی راہ لیتے۔ ایک روز بزدل اور کمینے ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

Marfat.com

صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے منہ پر تھپڑ مارا اور وہ رونے لگیں۔ ابوسفیان ادھر سے گزر رہے تھے، انھوں نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے رونے کا سبب پوچھا۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انھیں تمام ماجرا سنایا تو ابوسفیان نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو بازو سے پکڑ لیا اور سیدھے ابوجہل کے پاس گئے اور اس کے دونوں ہاتھ قابو کر لیے۔ پھر انھوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ ابوجہل کے منہ پر تھپڑ ماریں اور اپنا بدلہ چکائیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے ابوجہل کو تھپڑ مارا اور مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔ فطری بات ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ ابوسفیان کے لیے اظہار تشکر کے بغیر نہ رہ سکے۔''

اس واقعہ سے ابوسفیان کی ذاتی شرافت ضوافشاں ہے۔ آپ کی زندگی جو کفر میں گزری، اس کے کسی واقعہ سے یہ اجاگر نہیں ہوتا کہ انھوں نے کسی مسلمان پر یا خود حضور ﷺ پر کوئی سختی کی ہو۔

مرالظہران سے روانگی:

۱۷ رمضان المبارک سنہ ۸ ھ کو صبح سرکار دوعالم ﷺ نے لشکر کو روانگی کا حکم فرمایا تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو پہاڑ کی چوٹی پر لے کر کھڑا کر دو تاکہ وہ لشکر اسلام کی شان وشوکت کو بخوبی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔ اسلامی لشکر میں الگ الگ قبیلوں کے دستے تھے، ان کے اپنے علم تھے، اپنے علم بردار تھے۔ ہر بٹالین یکے بعد دیگرے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گزرنے لگی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بھی اہل مکہ کو اسلامی لشکر کے بارے میں آگاہ کرنے کے بعد واپس یہاں پہنچ گئے تھے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے سرزمین عرب میں ایسا نظام اس سے قبل کب دیکھا تھا۔ وہ خداپرست اور خداشناس مجاہدین کا یہ لشکر جرار دیکھ کر نہایت متاثر ہوا کہ کس شان وشوکت کے ساتھ وہ گزر رہے ہیں۔ آٹھ سال قبل تو حضور ﷺ کو ہم نے اس شہر سے نکالا تھا۔ ان کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا لیکن آج وہی شخص بایں شکوہ ایک بھاری جمعیت کے ساتھ اسی شہر میں داخل ہو رہا ہے۔ چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہا:

Marfat.com

يا ابا الفضل لقد اصبح ملك ابن اخيك اليوم عظيما۔

"ابو الفضل! تمھارے بھائی کے بیٹے کی سلطنت بہت عظیم ہوگئی ہے۔"

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے فوراً ٹوکا۔ یہ سلطنت نہیں، نبوت ہے، یعنی سیاسی اقتدار اور جبر و قہر نے یہ نظام قائم نہیں کیا جو سلطنت کی خصوصیت ہے بلکہ پیغمبرانہ صداقت، دیانت و امانت اور اعلیٰ اخلاق نے دلوں کو رام کیا ہے۔ پھر دعوت الی اللہ کے نصب العین پر سب کو متحد کر کے ایثار و فدائیت کا یہ نظام بنایا ہے، جس کا مقصد ذاتی اور قومی اقتدار نہیں بلکہ خداشناسی، خداپرستی، خدمت خلق، اعلاء کلمۃ الحق اور اس پر اپنی جان قربان اور فداء کرنا۔

ابو سفیان رضی اللہ عنہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے اسلامی لشکر کے دستوں کو دیکھ رہا تھا اور یہ خدائی فوج ایک نرالی شان کے ساتھ اس کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ قبائل اپنے اپنے پرچم لیے گزر رہے تھے۔ جب کوئی قبیلہ اپنا جھنڈا لیے گزرتا تو ابو سفیان رضی اللہ عنہ پوچھتا یہ کون لوگ ہیں؟ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ جواب میں فرماتے کہ یہ فلاں قبیلہ ہے۔ ابو سفیان کہتا مجھے اس قبیلہ سے کیا واسطہ؟ سب سے پہلے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک ہزار یا نو سو سپاہیوں پر مشتمل دستہ کو لے کر گزرے۔ پھر بعد میں مختلف قبائل کے دستے گزرتے رہے اور ابو سفیان رضی اللہ عنہ ان کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ پھر آخر میں کوکبۂ نبویؐ ظاہری اور باطنی شکوہ و جلال کے ساتھ، مہاجرین و انصار کے مسلح اور زرہ پوش گروہ کے درمیان جلوہ افروز ہوا۔ مہاجرین کا علم سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور انصار کا علم سیدنا سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ یہاں انسانوں کے بجائے صرف لوہے کی باڑھ دکھائی دے رہی تھی۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ابو الفضل! یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا یہ انصار و مہاجرین کے جلو میں سرکار دو عالم ﷺ جلوہ فرما ہیں۔

سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ قبیلۂ خزرج کے سردار ہاتھ میں انصار کا پرچم لیے ہوئے جب گزر رہے تھے تو ان کی نظر ابو سفیان رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر جوش آیا کیونکہ اسے ہر لڑائی کے میدان میں قریش کے لشکر کی کمان کرتے دیکھا تھا۔ اس لیے فرط جوش میں یہ کہہ اٹھے:

اليوم يوم الملحمه　　　　اليوم تستحل الكعبه

Marfat.com

"آج گھمسان کا دن ہے۔ آج کعبہ میں قتل و قتال حلال ہو گا۔"

ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے گھبرا کر پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ مہاجرین و انصار کا دستہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ جلوہ فرما ہیں۔ ابو سفیان کی نظر جو چہرۂ انور پر پڑی تو پکار اٹھے:

"حضور ﷺ! آپ نے سنا، سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے۔" پھر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بات آپ ﷺ کو سنائی۔ ارشاد فرمایا: "سعد رضی اللہ عنہ نے غلط کہا ہے۔ آج تو خانہ کعبہ کی بے حرمتی نہیں ہو گی بلکہ آج کا دن وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت میں اور اضافہ کرے گا۔" سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ قریش کے اندر مار دھاڑ نہ مچا دیں، کیونکہ ان کے جذبات مچلے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسی وقت ان کے پاس آدمی بھیجے اور سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر ان کے صاحبزادے قیس رضی اللہ عنہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ (فتح الباری: ۸/۸)

اسلامی لشکر مکہ میں:

جب سرکار دو عالم ﷺ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر گئے تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ابو سفیان رضی اللہ عنہ سے کہا: "اب دوڑ کر اپنی قوم کے پاس جاؤ۔" ابو سفیان رضی اللہ عنہ نہایت تیزی سے مکہ پہنچا اور نہایت بلند آواز سے اعلان کیا: "قریش کے لوگو! محمد ﷺ تمھارے پاس اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ کسی کی طاقت نہیں کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ اسلام لے آؤ، سلامت رہو گے، لہٰذا جو ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں گھس جائے، اسے امان ہے۔" ابو سفیان کی بیوی ہند جو ابھی اسی ترنگ میں تھی، یہ سن کر بھڑک اٹھی اور ابو سفیان کی مونچھیں نوچ لیں اور چلا کر بولی: "اے بنی کنانہ! یہ پیر فرتوت پاگل ہو گیا ہے۔ کوئی اس کی بات نہ مانے، معلوم نہیں کیا کیا بک رہا ہے اور بہت برا بھلا کہا۔" لوگ جمع ہو گئے کہ ان دونوں کو کیا ہو گیا۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا "بی بی! خیریت اسی میں ہے جو میں کہہ رہا ہوں، ورنہ تباہ ہو جائے گی۔ گھر میں جا کر دروازہ بند کر کے بیٹھ جا۔" پھر لوگوں سے کہا: "تمھاری بربادی ہو، دیکھو، تمھاری جانوں کے بارے

Marfat.com

میں یہ عورت دھوکہ میں نہ ڈال دے، کیونکہ محمد ﷺ اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ جس سے مقابلے کی کسی میں طاقت نہیں۔ اس لیے جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔'' لوگوں نے کہا: اللہ تجھے غارت کرے، تیرا گھر ہمارے کتنے آدمیوں کے کام آ سکتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے اسے بھی امان ہے۔ میں تم سے سچی بات کہہ رہا ہوں۔ یہ سن کر لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔ البتہ اپنے کچھ اوباشوں کو لگا دیا اور کہا کہ انھیں ہم آگے کیے دیتے ہیں، اگر قریش کو کچھ کامیابی ہوئی تو ہم ان کے ساتھ رہیں گے اور اگر ان پر ضرب لگی تو ہم سے جو کچھ مطالبہ کیا جائے گا، منظور کر لیں گے۔

رسول اللہ ﷺ مرالظہران سے روانہ ہو کر ذی طویٰ پہنچے۔ اس اعزاز فتح پر فرط تواضع سے آپ ﷺ نے اپنا سر جھکا رکھا تھا، یہاں تک کہ داڑھی کے بال کجاوے کی لکڑی سے لگ رہے تھے۔ ذی طویٰ میں آپ ﷺ نے لشکر کی ترتیب و تقسیم یوں فرمائی، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دائیں پہلو پر رکھا اور ان کے دستہ میں اسلم، سلیم، غفار، مزینہ، جہینہ اور کچھ دیگر عرب قبائل تھے۔ اور خالد رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ مکہ میں زیریں حصے سے داخل ہوں اور اگر قریش میں سے کوئی آڑے آئے تو کاٹ کر رکھ دیں اور صفا پر آپ ﷺ سے آ ملیں۔

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بائیں پہلو پر تھے۔ ان کے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کا پرچم تھا۔ انھیں حکم ہوا کہ مکہ میں بالائی حصہ یعنی کداء سے داخل ہوں اور مقام حجون پر جھنڈا نصب کر کے آپ ﷺ کی آمد تک وہیں ٹھہرے رہیں۔ (فتح الباری: ۸/۸)

سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ پیادے لشکر پر مقرر تھے۔ انھیں حکم فرمایا کہ وہ بطن وادی سے مکہ میں داخل ہونے کا راستہ پکڑیں یہاں تک کہ مکہ میں حضور ﷺ کے آگے اتریں۔

ذی طویٰ سے پیغمبر اسلام ﷺ کی ہدایات کے مطابق اسلامی لشکر کے تمام دستے اپنے اپنے مقررہ راستوں سے چل پڑے۔ خود پیغمبر اسلام ﷺ نہایت تواضع کے ساتھ بادشاہوں کی شاہانہ شان سے نہیں، بلکہ سر جھکائے ہوئے، مکہ میں داخل ہوئے۔ بخاری کی روایت کے مطابق آپ ﷺ ناقہ پر سوار نہایت خوش الحانی سے سورہ فتح پڑھ رہے تھے۔ ایک وقت تھا کہ آپ ﷺ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں نہایت بے بسی اور بے کسی کی حالت میں یہاں سے نکلے تھے اور آج وہ وقت ہے کہ آپ ﷺ دس ہزار قدوسیوں کے

Marfat.com

ساتھ اللہ کی نصرت سے فاتحانہ طور پر اس شہر میں داخل ہو رہے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ سرور کائنات ﷺ کے داخلے کی شان یہ تھی کہ آپ ﷺ اپنی ناقہ پر سوار، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ردیف، سر پر سیاہ عمامہ اور زبان مبارک پر سورہ فتح جسے آپ ﷺ رقت انگیز انداز سے تلاوت فرمارہے تھے، خشوع و خضوع کا یہ عالم کہ سر مبارک جھکتے جھکتے ہودج کے کنارے سے لگ گیا تھا۔ جبین نبوت اسی ہودج کے کنارے پر سجدہ ریز تھی۔

سرکار دو عالم ﷺ مکہ کی بالائی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے۔ جبکہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اسفل مکہ سے داخل ہونے کا حکم تھا اور یہ تاکید کی تھی کہ خود قتال کی ابتداء نہ کرنا لیکن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب اسفل سے مکہ میں داخل ہوئے تو بنو بکر اور بنو حارث بن عبد مناة، قبیلۂ ہذیل اور قبیلۂ قریش کے کچھ اوباش مقابلے کے لیے جمع تھے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ جب خندمہ پہنچے تو ان لوگوں نے ہلہ بول دیا، لیکن خالد رضی اللہ عنہ تو خالد رضی اللہ عنہ تھے، اللہ کی تلوار کا مقابلہ کون کرسکتا تھا؟ جب انھوں نے ان کے اس ہلہ کا جواب دیا تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ بنو بکر کے قریباً بیس آدمی اور بنو ہذیل کے تین یا چار آدمی قتل ہوئے۔ باقی ماندہ مشرکین میں بھگدڑ مچ گئی۔ کوئی مکان میں جا کر چھپ گیا اور کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا۔ حماس بن قیس جو مسلمانوں سے جنگ کے لیے ہتھیار ٹھیک کرتا رہتا تھا، بھاگ کر اپنے گھر میں جا گھسا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا: دروازہ بند کرلو۔ اس نے کہا: وہ کہاں گیا جو تم کہا کرتے تھے۔ کہنے لگا:

"اگر تم نے خندمہ کے معرکہ کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا جب صفوان اور عکرمہ بھاگ کھڑے ہوئے اور سونتی ہوئی تلواروں نے ہمارا استقبال کیا جو کلائیوں اور کھوپڑیوں کو اس طرح کاٹتی جا رہی تھیں کہ سوائے شور و غوغہ اور ہمہمہ کے اور کچھ سنائی نہیں دیتا ہے تو تو ملامت کا ایک ادنیٰ کلمہ بھی زبان سے نہ نکالتی۔"

(عیون الاثر: ۲/۲۳۴)

ان حملہ آوروں میں صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل بھی تھے۔ جونہی سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا دستہ قریب پہنچا، انھوں نے تیروں کی باڑھ چھوڑ دی، لیکن خالد رضی اللہ عنہ کے جوابی حملے سے لمحہ بھر میں اپنے مقتول چھوڑ کر بھاگ گئے۔ صفوان، سہیل اور عکرمہ خالد رضی اللہ عنہ کی تلوار کی کاٹ اور اس کی جنگی مہارت سے بخوبی واقف تھے، لہٰذا خود کو

Marfat.com

خالد رضی اللہ عنہ کے نرغے میں دیکھا تو جان بچانے کے لیے ادھر ادھر بھاگ گئے۔

اس کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ مکہ کے گلی کوچوں میں سے گزرتے ہوئے آپ ﷺ کے حسب ہدایت کوہ صفا پر آپ ﷺ سے جا ملے۔ اس مڈبھیڑ میں ان کے دو ساتھی سیدنا کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ اور سیدنا حنیس بن خالد بن ربیعہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ وجہ یہ ہوئی کہ دونوں حضرات خالد رضی اللہ عنہ کے دستہ سے بچھڑ کر ایک دوسرے راستے پر چل پڑے اور ان اوباشوں نے انھیں اکیلا سمجھ کر شہید کر دیا۔ (زرقانی: ۲/۱۳۰، فتح الباری: ۸/۹)

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ مکہ کی بالائی جانب سے داخل ہوئے اور آگے بڑھ کر حجون میں مسجد فتح کے پاس رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا نصب کیا اور وہیں ٹھہر کر آپ ﷺ کا انتظار کرنے لگے، یہاں تک کہ آپ ﷺ وہاں تشریف لے آئے۔

جونہی اسلامی فوج مکہ میں داخل ہوئی، اعلان کر دیا گیا:

''جو شخص ہتھیار ڈال دے اس کو امان، جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کو امان، جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امان، جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے لے اس کو امان اور جو حرم میں داخل ہو جائے اس کو امان ہے۔''

رمضان المبارک کی بیس تاریخ، پیر کا دن، امن، پناہ اور حفاظت جان و مال کے اعلان کے ساتھ تقدس مآب مجاہدین کا مکہ میں فاتحانہ داخلہ ہوا، یہ نبوت کا داخلہ تھا کسی بادشاہ کا داخلہ نہ تھا کہ خون کی ندیاں بہائی جاتیں۔ یہاں تو ہر طرف امن و امان کے پھول بکھیرے جا رہے تھے۔ ارشاد ہوا کہ شعب بنی ہاشم میں قیام کا انتظام کیا جائے۔ یہ وہی شعب بنی ہاشم تھی جہاں تین سال تک تمام بنو ہاشم کا سوشل بائیکاٹ کر کے انھیں محصور رکھا گیا۔ آپ ﷺ کے لیے سرخ چمڑے کا خیمہ لگایا گیا جس میں آپ ﷺ رونق افروز ہوئے۔ پہلے غسل فرمایا: پھر آٹھ رکعت پڑھیں۔ (بخاری: ۱/۲۷۳،۴۷، البدایہ والنہایہ: ۴/۳۰۰) یہ چاشت کا وقت تھا۔ اس سے نماز چاشت کا استحباب بھی ثابت ہوتا ہے اور نماز فتح کا بھی۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران نے بھی کسریٰ کے دار السلطنت مدائن کو فتح کرنے کے بعد اس کے قصر ابیض (White House) میں آٹھ رکعت نماز پڑھی تھی۔

بعض روایات میں ہے کہ شہر میں داخل ہونے سے قبل عرض کیا گیا: یا رسول اللہ!

Marfat.com

اپنے آبائی دولت کدہ پر استراحت فرمانے کا ارادہ ہو تو اس کا انتظام کیا جائے؟ ارشاد فرمایا: ''نہ میں آبائی گھر میں اترنا چاہتا ہوں اور نہ میرے قدر دانوں نے اسے میرے لیے باقی رہنے دیا ہے۔'' یہ فرمانے کے بعد اپنے مختصر خیمے میں تشریف لے گئے۔ لیکن قلب مبارک بے حد مسرور اور ہر بُنِ مُو شکر خداوندی میں رطب اللسان تھا کہ آج اس شہر میں ان مظلومین کی معیت میں فاتحانہ غلبہ حاصل ہوا ہے، جن پر یہاں تیرہ سال ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔

مسجد حرام میں داخلہ:

خیمہ میں زیادہ دیر تک قیام نہ فرمایا بلکہ جلدی باہر تشریف لائے اور اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہوئے اور گردوپیش موجود انصار و مہاجرین کے جلو میں مسجد حرام میں تشریف لائے اور اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر خانہ کعبہ کا طواف کیا اور حالت احرام میں نہ ہونے کی وجہ سے صرف طواف ہی پر اکتفا کیا۔ طواف کے وقت آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک کمان (بعض روایات میں چھڑی ہے) تھی اور بیت اللہ کے گرد اور اس کی چھت پر تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ ﷺ اسی کمان سے ان بتوں کو ٹھوکر مارتے جاتے اور کہتے جاتے تھے:

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾

(بنی اسرائیل ۱۷:۸۱)

''حق آ گیا اور باطل چلا گیا، بے شک باطل جانے والی چیز ہے۔''

طواف سے فارغ ہونے کے بعد سیدنا عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے کعبہ کی کنجی لی۔ پھر آپ ﷺ کے حکم سے دروازہ کھولا گیا۔ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ ہر طرف تصویریں ہیں جن میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی تصویریں بھی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں فال گیری کے تیر تھے۔ یہ دیکھ کر فرمایا: اللہ ان مشرکین کو ہلاک کرے، خدا کی قسم، ان پیغمبروں نے کبھی بھی فال کے تیر استعمال نہیں کیے تھے۔ آپ ﷺ نے بیت اللہ کے اندر لکڑی کی ایک کبوتری بھی دیکھی، جسے اپنے دست مبارک سے توڑ دیا اور تمام تصویروں کو آپ ﷺ کے حکم سے مٹا دیا گیا اور آب زمزم سے دھویا گیا۔ اس وقت آپ ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔ (زرقانی: ۲/۳۴۲، فتح الباری: ۸/۱۴)

Marfat.com

بیت اللہ کے اندر داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اس وقت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ بیت اللہ کے تمام گوشوں میں پھر خلیل اللہ کے اس وارث نے توحید و تکبیر کی آواز کو بلند کیا۔ فارغ ہو کر دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ صحن مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ سب منتظر ہیں کہ زبان رسالتؐ سے ان دشمنوں اور مجرموں کے متعلق سزا کے کیا احکام صادر ہوتے ہیں۔

نبی رحمت ﷺ نے کعبہ کے دروازے کے دونوں بازو پکڑ لیے اور باب کعبہ پر کھڑے ہو کر قریش کے اجتماع کے سامنے چند بنیادی اصولوں کا اعلان فرمایا۔ یہ خطبہ فاتح پیغمبر ﷺ کا خطبہ تھا جو انسان کو آداب انسانیت سکھانے کے لیے آیا تھا اور جس نے ماضی کی داستان کو گلدستۂ طاق نسیانِ بنا کر ان لوگوں کو مستقبل کی شاہراہوں کی طرف ان الفاظ میں راہنمائی فرمائی، فرمایا:

① اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دی۔

② ہر ایک رسم و ریت، کسی بھی خون یا مال کا مطالبہ جو روایتی طور پر چلا آ رہا ہے، آج وہ سب میرے ان قدموں کے نیچے ہے یعنی سب ختم ہے، مگر بیت اللہ کی دربانی اور کلید برداری اور حاجیوں کو پانی پلانے کا انتظام یعنی پرانی رسم و رواج کے یہ دو منصب باقی رہیں گے۔

③ یہ بھی سن لو، کوئی شخص غلطی سے مارا جائے یا کوڑے یا لاٹھی کی ضرب سے کوئی مر جائے جس کو شبہ عمد کہا جاتا ہے، اس میں دیت مغلظہ ہو گی یعنی سو اونٹ جن میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔

④ اے قریش کے لوگو! جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا کا غرور جو تمھارے اندر تھا کہ ہم سب سے اونچے ہیں، اور جاہلیت کی یہ نخوت کہ باپ دادا کی عظمت کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کا خاتمہ فرما دیا ہے۔ اب ایک ہی حقیقت تسلیم کی جائے گی کہ تمام انسان آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

Marfat.com

۵ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: ''اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمھیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں باعزت اور ذی وقار شخص وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو یعنی جو سب سے زیادہ خداشناس اور خداترس ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔ (البدایہ والنہایہ:۴/۳۰۱)

خطبہ کے ختم ہونے کے بعد آپ ﷺ نے مجمع پر نظر ڈالی۔ یہ مجمع انھیں مجرمین کا تھا جو قریباً گزشتہ بیس سال سے اسلام کو نیست و نابود کرنے اور پیغمبر اسلام ﷺ کے قتل کے منصوبے بنا رہے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے ذات اقدس رحمت دو عالم ﷺ کو ہر قسم کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنایا۔ اپنی زبانوں سے آپ ﷺ پر گالیوں کے کانٹے پھینکے۔ آپ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیاں کیں، آپ ﷺ کے ساتھیوں کو مختلف اذیتیں دے کر اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوششیں کیں۔ پھر ہجرت کے بعد بھی ان خداشناس لوگوں کو آرام سے بیٹھنے نہ دیا۔ بدر و احد اور احزاب کی جنگیں انہی کو ختم کرنے کے لیے لڑی گئیں۔ اب یہ سارے مجرمین پا بجولاں تھے، محصور تھے، ایک لشکر جرار کے شکنجہ میں کسے ہوئے تھے۔ اب یہ سارے نظریں جھکائے قیدیوں کی طرح آپ ﷺ کے فیصلے کے منتظر تھے، لیکن لب کشائی کی جرأت کسی میں نہ تھی حالانکہ اس سے قبل ان کی یہی زبانیں پیغمبر اسلام ﷺ اور اس کے ساتھیوں پر آگ برسایا کرتی تھیں۔ آپ ﷺ نے خود ہی جوشِ رحمت میں ارشاد فرمایا:

یا معشر قریش! ماترون انی فاعل بکم۔

''اے گروہ قریش! تم کیا سمجھتے ہو کہ میرا فیصلہ تمھارے متعلق کیا ہوگا؟''

آج رسول اللہ ﷺ کے ان ازلی دشمنوں کی جان آپ ﷺ کی مٹھی میں تھی۔ جلو میں دس ہزار مسلح جانثاروں کا لشکر، آپ ﷺ کے ایک اشارے سے سب کے سر تن سے جدا ہو سکتے تھے، لیکن یہ مقدس وجود انسان کا دشمن نہیں، یہ قابل صد مدحت محمد ﷺ تھے۔ اللہ کے نبی، پروردگار عالم کے رسولؐ، آپ ﷺ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جن کے دل میں ایک لمحہ کے لیے بھی بنی نوع انسان کے ساتھ دشمنی یا انتقام کا جذبہ ابھرے۔ نہ سخت گیر تھے اور نہ متکبر۔ اور جن لوگوں سے پوچھا کہ میں آج تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ وہ اگرچہ سب

Marfat.com

ظالم تھے، جفا کار تھے، مشرک وکافر تھے، لیکن مزاج شناس بھی تھے اور سخن شناس بھی۔ انھوں نے وہی جواب دیا جو آپ ﷺ کی شان کے مطابق تھا:

خیرا اخ کریم و ابن اخ کریم۔

''ہم آپ ﷺ سے بھلائی اور خیر کی توقع رکھتے ہیں کیونکہ آپ خود شریف ہیں اور شریف بھائی کے چشم وچراغ ہیں۔''

حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں لکھا ہے کہ یہ جواب دینے والے سہیل بن عمرو تھے جنھوں نے حدیبیہ میں آپ ﷺ سے شرائط طے کی تھیں، ابو جندل رضی اللہ عنہ کے والد۔ ان کا جواب سنتے ہی رحمت کے بحرِ بے کراں میں جوش آیا تو جواب میں فرمایا: میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی:

اذھبوا انتم الطلقاء لا تثریب علیکم الیوم۔

''ایک ہی کلمہ سے ان کے بیس سال کے جرموں کو معاف کر دیا اور وہ سب آزاد ہو گئے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۳۰۱/۴)

خطبہ سے فراغت کے بعد آپ ﷺ مسجد حرام میں بیٹھ گئے۔ بیت اللہ کی کنجی آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی۔ یہ چابی قیام مکہ کے زمانہ میں آپ ﷺ نے ایک روز عثمان بن طلحہ سے مانگی تھی اور اس نے یہ چابی آپ ﷺ کو دینے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے عثمان سے فرمایا تھا کہ ایک روز یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جس کو چاہوں گا دوں گا۔ اب وہ وقت آ گیا تھا۔ چابی آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی۔ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ بھی دولت ایمان سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ اب اس چابی کو حاصل کرنے کی کئی دلوں میں خواہش پیدا ہوئی کیونکہ کعبہ کی کلید برداری ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اس چابی کو حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ (زاد المعاد: ج ۲) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حجاج کو پانی پلانے کا اعزاز تو ہمارے پاس ہے ہی اگر حجابت اور کلید برداری کا یہ شرف بھی ہمیں حاصل ہو جائے تو ہماری خوش قسمتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

''اے پیغمبر! اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ۔''

ارشاد فرمایا: ''عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟''

Marfat.com

عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ ارشاد ہوا: ''یہ اپنی چابی لیجیے، یہ حسن سلوک اور عہد وفا کا دن ہے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۴/۳۰۱)

ابن سعد کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یہ چابی ہمیشہ کے لیے لے لو یعنی یہ قیامت تک تمھارے ہی خاندان میں رہے گی۔ میں نے یہ چابی خود نہیں دی بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں دلوائی ہے۔ سوائے ظالم اور غاصب کے اور کوئی تم سے یہ چابی نہ چھینے گا۔ اے عثمان رضی اللہ عنہ! اللہ نے تم لوگوں کو اپنے گھر کا امین بنایا ہے، لہٰذا اس بیت اللہ سے تمھیں جو کچھ ملے اس سے دستور اور معروف کے مطابق کھانا۔

(زرقانی: ۲/۳۴۰، فتح الباری: ۸/۱۵، طبقات ابن سعد: ص۲)

اب نماز ظہر کا وقت ہوا تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں۔ قریش مکہ کے لیے یہ ایک بالکل نئی چیز تھی جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت محمدیہ کا پکار پکار کر اعلان ہو رہا تھا اور وہ بھی کعبہ کی چھت سے جو مکہ میں سب سے اونچی چھت تھی۔ یہ اس توحید و رسالتؐ کا اعلان تھا جس کی اہل مکہ گزشتہ بیس سال سے مخالفت کر رہے تھے۔ آج اس کا اعلان انہی کے شہر میں ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے ایک غلام کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔ چنانچہ کچھ لوگوں کی رگ حمیت پھڑکی۔ اس وقت ابوسفیان بن حرب، عتاب بن اسید، خالد بن اسید اور حارث بن ہشام اور دیگر سرداران قریش صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب اور خالد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ اسید کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے ہی وہ اس دنیا سے چلا گیا، اگر وہ اس دنیا سے نہ اٹھا لیا گیا ہوتا تو اسے یہ ناگوار آواز سننی پڑتی۔ اس پر حارث بن ہشام بولا: سنو! خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ حق پر ہیں تو میں ضرور آپ ﷺ کی اتباع کرتا۔ ابوسفیان نے کہا: دیکھو خدا کی قسم، میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ اگر میں نے کوئی لفظ اپنی زبان سے نکالا تو یہ کنکریاں بھی میرے متعلق خبر دے دیں گی۔ تھوڑی دیر بعد سرکار دو عالم ﷺ ادھر سے گزرے اور ان تینوں کو اکٹھا بیٹھے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ ابھی تم لوگوں نے جو باتیں کی ہیں وہ مجھے معلوم ہو چکی ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ان کی تمام گفتگو دہرا دی۔ یہ سن کر حارث بن ہشام اور عتاب بن اسید بول اٹھے کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ خدا کی قسم، کوئی اور شخص ہمارے ساتھ نہ تھا جو اس گفتگو سے باخبر ہوتا

Marfat.com

اور ہم سمجھتے کہ اس نے آپ ﷺ کو یہ خبر دی ہوگی۔ (زرقانی: ۲/۳۴۶، البدایہ والنہایہ: ۴/۳۰۳)

مسلمان ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا گورنر مقرر فرما دیا۔ عتاب کی عمر اس وقت ۲۱ سال تھی اور ایک درہم روزانہ ان کا وظیفہ مقرر فرمایا۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ جب بام کعبہ پر اذان دے رہے تھے تو قریش کے کچھ نوجوان جن میں سولہ سالہ ابو محذورہ بھی تھے، اذان کی نقلیں اتارنے لگے۔ ابو محذورہ بلند آواز اور خوش الحان تھے۔ حضور ﷺ نے ان کو نقل اتارتے دیکھ کر فرمایا کہ پکڑو ان کو۔ چنانچہ کچھ تو بھاگ گئے اور کچھ پکڑے گئے۔ ان میں ابو محذورہ بھی تھے۔ آپ ﷺ نے ابو محذورہ کی خوش الحانی کے پیش نظر ان کو روک لیا اور باقی بچوں کو چھوڑ دیا۔

ابو محذورہ سمجھنے لگے کہ شاید میں قتل کر دیا جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے ابو محذورہ سے فرمایا: اذان دو، انھوں نے بادل نخواستہ اذان دی۔ اذان کے بعد انھیں ایک تھیلی عطا فرمائی جس میں کچھ درہم تھے اور سر اور پیشانی پر دست مبارک پھیرا اور پھر سینے اور شکم پر ہاتھ پھیرا اور یہ دعا دی: "بارك الله فيك و بارك الله عليك۔"

آپ ﷺ کا ان کے سر منہ اور سینے پر ہاتھ پھیرنا تھا کہ اسلام کے بارے میں ساری نفرت کافور ہوگئی اور قلب آپ ﷺ کی محبت سے لبریز ہوگیا۔ پھر خود ہی عرض کی کہ اے اللہ کے رسولؐ! مجھ کو مکہ کا مؤذن مقرر فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے انھیں مکہ کا مؤذن مقرر فرما دیا۔ (بعض روایات میں ہے کہ حنین کی واپسی پر انھیں مؤذن مقرر کیا گیا) اب گورنر ۲۱ سالہ اور موذن مکہ ۱۶ سالہ۔ سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ اپنی وفات تک مکہ کے گورنر رہے اور جس روز سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اسی روز ان کا بھی انتقال ہوا۔ (استیعاب: ۳/۱۵۳) اور سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بھی مدت العمر مکہ کے مؤذن رہے اور سنہ ۵۹ھ میں مکہ ہی میں وفات پائی۔ (الاستیعاب ترجمہ ابو محذورہ) سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی طرح یہ بھی اسلام کے ایک نامور موذن تھے۔

انصارِ مدینہ کی تشویش:

بیت اللہ سے فراغت کے بعد آپ ﷺ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور دیر تک قبلہ

Marfat.com

رو ہو کر دعا مانگتے رہے۔ انصار مدینہ ہر موقع پر شریک اور ہر منظر کو دیکھ رہے تھے۔ حضرات انصار میں سے بعض کو یہ خیال آیا کہ اب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی سرزمین، جو آپ ﷺ کی جائے پیدائش اور آپ ﷺ کا اصلی وطن تھا، فتح کرا دیا ہے تو آپ ﷺ مدینہ کیوں جانے لگے۔ آپ ﷺ اب یہیں قیام فرمائیں گے اور ہم شرف قربت سے محروم ہو جائیں گے۔ یہ نبوت سے کمال محبت کی دلیل تھی۔ چند ایک حضرات نے آپس میں ایسی گفتگو بھی کی۔ سرکار دو عالم ﷺ جب دعا سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم لوگوں نے آپس میں کیا کھسر پھسر کی ہے؟ انھوں نے کہا: کچھ نہیں۔ مگر جب آپ ﷺ نے اصرار کیا تو انھوں نے اپنا اندیشہ بتلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔ میں نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی ہے۔ اطمینان رکھو میرا تمھارا ساتھ چھوٹنے والا نہیں ہے۔ جینا مرنا اب تمھارے ساتھ ہے۔''

آپ ﷺ کا یہ جواب سن کر انصار کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

(زرقانی: ۳۳/۲، البدایہ والنہایہ: ۳۰۷/۴، عیون الاثر: ۲۳۶/۲، مسلم باب فتح مکہ، ابوداؤد، باب ماجاء فی خبر مکہ، مسند احمد: ۵۳۸/۲)

ناقابل معافی جرم:

فتح مکہ کے روز اگرچہ آپ ﷺ نے عفو عام کا اعلان کر دیا لیکن پندرہ آدمیوں کے بارے میں اعلان کیا کہ وہ جہاں ملیں انھیں قتل کر دیا جائے اگرچہ ان میں سے کوئی شخص غلاف کعبہ کے نیچے چھپا ہوا ملے تب بھی اسے قتل کر دیا جائے۔ جن لوگوں کے بارے میں یہ فرمان جاری ہوا تھا ان میں سے بعض لوگ ادھر ادھر روپوش ہو گئے۔ بعض بھاگ کر مکہ سے دور چلے گئے لیکن ان اشتہاری مجرموں کے بارے میں یہ سختی کسی کینہ یا برہمی کی وجہ سے نہ تھی۔ اللہ کا رسول ان باتوں سے مبرا تھا، بلکہ ان لوگوں نے خود ہی اپنے اعمال شنیعہ کی وجہ سے یہ روز بد دیکھا۔ یہ مندرجہ ذیل مجرم تھے:

① عبداللہ بن خطل: فتح مکہ کے دن یہ شخص خانہ کعبہ کے پردوں سے جا کر لپٹ گیا۔

Marfat.com

چنانچہ سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن حریث رضی اللہ عنہ نے وہیں جا کر حجر اسود اور مقام ابراہیم کے پاس اس کو قتل کر دیا۔

۲، ۳ فرتنی اور قریبہ: یہ دونوں ابن خطل کی لونڈیاں تھیں اور روز وشب آپ ﷺ کی ہجو کیا کرتی تھیں، ان میں سے ایک ماری گئی اور دوسری نے امان طلب کی۔ چنانچہ وہ بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئی۔

۴ سارہ: یہ بنو عبدالمطلب میں سے کسی کی لونڈی تھی۔ بعض کے نزدیک قتل کی گئی لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ اس نے اسلام قبول کر لیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک زندہ رہی۔ یہی وہ عورت تھی جو حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا خط لے کر مدینہ آ رہی تھی اور خاخ کے باغ کے قریب یہ خط پکڑا گیا تھا۔

۵ حویرث بن نقید: یہ اشعار میں حضور ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا۔

۶ مقیس بن صبابہ: اس کو غلہ بن عبداللہ لیثی نے قتل کیا۔

۷ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح: یہ مرتد ہو کر کفار سے جا ملے تھے۔ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے۔ فتح مکہ کے روز روپوش ہو گئے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی درخواست پر آپ ﷺ نے اس سے بیعت لے لی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اب ایسے مسلمان ہوئے کہ اسلام رگ و پے میں بس گیا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کے زمانہ میں مصر وغیرہ کے گورنر رہے اور اسلام کی نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ صبح کی نماز میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ وارضاہ۔

۸ عکرمہ بن ابی جہل: یہ اسلام کے مشہور دشمن ابوجہل کے بیٹے تھے۔ اسلام کی دشمنی باپ سے وراثت میں ملی تھی۔ فتح مکہ کے روز بھاگ کر یمن کی طرف چلے گئے۔ ان کی اہلیہ ام حکیم بنت حارث فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئیں اور اپنے خاوند عکرمہ کے لیے امان طلب کی جو منظور کر لی گئی اور وہ مسلمان ہو گئے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے۔ شہادت کے وقت آپ کے

Marfat.com

جسم پر تیر اور تلوار کے ستر سے زیادہ زخم تھے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

(۹) ہبار بن الاسود: یہ وہ شخص ہے جس نے آپ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے ہوئے راستہ میں نیزہ مارا تھا۔ جس سے وہ ایک پتھر پر گر پڑیں اور اسی زخم سے انتقال فرمایا۔ یہ بھی مسلمان ہو گئے اور آپ ﷺ نے انھیں معاف فرما دیا۔

(۱۰) وحشی بن حرب: یہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے۔ یہ بھاگ کر طائف چلے گئے۔ پھر وہاں سے مدینہ طیبہ میں حاضر خدمت ہو کر مسلمان ہو گئے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مشہور روایت کے مطابق مسیلمہ کذاب کو انھوں نے قتل کیا تھا اور اسی حربہ سے قتل کیا جس سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔

(۱۱) کعب بن زہیر: یہ بھی فتح مکہ کے روز بھاگ گئے۔ بعد میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اور آپ ﷺ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہا جو ''بانت سعاد'' کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ ﷺ اس قصیدہ کو سن کر بہت خوش ہوئے اور انھیں اپنی چادر عنایت فرمائی۔

(۱۲) حارث بن طلال: یہ شخص آپؐ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا۔

(۱۳) عبداللہ بن زبعریٰ: یہ بھی آپ ﷺ کی ہجو کرتا تھا، فتح مکہ کے روز ڈر سے بھاگ کر نجران چلا گیا۔ پھر مدینہ منورہ حاضر خدمت ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

(۱۴) ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی: یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بہنوئی تھا اور آپ ﷺ کی بہن ام ہانی بنت ابی طالب کا شوہر۔ اسلام کا بہت بڑا دشمن۔ فتح مکہ کے روز بھاگ کر نجران چلا گیا اور وہیں حالت کفر میں مرا۔

(۱۵) ہند بنت عتبہ زوجہ ابی سفیان: اس نے بھی حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کر لیا اور گھر جا کر بتوں کو یہ کہہ کر توڑ ڈالا کہ خدا کی قسم، ہم تمھاری ہی وجہ سے دھوکہ میں رہے۔

اسلامِ ابی قحافہ:

ابی قحافہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد تھے۔ یہ مکہ میں رہتے تھے اور ابھی تک

Marfat.com

اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے بوڑھے باپ کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کی عمر کو دیکھ کر فرمایا: ''ابوبکر! تم نے بڑے میاں کو گھر پر ہی کیوں نہ رہنے دیا۔ میں خود ان کے پاس آ جاتا۔'' لیکن جاںنثار نبوت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''یا رسولؐ اللہ آپ میرے باپ کے پاس خود چل کر جائیں اس سے بہتر ہے کہ میرا باپ خود اپنے پاؤں پر چل کر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو۔''

آپ ﷺ نے سیدنا ابو قحافہ کے سینے پر دست مبارک پھیرا اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مبارکباد دی، لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، ابوطالب اگر اسلام لے آتے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔'' (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۱۲)

اسلامِ سہیل بن عمرو:

سہیل بن عمرو مکہ کے روسا اور اشراف میں سے تھے۔ یہ ابو جندل رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔ جن کا ذکر صلح حدیبیہ میں گزر چکا ہے۔ نہایت زیرک اور عقل مند انسان تھے اور خطیب قریش کے نام سے مکہ میں مشہور تھے۔ حدیبیہ میں حضور ﷺ سے شرائط صلح انھوں نے ہی طے کر کے معاہدہ لکھوایا تھا۔ فتح مکہ کے روز اپنے بیٹے عبداللہ کی معرفت بارگاہ رسالتؐ میں امان طلب کی جو کہ دے دی گئی۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''جو شخص سہیل سے ملے وہ اس کی طرف تیز نظروں سے نہ دیکھے۔ قسم ہے مجھے اپنی زندگانی کی بے شک سہیل بڑا عاقل اور شریف ہے۔ سہیل جیسا شخص اسلام سے ناآشنا نہیں رہ سکتا۔''

سہیل نے غزوۂ حنین سے واپسی پر جعرانہ میں اسلام قبول کیا۔ فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین میں آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔ جنگ یرموک میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۲۶، الاستیعاب، ترجمہ سہیل بن عمرو)

Marfat.com

اسلامِ صفوان بن امیہ:

صفوان بن امیہ سردارانِ قریش میں سے تھا۔ اس کا باپ امیہ بن خلف جنگ بدر میں مارا گیا تھا، جس کی وجہ سے یہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے سخت خلاف تھا اور آخر تک خلاف رہا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب مدینہ قبول اسلام کے لیے جا رہے تھے تو انھیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ اگر سارا مکہ بھی مسلمان ہو جائے میں پھر بھی مسلمان نہیں ہوں گا۔ چنانچہ فتح مکہ کے روز یہ بھی اپنی جان کے خطرہ کی وجہ سے مکہ سے بھاگ گیا۔ اس کے چچا زاد بھائی عمیر بن وہب جمحی نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اس کے لیے امان طلب کی۔ آپ ﷺ نے امان دے دی اور علامت کے طور پر عمیر بن وہب کو اپنی وہ پگڑی بھی عنایت فرما دی جو آپ ﷺ نے مکہ میں داخلہ کے وقت سر پر باندھ رکھی تھی۔ عمیر صفوان کے پاس پہنچے۔ جو اس وقت یمن جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ عمیر اسے لے کر بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوئے، صفوان نے آپ ﷺ سے دو ماہ کی مہلت مانگی تاکہ میں اس معاملے پر بخوبی غور وفکر کر لوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمھیں چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس کے بعد آپ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی بیوی پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی اس لیے آپ ﷺ نے دونوں کا پہلا نکاح ہی برقرار رکھا۔

مستورات سے بیعت:

یہ تو صرف چند لوگوں کے قبول اسلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ پورا مکہ ہی بیعت کے لیے امنڈ آیا تھا۔ ہبیرہ بن وہب داماد ابو طالب جیسا کوئی بدبخت نہ ہو گا جس نے اسلام کی دعوت کو قبول نہ کیا ہو۔ عکرمہ بن ابی جہل اور ابوسفیان، ان کی اہلیہ ہند، اس کا بیٹا یزید بن ابی سفیان (سیدنا معاویہ بن سفیان عمرۃ القضا میں مسلمان ہو گئے لیکن اپنے باپ سے اسلام کو چھپائے رکھا۔ اس کے لیے ملاحظہ فرمائیں: احقر کی کتاب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ...... شخصیت اور کردار حصہ اول) اور دوسرے اشراف اور رؤساء قریش مسلمان ہو گئے کیونکہ اب انھیں بخوبی پتہ چل گیا تھا کہ اسلام کے سوا کامیابی کی اور کوئی راہ

Marfat.com

نہیں۔ بلکہ اب تو وہ بھی گزشتہ زندگی پر کف افسوس ملنے لگے تھے جو اسلام کی مخالفت میں گزری۔ چنانچہ آپ ﷺ کوہ صفا پر بیٹھ گئے اور لوگ جوق در جوق آپ ﷺ کی خدمت میں آکر خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت پر بیعت کرنے لگے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے نیچے تھے اور لوگوں سے عہد و پیمان لے رہے تھے۔

جب مردوں کی بیعت سے فراغت ہوئی تو وہیں عورتوں سے بیعت لینی شروع کر دی۔ جو عورتیں اس وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان میں مشہور عورتیں حسب ذیل ہیں:

① ام ہانی بنت ابی طالب، سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بہن۔

② ام حبیبہ بنت عاص بن امیہ، زوجہ عمرو بن عبدود

③ عاتکہ بنت ابی العیص، عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی پھوپھی۔

④ اروٰی بنت ابی العیص، عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی پھوپھی۔

⑤ ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان بن حرب۔

ان عورتوں میں سے ہند بنت عتبہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ قریش کی سردار عورتوں میں سے تھیں اور نہایت زیرک، ہوش مند، خوددار اور بڑی عقل مند تھیں جو اپنی قوم اور اپنی صنف کے لیے رئیس سمجھی جاتی تھیں۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۷/۵۱، اسد الغابہ: ۵/۵۶۲)

چنانچہ یہ نقاب پہن کر حاضر خدمت ہوئیں۔ وہ اپنی جگہ پر نہایت خائف تھیں کیونکہ سابقہ احوال اس کی نظر کے سامنے تھے۔ لیکن طبقات ابن سعد کی روایت میں ہے کہ جب وہ بیعت کے لیے حاضر ہوئیں تو پہلے کچھ گفتگو کی اور اپنا نام لے کر عرض کیا کہ میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ سرکار مدینہ ﷺ نے پہچان لیا اور فرمایا "مرحبا لك" خوش آمدید۔ بارگاہ رسالتؐ سے یہ الفاظ ہند کی کتاب زندگی کا ایک اہم باب ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۸/۱۷۱)

علامہ ابن حیان نے اپنی تفسیر البحر المحیط: ۸/۲۵۸ پر لکھا ہے کہ ہند نے بارگاہ رسالتؐ میں عرض کیا کہ ہمیں گزشتہ واقعات کی معافی مرحمت فرمائی جائے۔

ہند زوجہ ابوسفیان نے اپنی بیعت کے دوران سرکار دو عالم ﷺ سے کئی سوالات بھی کیے۔ اسلام لانے کے بعد ہند نے کہا: یا رسولؐ اللہ! اسلام لانے سے قبل آپ ﷺ کے

Marfat.com

چہرہ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھے مبغوض نہ تھا اور آپ ﷺ سے زیادہ میں کسی کو اپنا دشمن نہ سمجھتی تھی۔ اور اب اسلام لانے کے بعد آپ ﷺ کے چہرۂ انور سے محبوب اور کوئی چہرہ نہیں اور آپ ﷺ سے زیادہ کوئی اور مجھے محبوب نہیں۔'' آپ ﷺ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: ''ابھی میری محبت میں اور زیادتی ہوگی۔''

اس کے بعد وہ گھر گئیں اور گھر میں رکھے ہوئے بتوں کو اپنے ہاتھوں سے توڑتی جا رہی تھیں اور یہ کہتی جا رہی تھیں کہ تمہی نے ہمیں اب تک دھوکے میں ڈالے رکھا۔

دوسرے دن کا خطبہ:

فتح مکہ کے دوسرے روز محمد ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ایک خزاعی نے ایک ہذیلی مشرک کو قتل کر دیا۔ آپ ﷺ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، اسی دن سے مکہ کو حرمت والا شہر ٹھہرایا، اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کی وجہ سے قیامت تک کے لیے محترم ہے۔ کوئی آدمی جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ اس شہر میں خون بہائے یا یہاں کا کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی شخص اس وجہ سے رخصت اختیار کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں قتال کیا تو اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول ؐ کو اجازت دی تھی، لیکن تمھیں اجازت نہیں دی ہے اور میرے لیے بھی اسے صرف دن کی ایک ساعت کے لیے حلال کیا گیا۔ اہل مکہ کی نافرمانی پر اور ناراضی کی وجہ سے، اور آگاہ ہو جاؤ کہ اس کی حُرمت پھر ویسی ہی ہو گئی جس طرح کل اس کی حرمت تھی۔ پس تم سے جو حاضر ہے وہ میرا یہ پیام ان لوگوں کو پہنچا دے کہ جو غائب ہیں۔ اے گروہ خزاعہ! قتل سے اپنے ہاتھ کو اٹھاؤ۔ تم نے ایک شخص کو مار ڈالا۔ جس کی دیت (خون بہا) میں دوں گا۔ جو شخص آج کے بعد کسی کو قتل کرے گا تو مقتول کے گھر والوں کو دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار ہوگا۔ یا تو خون کے بدلے قاتل کا خون لے لیں یا مقتول کی دیت لے لیں۔''

Marfat.com

بعد ازاں سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے پاس سے اس شخص کی دیت سو اونٹ ادا فرمائی جس کو خزاعہ نے قتل کیا تھا۔ (ابن ہشام: ۲/۴۱۵-۴۱۶)

ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد یمن کے ایک آدمی نے جس کا نام ابوشاہ تھا، اٹھ کر عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میرے لیے یہ لکھوا دیجیے۔ ارشاد فرمایا:

اکتبوا لابی شاہ۔

''یعنی ابوشاہ کے لیے یہ لکھ دو۔'' (سنن ابی داؤد: ۱/۲۷۶)

جب آپ ﷺ خطبہ سے فارغ ہوئے تو ابو احمد بن جحش اٹھے اور اپنے مکان کی واپسی کے بارے میں عرض کرنا چاہا جس کو ابوسفیان نے ان کی ہجرت کے بعد چار سو دینار میں فروخت کر دیا تھا۔ آپ نے ابو احمد بن جحش رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ اگر تو صبر کرے تو تیرے لیے بہتر ہوگا۔ اس کے بدلے میں تمھیں جنت میں ایک مکان مل جائے گا۔ ابو احمد رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسولؐ اللہ! میں ضرور صبر کروں گا۔''

اور بھی کئی مہاجرین نے اپنے آبائی مکانات کو قابضین سے واپس لینا چاہا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمھارا جو مال اللہ کی راہ میں جا چکا ہے میں اس کی واپسی پسند نہیں کرتا۔ آپ ﷺ کی یہ بات سنتے ہی تمام مہاجرین خاموش ہو گئے۔ آپ نے خود اپنے پیدائشی مکان اور وہ مکان جس میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی اور پھر باقی زندگی کے دن گزارے، اس کے متعلق کوئی تذکرہ نہیں فرمایا۔

آپ ﷺ نے بنوخزاعہ سے فرمایا کہ حرم کے سنگ میل (حدود حرم کے ستون) میں سے جو بھی کچھ مرمت کے قابل ہو، اس کی تعمیر کرا دیں۔ جس سے اہل مکہ کے دلوں پر نقش ہو گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے نزدیک حرم بیت اللہ کی تقدیس و محبت کس حد تک واضح ہے۔

اس وقت اہل مکہ سے فرمایا: ''آپ لوگ تمام دنیا کی بہتر جماعت میں سے ہیں، مجھے تم سے بے حد محبت ہے، میں تمھیں چھوڑ کر مدینہ نہ جاتا اور کسی کو تمھارے ہم پلہ نہ ٹھہراتا مگر کیا کروں تمہی نے تو مجھے جلا وطن کیا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ کی زبان سے اپنے متعلق یہ کلمات سن کر اہل مکہ آپ ﷺ پر اور بھی فریفتہ ہو گئے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے پندرہ روز اور ایک دوسری روایت کے مطابق انیس روز مکہ

Marfat.com

مکرمہ میں قیام فرمایا۔ اس دوران میں مکہ کے اسلامی ریاست میں داخل ہونے کی وجہ سے وہاں کے نظم ونسق کی ترتیب، گورنر کا تقرر، اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعلیم وتربیت میں ان کی راہ نمائی فرماتے رہے۔ آپ ﷺ نے یہ منادی کرادی:

من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلا یدع فی بیتہ صنما۔

''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں ہر بت کو منہدم کردے۔''

جب شہر مکہ تمام بتوں سے پاک ہو گیا تو آس پاس کے بتوں کو توڑنے کے لیے متعدد سرایا اور چھوٹی چھوٹی جماعتیں روانہ فرمائیں اور اس طرح آس پاس کے بھی وہ سارے بت منہدم کردیئے گئے جو لوگوں کے مرجع تھے اور دور دور سے جا کر لوگ ان کی پوجا کرتے تھے۔

وفود وسرایا:

فتح مکہ سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے قرب وجوار میں مختلف وفود دعوت اسلام کے لیے روانہ فرمائے اور انھیں یہ بھی حکم دیا کہ جہاں کہیں کوئی بت دیکھیں، اسے منہدم کردیں۔ چنانچہ ۲۵ رمضان المبارک سنہ ۸ ھ کو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تیس سواروں کی جمعیت کے ساتھ عربوں کے مشہور بت عزیٰ کو گرانے کے لیے بھیجا۔ عزیٰ نخلہ میں تھا اور قریش اور بنو کنانہ اس کی پوجا کرتے تھے۔ بنو شیبان اس بت کے مجاور تھے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے نخلہ جا کر اس بت کو منہدم کردیا۔ واپسی پر سرکار دوعالم ﷺ نے پوچھا کہ خالد! اس بت کو منہدم کرتے ہوئے تم نے کچھ دیکھا بھی تھا۔ عرض کیا: نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ پھر تم نے صحیح معنوں میں اسے منہدم نہیں کیا، پھر جا اور اسے ڈھادو۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پھر واپس گئے اور اسے نیچے تک منہدم کردیا۔ اب کی بار ایک سیاہ رو، ننگی، پراگندہ بال عورت نکلی۔ مجاور اسے چیخ چیخ کر پکارنے لگے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اسے اس زور سے تلوار ماری کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد بارگاہ رسالت ؐ میں آکر اس کی تفصیل بیان کی۔ آپ ﷺ نے بیان فرمایا: ہاں وہی عزیٰ تھی۔ اب وہ مکمل طور پر مایوس ہو چکی ہے کہ تمھارے اس ملک میں کبھی بھی اس کی پوجا کی جائے گی۔ (عیون الاثر: ۲/۲۲۸، طبقات: ۲/۱۴۵)

Marfat.com

اسی طرح سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو سواع کے بت کو منہدم کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ یہ مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلے پر رباط میں بنو ہذیل کا ایک بت تھا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے تو مجاور نے ان کے آنے کا مقصد پوچھا۔ انھوں نے فرمایا کہ میں سرور کائنات ﷺ کے حکم کے تحت اس بت کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں۔ مجاور نے کہا کہ تم اس بت کو ڈھا نہیں سکو گے۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیوں؟ مجاور نے کہا: یہ بت تمھیں ڈھانے سے روک دے گا۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: افسوس ہے تم پر کہ تم ابھی تک اس باطل عقیدے پر قائم ہو۔ کیا یہ بت سنتا اور دیکھتا ہے؟ جو مجھے روک دے گا؟ پھر اس بت پر ایک ایسی کاری ضرب لگائی جس سے وہ پاش پاش ہو گیا اور مجاور سے کہا تو نے دیکھ لیا کہ تمھارا یہ خدا پاش پاش ہو گیا لیکن وہ مجھے روک نہیں سکا۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس کے خزانہ والا مکان منہدم کر دیں۔ مکان ڈھا دیا گیا لیکن اس میں سے کچھ نہ ملا۔ مجاور یہ دیکھتے ہی فوراً مسلمان ہو گیا اور کہا:

اسلمت للہ۔

''میں اللہ کے لیے اسلام لایا۔'' (عیون الاثر: ۲/۲۴۹، طبقات: ۲/۱۴۵)

ایک اور بت عربوں میں بہت مشہور تھا اس کو مناۃ کہتے تھے۔ ۲۶/ رمضان المبارک کو سیدنا سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو بیس سواروں کے ہمراہ اسے منہدم کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ یہ بت قدید کے قریب مشلل میں نصب تھا، اور اوس، خزرج اور غسان وغیرہ کا یہ بت کہلاتا تھا۔ جب سیدنا سعد بن زید رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو مجاور نے آنے کی غرض پوچھی۔ انھوں نے فرمایا کہ اس بت کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں۔ اس نے کوئی مداخلت نہ کی اور کہا کہ تم جانو اور تمھارا کام۔ جب سیدنا سعد بن زید رضی اللہ عنہ اس کو ڈھانے کے لیے آگے بڑھے تو ایک سیاہ رو، کالی کلوٹی، ننگی، پراگندہ بال عورت نکلی جو اپنا سینہ پیٹ رہی تھی۔ اس سے مجاور نے کہا کہ اپنے ان نافرمانوں کو جو تمھیں ڈھانے کے لیے آئے ہیں، پکڑ لے، لیکن مجاور ابھی یہ جملہ ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ سیدنا سعد بن زید رضی اللہ عنہ نے تلوار مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر لپک کر اس بت کو مکمل طور پر منہدم کر دیا۔ (عیون الاثر: ۲/۲۵۰)

غرض یہ کہ رمضان کا پورا مہینہ بت شکنی میں گزرا اور اللہ تعالیٰ کی اس سرزمین سے

Marfat.com

بتوں اور کفر و شرک کی نجاست کے دھلوانے میں صرف ہوا۔

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب عزیٰ کو ڈھانے کے بعد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو شوال کے شروع میں رسول اللہ ﷺ نے انھیں بنو خزیمہ کے پاس ساڑھے تین سو مجاہدین کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا۔ یہ لوگ یلملم کے قریب غمیصا نامی ایک تالاب کے کنارے پر رہتے تھے۔ آپ نے انھیں جا کر اسلام کی دعوت دی اور وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ لیکن گھبراہٹ میں یا کسی اور وجہ سے انھوں نے ''اسلمنا'' کے بجائے ''صبانا صبانا'' یعنی ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا، ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا کہا۔ اس پر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ انھیں گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے خالد رضی اللہ عنہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ۹۵ آدمی قتل ہو گئے۔ واپس آ کر جب رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ یہ فرمایا: اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بالکل بری ہوں۔ (ایک روایت یہ ہے کہ صرف بنو سلیم نے ان لوگوں کو قتل کیا تھا۔ مہاجرین اور انصار نے قتل نہیں کیا تھا۔)

پھر سرور کائنات ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بہت سا مال دے کر ان مقتولین کی دیت ادا کرنے کے لیے بھیجا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ بھی تاکید فرمائی کہ ضیاع نفوس اور اموال کے معاملے میں جاہلیت کے ناپ تول کو اپنے قدموں تلے روند دیجیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہایت فراخ دلی سے دیت اور ان کے نقصانات کا تاوان ادا کیا اور اس کے بعد جو رقم بچ گئی اس کو بھی احتیاطاً ان پر تقسیم کر دیا تا کہ اگر کوئی اور بھی ان کا نقصان ہوا، جس کا ابھی پتہ نہیں چلا تو اس کی بھی تلافی ہو جائے۔

اس معاملے میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ میں کچھ سخت کلامی بھی ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا خالد رضی اللہ عنہ! میرے رفقاء کو کچھ کہنے سے باز رہو۔ اللہ کی قسم، اگر احد پہاڑ سونا ہو جائے اور وہ سارے کا سارا تم اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تب بھی تم میرے ان ساتھیوں میں سے کسی ایک آدمی کی ایک صبح کی عبادت یا ایک شام کی عبادت کو نہیں پہنچ سکتے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب واپس آ کر آپ ﷺ کو اپنی کارکردگی سے آگاہ کیا تو

Marfat.com

آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: اصبت و احسنت۔

(زرقانی: ۳/۳، البدایہ والنہایہ: ۳۱۴/۴، عیون الاثر: ۲۵۰/۲، طبقات: ۱۴۷/۲)

یہ تھی مختصر روئیداد غزوہ فتح مکہ کی۔ یہ ایک بہت بڑی فتح تھی۔ اس غزوہ نے لوگوں کو اسلام سے بہت قریب کر دیا اور اس فتح کے بعد پورے جزیرۃ العرب کے دینی اور سیاسی افق پر مسلمانوں کا آفتاب عالم تاب چمکنے لگا اور اب ہر قسم کی دنیوی قیادت بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئی اور حالت یہ ہوگئی کہ عرب قبائل اب وفود کی شکل میں بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے اور اگلے دو سالوں میں اسلام اس تیزی سے پھیلا جو گزشتہ بیس سال میں نہ پھیل سکا۔ چنانچہ غزوہ فتح مکہ میں آپ ﷺ کے لشکر کی تعداد ۱۰ ہزار تھی۔ اب اس کے بعد ہر غزوہ میں یہ تعداد تیزی سے بڑھنے لگی یہاں تک کہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کے ساتھیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔

فتح مکہ کے بعد مکہ اور اس کا حرم از سر نو امن وسلامتی کا گہوارہ بن گئے جہاں سے توحید کے نور کی درخشندہ وتابندہ موج اٹھ کر آسمان سے ٹکرائی، وہ موجِ نور کہ جس کی ضیاء نے چودہ سو سال سے تمام کرۂ اغبر کو منور کر رکھا ہے۔

Marfat.com

غزوۂ حنین

فتح مکہ کے بعد سرکار دو عالم ﷺ اپنے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ یہیں مقیم رہے۔ وہ اس بات پر نہایت شاداں و فرحاں تھے کہ اتنی بڑی فتح میں قتل عام سے ان کا دامن پاک رہا۔ بلال رضی اللہ عنہ اذان کہتے تو ٹھٹھ کے ٹھٹھ مسرت و شادمانی کے ساتھ بیت اللہ میں نماز کے لیے جمع ہو جاتے، اس بیت اللہ میں جس کو دیکھنے کے لیے گزشتہ آٹھ سال سے ان کی آنکھیں ترس گئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ شہر اور نواح میں جہاں تشریف لے جاتے مہاجرین و انصار آپ ﷺ کے آگے پیچھے پروانوں کی طرح ہوتے۔ اس خوشی میں فاتح اور مفتوح دونوں شریک تھے کہ البلد الامین (مکہ مکرمہ) میں اسلام کو نفوذ اور استقرار حاصل ہوا۔ اتنے میں آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قبیلۂ ہوازن مکہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کی اس فتح سے ہمسایہ قبائل میں یہ طاقت اور سکت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں لیکن کچھ اڑیل اور متکبر قبائل ایسے بھی تھے جنھوں نے سپر نہ ڈالی، ان میں ہوازن اور ثقیف سرفہرست تھے۔ مضر، جشم، سعد بن بکر اور بنو ہلال بھی اس معاملے میں ہوازن اور ثقیف کے ساتھ مل گئے، ان سب قبیلوں کا تعلق عیلان سے تھا۔

ہوازن اور ثقیف نہایت جنگجو اور ماہر تیر انداز قبائل میں سے تھے۔ فتح مکہ سے انھیں یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں پیغمبر اسلام ﷺ ان پر حملہ نہ کر دیں۔ لہٰذا سرداران قبائل نے سر جوڑ کر یہ مشورہ کیا کہ قبل اس کے کہ مسلمان ہم پر حملہ آور ہوں، ہمیں مسلمانوں پر حملہ کر دینا چاہیے۔ چنانچہ بیس ہزار کا لشکر مالک بن عوف نصری کی زیر قیادت جمع ہو گیا۔

طائف مکہ سے قریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ نہایت صحت افزا اور سرسبز و شاداب خطہ، قبیلہ ثقیف یہاں آباد تھا۔ طائف اور مکہ کے درمیان ایک درمیانی

Marfat.com

علاقہ کا نام حنین ہے، قبیلہ ہوازن یہاں آباد تھا۔ قریش مکہ کی طرح ان دونوں قبائل کو بھی اپنی عظمت اور شجاعت پر بڑا ناز تھا۔ تیر اندازی میں پورے عرب میں ان کا ایک منفرد مقام تھا۔ مکہ فتح ہونے کے بعد ان کے جذبات میں ایک تموج سا پیدا ہوا کہ مکہ فتح ہو گیا۔ ہمارے تیرتھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ہمارے سب سے بڑے صنم خانہ کو پھر اللہ کا گھر بنا دیا گیا۔ ۳۶۰ بتوں کو وہاں سے ہٹا کر توحید کی آواز سے اس کو پاک و مطہر کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ اس محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں نے کیا جن کو ہم نے طائف میں گھسنے نہ دیا تھا اور جب وہ زبردستی آ گئے تو پھر اینٹوں اور پتھروں سے ان کی ہم نے وہ تواضع کی کہ پورا جسم لہولہان ہو گیا اور یہاں کے کسی شخص نے ان کا نہ تو ساتھ دیا اور نہ ہی سنبھالا۔ ان کی یہ ہمت کہ ہمارے ہوتے ہوئے وہ ہمارے سب سے بڑے تیرتھ مکہ کا فاتح بنے۔'' ان جذبات نے ان قبائل کو اس قدر مشتعل کیا کہ انھوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

رسول اللہ ﷺ کو جب ان حالات و واقعات کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو تحقیق احوال کے لیے روانہ فرمایا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک دو روز ان میں رہ کر تمام حالات معلوم کیے اور واپس آ کر سرکار دو عالم ﷺ کو ان کی جنگی تیاریوں کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے بھی جنگ کی تیاری شروع کی۔ سامان جنگ کا جائزہ لیا تو زرہیں کچھ کم تھیں، نقد رقم کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن ربیعہ نہایت دولت مند تھے، ان سے تیس ہزار درہم قرض لیے۔ (مسند احمد: ۳۶/۴) صفوان بن امیہ جو مکہ کا رئیس تھا اور مہمان نوازی میں مشہور تھا لیکن ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا اس سے آپ ﷺ نے سو زرہیں طلب فرمائیں۔ انھوں نے کہا کہ جبراً یا طوعاً یعنی جبراً مانگتے ہو تو میں نہیں دیتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جبراً نہیں طوعاً۔ (ابوداود، باب الصحافۃ) ایک روایت میں ہے کہ غصباً یا عاریۃً۔ آپ ﷺ نے فرمایا: غصباً نہیں بلکہ عاریۃً، یعنی جتنی لی جائیں گی اتنی ہی واپس کی جائیں گی اور اگر کچھ ضائع ہو گئیں تو اس کا معاوضہ دیا جائے گا۔ اتفاق سے جنگ کے دوران کچھ زرہیں ضائع ہو گئیں۔ جب واپس کرنے کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے اس کا معاوضہ پیش فرمایا۔ لیکن سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: وہ وقت اور تھا جب میں نے یہ کہا۔ اب تو اسلام رگ و پے میں بس گیا ہے۔ اب زرہیں کیا جان کی پونجی بھی حاضر ہے۔

Marfat.com

تیاری مکمل ہونے کے بعد ۶ شوال سنہ ۸ ھ کو مسلمانوں کی فوج حنین کی طرف بڑھی۔ دس ہزار تو وہ مجاہدین تھے جو مدینہ سے آئے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ دو ہزار سے زائد مکہ کے نوجوان تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان میں کچھ ایسے جوشیلے اور جذباتی بھی تھے، جنھوں نے پورے ہتھیار بھی نہیں لیے تھے۔ اس لشکر میں ابوسفیان بن حرب بھی تھے۔ مسلمان سپاہیوں کی زرہوں کی چمک دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ مقدمۂ فوج میں گھوڑ سواروں کا دستہ تھا، جس کی نگرانی میں رسد کے بار بردار اونٹ بھی تھے۔ عرب نے اتنا بڑا لشکر آج تک نہ دیکھا تھا۔ ہر ایک قبیلے کا دستہ اپنا اپنا علم سنبھالے ہوئے اور ہر ایک سپاہی اپنی فوج کی کثرت پر اس قدر نازاں کہ ان میں سے چند ایک نے ایک دوسرے سے گفتگو میں یہاں تک کہہ دیا کہ ''اتنی بڑی فوج کو کون شکست دے سکتا ہے!''

یہ فوج شام کے وقت میدان کارزار کے قریب پہنچی۔ جیسے ہی جبینِ مشرق پر صبح صادق کا جھومر نمودار ہوا، سب نے فریضہ نماز ادا کیا اور ابھی پوری طرح اجالا بھی نہیں ہوا تھا کہ میدان حنین کی طرف پیش قدمی ہونے لگی۔ یہ میدان نشیب میں تھا۔ سب طرف پہاڑ تھے اور پہاڑی راستے ایسے ڈھلوان تھے کہ پیر جمنے مشکل تھے۔ میدان جنگ کے بیشتر مقامات پر دشمن کی فوجیں قابض اور راستے کے پہاڑوں پر غنیم کے تیرانداز دستے مسلمانوں کے انتظار میں تھے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ جونہی مسلمان میدانِ جنگ میں داخل ہو جائیں تو سامنے سے فوجیں تیغ و سنان سے ان کا قلع قمع کر دیں اور اوپر سے تیراندازوں کے تیر ان کے پرخچے اڑا دیں، اور ان میں سے ایک شخص کو بھی زندہ واپس نہ جانے دیا جائے۔

مسلمانوں کے لشکر کے سب سے آگے سرکار دو عالم ﷺ اپنی سفید رنگ ناقہ قصواء پر سوار تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے عقب میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنوسلیم کا دستہ مقدمۃ الجیش میں تھا، ان کے ہاتھ میں علم تھا۔

ادھر مسلمان مکہ سے نکلے دوسری طرف سے غنیم بھی جنگ کے لیے روانہ ہوا۔ فوج کا سپریم کمانڈر مالک بن عوف تھا جس کے ساتھ اپنے قبیلہ کے علاوہ بنوثقیف، بنونضر، بنوجشم بھی تھے۔ (صرف ہوازن کی دو شاخوں قبیلہ کعب اور قبیلہ کلاب نے شرکت سے انکار کیا) مالک بن عوف نے بیس ہزار آدمیوں کے ساتھ میدان جنگ کی طرف پیش قدمی کی۔ وہ لوگوں کے

Marfat.com

ساتھ مال مویشی اور بال بچے بھی کھینچ لایا اور آگے بڑھ کر وادی اوطاس میں خیمہ زن ہوا۔ اوطاس حنین کے قریب بنو ہوازن کے علاقے میں ایک وادی ہے، لیکن یہ وادی حنین سے علیحدہ ہے۔ حنین ایک دوسری وادی ہے جو ذوالمجاز کے بازو میں واقع ہے۔ وہاں سے عرفات ہوتے ہوئے مکہ کا فاصلہ دس میل سے زیادہ ہے۔ (فتح الباری: ۲۷/۸) اوطاس کی وادی جنگ کے لیے نہایت موزوں تھی۔ اس کی زمین نہ سخت تھی نہ ایسی نرم اور ریتلی کہ پاؤں دھنسیں۔ اس کو ان لوگوں نے پڑاؤ کے لیے منتخب کیا۔ عورتوں اور بچوں کو اس خیال سے لائے کہ یہ ساتھ ہوں گے تو ان کی حفاظت کی حمیت وغیرت بھی فوج کو جمے رہنے پر مجبور کرے گی اور لڑنے والوں کے پیر نہیں اکھڑنے دے گی۔ وہ اپنے ساتھ سردار بنی جشم درید بن صمہ جس کی عمر اس وقت سو سال سے متجاوز تھی، لے آئے کیونکہ وہ جنگی فنون کا ماہر اور تجربہ کار مانا جاتا تھا۔ وہ پیرانہ سالی کی وجہ سے حس وحرکت بھی نہیں کر سکتا تھا، لیکن اس کو ایک ہودج میں بٹھا کر صرف اس لیے ساتھ لے آئے تاکہ اس کے جنگی تجربات سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

جب یہ فوج وادیٔ اوطاس میں پہنچی تو درید بن صمہ نے دریافت کیا: یہ کون سا مقام ہے؟ لوگوں نے کہا یہ وادیٔ اوطاس ہے۔ اس نے کہا: یہ مقام جنگ کے لیے نہایت موزوں ہے۔ بولا: ''اونٹوں کا بلبلانا اور گدھوں کا ہنہنانا اور بھیڑ بکریوں کا ممیانا اور بچوں کا رونا اور بلبلانا، یہ میں کیا سن رہا ہوں؟'' لوگوں نے کہا: یہ مالک بن عوف لوگوں کو اہل وعیال اور مال مویشی سمیت لے کر آیا ہے تاکہ لوگ ان کے خیال سے میدان سے بھاگ نہ سکیں۔'' درید نے کہا: تم نے بڑی سخت غلطی کی کیونکہ جب پیر اکھڑ جاتے ہیں تو نہ عورتیں اور بچے انھیں جما سکتے ہیں اور نہ مال مویشی، ایسے موقع پر صرف فوج، تلوار اور تیر کام آتے ہیں۔ اے مالک! واللہ! تم نرے بھیڑوں کے چرواہے ہو۔ دیکھو، اگر جنگ میں تم غالب رہتے ہو تو بھی شمشیر و سنان ہی تمھارے لیے مفید ہے اور اگر شکست کھا گئے تو پھر تمھیں اپنے اہل وعیال اور مال و مویشی کے بارے میں ذلیل ورسوا ہونا پڑے گا۔ اس نے کہا: مالک! بنو ہوازن کی عورتوں اور بچوں کو سواروں کے مدمقابل لا کر تم نے کوئی اچھا کام نہیں کیا۔ انھیں ان کے علاقہ میں محفوظ مقامات پر بھیج دو اور اس کے بعد گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر غنیم سے ٹکر لو، اگر تمھیں فتح ہوئی تو وہ تم سے آملیں گے اور اگر شکست ہوئی تو تمھارے اہل وعیال اور مال مویشی محفوظ رہیں گے۔

Marfat.com

درید کی رائے بالکل درست تھی، چنانچہ مسلمانوں کا لشکر جب ادھر آ رہا تھا تو ایک سوار نے سرکار دو عالم ﷺ کو آ کر بتایا کہ میں نے فلاں پہاڑ پر چڑھ کر دیکھا ہے کہ بنو ہوازن سب کے سب ہی آ گئے ہیں۔ ان کی عورتیں، چوپائے، اونٹ، بکریاں سب ساتھ ہیں۔ سرکار مدینہ ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: یہ سب ان شاء اللہ کل مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا۔'' (سنن ابی داؤد مع عون المعبود: ۲/۷ ۳۱)

درید بن صمہ کا یہ مشورہ سپریم کمانڈر مالک بن عوف نے مسترد کر دیا اور لشکر سے یہ کہا کہ خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ تم ایک پیر فرتوت ہو اور تمھاری عقل بھی بوڑھی ہو چکی ہے۔ بخدا! یا تو بنو ہوازن میری اطاعت کریں یا پھر میں اس تلوار پر ٹیک لگا دوں گا جو میری پیٹھ کے آر پار نکل جائے گی یا میں خودکشی کر لوں گا۔ دراصل مالک بن عوف کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اس جنگ میں درید کا نام یا مشورہ شامل ہو کیونکہ اسے یقین تھا کہ ہمیں فتح ہوگی اور فتح کا سارا کریڈٹ وہ خود لینا چاہتا تھا۔ ہوازن نے کہا: ہم تمھاری اطاعت کریں گے۔ اس پر درید نے کہا کہ یہ ایسی جنگ ہے جس میں میں نہ شریک ہوں اور نہ الگ ہوں۔

مالک نے مسلمانوں کی فوج کا پتہ لگانے کے لیے جاسوس بھیجے ہوئے تھے۔ وہ جاسوس جب واپس آئے تو ان کی حالت غیر تھی۔ ان کا جوڑ جوڑ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ مالک نے حیرانگی سے پوچھا: ''تمھیں یہ کیا ہو گیا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''ہم نے کچھ چتکبرے گھوڑوں پر سفید انسان دیکھے ہیں اور انھیں دیکھ کر واللہ ہماری یہ حالت ہوگئی ہے۔ جسے تم دیکھ رہے ہو۔''

مالک بن عوف اس وادی میں اسلامی لشکر سے پہلے پہنچ چکا تھا اور رات کی تاریکی میں اس وادی کے اندر اتر کر وہ اپنی فوج کو راستوں، گزرگاہوں، گھاٹیوں، دروں وغیرہ میں پھیلا اور چھپا چکا تھا اور انھیں یہ سب کچھ بتلا چکا تھا کہ جونہی اسلامی لشکر تمھاری زد میں آئے اسے تیروں سے چھلنی کر دیا جائے اور پھر شمشیر زن اُن پر ایک بارگی حملہ کر کے ان کی تکا بوٹی کر دیں۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ اسلامی لشکر کے سپریم کمانڈر اپنی سفید رنگ کی ناقہ قصواء پر سوار سب کے آگے تشریف لے جا رہے تھے اور ان کے عقب میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنو سلیم کا دستہ مقدمۃ الجیش میں تھا اور ان کے ہاتھ میں علم بھی تھا، جونہی یہ دستہ تہامہ کا میدان طے کر کے حنین کی تنگ گھاٹی سے گزرا، غنیم کی فوجوں

Marfat.com

نے جو درہ کی چوٹی پر گھات لگائے بیٹھی تھیں، اپنے کمانڈر مالک بن عوف کی ہدایت کے مطابق پے در پے تیروں کی باڑھ چھوڑ دی۔ مسلمان صبح کے جھٹپٹے میں وادی حنین کی طرف آ رہے تھے۔ وہ دشمن کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ انھیں بالکل علم نہیں تھا کہ وادی کے تنگ دروں کے اندر ہوازن اور ثقیف کے جیالے ان کی گھات میں بیٹھے ہیں۔ اس لیے وہ پورے اطمینان کے ساتھ بے خبری کے عالم میں اتر رہے تھے کہ اچانک ان پر تیروں کی بارش ہو گئی۔ اس اچانک حملے سے قدرتی بات ہے کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ زیادہ بدحواس ہو گئے اور ان میں ایسی بھگدڑ مچی کہ کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا۔ جو اپنی بہادری کے زعم میں مکہ سے اسلامی فوج میں شریک ہو کر آئے تھے وہ ''لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔'' وہ مکہ سے اپنی تلوار بھی نہ لائے تھے لہٰذا اس نازک موقع پر بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ کچھ وہ لوگ جو ابھی مسلمان تو نہیں ہوئے تھے لیکن مکہ سے اسلامی فوج میں شریک ہو کر آئے تھے۔ ان میں کچھ خوش بھی تھے کہ ہمارا بدلہ بنو ہوازن نے چکا دیا، کئی لوگوں نے یہ بھی کہا کہ اب ان کی بھگدڑ سمندر سے پہلے نہ رکے گی۔ یہ بیان تو محمد بن اسحاق کا ہے جو ایسے موقع پر اکثر صحیح بات کو چھپا جاتا ہے، براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بنو ہوازن تیرانداز تھے۔ ہم نے حملہ کیا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد ہم جو دشمن کے مال پر ٹوٹ پڑے تو تیروں سے ہمارا استقبال کیا گیا۔ (بخاری: ص ۱)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مکہ فتح کیا، پھر حنین پر چڑھائی کی۔ مشرکین نے اتنی اچھی صف بندی کی جو میں نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھی۔ سواروں کی صف، پھر پیادوں کی صف، پھر ان کے پیچھے عورتیں، پھر ان سب کے پیچھے مال و مویشی، ہم لوگ بڑی تعداد میں تھے۔ ہمارے میمنہ پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے مگر ہمارے سوار دشمن کی تیراندازی کی وجہ سے ہماری پیٹھ کے پیچھے پناہ لینے لگے اور ذرا سی دیر میں ہمارے سوار بھاگ کھڑے ہوئے، اعراب بھی بھاگے اور وہ لوگ بھی جنھیں تم جانتے ہو۔ (فتح الباری: ۲۹/۸) اس بھگدڑ سے مسلمانوں کی حالت وہ ہو گئی جس کا نقشہ قرآن نے ان الفاظ میں کھینچا ہے: "ضاقت علیکم الارض بما رحبت" تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے، لیکن فضل خداوندی مسلمانوں پر سایہ فگن تھا۔ یہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انتباہ تھا۔ اللہ کے فضل و کرم کا محور محمد

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کا پیکر مقدس تھا جو اپنی جگہ استقلال واستقامت کا پہاڑ بن کر کھڑا رہا جس میں اگر جنبش ہوئی تو اتنی کہ وہ اپنے سفید خچر سے نیچے اترا، لیکن اکثر روایات میں ہے کہ آپ ﷺ خچر پر سوار ہی رہے۔ بھگدڑ کے باوجود آپ ﷺ کا رخ کفار کی طرف تھا اور آپ ﷺ بجائے پیچھے آنے کے پیش قدمی کے لیے اپنے خچر کو ایڑ لگا رہے تھے۔ تلوار ہاتھ میں تھی اور اونچی آواز کے ساتھ یہ رجزیہ کلمات کہہ رہے تھے:

انا النبی لا کذب : انا ابن عبدالمطلب

''میں نبی ہوں اور اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

پاؤں اکھڑنا اور انتشار اضطراری تھا❶۔

---

❶ علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ نے سیرۃ النبی: ۱/۵۴۴ کے حاشیہ میں اس بات کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ کن لوگوں کے پاؤں اکھڑے تھے اور انتشار کن لوگوں میں پیدا ہوا تھا۔ فرماتے ہیں کہ ''اول وہلہ میں مسلمانوں کی شکست کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ محمد ابن اسحاق کی روایت ہے لیکن بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ وہی ہوا جو جنگ احد میں ہوا تھا۔ چنانچہ سیدنا براء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''ہم نے ان پر جب حملہ کیا تو وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے۔ ہم لوگ مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو انھوں نے ہمیں تیروں پر دھر لیا۔ (بخاری غزوۂ حنین) دوسرے شکست کے ظاہری اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس جنگ میں کچھ لوگ صرف اس غرض سے شریک ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو عین جنگ میں دھوکا دیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ام سلیم نے جو اس جنگ میں شریک تھیں، حضور انور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان طلقاء کو قتل کر دیجیے۔ انہی کی وجہ سے شکست ہوئی ہے۔ (مسلم، باب غزوۃ النساء مع الرجال) چنانچہ اس حدیث کی شرح میں امام نووی نے لکھا ہے کہ ''یہ سب لوگ نہیں بھاگے تھے بلکہ مکہ کے مولفۃ القلوب میں جو منافق تھے اور مکہ کے مشرکین (جو اس جنگ میں شریک ہوگئے تھے اور جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) انھوں نے بھاگنا شروع کیا تھا اور یہ ناگہانی ہزیمت اس وجہ سے ہوئی کہ دشمنوں نے ایک ساتھ تیروں کی بارش شروع کر دی تھی اور فوج میں ایسے اہل مکہ بھی تھے جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوا تھا اور مسلمانوں پر مصائب کے منتظر تھے۔ ان میں عورتیں اور بچے بھی تھے جو صرف غنیمت کے لیے آئے تھے۔'' (نووی غزوۂ حنین) امام ابوحیان اندلسی نے =

Marfat.com

ایک نئے جانثار سیدنا ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب جو خواجہ عبدالمطلب کے بڑے بیٹے حارث کے بیٹے تھے اور ایک ماہ قبل مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، پہلے سخت مخالف تھے، لیکن اسلام لانے کے بعد پھر اتنے ہی جانثار ہو گئے تھے، اس نازک موقع پر انھوں نے آگے بڑھ کر خچر کی لگام پکڑ لی۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب عم محترم نے رکاب تھام لی کہ خچر کہیں تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے۔ دس بارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حضور ﷺ کے بالکل قریب تھے، فوری طور پر آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ انھیں قریبی جانثاروں میں سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ

= بھی تفسیر بحرالمحیط: ۲۴/۵ میں یہی لکھا ہے کہ ”کہا جاتا ہے کہ مکہ کے طلقاء بھاگے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے۔“ صاحب روح المعانی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

(روح المعانی: ۶۶/۱۰)

اور یہ جو بخاری کی روایت میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”لوگ پیچھے ہٹ گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ تنہا رہ گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ آپ ﷺ تھے وہاں اور کوئی نہ تھا اور جب انصار کو آواز دی گئی تو ان کا جواب یہ تھا: یا رسولؐ اللہ! ہم حاضر ہیں۔ آپ ﷺ خوش ہوں کہ ہم آپ ﷺ کے پاس ہیں (یعنی بھاگے نہیں ہیں) اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت جو بخاری نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ انصار نے جواب دیا: ”یا رسولؐ اللہ! ہم حاضر ہیں، ہم آپ ﷺ کے سامنے ہیں۔“ (بخاری، غزوۂ طائف)

حافظ ابن حجر نے ان سب روایات کو ان الفاظ میں تطبیق دی ہے کہ ”اور اس قول میں کہ حضور ﷺ تنہا رہ گئے اور ان واقعات میں جو اس پر دال ہیں کہ حضور ﷺ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت تھی، تطبیق یہ ہے کہ حضور ﷺ دشمن کے سامنے سب سے آگے والے مقام پر تھے اور جو آپؐ کے ساتھ ثابت قدم تھے وہ آپ ﷺ کے پیچھے تھے۔ (فتح الباری: ۲۴/۸)

بہر حال سید صاحب رحمہ اللہ کی یہ بحث پڑھنے کے قابل ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کے پاؤں نہیں اکھڑے تھے بلکہ صحابہ کی ایک اچھی خاصی تعداد آپؐ کے پیچھے موجود تھی۔ بھاگنے والوں میں زیادہ تر طلقاء اور مولفتہ القلوب تھے۔

Marfat.com

کو جن کی آواز خاصی بلند تھی، حکم فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آواز دیں! "یا معشر الانصار! یا معشر اصحاب الشجرۃ!" اے گروہ انصار! اے بیعت رضوان والو! یہ بیعت رضوان والے وہ تھے جنھوں نے حدیبیہ کے مقام پر ایک کیکر کے درخت کے نیچے آپ ﷺ کے ہاتھ پر اس بات کا عہد کیا تھا کہ جان دے دیں گے، لیکن میدان سے نہیں ہٹیں گے۔ مہاجرین کو بھی پکارا گیا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جونہی میں نے یہ آواز دی، صحابہ رضی اللہ عنہم فوراً سنبھلے، خدا کی قسم، وہ میری آواز سن کر اس طرح پلٹے جیسے گائے اپنے بچوں پر پلٹتی ہے اور جواب دیا: لبیک، لبیک۔

اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج ایک دم پلٹ پڑی۔ جن لوگوں کے گھوڑے یا اونٹ گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے وہ اپنی سواریوں سے کود پڑے اور زرہیں ان کی گردنوں میں ڈال دیں اور اونٹ اور گھوڑے کو چھوڑ کر شمشیر بکف میدان کی طرف دوڑے اور ایثار وفدائیت کے جوہر دکھانے شروع کر دیئے۔ مسلمانوں نے اس اچانک تیر اندازی سے جس رفتار سے میدان چھوڑا تھا اس سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ایک کے پیچھے ایک آتے چلے گئے اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ فریقین میں دھواں دھار جنگ شروع ہو گئی۔ دفعتاً لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ ثقیف وہوازن کے سوار مسلمانوں کے اس زبردست حملے کی تاب نہ لا کر میدان سے بھاگ نکلے۔ جو رہ گئے ان کی گردنوں میں غلامی کا طوق تھا یعنی وہ گرفتار کر لیے گئے۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہوازن کی پسپائی سے کچھ ہی پہلے میں نے ایک سیاہ چادر آسمان سے اترتی دیکھی۔ وہ چادر ہمارے اور غنیم کے درمیان آ کر گری۔ دفعتاً اس میں سے سیاہ چیونٹیاں نکلیں اور تمام وادی میں پھیل گئیں۔ مجھے ان کے فرشتے ہونے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔ ان کا اترنا تھا کہ دشمن کو شکست ہو گئی۔ (لم اشك انها الملائكه ولم يكن الاهزيمه القوم) (عیون الاثر: ۲/۲۵۸، ابن ہشام: ۲/۴۴۴۔۴۴۵، مسلم: ۲/۱۰۰)

جب جنگ اپنے پورے زور پر تھی تو سرکار دو عالم ﷺ نے نظر اٹھا کر میدان جنگ کی طرف دیکھا تو فرمایا: اب چولہا گرم ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھا کر "شاهت الوجوه" (چہرے بگڑ جائیں گے) کہتے ہوئے دشمن کے لشکر کی طرف پھینکی۔ یہ مٹھی بھر مٹی کچھ اس طرح سے پھیلی کہ دشمن کے ہر شخص کی آنکھوں میں پڑی جس نے اسے راہ فرار پر مجبور کر دیا، کیونکہ اس سے ان کی ہمت ٹوٹتی چلی گئی۔ چنانچہ پورا لشکر چند لمحوں میں کائی کی

Marfat.com

طرح چھٹ گیا اور دشمن کو شکست فاش ہوئی۔ (مسلم، باب غزوۂ حنین) ثقیف کی ایک شاخ (بنو مالک) کے جوان جم کر لڑے لیکن اپنے ستر آدمی بھینٹ چڑھا بیٹھے۔ جب ان کا علم بردار عثمان بن عبداللہ مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے۔

بھاگے ایک طرف نہیں بلکہ جس طرف راہ ملی انھوں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ بھاگنے والوں کی کچھ ٹکڑیاں نخلہ کی طرف بھاگیں اور ایک گروہ نے طائف کا رخ کیا۔ درید بن صمہ کئی ہزار کی جمعیت کے ساتھ وادیٔ اوطاس میں ٹھہرا۔ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک جماعت کو ان کے تعاقب میں اوطاس کی طرف روانہ فرمایا۔ سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ تو شہید ہو گئے لیکن ان کے چچا زاد بھائی سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر حملہ کیا اور دشمن کو قتل کر کے جھنڈا اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ جھنڈے کا زمین پر گرنا تھا کہ غنیم کی پوری جمعیت فرار ہو گئی۔ مالک بن عوف جو پوری فوج کا سپریم کمانڈر تھا، کئی ہزار سپاہیوں کے ساتھ طائف پہنچا اور وہاں قلعہ بند ہو گیا۔ مسلم شہ سواروں کی ایک اور جماعت نخلہ کی طرف فرار ہونے والے مشرکین کے تعاقب میں گئی اور وہاں انھیں مزید شکست دی۔ درید بن صمہ پکڑا گیا اور ربیعہ بن رفیع کے ہاتھوں قتل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللهم اغفر لابی عامر واجعله من اعلی امتی فی الجنه۔" آپ ﷺ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے لیے بھی دعا فرمائی۔ (عیون الاثر: ۲/ ۲۵۹، ابن ہشام: ۲/ ۴۴۹، فتح الباری: ۸/ ۳۴)

دشمن تو شکست کھا کر بھاگ گیا لیکن وہ مال مویشی جو اپنے ساتھ لائے، وہ آپ کی پیشین گوئی کے مطابق مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

قیدی چھ ہزار، اونٹ چوبیس ہزار، بکریاں چالیس ہزار سے بھی زیادہ، چاندی چار ہزار اوقیہ (یعنی چھ کوئنٹل سے چند کلو کم۔) یہ سب مال اکٹھا کر کے سیدنا مسعود بن عمرہ غفاری رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں جعرانہ بھیج دیا اور تاکید کی کہ جب تک میں طائف سے فارغ ہو کر نہ آ جاؤں اس کو تقسیم نہ کیا جائے۔

قیدیوں میں آپ ﷺ کی رضاعی بہن اور آپ ﷺ کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیماء بنت حارث سعدیہ بھی تھیں۔ جب انھیں سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو انھوں نے اپنا تعارف کرایا۔ آپ ﷺ نے اسے ایک علامت سے پہچان لیا۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے ان کی بڑی عزت افزائی کی، اپنی چادر مبارک بچھا کر اسے بٹھایا اور احسان فرماتے ہوئے انھیں ان کی قوم میں واپس کر دیا، وہ مسلمان ہو گئیں، آپ ﷺ نے چلتے وقت انھیں کچھ اونٹ اور بکریاں اور تین غلام اور ایک لونڈی عطا فرمائی۔ (اصابہ: ۳۴۴/۴)

غزوۂ طائف:

یہ غزوہ دراصل غزوۂ حنین کی ایک فرع ہے، کیونکہ ثقیف اور ہوازن کے کئی ہزار شکست خوردہ افراد اپنے سپریم کمانڈر مالک بن عوف نصری کے ساتھ بھاگ کر طائف آئے تھے اور یہیں قلعہ بند ہو گئے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے حنین سے فارغ ہو کر طائف کا ارادہ فرمایا، طائف روانہ ہونے سے پہلے آپ ﷺ نے ایک تو سیدنا طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کو چند مہاجرین کے ساتھ ایک چوبی بت ذوالکفین کو جلانے کے لیے روانہ فرمایا جو اس کو جلا کر آپ ﷺ کے طائف پہنچنے کے چار روز بعد آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور ایک دبابہ اور منجنیق ساتھ لائے۔ (زرقانی: ۲۸/۳) اور دوسرے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کمان میں ایک ہزار افراد پر مشتمل ہراول دستہ طائف کی طرف روانہ فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے خود طائف کا رخ فرمایا۔ راستہ میں نخلہ یمانیہ، قرن منازل اور لیہ سے گزرتے ہوئے آپ ﷺ طائف پہنچے۔ لیہ میں مالک بن عوف کے ایک قلعہ کو منہدم کروایا۔ طائف پہنچ کر آپ ﷺ قلعہ کے قریب خیمہ زن ہو گئے اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ (عیون الاثر: ۲/۲۰۷، طبقات ابن سعد: ۱۵۸/۲)

رسول اللہ ﷺ کے طائف پہنچنے سے پہلے بنو ہوازن کا سپریم کمانڈر مالک بن عوف نصری اپنی شکست خوردہ فوج کے ساتھ طائف کے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر چکا تھا۔ اس نے قلعہ بند ہونے سے پہلے کئی سال کا سامان خورد ونوش فراہم کر لیا تھا۔ یہ وہی طائف تھا جہاں ہجرت سے قبل سرکار دو عالم ﷺ جب تشریف لے گئے تھے تو یہاں کے مغرور اور متکبر رئیسوں نے آپؐ کی بات تک نہ سنی تھی۔ قبیلۂ ثقیف یہاں آباد تھا جو نہ صرف مرفہ حال تھا بلکہ بہادری میں بھی اپنی مثال آپ ﷺ تھا۔ یہ اپنے آپ کو قریش کا ہم پلہ اور پورے عرب کی ناک سمجھتا تھا۔ طائف کا مضبوط قلعہ پہاڑ پر ہونے کی وجہ سے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا، اور ایک مضبوط فصیل بھی شہر کو اپنے گھیرے میں لے کر اس کی حفاظت ونگہبانی کے فرائض

Marfat.com

سرانجام دے رہی تھی۔ مالک بن عوف نصری حنین میں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست فاش کھا کر اس قلعہ اور شہر پناہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں آ کر قلعہ بند ہو گیا تھا۔ طائف کا یہ علاقہ زرخیز ہونے کی وجہ سے بے پناہ سامان خورد و نوش اور غلہ وغیرہ اپنے دامن میں رکھتا تھا۔ چنانچہ کئی سال کا سامان خورد و نوش قلعہ بند فوجیوں نے قلعہ میں فراہم کر لیا ہوا تھا تا کہ اگر محاصرہ طول پکڑے تو اندرون قلعہ غلہ کی قلت محسوس نہ ہو اور محاصرین محاصرہ کی طوالت سے تنگ آ کر چلے جائیں۔

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق محاصرہ چالیس دن تک جاری رہا۔ بعض روایات میں بیس دن، پندرہ دن، اٹھارہ دن، اور دس دن کی مدت بھی مذکور ہے۔ (فتح الباری: ۴۵/۸)

مسلمانوں نے جب قلعہ کا محاصرہ کیا تو ان پر اندر سے نہایت شدت کے ساتھ تیر اندازی کی گئی جس سے متعدد مسلمان زخمی اور بارہ کے قریب شہید ہوئے اور انھیں اپنا کیمپ اس جگہ سے دور لے جانا پڑا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انھیں دست بدست مقابلے کے لیے بلایا لیکن انھوں نے کہا کہ ہمیں قلعہ سے نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب ہمارا سارا سامان رسد ختم ہو جائے گا تب ہم اترنے کے لیے سوچیں گے۔ اب صرف ایک ہی صورت تھی کہ منجنیق کے ذریعے ان پر گولے پھینکے جائیں اور قلعہ کی دیواروں کو اس طرح سے توڑا جائے کہ وہ باہر نکلنے پر مجبور ہوں۔ چنانچہ منجنیق نصب کی گئی [1]۔

---

[1] سرکار دو عالم ﷺ کے منجنیق استعمال کرنے سے پتہ چلا کہ جنگ میں جدید آلات کا استعمال کرنا سنت نبوی ہے۔ اس سے قبل مسلمانوں نے کبھی جنگ میں منجنیق کا استعمال نہیں کیا تھا۔ کتانی نے لکھا ہے کہ:

"سب سے پہلے منجنیق کو رسول اللہ ﷺ نے طائف والوں پر استعمال فرمایا۔ اس کی صورت یوں ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کے چند صحابہ دبابے میں داخل ہو کر طائف کی فصیل تک پہنچے تا کہ اس کے دروازے کو آگ لگا دیں۔" (الکتانی: ص ۳۷۵)

طبقات ابن سعد وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جوش نامی شہر دبابات اور منجنیق و عرادات کی صنعت میں بہت مشہور تھا۔ سیدنا عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ اور محمود بن غیلان رضی اللہ عنہ نے جوش جا کر ان آلات کو بنانے کا طریقہ سیکھا تھا۔ (طبقات: ۲۲۱/۲) اور جوش کا شہر بعض کے نزدیک یمن میں تھا اور بعض کے نزدیک شرق اُردن میں۔

Marfat.com

اس نے گولے پھینک کر قلعہ کی دیواروں میں شگاف بھی ڈالے اور مسلمانوں کی ایک جماعت دبابہ میں بیٹھ کر آگ لگانے کے لیے دیوار قلعہ تک پہنچ گئی، لیکن دشمن نے ان پر لوہے کی گرم سلاخیں پھینکیں جس سے ان کو واپس آنا پڑا، کچھ مجاہدین اس مہم میں شہید بھی ہوئے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۱۳۳/۳، عیون الاثر: ۲۰۷/۲، طبقات: ۱۵۹/۲)

اب ایک صورت ان کو شکست دینے یا گفتگو پر آمادہ کرنے کی یہ تھی کہ ان کو مالی نقصان پہنچایا جائے تاکہ وہ اپنے مال کی حفاظت کے لیے قلعہ سے نکلیں۔ چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ان کے باغات کاٹ دیے جائیں لیکن اہل طائف جیسے ہوشیار تھے ویسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس بھی تھے۔ انھوں نے اللہ کا اور قریش سے اپنی قرابت اور رشتے داری کا واسطہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واسطے کا احترام کرتے ہوئے یہ حکم واپس لے لیا۔ (عیون الاثر: ۲۰۷/۲، طبقات: ۱۵۹/۲)

اب ایک اور تدبیر اختیار کی گئی کہ دیوار قلعہ کے قریب یہ آواز لگائی گئی کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آجائے گا وہ آزاد ہے۔ اس اعلان پر تیئیس آدمی قلعہ سے نکل کر مسلمانوں کے لشکر میں آشامل ہوئے۔ (بخاری: ص ۶۲۰) انھی میں سے ایک حارث بن کلاہ بھی تھے جو ایک چرخی کے ذریعے لٹک کر نیچے اتر آئے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ (چرخی کو عربی زبان میں بکرہ کہتے ہیں۔ اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوبکرہ رکھ دی۔ اصل نام حارث تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب غلاموں کو آزاد قرار دے دیا اور ہر ایک کو ایک مسلمان کے حوالے کر دیا کہ اسے سامان بہم پہنچائیں۔ یہ حادثہ اہل قلعہ کے لیے بڑا جانکاہ تھا اور وہ پریشان ہو گئے۔

اسی اثناء میں آپؐ نے ایک خواب دیکھا کہ دودھ کا پیالہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہے اور مرغ نے اس میں چونچ ماردی جس سے وہ دودھ گر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا کہ غالباً یہ قلعہ ابھی فتح نہیں ہوگا۔ (البدایہ والنہایہ: ۵۰/۴)

جب محاصرہ طویل ہو گیا اور قلعہ قابو میں آتا نظر نہ آیا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن معاویہ دیلمی رضی اللہ عنہ کو بلا کر دریافت کیا کہ تمھاری کیا رائے ہے؟ (نوفل بن معاویہ دیلمی

Marfat.com

ایک تجربہ کار صائب الرائے شخص تھے۔ ساٹھ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے اور بعد میں بھی ساٹھ سال کی عمر پائی اور یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک سو بیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہ) سیدنا نوفل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! لومڑی اپنے بھٹ میں ہے۔ اگر آپ ڈٹے رہے تو پکڑ لیں گے اور اگر چھوڑ کر چلے گئے تب بھی کوئی اندیشہ نہیں۔

(البدایہ والنہایہ: ۳۵۰/۴)

لومڑی کو پکڑنے کی کوشش میں مدت صرف کرنا اور محاصرے کو طول دینا کسی کشور کشا فاتح کا کام تو ہوسکتا ہے لیکن خاتم الانبیاء جو دلوں کو فتح کرنے کے لیے آئے تھے وہ اتنا وقت نہیں دے سکتے تھے۔ دوسرے ان پر حملے کا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ اہل طائف کے حوصلے پست اور ہمتیں ٹوٹ چکیں تھیں، لہٰذا آپ ﷺ نے محاصرہ اٹھالینے کا حکم فرمادیا۔

(زرقانی: ۳۳/۳، عیون الاثر: ۲/۲۷۱)

روایت میں ہے کہ بعض صحابہ کرام پر آپ ﷺ کا یہ حکم گراں گزرا کہ ان شاء اللہ ہم کل واپس ہوں گے۔ ان کا خیال تھا کہ بغیر طائف فتح کیے ہم واپس نہ ہوں۔ آپ ﷺ کو جب ان جذبات کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا کل صبح جنگ پر چلنا۔ چنانچہ دوسرے روز جب صحابہ جنگ پر گئے تو سوائے زخموں کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ ان شاء اللہ ہم کل واپس ہوں گے، اب لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، اور محاصرہ ختم کر کے وہ واپس چل دیئے۔ ان کے واپس چل دینے سے رسول اللہ ﷺ مسکرائے۔ (عیون الاثر: ۲/۲۷۱)

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ اس وقت بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ! ان کے لیے بددعا کر دیجیے، لیکن رحمت عالم ﷺ کے ہاں بددعا تو تھی ہی نہیں۔ انھوں نے تو اہل طائف کے لیے اس وقت بددعا نہ کی تھی جب انھوں نے آپ ﷺ کو پتھر مار کر لہولہان کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس وقت یہی فرمایا تھا ۔

"الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر"

اب بھی آپ ﷺ نے بددعا کے بجائے دعا فرمائی:

اللھم اھد ثقیفا وآتِ بھم۔ (طبقات: ۲/۲۰۲)

Marfat.com

''اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور انھیں لے آ۔''

آپ ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ چنانچہ طائف کے رئیس اعظم عروہ بن مسعود ثقفی لشکر اسلام کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ ابھی مدینہ طیبہ پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ حاضر ہو کر مشرف با سلام ہو گئے۔ اس کے بعد ثقیف کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چند روز قیام کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ مالک بن عوف نصری سپریم کمانڈر بنو ہوازن بھی ایک جماعت لے کر مدینہ حاضر ہوا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ (رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔)

مالِ غنیمت کی تقسیم:

طائف کے محاصرہ سے فارغ ہو کر آپؐ ۵ ذی قعدہ سنہ ۸ ھ میں جعرانہ تشریف لائے۔ یہاں تمام مال غنیمت محفوظ تھا۔ آپ ﷺ یہاں دس بارہ روز ٹھہرے۔ اس تاخیر کا مقصد یہ تھا کہ شاید ہوازن کا وفد تائب ہو کر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جائے اور اس نے جو کھویا ہے سب لے جائے، لیکن جب وہ نہ آئے تو آپ ﷺ نے مال کی تقسیم شروع کر دی۔ اس مال غنیمت میں سے خمس نکال کر قاعدہ کے مطابق بقیہ چار حصے مجاہدین اسلام میں تقسیم فرمائے۔ ہر ایک مجاہد کے حصے میں چار اونٹ اور چالیس بکریاں آئیں۔ جن مجاہدین کے پاس گھوڑے تھے ان کو دو دو حصے مزید دیئے گئے۔ اس طرح ان کے حصے میں بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں آئیں۔ (سیرۃ حلبیہ: ۱۳۵/۳) ایک خمس جو آپ ﷺ کے پاس رہ گیا اور جس کی تقسیم آپؐ کی صوابدید پر تھی، اس میں سے آپ ﷺ نے رؤسائے قریش اور سرداران قبائل کو بڑی فراخ حوصلگی سے بڑے بڑے انعامات عطا فرمائے کیونکہ وہ بڑی حرص سے جھانک رہے تھے۔ رئیس اعظم قریش ابوسفیان بن حرب کو کچھ کم چھ کلو چاندی اور ایک سو اونٹ عطا فرمائے۔ اتنا ہی اس کے بیٹے یزید بن ابی سفیان کو اور معاویہ بن ابی سفیان کو دیا۔ گویا اس خاندان کو قریباً ۱۸ کلو چاندی اور تین سو اونٹ مرحمت فرمائے۔ حکیم بن حزام کو ایک سو اونٹ دیئے۔ اس نے مزید سوال کیا تو سو اونٹ اور دے دیئے۔ صفوان بن امیہ کو تین سو اونٹ دیئے۔ (الشفا قاضی عیاض: ۸۶/۱)

قیس بن عدی، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ، اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن

Marfat.com

حارث بن کلاہ کو سو اونٹ دیئے۔ علاوہ ازیں کچھ اور قریشی اور غیر قریشی روسا کو سو سو اونٹ دیئے۔ کچھ لوگوں کو پچاس پچاس اور کچھ کو چالیس چالیس اونٹ مرحمت فرمائے۔ یہاں تک کہ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ محمد ﷺ اس قدر بے دریغ بخشتے ہیں کہ انھیں فقر کا اندیشہ ہی نہیں رہتا۔ جو اعرابی (بدو) موجود تھے، ان کو بھی عطیات دیئے، لیکن وہ مزید کا مطالبہ کرنے لگے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو سب طرف سے گھیر لیا یہاں تک آپ ﷺ پیچھے ہٹتے ہٹتے ایک درخت کے تنے سے جا لگے۔ ان بدوؤں نے آپ ﷺ کی چادر بھی چھین لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! میری چادر دے دو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کے برابر بھی اونٹ ہوں تو میں وہ بھی آپ ﷺ لوگوں کو تقسیم کر دوں۔ آپ ﷺ مجھے نہ کبھی بخیل پائیں گے اور نہ سخت مزاج۔ مگر اس وقت جو کچھ موجود تھا، وہ تقسیم ہو چکا، اب میرے پاس کچھ باقی نہیں۔

(سیرۃ حلبیہ: ۱۳۵/۳، بخاری: ۶۲۰/۲، ۳عیون الاثر: ۲۶۰/۲، طبقات ابن سعد: ۱۵۲/۲۔۱۵۳، فتح الباری: ۳۸/۸، زرقانی: ۳۶/۳)

جب آپ ﷺ یہ مال تقسیم کر چکے اور ان میں سے زیادہ مال آپ ﷺ نے اہل مکہ کو دیا جو جدید الاسلام تھے اور چند روز پہلے تک مسلمانوں کے بدترین مخالفوں میں سے تھے تو کچھ انصاری نوجوانوں میں چہ مگوئیاں ہوئیں۔ کسی نے کہا رسول اللہ ﷺ نے قریش کو انعامات دیئے اور ہمیں محروم رکھا، حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک خون قریش کے قطرات ٹپک رہے ہیں۔ کسی نے کہا کہ مشکلات میں ہم اور انعام دوسروں کو۔ ایک کہنے والے نے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قوم سے جا ملے ہیں۔ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ رئیس انصار حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! آپ ﷺ نے اس مال میں سے ہمیں جو کچھ دیا ہے اس پر انصار کے کچھ لوگ آپ ﷺ پر پیچ و تاب کھا رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی قوم میں تقسیم فرمایا۔ قبائل عرب کو بڑے بڑے عطیے دیئے، لیکن انصار کو کچھ نہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سعد! اس بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ عرض کی یا رسولؐ اللہ! میں بھی تو اپنی قوم ہی کا ایک آدمی ہوں۔ ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس میں صرف حضرات انصار ہی جمع تھے۔ کچھ مہاجرین بھی آ گئے تو انھیں بھی اس خیمے میں داخل ہونے

Marfat.com

دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور فرمایا:

"اے گروہ انصار! آپ حضرات نے یہ کیا چہ میگوئی کی؟ دلوں میں کوئی گرہ تو نہیں پڑ گئی۔ کیا آپ لوگ بھول گئے کہ آپ راہ ہدایت سے نا آشنا تھے اور میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیدھی راہ پر چلایا۔ میرے ہی صدقے میں تمھاری ناداری تونگری میں متبدل ہوئی۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے تھے اور اللہ تعالیٰ نے میری برکت سے آپ لوگوں کو ایک دوسرے کا ہمدرد بنا دیا۔"

انصار نے اس کے جواب میں عرض کیا: بے شک اللہ اور اس کے رسولؐ کے ہم پر بڑے احسانات ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"انصار کے لوگو! مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟" انصار نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! ہمارا کیا منہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا کوئی احسان جتائیں جب کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احسانات کے بار دوش سے ہم سبکدوش نہیں ہو سکتے۔"

آپ نے فرمایا: تم بھی تو یہ کہہ سکتے ہو اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں کہ:

"لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ اوروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم وطنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جلاوطن کیا اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے دروازے کھول دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں بے یارو مددگار تشریف لائے اور ہم نے اپنی آنکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تلے بچھا دیں۔"

رسولؐ اللہ نے فرمایا: تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو لیکن:

"اے گروہ انصار! کیا یہ تمھیں پسند نہیں کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھر لوٹو۔ اے انصار! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ لوگ کسی وادی میں بھی جائیں میں انصار کی وادی ہی میں رہوں گا۔ انصار میرا پیرہن (میرا پوست) ہیں۔ دوسرے لوگ عبا ہیں (جو کرتے کے اوپر بدن سے الگ رہتا ہے) اے اللہ! انصار اور ان کی اولاد اور احفاد

Marfat.com

پر رحم فرمائیو۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ کلمات جس رقت اور دل سوزی کے ساتھ بیان فرمائے اس کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ حضرات انصار بے اختیار چیخ اٹھے اور یک زبان بول اٹھے: ہم کو صرف محمد رسول اللہ ﷺ درکار ہیں۔ (رضينا برسول الله قسما و حظا) بہت سوں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہوگئیں۔ پھر آپ ﷺ نے حضرات انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں میں نے انھیں جو کچھ دیا وہ حق کی بنا پر نہیں بلکہ تالیف قلب اور مانوس کرنے کی خاطر دیا۔ (بخاری: ۲/۶۲۰، عیون الاثر: ۲/۲۶۱، ابن ہشام: ۲/۴۹۹۔۵۰۰)

بنو ہوازن کے وفد کی آمد:

تقسیم غنائم کے بعد ہوازن کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس میں نو آدمی تھے۔ یہ وفد اسلام سے مشرف ہوا۔ ان میں آپ ﷺ کا رضاعی چچا ابو برقان بھی تھا۔ وفد نے مال و سامان اور قیدیوں کی واپسی کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ انھوں نے اس انداز سے بات کی جو قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر جائے اور رقت پیدا کردے۔ اسی قبیلہ کے خطیب زہیر بن صرد کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ نے جنھیں قید فرمایا ہے، ان میں آپ ﷺ کی مائیں اور بہنیں ہیں اور پھوپھیاں اور خالائیں ہیں، جنھوں نے آپ ﷺ کو گود میں کھلایا تھا اور یہ ان کی کتنی بڑی خوش نصیبی ہے کہ انھوں نے آپ ﷺ کو گود میں کھلایا۔ ایسے خوش نصیب آج کیسے محروم ہو سکتے ہیں۔" رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"سچی بات بہت پیاری ہوتی ہے اور مجھے سچی بات بہت محبوب ہے۔ میں آپ ﷺ صاحبان کا انتظار کرتا رہا۔ آپ کی طرف سے مایوس ہو کر میں نے مال غنیمت تقسیم کر دیا اور قیدی بھی تقسیم کر دیئے۔ اب یہ نہ میرے پاس رہے ہیں اور نہ میرے اختیار میں ہے کہ میں حکم کر کے سب کو واپس کرا دوں۔ اب آپ دو میں سے ایک بات منظور کر لیجیے۔ تم مال واپس لینا چاہتے ہو یا قیدی جو غلام بن چکے ہیں ان کو واپس لینا چاہتے ہو؟"

Marfat.com

وفد کے ارکان نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک خاندانی شرف کے برابر کوئی چیز نہیں۔ ہم اپنے قیدیوں کو واپس لینا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں ظہر کی نماز پڑھ لوں تو تم لوگ اٹھ کر کہنا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو مومنین کی جانب سفارشی بناتے ہیں اور مومنین کو رسول اللہ ﷺ کی جانب سفارشی بناتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیں۔ چنانچہ جب آپ ﷺ نماز ظہر سے فارغ ہوئے تو ان لوگوں نے یہی کہا۔ جواب میں آپ ﷺ نے مسلمانوں سے یوں فرمایا:

''تمھارے یہ بھائی اہل ہوازن تائب ہو کر آئے ہیں۔ میں نے ان سے طے کر لیا ہے کہ ان کو صرف ان کے قیدی واپس مل سکیں گے لہٰذا ان کو ان کے اہل وعیال واپس کرنے ہیں۔ (جو قیدی تھے اور تقسیم کے بعد آپ صاحبان کی ملکیت ہو چکے ہیں) اب جو صاحب خوشی سے واپس کر دیں تو بہت بہتر ہے، لیکن جو اس کا عوض لینا چاہیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ جیسے ہی آئندہ ایسا موقع ہوگا کہ ہمارے قبضے میں غلام آئیں تو ان کا عوض چکا دیا جائے گا۔ چنانچہ میں اپنا اور بنو عبدالمطلب کا حصہ تمھیں دیتا ہوں۔''

آپ ﷺ کی اس اپیل پر مجمع سے آواز بلند ہوئی: ''قد طیبنا ذالك یا رسولَ اللہ'' ہم اس کے لیے بڑی خوشی سے تیار ہیں کہ بلاشرط ان قیدیوں کو جواب ہمارے غلام ہیں آزاد کر دیں تاکہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ چلے جائیں۔ (اس سے اسلام میں انفرادی ملکیت کا احترام بھی ثابت ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے کسی امیر یا خلیفہ کو اسلام میں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسا آرڈیننس جاری کرے جس سے انفرادی ملکیت ختم ہوتی ہو۔ نیشنلائزیشن کا بھی اسلام میں کوئی جواز نہیں۔)

بعض روایات میں ہے کہ جب مہاجرین وانصار نے آپ ﷺ کی اس اپیل پر اٹھ کر کہا کہ جو کچھ ہمارا ہے وہ سب رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ اس کے بعد اقرع رضی اللہ عنہ بن حابس نے کہا: لیکن جو کچھ میرا اور بنو تمیم کا ہے وہ آپ ﷺ کے لیے نہیں۔ عیینہ بن حصن نے کہا جو کچھ میرا اور بنو فزارہ کا ہے وہ بھی آپ ﷺ کے لیے نہیں۔ عباس بن مرداس نے کہا: جو کچھ میرا اور بنو سلیم کا ہے وہ بھی آپ ﷺ کے لیے نہیں۔ اس پر بنو سلیم نے کہا: نہیں

Marfat.com

جو کچھ ہمارا ہے وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ عباس بن مرداس نے کہا: "تم لوگوں نے میری توہین کر دی۔" (عیون الاثر: ۲/۲۶۲)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آپ لوگوں کے اس اجتماعی جواب سے ہر ایک کے دل کی بات معلوم نہیں ہوئی، کیا واقعی ہر ایک شخص بلا تکلف خوش دلی سے اور بلا شرط و معاوضہ غلاموں کو آزاد کر رہا ہے یا دل سے راضی نہیں ہے اور محض دوسرے لوگوں کے لحاظ سے یہ جواب دے رہا ہے، لہٰذا آپ لوگ جائیں۔ اب ہر ایک جماعت اور قبیلہ کے عریف (چوہدری، مکھیا) کا یہ کام ہے کہ وہ فرداً فرداً ہر شخص کی آزادانہ رائے معلوم کرے۔ پھر وہ میرے پاس آ کر رپوٹ پیش کرے کہ ہر شخص بخوشی تیار ہے اور بلا شرط اپنے غلام کو آزاد کر رہا ہے۔ اس تحقیق و تفتیش کے بعد آپ ﷺ نے ان چھ ہزار قیدیوں کو آزاد کر کے واپس فرما دیا۔ (بخاری: ۱/۳۰۹، ۳۴۵)

ان سب لوگوں میں صرف عیینہ بن حصن رہ گیا جس کے حصہ میں ایک بڑھیا آئی تھی، اس نے اسے واپس کرنے سے انکار کر دیا، لیکن آخر میں اس نے بھی واپس کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سارے قیدیوں کو ایک ایک قبطی چادر مرحمت فرما کر واپس کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ مال غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو کر ۱۸ ذی قعدہ کو رات کے وقت جعرانہ سے مکہ مکرمہ عمرہ کے ارادہ سے احرام باندھ کر روانہ ہوئے۔ وہاں عمرہ کی ادائیگی کے بعد سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو تعلیم دین کے لیے ان کے پاس چھوڑ دیا اور دو ماہ سولہ روز کے بعد ۲۷ ذی قعدہ سنہ ۸ھ کو آپ ﷺ اپنے قدوسی نفس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ واپس مدینہ طیبہ پہنچے۔ (زرقانی: ۳/۴۱)

فتح مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ کیونکہ قبائل عرب فتح مکہ کے منتظر تھے کہ اگر محمد ﷺ مکہ اور اہل مکہ پر غالب آ گئے تو آپ ﷺ سچے پیغمبر ہیں۔ چنانچہ سنہ ۸ھ میں جونہی مکہ فتح ہوا، آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت لوگوں کے قلوب میں بیٹھ گئی اور جوق در جوق اور فوج در فوج حلقہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی تمام جزیرۃ العرب اسلامی قلمرو میں داخل ہو گیا۔ اب ضرورت تھی کہ وہاں کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس مقصد کے لیے مختلف علاقوں میں حاکم اور والی مقرر فرمائے۔

Marfat.com

باذان جو کہ پہلے کسریٰ کی طرف سے یمن کا والی تھا، کسریٰ کے ہلاک ہونے کے بعد وہ مسلمان ہوگیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو بدستور وہاں حاکم قائم رکھا۔ علاوہ ازیں حضرموت کے علاقے میں سیدنا زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ کو اور زبید اور عدن کے علاقے میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، نجران کے علاقہ میں سیدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو، تیماء کے علاقے میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو والی مقرر فرمایا۔ سیدنا عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید کو مکہ مکرمہ میں والی بنایا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یمن کے علاقے میں قاضی بنا کر بھیجا۔

واقعاتِ متفرقہ:

(۱) ذی الحجہ سنہ ۸ ھ میں رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنے اس صاحبزادے کا نام اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا۔ ساتویں روز عقیقہ کے دو مینڈھے ذبح کیے اور صاحبزادے کے سر کے بال اتارنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ چنانچہ ابوہند البیاضی رضی اللہ عنہ نے جو بنو بیاض کے موالی میں سے تھے، انؓ کا حلق کیا اور آپ ﷺ نے بالوں کے وزن کے برابر چاندی مساکین میں صدقہ کرنے کا حکم فرمایا اور بال دفن کرا دیئے۔ دایہ کے فرائض حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے انجام دیئے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی لونڈی اور آپؐ کے آزاد کردہ غلام ابو رافع رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کے لیے ام بردہ رضی اللہ عنہا بنت المنذر بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا گیا کہ وہ انھیں دودھ پلائیں۔ یہ ایک لوہار کی بیوی تھیں۔ ان کے چھوٹے سے گھر میں اکثر بھٹی کا دھواں رہتا۔ آپ ﷺ اپنے اس صاحبزادے کو دیکھنے کے لیے اس لوہار کے گھر میں جاتے، وہاں دھواں آپ کی آنکھ اور ناک میں گھستا رہتا اور آپ ﷺ انتہائی نازک مزاج ہونے کے باوجود اس کو برداشت کرتے۔

(۲) اسی سال کے آغاز میں آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدنا زینب سلام اللہ علیہا کا انتقال ہوا۔ ان کا سن ولادت سنہ ۳۰ میلاد النبی ہے، یعنی نبوت سے دس سال قبل۔

Marfat.com

سنہ ۹ ھ

عمال کی روانگی:

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ غزوہ طائف سے فراغت کے بعد ذی قعدہ سنہ ۸ ھ میں مدینہ واپس تشریف لائے۔ ایک مہینہ آپ ﷺ نے مدینہ میں آرام سے گزارا۔ اس دوران آپ ﷺ نے مختلف علاقوں میں لوگوں کو دین کی دعوت کے لیے بھیجا۔ کچھ وفود کا استقبال فرمایا۔ جونہی سنہ ۹ ھ کا ہلال مطلع مغرب پر طلوع ہوا آپ ﷺ نے مختلف قبائل کی طرف اپنے عمال کو صدقات وزکوۃ کی وصولی کے لیے روانہ فرمایا جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

نمبر شمار	عامل کا نام	قبیلہ جس کی طرف بھیجا گیا
①	عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ	بنو تمیم
②	بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ	اسلم وغفار
③	عباد بن بشر اشہلی رضی اللہ عنہ	سلیم ومزینہ
④	رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ	جہینہ
⑤	عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	بنو فزارہ
⑥	ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ	بنو کلاب
⑦	بشر بن سفیان کعبی رضی اللہ عنہ	بنو کعب
⑧	ابن اللتبیہ ازدی رضی اللہ عنہ	بنو ذبیان
⑨	مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ	صنعاء

Marfat.com

⑩	زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ	حضرموت
⑪	عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ	طے اور بنو اسد
⑫	مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ	بنو حنظلہ
⑬	علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ	بحرین
⑭	علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	نجران

(طبقات: ۱۱۵/۲، زاد المعاد: ۲۰۱/۲)

یہ سارے عمال محرم سنہ ۹ ھ میں روانہ نہیں کر دیے گئے بلکہ بعض کو خاصی تاخیر کے بعد روانہ کیا گیا۔ اس عرصہ میں (محرم، صفر اور ربیع الاول میں) آپ ﷺ نے چھوٹے چھوٹے سرایا روانہ فرمائے۔ ان سب کے قائدین اپنے اپنے مقصد میں کامیاب واپس لوٹے۔

سریہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

ربیع الاول سنہ ۹ ھ میں آپ ﷺ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو یا دو سو آدمیوں کی معیت مین قبیلہ طے کے ایک بت کو ڈھانے کے لیے روانہ فرمایا جس کا نام ''فلس'' (ف کی پیش اور لام ساکن کے ساتھ) تھا۔ روایت میں یہ بھی ہے کہ اس سریہ میں ایک سو اونٹ اور پچاس گھوڑے بھی تھے۔ سریہ کا علم سفید رنگ کا تھا۔ اسلامی لشکر نے آخر شب میں حاتم طائی کے محلے پر دھاوا بول کر بت فلس کو منہدم کر دیا اور قیدیوں اور بھیڑ بکریوں وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ دو تلواریں بھی مسلمانوں کو فلس کے خزانہ سے ہاتھ لگیں جو حارث بن شمر نے چڑھائی تھیں۔ حاتم طائی کے لڑکے عدی بن حاتم تو ملک شام بھاگ گئے البتہ اس کی لڑکی سفانہ قیدی بنا کر مدینہ لائی گئی۔ مال غنیمت تو راستے میں ہی تقسیم کر لیا گیا البتہ منتخب مال رسول اللہ ﷺ کے لیے علیحدہ کر دیا۔ قیدیوں کو مسجد نبوی کے قریب حظیرہ میں اتار دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ جب ادھر سے گزرے تو حاتم کی بیٹی سفانہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میرا باپ (حاتم طائی) تو فوت ہو گیا اور جو ہمارا خبر گیر (عدی بن حاتم) تھا، وہ فرار ہو گیا۔ میں سن رسیدہ ہوں۔ خدمت کرنے کی طاقت نہیں، لہٰذا احسان فرمائیے، اللہ آپ ﷺ پر احسان کرے گا۔'' یہ ایک رحم کی اپیل تھی جو اس نے کی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: تیرا خبر گیر

Marfat.com

کون تھا؟ عرض کی: میرا بھائی عدی بن حاتم۔ ارشاد فرمایا: وہی جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے بھاگا ہے؟ پھر آگے بڑھ گئے۔ دوسرے روز جب آپ ﷺ پھر وہاں سے گزرے تو سفانہ نے پھر وہی بات دہرائی۔ آپ ﷺ نے اس کی بات کے جواب میں فرمایا: میں تجھ پر احسان کرتا ہوں، لیکن تم جانے میں جلدی مت کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمھاری قوم کا کوئی قابل اطمینان اور قابل اعتبار شخص مل جائے تو اس کے ساتھ تمھیں واپس بھیج دوں۔ چنانچہ دو تین روز کے بعد بنو طے کے کچھ آدمی شام جانے والے مل گئے، آپ ﷺ نے اسے آزاد کر کے ان کے حوالے کر دیا۔ اس وقت آپ ﷺ کے پاس ایک صحابی کھڑے تھے۔ انھوں نے کہا: آپ ﷺ سے سواری کا بھی سوال کرو۔ اس نے سواری کا سوال کیا۔ آپ ﷺ نے سواری اور کچھ جوڑے دے کر رخصت فرمایا۔ سفانہ آپ ﷺ کے اس احسان سے بہت خوش ہوئیں، اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئیں اور ان الفاظ میں آپ ﷺ کا شکریہ ادا کیا:

”خدا کرے وہ ہاتھ آپ ﷺ کا ہمیشہ ممنون و شکر گزار رہے جو خوشحالی کے بعد فقیر ہوا ہو اور وہ ہاتھ آپ ﷺ پر کبھی قابو نہ پائے جو فقیر کے بعد امیر ہوا ہو۔ خدا کرے کہ آپ ﷺ کا احسان ہمیشہ برموقع ہو اور خدا کرے آپ ﷺ کو کبھی کسی کمینے سے کوئی ضرورت پیش نہ آئے اور خدا تعالیٰ کسی کریم اور عزت دار آدمی کی نعمت سلب نہ کرے مگر آپ ﷺ کو اس کی واپسی کا ذریعہ بنائے۔“

سفانہ لوٹ کر اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس ملک شام گئیں۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو انھیں سرکار دو عالم ﷺ کے بارے میں تفصیل سے بتایا اور بتایا کہ آپ ﷺ نے وہ کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ تمھارے باپ حاتم بھی اتنا سخی ہونے کے باوجود نہیں کر سکتے تھے۔ عدی جب یہ سب کچھ اپنی بہن کے منہ سے سن چکے تو کہا: تمھاری کیا رائے ہے؟ بہن نے جواب دیا:

”میری رائے تو یہ ہے کہ تم فوری جا کر ان سے ملو۔ اگر وہ نبی ہیں تو ان کی طرف سبقت کرنا باعث فضیلت ہے اور اگر بادشاہ ہیں تو ہمیشہ کے لیے باعث عزت ہے اور تو تو، تو ہی ہے۔ (وانت انت)“

عدی نے بہن کی یہ رائے سن کر کہا: خدا کی قسم، رائے تو یہ ہے۔

Marfat.com

عدی بن حاتم کسی امان یا تحریر کے بغیر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا تعارف کرایا۔ آپ ﷺ نے ان کی بڑی عزت افزائی کی۔ اپنے گھر لے گئے اور جب وہ سامنے بیٹھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''عدی! تم کس چیز سے بھاگ رہے ہو؟ کیا لا الہ الا اللہ کہنے سے بھاگ رہے ہو؟ اگر ایسا ہے تو بتاؤ، اللہ کے سوا کوئی معبود ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے کچھ دیر گفتگو فرمائی، اس کے بعد فرمایا: کیا تم اللہ اکبر کہنے سے گھبراتے ہو؟ کیا اللہ سے بڑی کوئی شے ہے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: سنو! یہود پر اللہ کے غضب کی مار ہے اور عیسائی گمراہ ہیں۔ انھوں نے کہا: میں یک رُخا مسلمان ہوں۔ یہ سن کر سرکار دو عالم ﷺ کا چہرہ فرط انبساط سے کھل اٹھا۔ اس کے بعد وہ صبح وشام آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے رہے۔

(زرقانی: ۵۳/۳، زاد المعاد: ۲۰۵/۲، ابن ہشام: ۵۷۸/۲۔۵۸۱، الاصابہ ترجمہ عدی)

کعب بن زہیر کا قبولِ اسلام:

کعب بن زہیر ایک شاعر تھا اور آپ ﷺ کی ہجو میں دوسرے شعراء کی طرح مکہ میں آپ ﷺ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا۔ اس زمانہ میں شعر پریس کا کام دیتے تھے۔ اگر یہ کسی کی ہجو یا مدح میں شعر کہتے تھے تو وہ اشعار اس پورے معاشرہ میں پھیل جاتے تھے اور زبان زد خاص وعام ہو جاتے۔ جب مکہ فتح ہوا تو کعب بن زہیر بھی ان اشتہاری مجرموں میں سے تھا جن کے قتل کا سرکار دو عالم ﷺ نے حکم فرمایا تھا۔ چنانچہ کعب بن زہیر اور ان کا بھائی بجیر بن زہیر جان بچا کر مکہ سے بھاگ گئے اور ابراق الغراف (ایک مقام کا نام ہے) میں جا کر ٹھہرے۔ بجیر نے کعب سے کہا: ''تم یہاں ٹھہرو، میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کا کلام سنتا ہوں اور آپ ﷺ کے دین کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہوں۔ اگر سچائی دیکھوں گا تو آپ ﷺ کا اتباع کروں گا ورنہ واپس آجاؤں گا۔'' چنانچہ کعب وہیں رہے اور بجیر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپ ﷺ کا کلام سنا تو فوراً مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے طائف تشریف لے گئے تو بجیر بن زہیر رضی اللہ عنہ بھی

Marfat.com

ساتھ تھے۔ بجیر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اور طائف وجعرانہ میں بھی دیکھا کہ قریش کے سرغنہ بھی آپ ﷺ کے سامنے سرنگوں ہو گئے تو خالی الفاظ وحروف سے مقابلہ کرنے والوں کی پرسش کیا تھی؟ یہ سماں بجیر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ چنانچہ جب بجیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی مشایعت میں طائف سے مکہ واپس تشریف لائے تو انھوں نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کی طرف خط لکھا کہ جو لوگ آپ ﷺ کی ہجو میں اشعار کہتے تھے ان کی گردنیں ماری جا رہی ہیں اور جو لوگ گرفت سے بچ گئے ہیں وہ ادھر ادھر سر چھپاتے پھر رہے ہیں جیسے ابن الزبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب۔ اگر تجھ کو اپنی جان عزیز ہے تو فوراً آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی نامہ پیش کر دے۔ رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کو معاف کرنے میں ذرا تامل نہیں کرتے اور اگر تو یہ نہیں کر سکتا تو پھر کسی دور دراز ملک میں نکل جا، جہاں تیری جان بچ جائے۔

بجیرؓ نے کوئی غلط نہیں لکھا تھا بلکہ بالکل صحیح لکھا تھا کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے چار ایسے اشخاص کو قتل کرایا جن میں ایک شاعر بھی تھا جو رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرنے میں پیش پیش رہتا تھا اور وہ شخص بھی تھا جس نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کی تذلیل کی جب وہ اپنے خاوند سیدنا ابو العاصؓ کی اجازت سے مکہ سے ہجرت کے لیے جادہ پیما تھیں۔

بجیر رضی اللہ عنہ کے اس خط کا کعب بن زہیر پر بھی ایک خاص اثر ہوا کیونکہ "بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔" اور اسی وقت ایک مدحیہ قصیدہ لکھا اور مدینہ روانہ ہو گیا۔ رات کو اپنے ایک دوست کے ہاں پناہ لی اور فجر کی نماز کے بعد آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اجنبی بن کر یہ سوال کیا: یا رسولؐ اللہ اگر کعب بن زہیر تائب ہو کر مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہو تو کیا وہ امان کا حق دار ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہاں" کعب فوراً بول اٹھا کہ "اے اللہ کے رسولؐ! وہ نابکار میں ہی ہوں، میں آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہوں۔" جب کعب یہ بات کہہ رہے تھے، اس وقت ایک انصاری بول اٹھے: "یا رسولؐ اللہ اجازت فرمایئے کہ اس کی گردن اس کے تن سے کاٹ کر رکھ دوں۔" لیکن یہ گردن تو اب اسلام کے دروازے پر جھک گئی تھی اس کو کیسے کاٹا جا سکتا تھا، لہٰذا بارگاہ نبوت سے حکم ہوا: چھوڑو یہ تو تائب ہو کر آیا ہے۔ کعب فوری طور پر اٹھے اور آپ ﷺ کی اعلیٰ وارفع شان میں وہ قصیدہ پڑھا جس کا مطلع ہے ۔

Marfat.com

بانت سعاد و قلبی الیوم مبتول
متیم اثرها لم یفد مکبول

کعب جب اس شعر پر پہنچے:

ان الرسول سیف یستضاء بہ
مھند من سیوف اللہ مسلول

تو آپ ﷺ نے اس وقت اپنی ایک یمنی چادر جو اوڑھے ہوئے تھے، اتار کر کعب کو مرحمت فرمادی۔ یہ چادر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے وارثان سے بیس ہزار درہم میں خریدی۔ پھر ایک عرصے تک مختلف خلفائے اسلام کے پاس رہی۔ وہ عیدین میں تبرک کے طور پر اس کو اوڑھا کرتے تھے۔ پھر تاتاریوں کے فتنہ میں یہ ایسی گم ہوئی کہ پتہ نہیں چلا۔ (زرقانی: ۳/۵۴، ابن ہشام: ۲/۵۰۱، ۵۱۵، عیون الاثر: ۲/۲۸۰)

Marfat.com

غزوۂ تبوک

فتح مکہ تک ہر سال قریش مکہ کوئی نہ کوئی ہنگامہ اہل اسلام کے خلاف کھڑا کر دیتے تھے، جس سے ان کی ساری توجہ انہی کی طرف منعطف رہتی، لیکن فتح مکہ کے بعد ان کی قوت بالکل ٹوٹ گئی بلکہ تمام صنادید قریش مسلمان ہو کر اسلام کے پشت پناہ بن گئے۔ ان کے مسلمان ہوتے ہی دور دور تک کے قبائل جوق در جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے اور جزیرہ نما عرب میں دور دور تک اسلام کا طنطنہ اور دبدبہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا اور اگر کوئی قبیلہ سر اٹھاتا تو سرکار دو عالم ﷺ تھوڑی سی فوج اس کی سرکوبی کے لیے بھجوا دیتے۔ ان میں سے جو اپنے کسی سابق دین پر رہنا چاہتا اسے جزیہ اور خراج کا پابند کر کے چھوڑ دیا جاتا اور جو اسلام قبول کر لیتا، اسے ادائے زکوٰۃ کا مکلّف ہونا پڑتا۔

مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی طاقت سے جب عیسائی دنیا خائف ہونے لگی، ان کے ساتھ اس سے قبل جنگ موتہ میں مسلمانوں کی مڈبھیڑ ہو چکی تھی، اور اس میں قیصر روم کو یہ پتہ چل گیا تھا کہ مسلمانوں میں کتنا دم خم ہے، مسلمانوں کی تین ہزار فوج دو لاکھ رومیوں کے مقابلے میں اپنا لوہا منوا چکی تھی۔ مسلمانوں کی اس بہادری اور جوانمردی نے عرب قبائل کو جو قیصر روم کے زیر اثر تھے، بہت متاثر کیا۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کی ہم نوائی اور قیصر روم سے آزادی کے ترانے گانے لگے۔ قیصر روم ان کے ان جذبات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا، اس کے لیے اس مسلمان ریاست کی روز بروز وسعت اور عرب قبائل کی بیداری ایک بہت بڑا خطرہ تھی۔ قیصر روم نے سوچا کہ مسلمانوں کی قوت کو عظیم اور نا قابل شکست خطرے کی صورت اختیار کرنے سے پہلے ہی کچھ اس طرح کچل دیا جائے کہ پھر اس کو کبھی سر اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ اس نے عیسائیوں اور رومی باشندوں پر مشتمل فوج کی فراہمی شروع کر دی اور ایک فیصلہ

Marfat.com

کن جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گیا، لیکن عیسائی خاندان جو رومیوں کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا، قیصر نے اسی کو اس مہم پر متعین کیا۔

مدینہ میں غسانیوں کی ان تیاریوں کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اس وجہ سے مسلمانوں کو حملے کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اس بات کا اندازہ اس واقعے سے بھی ہوتا ہے کہ سنہ ۹ ھ میں جب سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی ازواج رضی اللہ عنہن سے ناراض ہو کر ایک مہینہ کے لیے علیحدگی (ایلاء) اختیار کی تھی اور مدینہ میں یہ مشہور ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو طلاق دے دی ہے۔ اس واقعے کے بارے میں جب سیدنا عثمان بن مالک رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دفعتاً آ کر یہ اطلاع دی کہ ''غضب ہو گیا'' تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیوں کیا خبر ہے؟ کیا غسانی آ گئے؟ (بخاری: ۷۳۰/۲) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس جملے سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ میں غسانیوں کے حملے کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔

بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل شاہ روم کے پاس یہ لکھ کر بھیجا کہ محمد (ﷺ) کا انتقال ہو گیا ہے اور عرب میں لوگ قحط اور فاقے سے بھوکے مر رہے ہیں، لہٰذا عرب پر حملہ کرنے کا یہ ایک نہایت مناسب موقع ہے۔ چنانچہ ہرقل نے عیسائیوں کی اس استدعا کے جواب میں جنگ کی تیاری شروع کر دی اور اس کے لیے چالیس ہزار رومیوں پر مشتمل لشکر تیار کیا۔ (فتح الباری: ۸۵/۸)

اسی زمانے میں اچانک شام کے نبطی سوداگر مدینہ میں روغن زیتون فروخت کرنے آئے۔ انھوں نے بھی آ کر بتایا کہ رومیوں نے شام میں ایک لشکر جرار جمع کیا ہے اور فوج کو سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں۔ اس فوج میں لخم، جذام، اور غسان کے تمام عرب قبائل بھی شامل ہیں اور اس کا ہراول دستہ بلقاء تک آ گیا ہے۔ (زرقانی: ۷۲/۳، طبقات ابن سعد: ۱۱۹/۲)

ان اعلانات نے مسلمانوں میں ایک ہلچل پیدا کر دی کیونکہ اس قسم کی خبریں تمام عرب میں پھیل گئی تھیں اور تواتر سے ان خبروں کا آنا اور قرائن کا اس قدر قوی ہونا اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ واقعی غسانی اسلامی مملکت پر جلد از جلد حملہ آور ہونے والے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی فوج کو تیاری کا حکم دے دیا اور اس بات کا تہیہ کر لیا کہ مسیحیت پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے جس سے ان کے منہ پھر جائیں اور پھر کبھی انھیں مسلمانوں کے سامنے

Marfat.com

آنے کی ہمت اور جرأت نہ ہو۔

لیکن موسم کی وجہ سے صورت حال کی نزاکت میں مزید اضافہ ہوگیا کہ موسم کا یہ حال تھا کہ گویا دوزخ نے منہ کھول رکھا ہے۔ دشت وجبل کرۂ نار بنے ہوئے تھے۔ بلا کی حبس، قدم قدم پر جان کنی کا خطرہ، دوسرے لوگ تنگی اور قحط سالی کی ابتلاء سے دوچار تھے۔ فصلیں اور پھل پکے ہوئے تھے، گھروں میں غلہ نہیں تھا۔ ایک عجیب معاشی تنگی کا عالم تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ مدینہ سے لے کر تبوک تک طویل مسافت جس کے لیے ہمت کے ساتھ زادراہ اور پانی کی اشد ضرورت تھی۔

سرکار دو عالم ﷺ کے پیش نظر یہ سب نزاکتیں تھیں کیونکہ ایک بہترین قائد وہی ہوتا ہے جو حالات کے نشیب و فراز کا پورا مطالعہ کر کے کوئی حکم صادر کرے، لہٰذا آپ ﷺ نہایت ژرف نگاہی سے حالات کی کروٹوں اور زیروبم کا مطالعہ فرما رہے تھے، لیکن آپ ﷺ کی ماہرانہ دور اندیشی اور پیش بینی بتا رہی تھی کہ اگر ان فیصلہ کن حالات میں رومیوں سے جنگ کرنے میں سستی سے کام لیا اور رومیوں کو اسلامی مملکت کے علاقوں پر حملہ کرنے کا موقع دیا گیا تو اسلامی دعوت پر اس کے نہایت بُرے اثرات مرتب ہوں گے اور آٹھ سال کی شبانہ روز جدوجہد اور پیہم تگ و دو سے اسلامی مملکت کی جو ساکھ بنی ہے وہ بالکل ختم ہو جائے گی اور جاہلیت کے بند سوتے پھر پھوٹ پڑیں گے اور غیر اسلامی قوتیں پھر بیدار ہو کر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں گی۔ مدینہ کے منافقین جو آج تک ہمارے رعب سے دبے ہوئے ہیں، ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔ کیونکہ ان کا موجودہ رئیس ابو عامر فاسق قیصر روم سے رابطہ قائم کیے ہوئے ہے اور وہ اس بات کے انتظار میں ہے کہ باہر سے یہ عیسائی قوت حملہ کرے تو اندر سے ہم بغاوت کر کے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔ یہ ساری باتیں سرکار دو عالم ﷺ کے پیش نظر تھیں، اسی وجہ سے دشمن کو بغیر کوئی مہلت دیئے اس کے خلاف پیش قدمی کی پلاننگ کر لی اور حالات کی ظاہری اور باطنی دشواریوں کے باوجود دشمن کی حدود میں گھس کر فیصلہ کن جنگ کرنے کا فیصلہ لیا۔

دشمن کے بارے میں یہ فیصلہ کرنے کے بعد آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم دیا۔ اس دفعہ آپ ﷺ نے ہمیشہ سے مختلف انداز میں اعلان فرمایا کہ یہ سفر کس مقام کا

Marfat.com

ہے ورنہ رسول اللہ ﷺ ایسے موقع پر منزل مقصود کا اخفاء فرماتے تھے تاکہ دشمن کو مسلمانوں کے آنے کی خبر نہ ہونا پائے، لیکن اس مرتبہ جو منزل مقصود کا اظہار فرما دیا اس سے مقصود یہ تھا کہ مسلمان منزل کی طوالت کو ذہن میں رکھ کر تیاری کریں۔ اس کے علاوہ ملک میں چاروں طرف قاصد دوڑا دیئے تاکہ زیادہ سے زیادہ جمعیت اکٹھی ہو جائے اور عیسائیوں پر ایک بھرپور حملہ کیا جا سکے۔

اگرچہ موسم شدید گرم تھا، معاشی حالات نہایت تنگ دستی کے تھے، بے آب و گیاہ صحرا کی طویل مسافتیں طے کرنا تھیں، مسافت دشوار گزار تھی، دشمن ہر لحاظ سے نہایت قوی تھا، اس کی عددی قوت دوسرے تمام دشمنوں سے زیادہ تھی، لیکن مسلمانوں کے اللہ پر ایمان اور اس کے رسولؐ کے ساتھ والہانہ محبت اور دین اسلام سے قلبی لگاؤ نے ان کے جذبۂ شوق و محبت میں ایسا تلاطم پیدا کر دیا کہ صحرا اپنی وسعت کے باوجود ان کی کثرت کے سامنے تنگ ہو گیا اور دنیا کی کسی شے کی کشش ان کے دامنِ دل کو نہ کھینچ سکی اور مسلمان مسلح ہو کر چمکتی ہوئی زرہیں پہنے اس انداز سے نکلے کی چشم آفتاب نے اتنے اللہ والے اس طرح اللہ کی راہ میں اس سے قبل نکلتے نہیں دیکھے تھے اور ان کے طمطراق کی خبر سن کر غنیم میں مقابلے کی ہمت نہ رہی، اور دنیا نے دیکھا کہ ایسے بہادروں اور جانبازوں کے سامنے منازل کی صعوبت، گرمی کی شدت، بھوک اور پیاس کی دقت، حالات کی عسرت گرد راہ ہو کر رہ گئی۔ مسلمان پیغمبر اسلام ﷺ سے جنگ کی تیاری کا اعلان سن کر اس کی تعمیل کے لیے پروانہ وار مصروف ہو گئے اور پوری تیز رفتاری اور دوڑ دھوپ سے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ چاروں طرف سے قبیلے اور برادریاں مدینہ میں اترنا شروع ہو گئیں، لوگوں کا ایک تانتا لگ گیا۔ مدینہ کا شہر، اس کے میدان مجاہدین کی وجہ سے تنگ ہو گئے اور حالت یہ تھی کہ فاقہ مست لوگ آتے اور رسول اللہ ﷺ سے سواری فراہم کرنے کی درخواست کرتے، لیکن جب آپ ﷺ ان سے سواری کے بارے میں معذرت کرتے تو وہ اس حالت میں واپس ہو جاتے کہ ان کی آنکھوں سے اس شرکت کی محرومی کی وجہ سے آنسو رواں ہو جاتے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے ان کی اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

> "میں تمھیں سوار کرنے کے لیے کوئی سواری نہیں پاتا تو وہ اس حالت میں واپس ہوتے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے کہ وہ خرچ

Marfat.com

کرنے کے لیے کچھ نہیں پا رہے ہیں۔" (توبہ۹:۹۲)

مدینہ میں اس وقت ایک منافقین کا گروہ بھی تھا جو ففتھ کالمسٹ کا کردار ادا کر رہا تھا۔ اندرونی طور پر دشمن سے ان کا رابطہ تھا، لیکن مسلمانوں کو بھی وہ ناراض نہیں نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے نہ جانے کے جواز میں حیلے بہانے شروع کر دیئے۔ یہ گروہ طامع اور حریص تھا۔ جہاد کے نام سے ان کے بدن پر رعشہ طاری ہو جاتا تھا۔ وہ حیلہ سازی پر اتر آیا۔ باہم سرگوشیاں کرنے لگے کہ اس گرمی میں اتنی طویل مسافت پر جہاد کے لیے جانا! یہ کیا مذاق ہے؟ وہ نہ صرف خود نہ جانے کے لیے بہانے تلاش کرنے لگے بلکہ مخلص مسلمانوں کو بھی بہکانے لگے تاکہ وہ بھی نہ جائیں۔ چنانچہ کہتے "لا تنفروا فی الحر" (توبہ۹:۸۱) ایسی گرمی میں گھر سے نہ نکلنا۔

ان منافقوں ہی میں سے بنو سلمہ کا ایک شخص جد بن قیس تھا۔ اس سے جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم بنو اصفر (رومیوں) کے ساتھ جہاد کرنے نہیں چلو گے؟ تو اس نے ایک نہایت بودا جواب دیا کہ یا رسولؐ اللہ! مجھے اپنے ہمراہ نہ لے جایئے۔ میری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کے بارے میں کس قدر حواس باختہ ہوں، رومیوں کی عورتیں حسن و جمال میں شہرۂ آفاق ہیں، اس لیے انھیں دیکھ کر میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکوں گا۔ یہ جواب سن کر پیغمبر اسلام ﷺ نے اس سے منہ موڑ لیا۔

سویلم ایک یہودی تھا۔ یہ منافقین اس کے گھر میں جمع ہو کر مسلمانوں کو جنگ میں جانے سے روکنے کے لیے تدابیر سوچتے اور مختلف قسم کی مجلسیں (Meetings) منعقد کرتے۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ایک روز آپ ﷺ کو اطلاع ملی کی سویلم یہودی کے گھر میں کچھ لوگ جمع ہو کر مسلمانوں کو جنگ سے روکنے کی میٹنگ کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسی وقت سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں چند مسلمانوں کو بھجوا کر سویلم کے گھر کو آگ لگوا دی۔ آگ کے شعلوں سے گھبرا کر ایک فتنہ جو نے چھت سے چھلانگ لگا دی اور اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں، باقی لوگ بھاگ گئے۔ اس واقعے کے بعد پھر کسی منافق کو زبان سے ایسی بات نکالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ ﷺ کی ایک ہی گرفت نے تمام منافقوں کے حواس باختہ کر دیئے۔

Marfat.com

چندہ کی اپیل:

لوگ تو جنگ میں جانے کے لیے اکٹھے ہو گئے کیونکہ ہر شخص کو آپ ﷺ نے موقع کی نزاکت اور اہمیت کا احساس دِلا دیا تھا لیکن اس جیش کے لیے مال و اسباب کی فراہمی بھی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی تحریک پر سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کل مال جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی، آپ ﷺ کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ کر آئے؟'' عرض کیا ''صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو۔'' سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال پیش کیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دو سو اوقیہ (ساڑھے ۲۹ کلو) چاندی لا کر حاضر کی۔ سیدنا عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے نوے وسق (ساڑھے تیرہ ہزار کلو) کھجور لا کر پیش کی۔ (زرقانی: ۶۴/۳)

اب نگاہِ نبوت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف اٹھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے لیے ایک قافلہ تیار کیا ہوا تھا جس میں پالان اور کجاوے سمیت دو سو اونٹ تھے اور ساڑھے انیس کلو چاندی تھی۔ آپ ﷺ نے یہ سب پیش کر دیا۔ اس کے بعد پھر ایک سو اونٹ پالان اور کجاوے سمیت پیش کیے۔ اس کے بعد ایک ہزار دینار یعنی ساڑھے پانچ کلو سونا لے آئے اور انھیں آغوش نبوت میں ڈال دیا۔ آپ ﷺ خوشی سے ان دیناروں کو اچھالتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے: آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی ضرر نہیں ہو گا۔ اس کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر دیا اور پھر اور پیش کیا یہاں تک کہ ان کے چندہ کی مقدار نقدی کے علاوہ نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔ (فتح الباری: ۴۴/۷)

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بہت سارا مال لائے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی اپنی اپنی طاقت کے مطابق بہت سارا مال لائے۔ بقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی جو کچھ ان سے بن پڑا، سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ عورتوں نے بھی اپنے زیورات آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجے۔ غرض کہ کسی صحابی مرد اور عورت نے اس بارے میں بخل سے کام نہ لیا اور اپنی استطاعت سے بڑھ چڑھ کر چندہ پیش کیا، لیکن پھر بھی اتنے بڑے لشکر کی سواری اور زادِ راہ کا پورا سامان نہ ہو سکا۔

Marfat.com

چنانچہ نادار صحابہ سواری نہ ہونے کی وجہ سے روتے ہوئے واپس جاتے۔ سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابولیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب رضی اللہ عنہ جب روتے ہوئے واپس گئے تو راستہ میں یامین بن عمرو نضری رضی اللہ عنہ مل گئے۔ انھوں نے ان دونوں سے رونے کا سبب پوچھا، انھوں نے کہا کہ نہ تو رسول اللہ ﷺ کے پاس سواری کا بندوبست ہے اور نہ ہم میں سفر کا سامان مہیا کرنے کی استطاعت ہے۔ اب رونا اس حسرت اور افسوس کا ہے کہ اس وجہ سے ہم اس غزوہ میں شرکت سے محروم رہے جاتے ہیں۔ ان کی یہ دردناک اور رقت آمیز کہانی سن کر یامین بن عمرو نضری رضی اللہ عنہ کا دل بھر آیا۔ فوراً جا کر ایک اونٹ خرید کر ان دونوں کو دیا اور زاد راہ کا بھی انتظام کیا۔ (زرقانی: ۳/ ۶۶، عیون الاثر: ۲/ ۲۹۳، ابن ہشام: ۲/ ۵۱۸) جو لوگ جنگ میں سواری نہ ہونے کی وجہ سے نہ جا سکے اور حسرت میں رونے لگے ان کا لقب ہی "البکاؤون" پڑ گیا۔

(عیون الاثر: ۲/ ۲۹۳)

اسلامی لشکر مدینہ طیبہ سے باہر جمع ہوا۔ جب تک سرکار دو عالم ﷺ مدینہ کے انتظام و انصرام کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے، نماز کی امامت کے فرائض سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ادا فرماتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ کا انتظام سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ اور ایک روایت کے مطابق سیدنا سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ (لیکن زیادہ صحیح روایت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی ہے) کے سپرد کر کے اور اپنے اہل و عیال سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو تفویض فرما کر اور مناسب ہدایات دے کر لشکر گاہ میں تشریف لے آئے۔ یہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کو لشکر سے نکال دیا۔ (عیون الاثر: ۲/ ۲۹۳)

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے اہل و عیال کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا تو منافقین نے ان پر طعنہ زنی کی۔ آپ ﷺ نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ آپ ﷺ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

کوچ کا نقارہ بجنے کے ساتھ ہی لشکر میں حرکت پیدا ہوئی۔ ذرا دیر میں ہر طرف غبار

Marfat.com

اڑ رہا تھا۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ نے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ شہر کی عورتیں اپنے گھروں کی چھتوں سے اس لشکرِ جرار کا نظارہ دیکھنے لگیں جو صحرا کو پامال کرتا ہوا شمال کی جانب بڑھا۔ یہ جمعرات کا دن تھا۔ اس کی منزل تبوک تھی اور اس میں تیس ہزار مردانِ جنگی تھے۔ اس سے بڑا لشکر اس سے پہلے کبھی دشمن کے مقابلے میں نہ گیا تھا، جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ اتنا چندہ جمع ہونے کے باوجود بھی لشکر کے لیے سواری اور زاد راہ کی سخت کمی تھی۔ چنانچہ اٹھارہ آدمیوں کے لیے ایک ایک اونٹ تھا۔ جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ اسی طرح کھانے کی بھی سخت کمی تھی۔ بسا اوقات درختوں کی پتیاں استعمال کرنا پڑتیں جس سے ہونٹ متورم ہو گئے تھے۔ مجبوراً اونٹوں کو ذبح کرنا پڑا حالانکہ وہ پہلے ہی بہت کم تھے۔ تاکہ ان کے معدے اور آنتوں کے اندر جمع شدہ پانی اور تری کو پیا جا سکے۔ البتہ یہ وہ پہلا لشکر ہے جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ (عیون الاثر: ۲/۲۹۱)

مال و اسباب اور زاد راہ کی اس تنگی کی وجہ سے اس کا نام ''جیش العسرۃ'' یعنی تنگی کا لشکر پڑ گیا لیکن اتنی تنگی کے باوجود بھی جہاد و شہادت کے جذبے نے گرمی کا خوف اور بھوک اور پیاس کا خطرہ ان کے دلوں سے محو کر دیا اور وہ نہایت خوشی و مسرت کے ساتھ اس ہادیٔ برحق ﷺ کی معیت میں راستے کی صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنے لگے۔

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے سائے اور عیش و تنعم کو ایمان اور رضائے الٰہی پر ترجیح دی۔ وہ آپ ﷺ کے ساتھ اس اہم اور عظیم سفر پر نہ گئے بلکہ وہ گھروں میں بیٹھے رہے۔ قرآن حکیم نے ان کے لیے ''مخلفین'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ دس ہزار سواروں کا دستہ لشکر کے آگے آگے چل رہا تھا۔ مدینہ کی چھتوں پر عورتوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ جمع ہو کر اس لشکر کی قوت و جلال سے نہ صرف متاثر ہو رہی تھیں بلکہ ان کی کامیابی کے لیے بارگاہ الوہیت میں دست بدعا بھی تھیں، لیکن دوسری طرف ان عورتوں کے نظارے نے بھی بعض ایسے مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کر لیا جو رسول اللہ ﷺ کی دعوت سے متاثر ہونے کے بجائے گھروں میں بیٹھے رہے۔ انھی میں ایک ابوخیثمہ بھی ہیں جو اس منظر کو دیکھنے کے بعد اپنے گھر واپس لوٹے تو ان کی دونوں بیویوں نے اپنے اپنے دالان اور آنگن سجائے، زمین پر چھڑکاؤ کیا اور وہ شوہر کے لیے کھانا تیار کیے بیٹھی تھیں۔ ابوخیثمہ نے یہ اہتمام دیکھ کر فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ تو

Marfat.com

دھوپ کی شدت وتمازت اور گرم لو کے تھپیڑوں سے دو چار ہوں اور ابوخیثمہ اس پُر بہار سایہ، خوش ذائقہ خوان اور حسین وجمیل بیویوں کے جھرمٹ میں دادِعیش دے۔ بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا! اسی وقت گھر والوں کو حکم دیا کہ میرے لیے زادِ راہ تیار کرو اور اسی وقت رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگئے اور تبوک میں لشکر سے جا ملے۔

حضور ﷺ نے دور سے اونٹ پر سوار آتا دیکھ کر فرمایا: ابوخیثمہ آرہا ہے، فرماتے ہیں: میں نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ بیان کیا کہ میرے دل میں یہ ہوک اٹھی جس نے مجھے اس طرح آنے پر مجبور کیا۔ آپ ﷺ نے میرے لیے دعائے خیر کی۔

(عیون الاثر: ۲/۲۹۴، زرقانی: ۳/۷۱، فتح الباری: ۸/۸۸)

اسی طرح سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ''السابقون الاولون'' میں سے تھے۔ ان کا اونٹ لاغر اور کمزور تھا۔ اس لیے یہ خیال ہوا کہ دو چار روز میں یہ اونٹ کھا پی کر چلنے کے قابل ہو جائے گا، اس وقت میں آپ ﷺ سے جاملوں گا، لیکن ہوا یہ کہ وہ اونٹ دو چار روز میں چلنے کے قابل نہ ہوا، جب اس سے ناامید ہوگئے تو اپنا سامان پشت پر لادا اور پیادہ پا آپ ﷺ کے پیچھے روانہ ہوگئے۔ اسی طرح تن تنہا تبوک پہنچے۔ آپ ﷺ نے دور سے اکیلا آتے دیکھ کر فرمایا: ''اللہ ابوذر پر رحم فرمائے، اکیلا چلا آرہا ہے، اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا، سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ربذہ میں تنہا وفات پائی۔ کوئی تجہیز وتکفین کرنے والا نہ تھا۔ اتفاق سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ سے واپس آرہے تھے، انھیں پتہ چلا کہ اس ویرانہ میں سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا ہے، انھوں نے تجہیز وتکفین کی۔ (زرقانی: ۳/۷۱)

ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھے۔ ان میں تین تو خالص مومن تھے اور باقی وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں ایمان ابھی راسخ نہیں ہوا تھا یا پھر نفاق کے دبیز پردے ان کے قلب کو گھیرے ہوئے تھے۔ ان خالص مومنین میں یہ تین حضرات تھے: سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، سیدنا مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ اور سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ۔ ان کے بارے میں ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے۔

Marfat.com

تبوک روانگی:

راستے میں کئی وادیوں سے آپ ﷺ کا گزر ہوا۔ چنانچہ وادئ حجر سے بھی اسلامی لشکر کو گزرنا پڑا۔ یہ وہ وادی ہے جہاں قوم ثمود پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ ثمود وہ قوم تھی جس نے وادی القریٰ کے اندر چٹانیں تراش تراش کر مکان بنائے تھے۔ جب آپ ﷺ وہاں سے گزرے تو اس درجہ متاثر ہوئے کہ چہرۂ مبارک پر کپڑا لٹکا لیا اور ناقہ کو تیز کر دیا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تاکید فرمائی کہ کوئی شخص نہ تو اس وادی کا پانی پیے اور نہ ہی وضو کرے۔ اگر کسی نے پکانے کے لیے آٹا گوندھ لیا ہے تو اونٹوں کو کھلا دیا جائے۔ کوئی شخص ایسے آٹے کی روٹی پکا کر نہ کھائے، نہ کوئی لشکر گاہ سے اکیلا باہر نکلے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی حکم دیا کہ لوگ اس کنویں سے پانی لیں جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔

(زرقانی: ۳/۷۳، فتح الباری: ۶/۲۶۸)

بدقسمتی سے دو مسلمان رات کے وقت لشکر گاہ سے باہر چلے گئے۔ ایک کو ہوا جھپٹ کر لے گئی اور دوسرا ریت کے نیچے دب گیا۔ صبح ہوئی تو جس کنویں کے پانی سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا، منہ تک ریت سے اٹا ہوا تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ایک شخص کا دم گھٹ گیا جو آپ ﷺ کے دم کرنے سے اچھا ہوا اور دوسرے کو ہوا نے دور پھینک دیا۔

بخاری نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ دیار ثمود یعنی حجر سے گزرے تو فرمایا کہ ان ظالموں کے مکانوں میں داخل نہ ہونا، کہیں تم پر بھی وہی مصیبت نہ آن پڑے جو ان لوگوں پر آئی تھی، ہاں مگر روتے ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا سر ڈھکا اور تیزی سے چل کر وادی پار کر گئے۔ (بخاری: ۲/۶۳۷)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ جگہیں جہاں اللہ کا عذاب اور صفت قہر کا ظہور ہوا یا ہوتا ہے، وہاں جانے سے نزول عذاب کا اندیشہ ہے، کیونکہ عذاب کی باد سموم کے اثرات اور وہاں کے زہریلے اثرات روح اور قلب کے لیے مضر اور نقصان دہ ہوتے ہیں۔

پانی نہ ملنے کی وجہ سے راستے میں سخت دشواری ہو رہی تھی۔ مسلمان خوفزدہ تھے کہ اتنا طویل سفر پانی کے بغیر کیسے طے ہوگا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی شکایت

Marfat.com

کی گئی۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا آسمان کی بلندیوں پر ظاہر ہوا اور چشم زدن میں جل تھل کرتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا۔ لشکر نے پیٹ بھر کر پانی پیا اور راستے کے لیے چھاگلیں اور دوسرے برتن بھی بھر لیے۔ جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

راستے میں آپ ﷺ کی ناقہ گم ہو گئی۔ ایک منافق نے کہا آپ ﷺ آسمان کی خبریں دیتے ہیں مگر اپنی ناقہ کی خبر نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے کسی چیز کا علم نہیں مگر وہ جو اللہ نے مجھ کو بتلا دیا۔ پھر آپ ﷺ کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا کہ آپ ﷺ کی وہ ناقہ فلاں وادی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت سے اٹک گئی ہے جس سے وہ رکی ہوئی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس اونٹنی کو جا کر لے آئے۔

تبوک پہنچنے سے ایک روز قبل آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا: کل چاشت کے وقت تم تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے، لہٰذا تم میں سے کوئی شخص میرے پہنچنے سے پہلے اس چشمے سے پانی نہ لے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہمارے پہنچنے سے قبل دو آدمی وہاں پہنچ چکے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے اس چشمہ کے پانی کو ہاتھ لگایا ہے، انھوں نے جواب دیا: ''جی ہاں۔'' آپ ﷺ نے ان دونوں سے کچھ نہ فرمایا۔ چشمہ میں سے تھوڑا تھوڑا پانی آ رہا تھا۔ پھر چشمہ سے کچھ پانی ایک برتن میں جمع کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنا منہ ہاتھ دھویا پھر وہ پانی اسی چشمے میں ڈال دیا۔ پانی ڈالنا تھا کہ اس چشمے سے نہایت تیزی سے پانی آنے لگا جس سے تمام لشکر سیراب ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''اے معاذ! اگر تو زندہ رہا تو اس مقام کو باغات سے سرسبز و شاداب دیکھے گا۔ (مسلم: ۲/۲۴۶)

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ آج تک وہ چشمہ فوارے کی طرح جاری ہے اور دور سے اس کی آواز سنائی دیتی ہے۔ (خصائص کبریٰ: ۱/۲۷۳)

تبوک پہنچ کر آپ ﷺ نے بیس روز قیام فرمایا۔ آپ ﷺ نے ان بیس دنوں میں دشمن کا انتظار کیا کیونکہ آپ ﷺ اس سے فیصلہ کن مقابلہ کرنا چاہتے تھے، لیکن آپ ﷺ کے آنے سے دشمن کچھ اس طرح مرعوب ہو گیا کہ اس کو مقابلے میں آنے کی

Marfat.com

سکت نہ رہی۔ آپ ﷺ کی اس پیش قدمی کے اثرات بہت اچھے پڑے۔ اس سے ایک تو مسلمانوں کی فوجی ساکھ قائم ہوگئی۔ دوسرے اس سے بڑے اہم سیاسی فوائد حاصل ہوئے جو شاید جنگ کی صورت میں بھی حاصل نہ ہو سکتے۔ آپ ﷺ کو اطلاع موصول ہوئی تھی کہ عیسائیوں کا جو لشکر سرحد پر پڑا ہوا تھا، اسے شام میں واپس لے جایا گیا ہے۔ دشمن کی اس گریز پائی سے آپ ﷺ نے اس کے خوف و ہراس کا اندازہ لگا لیا، لیکن اس کا تعاقب غیر ضروری سمجھنے کے باوجود عرب اور شام کی سرحد پر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ گویا ایک قسم کی مبارزت تھی کہ دشمن کو اگر مقابلہ کرنا ہو تو ہم حاضر ہیں، لیکن بیس روز کے قیام میں دشمن کو مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی۔

اس سرحد پر ایلہ کے حاکم یوحنا بن رویہ کی حکومت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اپنا سفیر بھیجا کہ "اگر ہماری اطاعت منظور ہے تو درست وگرنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یوحنا نے خود بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر جزیہ دینا منظور کر لیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو اس کے سینے پر سونے کی صلیب لٹک رہی تھی اور نذر گزارنے کے لیے قسم قسم کے تحائف اس کے ساتھ تھے۔ اسی طرح جرباء اور اذرح کے حکمرانوں نے بھی آپ ﷺ کی اطاعت میں سر جھکا دیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں کے لیے ایک تحریر لکھوا کر ہر ایک کے حوالے کر دی۔ یوحنا کی تحریر کچھ یوں تھی:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: یہ پروانۂ امن ہے اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ اس کے نبی اور رسول کی طرف سے یوحنا بن رویہ اور باشندگان کے لیے جو مراعات ذیل پر مشتمل ہے:

(ا) یوحنا کے کسی دشمن کی طرف سے اس کے بحری و بری (کشتیوں اور قافلوں) کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر عائد ہوگی بشمول ان لوگوں کے جو یوحنا کے حلیف ہوں اور جو شام و یمن ساحل سمندر کے رہنے والے ہوں۔

(ب) اور اگر ان کا کوئی آدمی ہمارے ساتھ بدعہدی کرے گا تو اس کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا جائے گا اور ایسا مال محمد ﷺ کے لیے مباح ہوگا۔ البتہ مالی نقصانات کے عوض کسی کی جان سے تعرض نہ کیا جائے گا۔

(ج) یوحنا اور ان کے حلیفوں کو ان دریاؤں کا پانی بند کرنے کا اختیار نہ ہوگا جو اب تک ان کے علاقوں سے گزر کر مسلمانوں کی اراضی سیراب کر رہے ہیں۔

Marfat.com

(د) یوحنا اور اس کے حلیفوں کو ہمارے ان راستوں کی ناکہ بندی کا اختیار نہ ہوگا جو خشکی اور سمندر میں ہماری گزرگاہیں ہیں۔"

رسول خدا ﷺ نے اس معاہدہ کی مزید توثیق کے لیے یوحنا بن رؤیہ حاکم ایلہ کو اپنی یمنی چادر مبارک عطا فرمائی اس کی ہر طرح مدارات کی اور جزیہ تین سو دینار سالانہ قرار پایا۔

تبوک کے اسی قیام کے دوران آپ ﷺ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پانچ سو سواروں کا دستہ دے کر دومتہ الجندل کے حاکم اکیدر کے پاس بھیجا کیونکہ اس عیسائی حاکم سے اندیشہ تھا کہ اگر ہرقل شاہ روم پھر کسی وقت سر اٹھائے تو اکیدر بن عبدالملک بھی اس کی مدد کے لیے نہ نکل آئے۔ اس لیے اکیدر کی سرکوبی ضروری سمجھی گئی۔ آپ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روانگی کے وقت فرمایا کہ تم اسے نیل گائے کا شکار کھیلتا ہوا پاؤ گے۔ اس کو قتل نہ کرنا بلکہ گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا۔ خالد رضی اللہ عنہ اپنے دستہ کے ساتھ کچھ اس انداز سے گئے کہ اکیدر کو ان کے آنے کی کوئی خبر نہ ہوئی۔ گرمی کا موسم تھا۔ اکیدر نے اس رات کی چاندنی کو غنیمت سمجھ کر اپنے بھائی حسان کو ساتھ لیا اور دونوں نیل گائے کے شکار کے لیے قلعہ سے باہر نکل کھڑے ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ اکیدر اور اس کی بیوی قلعہ کی فصیل پر بیٹھے گانا سن رہے تھے۔ اچانک ایک نیل گائے نے نکل کر قلعہ کے پھاٹک کو ٹکر ماردی۔ اکیدر اپنے بھائی کے ساتھ شکار کے لیے اترا اور وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے دوڑ پڑے۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے دستہ نے ان کو جالیا۔ اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا اور وہ مارا گیا اور اکیدر کی جان بخشی اس شرط پر کی گئی کہ وہ ہمارے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو اور وہ مسلمانوں کے لیے شہر کے دروازے کھول دے۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل مال غنیمت حاصل کیا:

اونٹ ۲ ہزار، بکری ۸۰۰ ۸، گھوڑے ۸ سو، زرہیں ۴ سو، گندم ۴ سو وسق۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اکیدر کو اپنے ساتھ لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ اکیدر حاضر خدمت ہوتے ہی مسلمان ہو گیا اور بدستور اپنے علاقے کا حکمران رہا تاہم بعد میں وہ مرتد ہو گیا۔

(عیون الاثر: ۲۹۸/۲)

ان واقعات نے ان قبائل پر بہت اچھے اثرات مرتب کیے جواب تک رومیوں کے

Marfat.com

آلۂ کار بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ ہرقل کو چھوڑ کر مسلمانوں کے حمایتی بن گئے۔ اس سے اسلامی حکومت کی یہاں تک وسعت ہوئی کہ اس کی سرحدیں رومی سرحدوں سے جاملیں۔

واپسی:

تبوک میں بیس روز قیام کے بعد آپ ﷺ مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ دشمن سے کوئی تصادم نہ ہوا۔ جب آپ ﷺ مقام ذی آوان پہنچے جو مدینہ سے ملحقہ ایک بستی ہے اور یہاں سے مدینہ طیبہ ایک گھنٹہ کی مسافت پر رہ جاتا ہے تو آپ ﷺ نے مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ اور معن بن عدی رضی اللہ عنہ کو مسجد ضرار جلانے اور منہدم کرنے کے لیے آگے بھیجا۔ یہ مسجد منافقین نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف مشورے کرنے اور تفریق بین المومنین کے لیے بنائی تھی۔ جب آپ ﷺ سفر تبوک پر تشریف لے جارہے تھے تو منافقین نے آکر آپ سے درخواست کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لیے ایک مسجد بنائی ہے، آپ ﷺ اس میں پہلی نماز تبرک کے طور پر پڑھا کر اس کا افتتاح فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے اس معاملے کو واپسی پر ملتوی کر دیا۔ واپسی پر آپ ﷺ نے ان دو حضرات کو اس کے جلانے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے اس کو نذرِ آتش کر دیا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس کے بارے میں آیات نازل ہوئیں جن میں اس کو ''مسجد ضرار'' کہا گیا اور اس کا مقصد تفریق بین المومنین اور مشرکین کا اڈہ بتایا گیا۔

جب آپ ﷺ مدینہ کے قریب پہنچے اور مدینہ کے درودیوار پر آپ ﷺ کی نگاہ پڑی تو فرمایا: یہ طابہ ہے اور یہ پہاڑ احد ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ مدینہ میں آپ ﷺ کی آمد پر آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے اس مظفر و منصور لشکر کا زبردست استقبال کیا گیا اور مدینہ کی عورتیں اور بچے نغمہ گنگناتے ہوئے آپ ﷺ کے استقبال کے لیے گھروں سے باہر نکل آئے۔

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا — ما دعا للہ داع

''ہم پر ثنیۃ الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے۔ جب تک پکارنے وا

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کو پکارے ہم پر اس کا شکر واجب ہے۔"

رسول اللہ ﷺ رجب کے مہینہ میں تبوک کے لیے روانہ ہوئے۔ تیس روز آمدورفت میں لگے اور بیس روز تبوک میں قیام فرمایا۔ چنانچہ جب مدینہ طیبہ میں واپس تشریف لائے تو رمضان المبارک سنہ ۹ ھ کا مہینہ تھا۔ مدینہ میں داخل ہوتے ہی آپ ﷺ سیدھے مسجد نبویؐ تشریف لے گئے۔ وہاں دو رکعت ادا فرمائیں اور ذاتِ واجب کا شکر ادا کیا۔ نماز سے فراغت کے بعد لوگوں سے ملاقات کے لیے کچھ دیر مسجد میں تشریف فرما رہے۔ پھر آرام کے لیے گھر تشریف لے گئے۔ یہ آپ ﷺ کا آخری غزوہ ہے جس میں آپ ﷺ نے شرکت فرمائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ انتقال تک مدینہ طیبہ ہی میں رہے۔

متخلفین:

اس غزوہ کا ذکر مکمل نہیں ہوتا جب تک ان لوگوں کا تھوڑا سا تذکرہ نہ کر دیا جائے جنھوں نے اس غزوہ میں شمولیت نہ کی۔ اس غزوہ میں مومنین اور منافقین کے لیے ایک سخت آزمائش تھی۔ اس سے اہل ایمان اور دوسرے لوگوں میں تمیز ہوگئی۔ کیونکہ اس غزوہ میں تمام مومنین مخلصین نے شرکت کی اور اس سے غیر حاضری نفاق کی علامت قرار پائی۔ اس غزوہ میں تین قسم کے لوگ پیچھے رہ گئے:

① ایک وہ لوگ جن کے دل نفاق کے زہر سے بھرے ہوئے تھے اور جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہوا تھا۔

② وہ لوگ جو معذور تھے اور اس غزوہ میں اپنی مالی یا جسمانی کمزوریوں کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔

③ تین مخلص مومن وہ بھی تھے جن کے پاس شرکت نہ کرنے کا کوئی عذر بھی نہ تھا لیکن پھر بھی شرکت نہ کی، اللہ تعالیٰ نے انھیں آزمائش میں ڈالا اور پھر ان کی توبہ قبول فرمائی۔

جب آپ ﷺ مدینہ میں وارد ہوئے اور مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں لوگوں کی خاطر تشریف فرما ہوئے تو اس دوران منافقین جنھوں نے اس غزوہ میں

Marfat.com

شرکت نہ کی تھی، آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جھوٹے عذر پیش کرنے شروع کر دیئے اور قسمیں کھا کھا کر آپ ﷺ کو بتانا شروع کر دیا کہ ہم ان عذروں کی وجہ سے اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ آپ ﷺ نے ان کے عذروں کو قبول فرماتے ہوئے معاف کر دیا لیکن تین مومنین مخلص ایسے تھے جنھوں نے سچائی اختیار کرتے ہوئے صاف بتا دیا کہ ہم نے کسی مجبوری یا عذر کے بغیر اس غزوہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ یہ تین حضرات تھے:

(۱) کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

(۲) مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ

(۳) ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ

یہ تینوں حضرات بڑے جلیل القدر لوگوں میں سے تھے۔ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تو ان بہتر (۷۲) سابقین انصار میں سے تھے جنھوں نے بیعت عقبہ ثانیہ میں شرکت کی تھی اور آپ ﷺ کو مدینہ طیبہ تشریف لانے کی دعوت دی تھی اور آپ ﷺ کی ذات شریف کے لیے ہر جانی اور مالی قربانی کا وعدہ کیا تھا، سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ اس بیعت میں تو شریک نہیں تھے البتہ غزوۂ بدر میں دونوں حضرات نے شرکت کر کے اپنی جاں نثاری اور اخلاص نیت کا ثبوت فراہم کر دیا ہوا تھا۔ سوائے سستی اور کاہلی کے ان کے پاس اس عظیم الشان غزوہ میں شرکت نہ کرنے کے لیے کوئی عذر نہ تھا، حالانکہ اس میں شرکت وقت اور اسلام کا اہم تقاضا تھا۔

بخاری میں سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ قریباً ہر غزوہ میں رسول اللہ ؐ کی ہم رکابی کا شرف مجھے حاصل رہا۔ اس دفعہ بھی یہ خیال تھا کہ کوچ ہمایوں کے ساتھ چلوں گا، لیکن ایک کے بعد ایک دن گزرتا گیا اور میں اسی خیال میں رہا کہ یہ کام نپٹا لوں تو روانہ ہو جاؤں گا۔ اسی طرح آج کل ہوتے ہوتے کئی روز گزر گئے اور قافلہ دور نکل گیا، گویا ؏

یک لحہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

اور مدینہ طیبہ میں سوائے معذورین اور منافقین کے اور کوئی باقی نہ رہا۔ جب یہ منظر دیکھتا تو سخت رنج ہوتا۔ اتنے میں یہ خبر اڑی کہ سرور کائنات ﷺ واپس تشریف لا رہے ہیں۔ تب میری آنکھیں کھلیں۔ بہر حال آپ واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ اب متخلفین

Marfat.com

(پیچھے رہ جانے والے) آ آ کر اپنی معذرتیں کرنے لگے اور قسمیں کھا کھا کر اپنے بیان کی سچائی بتانے لگے۔ یہ کچھ اوپر اسی آدمی تھے۔ آپ ان کے ظاہر بیانات کو تسلیم کرتے گئے اور ان کے باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے رہے۔

مجھے بھی پہلے یہ خیال آیا کہ کوئی عذر بیان کر دوں گا۔ اس بارے میں کچھ عذرات میں نے سوچ بھی لیے تھے، لیکن پھر یہ سمجھا کہ بارگاہ نبوت میں حیلے بہانے غلط ہیں جو صحیح بات ہے وہی کہنی چاہیے۔ مغازی ابن عائذ میں ہے کہ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ عزم کرلیا کہ ایسا ہرگز نہ کروں گا کہ غزوہ سے پیچھے بھی رہوں اور پھر اللہ کے رسولؐ کے سامنے کذب بیانی بھی کروں۔ چنانچہ جب میری باری آئی تو میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا، سلام عرض کیا۔ سرکار مدینہ ﷺ مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ یہ مسکراہٹ خوشی کی نہیں تھی بلکہ انداز خفگی کا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم کیوں پیچھے رہ گئے؟ تم سفر کے لیے اونٹنی بھی خرید چکے تھے؟'' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسولؐ! باتیں بنانی تو مجھے بھی بہت آتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قوت خطابت عطا فرمائی ہے، اگر معاملہ کسی دنیا دار سے ہوتا تو میں کچھ باتیں بنا سکتا تھا، لیکن یہاں معاملہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات کہہ کر آپ ﷺ کو راضی کرلوں تب بھی خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حقیقت حال سے مطلع فرما دے گا اور اگر صحیح بات کہوں تو یقیناً اس وقت آپ ﷺ ناراض ہوں گے لیکن پھر معافی کی توقع بھی رہے گی۔ صحیح بات یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں تھا۔ میں اچھا خاصا تندرست تھا۔ مالی سہولت بھی مجھے میسر تھی۔ یہ میری سستی اور کوتاہی تھی کہ نہیں گیا۔ سراپا قصوروار ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کعب! بے شک تم نے سچی بات کہی۔ اب جاؤ، انتظار کرو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔

میں جیسے ہی آپ ﷺ کی مجلس مبارک سے باہر نکلا کچھ لوگ میرے پیچھے لگ گئے کہ تم نے غلطی کی۔ تم بھی دوسروں کی طرح کوئی بات بنا لیتے۔ کچھ لوگوں نے اس طرح ملامت شروع کی کہ مجھے خیال آیا کہ واپس جا کر کوئی بات گھڑ کر بتا دوں تا کہ آپ ﷺ کی ناراضگی ختم ہو، لیکن میرے ضمیر نے اجازت نہیں دی کہ رسول خدا ﷺ کے سامنے کوئی بات بناؤں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ میرے سوا کسی اور کو بھی ایسا حکم بارگاہ نبوت سے ہوا ہے۔ لوگوں

Marfat.com

نے بتایا کہ ہاں دو اور آدمیوں مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کو۔

اس کے بعد بارگاہ رسالتؐ سے جب یہ حکم صادر ہوا کہ ہم تینوں سے کوئی شخص بات چیت نہ کرے تو سب نے منہ پھیر لیا۔ گویا یہ ہمارا سوشل بائیکاٹ تھا۔ ہم نے دیکھا کہ اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہوگئی۔ اس آزمائش میں جو دونوں میرے شریک تھے، وہ تو اپنے گھروں میں بند ہوکر بیٹھ گئے لیکن میں سخت جان تھا۔ اس حالت میں بھی روزانہ گھر سے نکلتا، مسجد میں حاضر ہوتا، جماعت میں شریک ہوتا، پھر ایک گوشۂ مسجد میں سب سے الگ تھلگ بیٹھ جاتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ نماز کے بعد سرکار دو عالم ﷺ کے قریب جا کر سلام عرض کرتا۔ پھر اپنے جی میں کہتا کہ دیکھوں سلام کے جواب میں آپ ﷺ کے لبوں کو حرکت ہوتی ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ گوشۂ چشم سے کبھی کبھی مجھے دیکھ لیتے، لیکن جب میری نگاہ حسرت سے اٹھتی تو رخ مبارک پھر جاتا۔

ایک دن میں شہر سے نکلا، نہایت پریشان حال کہ میرے ساتھ کیا ہوگیا۔ چلتے چلتے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ تک پہنچ گیا۔ یہ میرے چچیرے بھائی تھے اور مجھے اپنے تمام عزیزوں میں سب سے زیادہ محبت انہی سے تھی۔ میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے کہا: ''ابوقتادہ رضی اللہ عنہ! تم نہیں جانتے میں مسلمان ہوں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت میرے دل میں موجزن ہے؟'' اس پر بھی انھوں نے میری طرف کوئی توجہ نہ کی، لیکن جب یہی بات میں نے بار بار دہرائی تو اس نے اتنا کہا: اللہ و رسولہ اعلم (اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتا ہے) تب مجھ سے ضبط نہ ہوسکا۔ بے اختیار میری آنکھوں سے موسلا دھار بارش کی طرح آنسو ٹپکنے لگے۔

وہاں سے واپس آرہا تھا کہ راستے میں ایک قبطی مل گیا۔ وہ لوگوں سے میرا پتہ پوچھ رہا تھا۔ اتفاقاً میں وہاں آگیا تو لوگوں نے میری طرف اشارہ کر کے بتایا۔ اس نے شاہ غسان کا خط نکال کر مجھے دیا۔ خط میں لکھا تھا:

> ''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کے آقا نے آپ پر بہت سختی کی ہے۔ تم ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہم تمھاری شایان شان قدر ومنزلت کریں گے۔''

خط پڑھ کر میرا خون کھول اٹھا کہ یہ ایک نئی مصیبت آن پڑی، اہل کفر کو میرے بارے میں اتنی جرأت ہوگئی کہ دشمنان دین مجھ سے یہ توقع رکھ رہے ہیں۔

Marfat.com

جب چالیس روز ہو گئے تو رسول اکرم ﷺ کی جانب سے ایک شخص آیا اور آپؐ کا حکم سنایا کہ تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ۔ میں نے کہا طلاق دے دوں، کہا نہیں صرف علیحدگی کا حکم ہے۔ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ کو بھی ایسا ہی حکم ہوا ہے۔ یہ حکم سنتے ہی میں نے اپنی بیوی کو میکے بھیج دیا۔

جب دس روز اور گزر گئے اور کل پچاس روز ہو گئے تو صبح کے وقت میں اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا اور ٹھیک وہی حالت تھی جس کی تصویر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں کھینچی ہے کہ زندگی سے تنگ آ گیا تھا اور خدا کی زمین اپنی ساری وسعتوں کے ساتھ مجھ پر تنگ کر دی گئی تھی۔ اچانک سنتا ہوں کہ کوئی شخص کوہ سلع سے پکار رہا ہے:

"کعب بن مالک مبارک ہو (ایک اور روایت میں بشارت کا لفظ ہے) تمھاری توبہ قبول ہو گئی۔"

چہ مبارک سحرے بود وچہ فرخندہ شبے
آں شب قدر کہ ایں تازہ براتم دادند

اب لوگ جوق در جوق مجھے مبارک باد دینے کے لیے دوڑے۔ ایک آدمی گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا لیکن بشارت کی آواز اس سے بھی تیز ثابت ہوئی۔

میں مسجد نبویؐ میں حاضر ہوا، دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حلقے میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی سے تمتما رہا تھا۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: "کعب بشارت ہو۔ آج کا دن تمھاری زندگی کا سب سے بہترین دن ہے۔"

مجھے بھی بڑی خوشی ہوئی تھی، لہٰذا میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! میں چاہتا ہوں کہ اپنا کل مال اللہ کی راہ میں دے دوں۔ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا: نصف مال، فرمایا نہیں: میں نے پھر عرض کیا: اچھا میرا حصہ جو خیبر میں ہے، وہ میں اللہ کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے منظور فرما لیا۔ میں نے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! اللہ نے مجھے سچائی کی وجہ سے قبولیت توبہ بخشی ہے اب میں عہد کرتا ہوں کہ مرتے دم تک کبھی سوائے سچ کے کوئی بات نہیں کروں گا خواہ کتنے ہی مصائب سے کیوں نہ دوچار ہونا پڑے۔"

(بخاری: ۶۳۴/۲، فتح الباری: ۸۶/۸، عیون الاثر: ۲۰۱/۲-۲۰۵)

Marfat.com

وہ لوگ جو مریض یا معذور ہونے کی وجہ سے اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے، ان کے بارے میں بھی سرکار دو عالم ﷺ نے مدینہ کے قریب پہنچ کر فرمایا تھا:

''مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم نے جس جگہ بھی سفر کیا اور جس وادی کو بھی تم نے طے کیا وہ تمھارے ساتھ رہے کیونکہ انھیں عذر نے روک رکھا تھا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! وہ مدینہ میں رہتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ تھے؟ فرمایا: ''ہاں، مدینہ میں رہتے ہوئے بھی تمھارے ساتھ تھے۔''

(بخاری: ۲/۶۳۷، حدیث ۴۴۲۳، غزوۂ تبوک، عیون الاثر: ۲/۲۹۹، زاد المعاد: ۳/۲-۱۳، ابن ہشام: ۲/۵۱۵، ۵۵۷)

غزوۂ تبوک کے بعد تمام عرب میں اسلام کا نفوذ بڑھ گیا۔ جو قبائل ابھی تک حلقۂ اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے، اب اپنے قائدین اور رؤسا کی معرفت وفود کی شکل میں بارگاہِ نبوتؐ میں آ کر اسلام قبول کرنے لگے اور رسول اللہ ﷺ سکون وطمانیت کے ساتھ مدینہ میں قیام پذیر رہے۔

Marfat.com

غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور

شہداء کے ناموں کی مکمل فہرست

Marfat.com

(۱) غزوہ ودّان یا الابواء

مقام غزوہ:	ودّان مکہ المکرمہ سے تقریباً اسی میل کے فاصلے پر واقع ہے جہاں رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ دفن ہیں۔
تاریخ روانگی:	شروع صفر ۲ ہجری / اگست ۶۲۳ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	بیس صفر ۲ ہجری اگست / ۶۲۳ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	پندرہ دن مدینہ سے باہر مصروف جہاد رہے۔
مدینہ منورہ میں حضور کا قائم مقام:	حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ۔
اسلامی لشکر کی تعداد:	ساٹھ یا ستر صرف مہاجرین شریک رہے۔
کفار کی تعداد:	کفار کی تعداد کا کوئی پتہ نہیں چلا۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ نہیں ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	کوئی شہید نہیں ہوا۔
کفار کی ہلاکتیں:	کوئی ہلاکت نہیں ہوئی۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	بنی ضمرہ سے ایک حلیفانہ معاہدہ ہوا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	کوئی قید نہیں ہوا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	کوئی زخمی نہیں ہوا۔
جنگ میں صاحب علم:	علم الحرب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔ علم کا رنگ سفید تھا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	معاہدہ ہونے کی وجہ سے مال غنیمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

غزوہ کے مختصر حالات:

بنی ضمرہ کا قبیلہ شارع شام پر آباد تھا اور یہ مکہ المکرمہ والوں کے لیے بہت اہم تجارتی راستہ تھا۔ بنی ضمرہ کا سردار فحشی بن عمرو ضمری بغیر قتال کے صلح پر آمادہ ہو گیا۔ یہ صلح جنگ سے زیادہ بہتر نتائج کی حامل رہی، بنو ضمر مسلمان کے دوست ہو گئے۔ یہ مکہ والوں کے لیے تجارتی سفر کے لیے اہم مقام تھا جس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ یہ ایک طریقے سے مسلمانوں کی بہت بڑی فتح ثابت ہوئی اور ایک بہت ہی بڑے خطرہ کا سدباب ہو گیا۔ اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کا تشریف لے جانا بے مقصد نہیں تھا۔ بلکہ اہل مکہ پر دھاک اور بنی ضمرہ سے صلح کے معاملے میں اپنی شرائط منظور کروانی تھیں۔ یہ مقام ابواء سے کچھ آگے ہے۔ جہاں پر حضرت آمنہ اُم رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک ہے۔

Marfat.com

(۲) غزوۂ بواط

مقام غزوہ:	بواط مدینہ منورہ سے کوئی ۴۸ میل دور شام کی تجارتی شارع پر واقع ہے۔
تاریخ روانگی:	ربیع الاول ۲ ہجری/ ستمبر ۶۳۲ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	۸ ربیع الاول ۲ ہجری/ ستمبر ۶۳۲ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	مدت کا تعین نہیں ہوا۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ۔
اسلامی لشکر کی تعداد:	دو سو مجاہدین صرف مہاجرین تھے۔
کفار کی تعداد:	کفار کی تعداد تقریباً ایک سو تھی
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ نہیں ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	کوئی شہید نہیں ہوا۔
کفار کی ہلاکتیں:	کوئی ہلاکت نہیں ہوئی۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	کفار کی تعداد معلوم نہیں۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	کوئی زخمی نہیں ہوا۔
جنگ میں صاحب علم:	علم الحرب سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا اور علم کا رنگ سفید تھا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	مال غنیمت ہاتھ نہیں آیا۔

غزوہ کے مختصر حالات:

ایک تجارتی قافلہ جو امیہ بن خلف الجمحی کی سربراہی میں شام جا رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کا رعب ان پر ڈالنے کے لیے یہ لشکر مدینہ منورہ سے ۴۸ میل کے فاصلہ پر جہینہ نامی ایک پہاڑی مقام پر رکا جو شام کے راستے پر واقع تھی۔ اس غزوے میں بظاہر مسلمانوں کی ناکامی ظاہر ہوتی ہے مگر دشمنوں پر ایک قسم کا خوف طاری ہونے لگا اور یہ سمجھنے لگے کہ مسلمان طاقت ور ہوتے چلے جا رہے جہاں سے بھی گزرتے راستے کے قبائل پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھتی جا رہی تھی۔ وہ اب مسلمانوں کو دیکھ کر مرعوب ہو جاتے تھے۔

Marfat.com

(۳) غزوۂ سفوان یا بطلب کرز بن جابر فہری

مقام غزوہ:	وادی السفوان مکۃ المکرمہ و مدینہ منورہ کے درمیان ینبع البحر کے قریب واقع ہے۔
تاریخ روانگی:	ربیع الاول ۲ ہجری/ستمبر ۶۲۳ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	ربیع الاول ۲ ہجری/ستمبر ۶۲۳ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	مدت کا تعین نہیں ہوا۔
مدینہ منورہ میں حضور کا قائم مقام:	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
اسلامی لشکر کی تعداد:	کہیں چند صحابہ اور کہیں ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے۔
کفار کی تعداد:	کرز بن جابر فہری کی سرداری میں کفار تھے۔ تعداد معلوم نہیں۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ نہیں ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	کوئی شہید نہیں ہوا۔
کفار کی ہلاکتیں:	کوئی ہلاکت نہیں ہوئی۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	کوئی قید نہیں ہوا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	کوئی زخمی نہیں ہوا۔
جنگ میں صاحب علم:	علم الحرب علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے سپرد کیا گیا تھا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	مال غنیمت ہاتھ نہیں آیا۔

غزوہ کے مختصر حالات:

اس غزوہ سفوان کو غزوہ بطلب کرز بن جابر الفہری بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس غزوہ کا مقصد اس کو پکڑنا تھا اور اس کی سرکوبی کرنا تھا۔ کرز بن جابر فہری رات کے وقت مدینہ منورہ کی وادی العقیق سے سرح یا شرح نامی مقام پر حملہ کر کے بہت سے مویشیوں کو بھگا کر اپنے ساتھ لے گیا تھا اور کچھ مالی نقصان بھی پہنچایا جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے خود ایک لشکر تیار کیا یہ لشکر اس کا پیچھا کرتے ہوئے کہیں دور نکل گیا۔ اب آہستہ آہستہ کفار کو مدمقابل سے لڑنے کی ہمت نہیں رہی۔

Marfat.com

(۴) غزوۂ ذی العشیرہ

مقام غزوہ:	ذی العشیرہ یہ مقام مدینہ منورہ سے ڈھائی سو کلومیٹر شارع شام کے قریب واقع ہے۔
تاریخ روانگی:	جمادی الآخر ۲ ہجری/نومبر ۶۲۳ عیسوی
تاریخ واپسی:	جمادی الآخر ۲ ہجری/نومبر ۶۲۳ عیسوی
مدینہ سے باہر:	مدت کا تعین نہیں ہوا۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ۔
اسلامی لشکر کی تعداد:	ڈیڑھ سو یا دو سو مجاہدین ہم رکاب تھے۔
کفار کی تعداد:	تعداد معلوم نہیں ابوسفیان کی سرداری میں کفار تھے۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ نہیں ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	کوئی شہید نہیں ہوا۔
کفار کی ہلاکتیں:	کوئی ہلاکت نہیں ہوئی۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	بنی مدلج سے حلیفانہ معاہدہ ہوا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	کوئی قید نہیں ہوا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	کوئی زخمی نہیں ہوا۔
جنگ میں صاحب عَلَم:	علم الحرب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے سپرد کیا گیا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	مال غنیمت ہاتھ نہیں آیا۔

غزوہ کے مختصر حالات:

ابوسفیان کی نگرانی میں یہ تجارتی قافلہ شام کی طرف جا رہا تھا۔ اس کی خبر رسول اللہ ﷺ تک پہنچی۔ ڈیڑھ سو مجاہدین کے ساتھ اس قافلے کو روکنے کے لیے نکل پڑے کیونکہ اہل قریش مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی جنگ کی تیاری کر رہے تھے۔ اس تیاری میں خلل ڈالنے کے لیے یہ لشکر روانہ کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے مخبر شارع شام کی طرف پھیلا دیے تاکہ ان پر کڑی نگرانی رکھی جائے اور اپنا سفر بھی جاری رکھا یہاں تک کہ مقام ذی العشیرہ جو ینبع البحر کے قریب ہے تک آ گئے۔ راستے میں بنی ضمرہ اور بنی مدلج کو جو پہلے سے حلیف تھے معاہدہ پر سختی سے عمل پیرا رہنے پر زور دیا اور کہا شارع شام کی خبریں مدینہ منورہ میں تازہ بہ تازہ پہنچائی جائیں۔ اس میں کوئی کوتاہی نہ رہے۔

Marfat.com

(۵) غزوۂ بدرالعظمیٰ

مقام غزوہ:	مقام بدر مدینہ منورہ سے ڈیڑھ سو کلومیٹر مکہ المکرمہ کی جانب بئر بدر یا عین البدر کے مقام پر ہوئی تھی۔
تاریخ روانگی:	۸ر رمضان ۲ر ہجری/ ۴ر مارچ ۶۲۳ عیسوی
تاریخ واپسی:	۲۸ر رمضان ۲ر ہجری/ ۲۳ر مارچ ۶۲۳ عیسوی
مدینہ سے باہر:	انیس یا بیس دن مدینہ سے باہر مصروف جہاد رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی تیمارداری کے لیے مدینہ چھوڑا گیا۔
اسلامی لشکر کی تعداد:	۳۱۳ جس میں انصار بھی شامل تھے۔
کفار کی تعداد:	کفار کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ تھی۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	حق وباطل کی یہ پہلی جنگ فیصلہ کن رہی۔
شہداء کی تعداد:	۱۴ اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔
کفار کی ہلاکتیں:	کفار کے ستر آدمی مارے گئے۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	جو پڑھے لکھے تھے وہ مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں گے۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	۷۰ قریشی قید ہوئے جن میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور عقیل رضی اللہ عنہ بھی تھے۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے، مقام صفراء میں انتقال ہوا۔
جنگ میں صاحب علم:	مہاجرین کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب جبکہ انصار کا علم معاذ بن عبادہ رضی اللہ عنہ جرنل کمان مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ
مال غنیمت کی تفصیل:	فدیہ چار ہزار مقرر ہوا کافی مال غنیمت ملا۔ حسب قاعدہ مسلمانوں میں تقسیم کردیا گیا۔

غزوہ کے مختصر حالات:

یہ غزوہ دنیا کی تاریخ بدلنے والا غزوہ تھا جس میں اسلام اور کفر میں ایسی جنگ ہوئی جس نے ساری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرا تھی اور سامان حرب بھی خاطر خواہ نہیں تھا۔ یہ حق وباطل کی ایسی لڑائی تھی جس نے باپ بیٹے کے رشتے ختم کردیے۔ اہل قریش کے ایک ہزار جنگجو، سامانِ حرب بھی ایسا مکمل تھا کہ ہر سپاہی پورے کا پورا لوہے میں غرق پھر ان کو اپنے بتوں لات ومنات پر بھروسہ تھا۔ اور مسلمانوں کے پاس ہتھیار برائے نام ہی تھے۔ بس اللہ رب العزت پر بھروسہ تھا اس لڑائی میں مکہ کے بڑے بہادروں سورماؤں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا گیا۔ ابوجہل مارا گیا۔ اور کفار کے ستر آدمی قیدی بنا لیے گئے۔ یہ جنگ پہلی تھی جس میں انصار نے بھی حصہ لیا۔ الحمدللہ نصرت مسلمانوں کے ساتھ تھی۔

Marfat.com

(۶) غزوۂ بنی قینقاع

مقامِ غزوہ:	یہ غزوہ مشرفیہ کے مقام جو باب قُباء کے قریب ہے پیش آیا، یہ قبیلہ یہاں آباد تھا جو مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔
تاریخ روانگی:	۱۵رشوال ۲رہجری/ ۱۰راپریل ۶۲۴ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	۳۰رشوال ۲رہجری/ ۲۵راپریل ۶۲۴ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	پندرہ دن مدینہ منورہ سے باہر مصروف جہاد رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہ۔
اسلامی لشکر کی تعداد:	جیش اسلامی کی تعداد کا صحیح پتہ نہیں۔
کفار کی تعداد:	سات سو یہودی ہمیشہ کے لیے جلاوطن ہوئے۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	ایک مسلمان شہید ہوا۔
کفار کی ہلاکتیں:	ایک یہودی ہلاک ہوا۔
مدتِ محاصرہ:	پندرہ دن سخت محاصرہ رہا۔
معاہدہ:	سات سو یہودی ہمیشہ کے لیے جلاوطن ہوئے۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	کوئی یہودی قید نہیں ہوا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	ایک مسلمان زخمی ہوا اور بعد میں اس کا انتقال ہو گیا۔
جنگ میں صاحب علم:	علم الحرب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے سپرد کیا گیا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	سوعدد زرہ اور دوسرا مال غنیمت لے کر شہر بدر کر دیا گیا اور باقی مال غنیمت کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

غزوہ کے مختصر حالات:

اس غزوہ کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک مسلمان خاتون بنی قینقاع کے بازار میں کچھ سونے کا زیور خریدنے گئی۔ اس کے چہرے پر نقاب تھا۔ یہودیوں نے کہا اپنا چہرہ دکھاؤ، اس نے انکار کر دیا۔ ان یہودیوں نے اس کے برقع کو ایک کیل میں اٹکا دیا وہ جانے کے لیے اٹھی اس کا برقعہ پھنس گیا اور وہ گر گئی۔ اس کا ستر کھل گیا۔ اس پر یہودیوں نے ہنسی اڑائی۔ اتفاق سے یہاں سے ایک مسلمان گزر رہا تھا اس نے آواز سنی تو آیا اس نے اس یہودی کو قتل کر دیا۔ سب یہودیوں نے مل کر اس کو قتل کر دیا، رسول اللہ کو خبر پہنچی وہ فوراً وہاں پہنچے مگر یہودیوں نے بہت گستاخانہ الفاظ کہے اور کہا ہم سے لڑائی کرو گے تو پتہ چل جائے گا۔ اہل قریش تو لڑنا ہی نہیں جانتے۔ انہوں نے معاہدہ توڑ دیا۔ ان کا محاصرہ کیا گیا۔ آخرکار مدینہ منورہ چھوڑ کر جانے کو تیار ہو گئے۔

Marfat.com

(۷) غزوۂ سویق

مقام غزوہ:	یہ غزوہ مقام عریض مدینہ منورہ کے اندر جبل احد کے دامن میں وادی قناہ میں پیش آیا۔
تاریخ روانگی:	۵رذی الحجہ ۲رہجری/ ۲۹رمئی ۶۲۴ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	۱۰رذی الحجہ ۲رہجری/ ۳رجون ۶۲۴ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	پانچ دن مدینہ منورہ سے باہر مصروف جہاد رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت بشیر بن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہ۔
اسلامی لشکر کی تعداد:	دوسو صحابہ رضی اللہ عنہم ساتھ تھے بہ روایت دیگر چالیس صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔
کفار کی تعداد:	کفار دوسو تھے اور ابوسفیان کی سرداری میں آئے تھے۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ نہیں ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	دو صحابہ کو سوتے میں شہید کیا اور کھیتی کو نقصان پہنچایا۔
کفار کی ہلاکتیں:	کوئی ہلاکت نہیں ہوئی۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	کوئی قید نہیں ہوا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	دو صحابہ زخمی ہو کر شہادت کے درجے پر فائز ہوئے۔
جنگ میں صاحب علَم:	علم الحرب کس کو دیا گیا اس کی تفصیل نہیں ملی۔
مال غنیمت کی تفصیل:	ستو کے بہت سے تھیلے پھینک کر کفار ابوسفیان کے ساتھ فرار ہو گئے۔

غزوہ کے مختصر حالات:

ابوسفیان غزوہ بدر کی خفت مٹانے کے لیے دوسو قریشیوں کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ آیا۔ وادی قناہ میں ٹھہرا اور یہودی سردار سلام بن مشکم سے ملا اور مسلمانوں کے راز معلوم کیے اور واپس ہوتے ہوئے عریض نامی مقام پر حملہ کر کے کھجور کے باغوں کو آگ لگا دی۔ سوتے میں دو صحابہ کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی تو دوسو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ وہاں پہنچے۔ ابوسفیان رات ہی رات میں بھاگ گیا۔ بھاگتے بھاگتے ڈر وخوف سے اپنے سامان کو کم کر دیا۔ یعنی ستو کے بہت سے تھیلے راستے میں پھینک دیے تاکہ سفر آسان ہو جائے۔ عربی زبان میں ستو کو سویق کہتے ہیں۔ مال غنیمت لے کر صحابہؓ مدینہ منورہ واپس چلے گئے۔

Marfat.com

(۸) غزوۂ قرقرۃ الکدر یا غزوۂ فرارۃ الکدر

مقام غزوہ:	یہ مقام معدن بنی سلیم کا علاقہ ہے یہ مکہ المکرمہ اور عراق کے راستے میں مدینہ منورہ سے ۹۶ میل دور واقع ہے۔
تاریخ روانگی:	نصف محرم ۲ ہجری/ جولائی ۶۲۴ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	آخر محرم ۲ ہجری/ جولائی ۶۲۴ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	پندرہ دن مدینہ سے باہر مصروف جہاد رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت عبداللہ بن ام مکتوم بہ روایت دیگر حضرت سباع بن عرفطہ غفاریؓ۔
اسلامی لشکر کی تعداد:	دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت ساتھ تھی۔
کفار کی تعداد:	تعداد معلوم نہیں۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ نہیں ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	کوئی شہید نہیں ہوا۔
کفار کی ہلاکتیں:	کوئی ہلاکت نہیں ہوئی۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	ایک غلام ہاتھ آیا بعد میں جو مسلمان ہو گیا اور اس کو آزاد کر دیا گیا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	کوئی مسلمان زخمی نہیں ہوا۔
جنگ میں صاحب علم:	علم الحرب حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو دیا گیا تھا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	پانچ سو اونٹ آئے اور دوسرا مال غنیمت بھی ہاتھ آیا ایک غلام بھی ہاتھ آیا جو بعد میں مسلمان ہو گیا۔

غزوہ کے مختصر حالات:

قرقرہ الکدر ایک جگہ کا نام ہے جو مقام معدن میں جہاں بنی سلیم کا قبیلہ آباد تھا واقع ہے۔ یہ مقام عراق اور مکہ کے درمیان واقع ہے۔ مدینہ منورہ سے تقریباً نوے پچانوے میل کے فاصلے پر ہے۔ بنی سُلیم اور بنی غطفان ایک گروہ بنا کر مسلمانوں کے خلاف شرارتیں کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ قرقرۃ الکدر پہنچے۔ جب ان دونوں قبیلے والوں کو پتہ چلا تو وہ فوراً بھاگ گئے یہاں ایک چرواہا ملا اس کو پکڑ لیا اور معلومات حاصل کیں۔ وہ چرواہا بعد میں مسلمان ہو گیا اس کو آزاد کر دیا گیا۔ اس کا نام یسار رضی اللہ عنہ تھا جس نے بعد میں اسلام کی بہت خدمت کی اور اسلام کے نام پر شہید ہو گیا۔ پندرہ دن مدینہ منورہ سے باہر رہ کر واپس آ گئے۔

Marfat.com

(۹) غزوۂ بنی غطفان یا انمار یا ذی امر

مقام غزوہ:	یہ مقام ذی امر نجد میں واقع ہے۔ بنی غطفان، بنی ثعلبہ و بنی محارب نے مل کر مسلمانوں کے خلاف یہ محاذ بنایا تھا۔
تاریخ روانگی:	۲ ربیع الاول ۳ ہجری / ۲ ستمبر ۶۲۴ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	۱۲ ربیع الاول ۳ ہجری / ۱۲ ستمبر ۶۲۴ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	بارہ دن مدینہ منورہ سے باہر رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔
اسلامی لشکر کی تعداد:	چار سو پچاس مجاہدین ساتھ تھے۔
کفار کی تعداد:	مقابلے کے لیے بنو ثعلبہ و بنو محارب آئے، تعداد معلوم نہیں۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ نہیں ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	کوئی شہید نہیں ہوا۔
کفار کی ہلاکتیں:	کوئی ہلاک نہیں ہوا۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	ایک شخص جس نے رسول اللہؐ پر تلوار اٹھائی جو بعد میں مسلمان ہو گیا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	کوئی مسلمان زخمی نہیں ہوا۔
جنگ میں صاحب علَم:	علَم الحرب کس کو دیا گیا اس کا تذکرہ نہیں ملا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	مال غنیمت کوئی نہیں ملا۔

غزوہ کے مختصر حالات:

نجد کے مقام ذی امر میں بنو ثعلبہ اور بنو محارب کی ایک جماعت نے تمام اطراف سے مدینہ منورہ کو گھیر لینے کا قصد کیا تھا۔ اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی۔ چار سو پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کو لے کر ذی امر روانہ ہوئے۔ وہاں ایک واقعہ پیش آیا۔ بارش کی وجہ سے کپڑے بھیگ گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے کپڑے اتار کر ایک درخت کی شاخ پر ڈال دیئے۔ ایک کافر آیا رسول اللہ ﷺ کی تلوار اٹھالی اور پوچھا اب آپ ﷺ کو کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ بچا سکتا ہے۔ اس پر اسے ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ گر گیا۔ آپ ﷺ نے اپنی تلوار اٹھائی اس کے سر پر رکھ کر پوچھا اب تم کو کون بچا سکتا ہے اس بدو نے کہا کوئی نہیں سوائے آپؐ کے، وہ مسلمان ہو گیا اس کو آزاد کر دیا کوئی قتال کی نوبت نہیں آئی۔

Marfat.com

(۱۰) غزوۂ بحران یا بنی سلیم

مقام غزوہ:	بحران یہ مقام مدینہ منورہ سے ۶۹ میل دور واقع ہے۔ بنی سلیم یہاں آباد تھے۔
تاریخ روانگی:	۶ / جمادی الاول ۳ / ہجری / ۲۵ / اکتوبر ۶۲۴ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	۱۶ / جمادی الاول ۳ / ہجری / ۵ / نومبر ۶۲۴ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	دس یا گیارہ دن مدینہ منورہ سے باہر مصروف جہاد رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ (نابینا تھے)
اسلامی لشکر کی تعداد:	تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ساتھ تھے۔
کفار کی تعداد:	کفار کی تعداد معلوم نہیں۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ نہیں ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	کوئی شہید نہیں ہوا۔
کفار کی ہلاکتیں:	کوئی ہلاک نہیں ہوا۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	کوئی گرفتار نہیں ہوا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	کوئی مسلمان زخمی نہیں ہوا۔
جنگ میں صاحب علم:	علم الحرب کس کو دیا گیا اس کا تذکرہ نہیں ملا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	مال غنیمت کوئی نہیں ملا۔

غزوہ کے مختصر حالات:

بحران یہ مقام مدینہ منورہ سے ۶۹ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ بنی سلیم کے ایک لشکر کی تیاری کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو آپ ﷺ اس خطرہ کا سدباب کرنے کے لیے تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت لے کر بحران روانہ ہوئے۔ بنی سلیم مسلمانوں کی آمد کی خبر پہنچی وہ فوراً ہی فرار ہو گئے۔ مسلمانوں کا لشکر بحران پہنچا یہاں پر کوئی نہیں تھا۔ مسلمانوں نے چاروں طرف مخبر دوڑائے کوئی خبر نہیں ملی کسی کا پتہ نہیں چلا اس طرح بغیر قتال کے یہ لشکر دس یا گیارہ دن رہنے کے بعد واپس آ گیا۔ بدوا یسی کوششیں کرتے رہے مگر فوراً ہی مسلمانوں کا لشکر وہاں پہنچ جاتا تو وہ ڈر کر بھاگ جاتے۔ ان کو پتہ چلا کہ مسلمان ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ان کو زیر کرنا آسان کام نہیں ہے۔ فوری جوابی کارروائی سے لوٹ مار کے حملے کچھ کم ہونے لگے۔

Marfat.com

(۱۱) غزوۂ احد

مقام غزوہ:	جبل احد کے دامن میں وادی قناۃ اور جبل رماۃ کے درمیان جو میدان ہے وہ میدان قتال تھا۔
تاریخ روانگی:	۶رشوال ۳رہجری/۲۱رمارچ ۶۲۵ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	۷رشوال ۳رہجری/۲۲رمارچ ۶۲۵ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	صرف ایک دن مدینہ منورہ سے باہر رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ
اسلامی لشکر کی تعداد:	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد سات سو تھی۔
کفار کی تعداد:	کفار تین ہزار اور ان کے ساتھ عورتیں بھی تھیں۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	ستر (۷۰) صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔
کفار کی ہلاکتیں:	تین کفار ہلاک ہوئے۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	کوئی گرفتار نہیں ہوا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	رسولؐ اللہ زخمی ہوئے اور دوسرے بعض صحابہؓ بھی زخمی ہوئے ہیں۔
جنگ میں صاحب عَلَم:	اوس کا علم اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ خزرج کا علم خباب بن منذر رضی اللہ عنہ یا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دیا گیا۔ قریش کا علم مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا گیا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	مال غنیمت بہت ہاتھ آیا مگر مسلمانوں کا جانی نقصان بھی بہت ہوا۔

غزوہ کے مختصر حالات:

ابوسفیان اپنی ذلت وخفت جو بدر میں اٹھائی تھی اس کو مٹانے کے لیے تین ہزار کا ایک عظیم لشکر جو ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس تھا اور ان کی عورتیں بھی لشکر کی ہمت بڑھانے کے لیے ساتھ تھیں لے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ مسلمانوں نے بھی تیاری شروع کر دی اور ایک ہزار کا لشکر تیار کیا مگر منافقین نے اپنے تین سو افراد کو عین وقت پر میدان جنگ سے علیحدہ کر لیا۔ اب صرف سات سو مسلمان رہ گئے۔ جبل احد کے دامن میں وادی قناۃ میں آمنا سامنا ہوا۔ مسلمان جنگ جیت چکے تھے تیر اندازوں نے جبل رماۃ کی پہاڑی چھوڑ دی اس طرف سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مسلمانوں پر چڑھائی کر دی جس کی وجہ سے ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے اور کافی زخمی ہو گئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔

Marfat.com

(۱۲) غزوہ حمراء الاسد

مقام غزوہ:	حمراء الاسد نامی مقام پر پڑاؤ ڈالا گیا۔ یہ مکہ المکرمہ کے راستے پر واقع ہے۔
تاریخ روانگی:	۸؍شوال ۳ ہجری/ ۲۳؍ مارچ ۶۲۵ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	۱۳؍شوال ۳ ہجری/ ۲۸؍ مارچ ۶۲۵ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	چھ دن مدینہ منورہ سے باہر مصروف جہاد رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ
اسلامی لشکر کی تعداد:	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وہی تعداد تھی جو غزوہ اُحد میں تھی۔
کفار کی تعداد:	کفار کی تین ہزار کی تعداد مکہ کی طرف بھاگ رہی تھی۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ نہیں ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	کوئی شہید نہیں ہوا۔
کفار کی ہلاکتیں:	کوئی ہلاک نہیں ہوا۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	کوئی گرفتار نہیں ہوا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	کوئی مسلمان زخمی نہیں ہوا۔
جنگ میں صاحب علم:	علم الحرب حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو دیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو۔
مال غنیمت کی تفصیل:	مال غنیمت کوئی نہیں ملا۔

غزوہ کے مختصر حالات:

یہ لڑائی غزوہ احد کی آخری کڑی تھی۔ ابوسفیان کو واپس بھاگتے بھاگتے خیال آیا کہ مدینہ منورہ پر چڑھائی کردیں۔ وہ پلٹنا چاہتا تھا مگر صفوان بن امیہ نے زبردستی روک دیا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کے دل میں خیال آیا کہیں ابوسفیان واپس آ کر حملہ نہ کردیں۔ حضرت علیؓ ﷺ کے ساتھ ایک دستہ روانہ کر دیا پھر آپ ﷺ بھی چل پڑے اور مقام حمراء الاسد تک آ گئے مگر ابوسفیان کی کوئی خبر نہیں ملی، تین دن یہاں قیام کیا اپنے مخبروں کو اطراف میں روانہ کیا۔ جب ہر طرف سے اطمینان ہو گیا تو واپس مدینہ منورہ آ گئے۔ یہ مہم غیر ضروری نہیں تھی بلکہ کفار کا پیچھا کرنا ان پر ایک اور ذہنی دباؤ ڈالنا مقصد تھا۔ ان کے ذہنوں میں یہ بات آ گئی کہ مسلمان ہر طرح سے باخبر اور ہر ممکن خطرے کا دفاع کرنے کے لیے مستعد رہتے ہیں۔

Marfat.com

(۱۴) غزوۂ بنی النضیر

مقامِ غزوہ:	یہ قبیلہ مدینہ منورہ کے جنوب مشرق میں حرہ واقیم میں آباد تھا۔ بنی نضیر یہودیوں کا بااثر قبیلہ تھا۔
تاریخِ روانگی:	ربیع الاول ۴ھ ہجری/ اگست ۶۲۵ عیسوی۔
تاریخِ واپسی:	ربیع الاول ۴ھ ہجری/ اگست ۶۲۵ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	پندرہ دن مدینہ منورہ سے باہر مصروف رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ
اسلامی لشکر کی تعداد:	جیش اسلامی کی تعداد کا صحیح نہیں معلوم۔
کفار کی تعداد:	یہودیوں کی تعداد بھی معلوم نہیں۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ نہیں ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	کوئی شہید نہیں ہوا۔
کفار کی ہلاکتیں:	کوئی ہلاک نہیں ہوا۔
مدتِ محاصرہ:	پندرہ دن سخت محاصرہ رہا یہودی چلا اٹھے۔
معاہدہ:	مدینہ منورہ سے جلاوطن ہونے پر راضی ہوئے۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	کوئی گرفتار نہیں ہوا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	کوئی مسلمان زخمی نہیں ہوا۔
جنگ میں صاحبِ علَم:	علَم الحرب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔
مالِ غنیمت کی تفصیل:	پچاس زرہ، پچاس خود تین سو چالیس تلواریں گھر اور زمینیں۔

غزوہ کے مختصر حالات:

بنو نضیر یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مدینہ منورہ سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر حرہ واقیم میں آباد تھا۔ دیت کے تعلق سے کسی مسئلہ کے حل کے لیے رسول اللہ ﷺ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کے پاس گئے انھوں نے بٹھایا مگر ان کی نیت اچھی نہیں تھی۔ بات چیت کے درمیان رسول اللہ ﷺ اٹھ کر چلے گئے۔ اور مدینہ منورہ آ گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو تلاش کرتے ہوئے مدینہ منورہ تک پہنچ گئے۔ آپ ﷺ مسجد النبوی الشریف میں بیٹھے ہوئے تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا بنو نضیر کے سردار دیوار سے ایک وزنی پتھر پھینک کر نعوذ باللہ قتل کرنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا فوراً دس دن کے اندر مدینہ منورہ نکل جائیں۔ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے بنی نضیر والوں کو کہا تم اپنی جگہ ڈٹ جاؤ ہم تمھاری مدد کریں گے مگر کوئی مدد کو نہیں آیا اور ان کو مدینہ منورہ چھوڑ کر چلے جانا پڑا۔

Marfat.com

(۱۴) غزوۂ بنی بدر الموعد یا غزوۂ ذات الرقاع

مقام غزوہ:	الصفراء یہ مقام بدر کے قریب ہی واقع ہے جہاں ماہ ذیقعدہ میں ایک تجارتی میلہ لگا کرتا تھا۔
تاریخ روانگی:	۲۶ شوال ۴ ہجری / ۲۱ مارچ ۶۲۶ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	۱۲ ذیقعدہ ۴ ہجری / ۸ اپریل ۶۲۶ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	سولہ دن مدینہ منورہ سے باہر مصروف جہاد رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ
اسلامی لشکر کی تعداد:	پندرہ سو فدائیان اسلام ساتھ تھے۔
کفار کی تعداد:	کفار کی تعداد دو ہزار اور ابوسفیان کی کمان میں تھی۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ نہیں ہوئی ابوسفیان مراۃ الظہران سے ہی لوٹ گیا۔
شہداء کی تعداد:	کوئی شہید نہیں ہوا۔
کفار کی ہلاکتیں:	کوئی ہلاک نہیں ہوا۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	کوئی گرفتار نہیں ہوا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	کوئی مسلمان زخمی نہیں ہوا۔
جنگ میں صاحب علم:	علم الحرب حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے سپرد کیا گیا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	مال غنیمت نہیں ملا مگر سوق الصفراء میں مسلمانوں کو تجارت میں سو فیصد فائدہ ہوا۔

غزوہ کے مختصر حالات:

ابوسفیان نے غزوۂ اُحد سے واپس ہوتے ہوئے کہا تھا ہمارا تمھارا مقابلہ آئندہ سال بدر کے مقام پر ہوگا۔ مسلمانوں نے اس للکار کو قبول کر لیا۔ جب ایک سال ہو گیا تو ابوسفیان نے کچھ تیاری نہیں کی بلکہ ایک قریشی کو مدینہ منورہ بھیجا تاکہ مسلمانوں کو خوف زدہ کر کے مقابلے سے باز رکھا جائے۔ یہ قریشی اہل مکہ کی تیاریوں کا ذکر کرنے لگا تاکہ مسلمانوں پر رعب ڈالا جائے مگر اس کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے مقابلے پر نکلنے کا اعلان کر دیا۔ پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ سامان تجارت بھی ساتھ لے کر نکل پڑے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا وہاں تجارت بھی کریں گے۔ ابوسفیان مراۃ الظہران تک آیا کئی بہانے بنائے اور واپس چلا گیا۔ الحمدللہ مسلمانوں کو تجارت میں سو فیصد فائدہ ہوا۔ مقام صفراء میں تجارتی میلہ ہر سال اسی ماہ میں لگا کرتا تھا۔

Marfat.com

(۱۵) غزوۂ ذات الرقاع

مقام غزوہ:	ذات الرقاع یہ مقام سعد و شقراء کے درمیان نجد میں واقع ہے جہاں زمین نوکدار اور پتھریلی ہے۔ رقاع کے معنی کپڑے کی پٹیاں ہیں۔
تاریخ روانگی:	۱۰ رمحرم ۵ رہجری/ ۱۱ رجون ۶۲۶ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	۲۵ رمحرم ۵ رہجری/ ۲۶ رجون ۶۲۶ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	پندرہ دن مدینہ منورہ سے باہر مصروف جہاد رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان بہ روایت دیگر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
اسلامی لشکر کی تعداد:	چار سو یا سات سو صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت تھی۔
کفار کی تعداد:	کفار کی تعداد معلوم نہیں۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ نہیں ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	کوئی شہید نہیں ہوا۔
کفار کی ہلاکتیں:	کوئی ہلاک نہیں ہوا۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	کوئی گرفتار نہیں ہوا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	کوئی مسلمان زخمی نہیں ہوا۔
جنگ میں صاحب علم:	علم الحرب کس کو دیا گیا اس کا تذکرہ نہیں ملا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	مال غنیمت کوئی نہیں ملا۔

غزوہ کے مختصر حالات:

رقاع کے معنی کپڑے کی پٹیاں ہیں۔ اس مقام پر بہت نوکدار پتھر ہیں جس سے پیروں میں زخم ہو جاتے ہیں۔ لوگ یہاں سے پٹیاں باندھ کر سفر کرتے تھے۔ یہ مقام نجد سعد و شقراء کے درمیان ہے۔ کسی قافلے والے نے بتایا قبیلہ انمار اور بنو ثعلب مسلمانوں سے جنگ کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے تیاری کا حکم دیا اور چل پڑے چار دن کی مسافت پر یہ مقام ہے۔ راستے سے ہی اپنے مخبر روانہ کر دیے مگر کسی بھی کوئی پتہ نہیں چلا دشمن کو جیسے ہی پتہ چلا وہ پہاڑوں کے اوپر جا کر چھپ گے۔ پندرہ دن تک یہاں قیام رہا جب دشمنوں کے کوئی آثار نظر نہیں آئے تب مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ ان دشمنوں پر سخت نظر رکھنے اور فوراً مقامات پر پہنچنے سے ان بدو قبائل پر بہت اثر پڑا اور وہ مسلمانوں کی طاقت کو لوہا مان گئے۔

Marfat.com

(۱۶) غزوہ دومۃ الجندل

مقام غزوہ:	یہ مقام شام کے صحرائی راستے پر مدینہ منورہ سے ایک ہزار کلومیٹر دور تبوک اور تیماء کے قریب واقع ہے۔
تاریخ روانگی:	۲۵ ربیع الاول ۵ ہجری / ۲۴ اگست ۶۲۶ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	۲۰ ربیع الثانی ۵ ہجری / ۱۸ ستمبر ۶۲۶ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	چوبیس دن مدینہ منورہ سے باہر مصروف جہاد رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بہ روایت دیگر حضرت سباع بن عرفطہ غفاریؓ
اسلامی لشکر کی تعداد:	ماشاءاللہ ایک ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کی جمعیت ساتھ تھی۔
کفار کی تعداد:	کفار کی تعداد معلوم نہیں۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ نہیں ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	کوئی شہید نہیں ہوا۔
کفار کی ہلاکتیں:	کوئی ہلاک نہیں ہوا۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	ایک قیدی پکڑا گیا جو بعد میں مسلمان ہو گیا اور آزاد کر دیا گیا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	کوئی مسلمان زخمی نہیں ہوا۔
جنگ میں صاحب علم:	علم الحرب کس کو دیا گیا اس کا تذکرہ نہیں ملا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	مال غنیمت کوئی نہیں ملا۔

غزوہ کے مختصر حالات:

یہ مقام مدینہ منورہ سے کافی فاصلے پر ہے۔ اکثر مسلمانوں کے قافلوں پر وہ سختی کیا کرتے تھے۔ اکیدر بن عبدالملک ان کا سردار جو نصرانی تھا اور ہرقل کا باجگزار تھا تیرہ چودہ دن کی مسافت طے کر کے مسلمان وہاں پہنچے کوئی مقابلے پر نہیں نکلا بلکہ بھاگ گئے بس چند اونٹ والے ملے تھے اور ان سے پوچھ گچھ کی گئی ان میں ایک شخص مسلمان ہو گیا۔ اسلام لانے کے بعد اس کو آزاد کر دیا گیا۔ اس طرح اس غزوہ میں چوبیس دن صرف ہوئے۔ اس غزوہ سے پہلے کبھی عیسائیوں سے کوئی مقابلہ نہیں ہوا یا ان کی حدود میں مسلمان کبھی داخل نہیں ہوئے تھے۔ اس مہم کی وجہ سے ان کے ذہنوں میں اب یہ بات آ گئی کہ مسلمان ہمارے قلعوں اور محلوں پر دستک دے رہے ہیں۔ خوف کے بادل ان کے دلوں پر آہستہ آہستہ چھانے لگے۔ مسلمانوں کا رعب و دبدبہ دیکھ کر ان کی مقابلے کی ہمت ختم ہوتی جا رہی تھی۔

Marfat.com

(۱۷) غزوۂ المریسیع یا غزوۂ بنی مصطلق

مقام غزوہ:	یہ مقام فدیہ کے پاس المریسیع نامی ایک کنواں تھا اور بنو مصطلق یہاں آباد تھے۔ جو بنی خزاعہ کی ایک شاخ تھی۔
تاریخ روانگی:	۲رشعبان ۵رہجری/ ۲۷ دسمبر ۶۲۷ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	۳۰رشعبان ۵رہجری/۲۴ جنوری ۶۲۷ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	ستائیس دن مدینہ سے باہر مصروف جہاد رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بہ روایت دیگر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ۔
اسلامی لشکر کی تعداد:	مختصر لشکر تھا رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بھی ساتھ تھا۔
کفار کی تعداد:	کفار کی تعداد معلوم نہیں۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	ہشام بن صبابہ اللیثی رضی اللہ عنہ ایک مسلمان کے ہاتھوں غلطی سے قتل ہوئے۔
کفار کی ہلاکتیں:	دس کفار ہلاک ہوئے۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	معاہدہ نہیں ہوا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	چھ سو قیدی جس میں عورتیں بچے بھی شامل تھے۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	زخمیوں کی تعداد معلوم نہیں ہوئی۔
جنگ میں صاحب علَم:	علَم الحرب حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دیا گیا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	دو ہزار اونٹ، پانچ ہزار بکریاں غلام باندیاں بھی بہت سی ہاتھ آئیں۔

غزوہ کے مختصر حالات:

یہ مقام مکہ المکرمہ مدینہ منورہ کے درمیان ہے، یہاں پر کچھ قبائل جمع ہو کر مسلمانوں پر حملے کی تیاری کر رہے تھے۔ یہ خبر رسولؐ اللہ تک پہنچی اور تیاری کا حکم دے دیا۔ اس غزوہ میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بھی ساتھ تھا۔ اور امہات المومنین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہؓ بھی ہمراہ تھیں۔ مسلمانوں کی آمد کا سن کر یہ قبائل بھاگ گئے۔ مگر ایک مقامی قبیلہ بنو مصطلق سے مقابلہ ہوا، وہ صلح پر راضی ہو گئے۔ اس غزوہ میں مال غنیمت بہت آیا قیدی بھی آئے جن میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی تھی۔ وہ امہات المومنین میں داخل کر دی گئیں۔ اس غزوہ سے واپسی پر واقعہ افک بھی پیش آیا۔ منافقین کی منافقت بھی کھل کر سامنے آ گئی جس کی وجہ سے اہل قرش اور انصار میں بدکلامی ہوئی اور بعض احکامات بھی نافذ ہوئے۔

Marfat.com

(۱۸) غزوۃ الاحزاب یا غزوۂ خندق

مقام غزوہ:	یہ غزوہ مدینہ منورہ کے اندر جبل سلع کے مغرب میں وادی عقیق اور جبل زباب کے درمیان جبل سلع کے دامن میں ہوا۔
تاریخ روانگی:	۲۷ یا ۲۸ ر شوال ۵ ر ہجری / ۲۲ یا ۲۳ ر مارچ ۶۲۷ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	ذیقعدہ ۵ ہجری / ۱۴ ر اپریل ۶۲۷ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	چوبیس دن مدینہ منورہ کے اندر ہی مصروف جہاد رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ
اسلامی لشکر کی تعداد:	تین ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر تھا۔
کفار کی تعداد:	کفار کی تعداد دس ہزار یا بارہ ہزار تھی۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ فیصلہ کن ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	چھ مسلمان شہید ہوئے جن میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے۔
کفار کی ہلاکتیں:	دس کفار ہلاک ہوئے۔
مدتِ محاصرہ:	چوبیس دن مسلمانوں کا محاصرہ رہا بعض روایتوں میں ایک ماہ بھی ہے۔
معاہدہ:	کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	کوئی گرفتار نہیں ہوا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	ایک مسلمان زخمی ہوا۔
جنگ میں صاحب علم:	علم الحرب کس کو دیا گیا اس کا تذکرہ نہیں ملا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	مال غنیمت کی کوئی تفصیل نہیں ملی مگر کفار اور یہود بھاگتے وقت کافی مال چھوڑ کر بھاگے۔

غزوہ کے مختصر حالات:

اس غزوہ میں سارے کے سارے عرب قبائل اور یہود نے مل کر مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی مسلمانوں نے جبل سلع کے مشرق میں اپنے مورچے بنا لیے اور دفاع کا ایک نیا طریقہ بھی استعمال کیا وہ خندق تھی جو کبھی عربوں نے نہ دیکھی نہ سنی تھی۔ جب انھوں نے خندق کو دیکھا تو بہت حیران پریشان ہوئے کیونکہ یہ دفاع کا نیا طریقہ تھا۔ اہل مکہ کا سردار ابن حرب ابوسفیان بھی حیران تھا۔ اس خندق کو پار کرنے کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ نعیم بن مسعودؓ کی سیاسی چال نے بھی مسلمانوں کو کامیابی تک پہنچایا۔ ایک رات ایسی سخت آندھی آئی کہ سارے خیمے اکھڑ گئے۔ اور ابوسفیان اور اس کے حلیف ایسے بھاگے کہ پھر کبھی مدینہ منورہ کا رخ بھی نہیں کیا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا اب ہم مشرکین سے لڑنے کے لیے جائیں گے۔ وہ کبھی ادھر کا رخ بھی نہیں کریں گے۔ اس غزوہ سے سارے عربوں اور یہودیوں پر یہ ظاہر ہو گیا اس قوت کو دبانا ممکن نہیں۔

Marfat.com

(۱۹) غزوۂ بنی القریظہ

مقام غزوہ:	یہ غزوہ قبیلہ بنی قریظہ جہاں آباد تھا اسی مقام پر ہوا۔ یہ مدینہ منورہ سے ڈھائی تین کلومیٹر جنوب مشرق منطقہ قباء سے قریب واقع ہے۔
تاریخ روانگی:	ذیقعدہ ۵ ہجری / اپریل ۶۲۷ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	ذی الحجہ ۵ ہجری / اپریل ۶۲۷ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	مدینہ سے باہر پچیس دن مصروف جہاد رہے۔
مدینہ منورہ میں حضور کا قائم مقام:	حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ
اسلامی لشکر کی تعداد:	تین ہزار محبان اسلام تھے۔
کفار کی تعداد:	چھ سو یا سات سو یہودی تھے۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ نہیں ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	ایک مسلمان خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر چکی کا پاٹ ڈال کر شہید کر دیا گیا۔
کفار کی ہلاکتیں:	چھ یا سات سو یہودی قتل کر دیے گئے۔
مدت محاصرہ:	محاصرہ پندرہ دن بہت سخت رہا۔
معاہدہ:	کوئی صلح نامہ ہوا نہ کوئی معاہدہ۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا گیا پھر مال غنیمت میں تبدیل ہوئے۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	ایک مسلمان خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے بعد میں انتقال ہو گیا۔
جنگ میں صاحب علم:	علم الحرب حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو دیا گیا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	تین سو زر ہیں، پندرہ سو تلواریں دو ہزار نیزے اور شراب کے کئی مٹکے اور عورتیں اور بچے بھی ساتھ تھے۔

غزوہ کے مختصر حالات:

غزوۂ خندق کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہتھیار اتارے ہی تھے کہ اللہ رب العزت کا حکم آیا بنو قریظہ کی سرکوبی کریں، فوراً منادی کرا دی گئی کہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں ادا کی جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زخمی اور تھکے ہوئے تھے مگر حکم کی تعمیل میں چل پڑے۔ راستے میں رسول اللہ ﷺ سے کہا ہم سب بہت تھکے ہوئے اور زخمی بھی ہیں۔ تو آپ ﷺ نے مقام قرنان آیا تو کہا یہاں لیٹ جاؤ ان شاء اللہ شفا ہو جائے گی۔ سب وہاں لیٹ گئے کہتے ہیں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عشاء کے بعد وہاں پہنچے مگر عصر کی نماز وہاں ادا کی۔ بنو قریظہ نے خود ہی معاہدہ توڑ دیا اس لیے اللہ کا حکم آیا وہ لوگ قلعے میں بند ہو گئے۔ محاصرہ سخت ہوا تو وہ لوگ صلح پر آمادہ ہوئے۔ ازاں بعد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو حاکم بنانے کی درخواست کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مردوں کو قتل اور عورتوں بچوں کو غلام بنانے کا فیصلہ دیا۔

Marfat.com

(۲۰) غزوۂ بنی لحیان

مقام غزوہ:	بنی لحیان یہ ایک قبیلہ کا نام ہے الرجیع نامی مقام پر آباد تھے اور یہ مدینہ منورہ اور مکہ کے درمیان ایک وادی ہے جہاں یہ غزوہ وقوع پذیر ہوا۔
تاریخ روانگی:	۲۹ رصفر ۶ ہجری/ ۲۰ رجولائی ۶۲۷ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	۱۴ رربیع الاول ۶ ہجری/ ۴ راگست ۶۲۷ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	چودہ دن مدینہ منورہ سے باہر جہاد میں مصروف رہے۔
مدینہ منورہ میں حضور کا قائم مقام:	حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ (نابینا تھے)
اسلامی لشکر کی تعداد:	دو سو جانثار مجاہدین ساتھ تھے۔
کفار کی تعداد:	بنو ہذیل کی شاخ بنی لحیان مقابلے کے لیے آئے تعداد معلوم نہیں۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ نہیں ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	کوئی شہید نہیں ہوا۔
کفار کی ہلاکتیں:	دو کافر ہلاک ہوئے۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	کوئی صلح نامہ ہوا نہ کوئی معاہدہ۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	قید کا کوئی تذکرہ نہیں ملا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	کوئی مسلمان زخمی نہیں ہوا۔
جنگ میں صاحب علم:	علم الحرب کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملی۔
مال غنیمت کی تفصیل:	مال غنیمت ہاتھ نہیں آیا۔

غزوہ کے مختصر حالات:

سبب جنگ یہ ہوئی کہ عضل اور قارہ سے چند لوگ آئے، انھوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں ہم کو دین سکھانے کے لیے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمارے ساتھ کر دیں۔ آپ ﷺ نے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے ساتھ کر دیا۔ عضل اور قارہ کے لوگوں نے بنی لحیان کے کچھ لوگوں کو بلایا اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے سات کو گھیر کر قتل کر دیا۔ اور تین کو کسی اور مقام پر شہید کر دیا۔ اس واقعہ کی خبر مدینہ پہنچی تو مسلمانوں کے لیے شدید غصہ کا باعث بنی آپ ﷺ نے بنی لحیان سے بدلہ لینے کے لیے ایک فوج تیار کی۔ یہ عسفان کے قریب رجیع نامی مقام پر آباد تھے۔ جب بنی لحیان کو پتہ چلا تو وہ وہاں سے بھاگ گئے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے وہاں کچھ وقت گزارا۔ پھر پندرہ دن کے بعد مدینہ منورہ واپس اپنے مقام پر پہنچ گئے۔

Marfat.com

(۲۱) غزوۂ غابہ یا غزوۂ ذی قرد

مقام غزوہ:	غابہ عربی میں جنگل کو کہتے ہیں یہ مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں کوئی پندرہ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔
تاریخ روانگی:	۱۶ ربیع الاول ۶ ہجری/ ۵/ اگست ۶۲۷ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	۲۳ ربیع الاول ۶ ہجری/ ۱۳/ اگست ۶۲۷ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	آٹھ دن مدینہ منورہ سے باہر مصروف جہاد رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت عبداللہ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ۔
اسلامی لشکر کی تعداد:	پانچ سو یا سات سو صحابہ رضی اللہ عنہم کی فوج تھی۔
کفار کی تعداد:	کفار کی تعداد چالیس تھی۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	رات چوروں کی طرح حملہ کیا اور اونٹ لے کر بھاگ گے۔
شہداء کی تعداد:	چار صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے بیٹے بھی شہید ہوئے۔
کفار کی ہلاکتیں:	کفار کی ہلاکتیں ہوئی ہیں تعداد معلوم نہیں۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	کوئی صلح نامہ ہوا نہ کوئی معاہدہ۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	کوئی قید کا تذکرہ نہیں ملا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	زخمی ہوئے مگر وہ اٹھا کر ساتھ لے گئے۔
جنگ میں صاحب علم:	علم الحرب حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کو دیا گیا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	مال غنیمت میں تیس نیزے، تیس چادریں ہاتھ آئیں۔

غزوہ کے مختصر حالات:

غابہ یہ مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں کوئی پندرہ میل کے فاصلے پر ایک جنگل ہے۔ وہاں اکثر جانوروں کو چرایا جاتا تھا۔ اب بھی وہاں بہت سے باغات ہیں۔ کسی زمانے میں یہ چراگاہ تھی ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے یہاں رسول اللہ ﷺ کے اونٹ چرایا کرتے تھے۔ بنوغطفان کے چالیس سواروں نے حملہ کر دیا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور جانوروں کو بھگا کر لے جا رہے تے۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا۔ وہ پکارنے لگے اور ان کے پیچھے دوڑنے لگے۔ اور وہ جانوروں کو چھوڑ چھوڑ کر بھاگتے رہے رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی وہ ایک جماعت کے ساتھ جائے وقوع پر آئے بنوغطفان کے آدمی بھاگ چکے تھے۔ آپ ﷺ وہاں دو دن رہے پھر واپس مدینہ منورہ چلے گئے۔

Marfat.com

(۲۲) غزوۂ حدیبیہ یا صلح حدیبیہ

مقام غزوہ:	حدیبیہ جدہ و مکہ کے درمیان مکہ سے ۱۲ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور یہ جدہ والوں کی میقات ہے آج کل شمیسی کہلاتا ہے۔
تاریخ روانگی:	آخر شوال ۶ ہجری/ مارچ ۶۲۸ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	آخر ذیقعدہ ۶ ہجری/ اپریل ۶۲۸ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	ایک ماہ سے زیادہ مدینہ منورہ سے باہر رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ (نابینا تھے) بہ روایت دیگر حضرت ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ۔
اسلامی لشکر کی تعداد:	چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمرہ کی نیت سے گئے تھے۔
کفار کی تعداد:	صلح نامہ لکھوانے اہل مکہ آئے تعداد معلوم نہیں۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ نہیں ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	کوئی شہید نہیں ہوا۔
کفار کی ہلاکتیں:	کوئی ہلاک نہیں ہوا۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	صلح نامہ ہوا، قرآن میں اس صلح نامہ کو فتح مبین سے تعبیر کیا گیا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	ایک صحابی مکہ سے بھاگ کر آئے مگر معاہدہ کی رُو سے انھیں واپس کر دیا گیا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	کوئی زخمی نہیں ہوا۔
جنگ میں صاحب علَم:	علَم الحرب کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملی۔
مالِ غنیمت کی تفصیل:	مالِ غنیمت نہیں ملا کیونکہ جنگ یا جھڑپ نہیں ہوئی۔

غزوہ کے مختصر حالات:

رسول اللہ ﷺ اپنے چودہ سو جانثاروں کے ساتھ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مقام حدیبیہ نامی کنواں کے پاس قیام فرمایا جس کو آج کل شمیسی کہتے ہیں۔ اہل جدہ کی یہ میقات ہے اور یہ مکہ المکرمہ سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ اہل قریش نے عمرہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر مکہ روانہ کیا تو افواہ یہ پھیلائی گئی کہ ان کو قتل کر دیا گیا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غصہ تھا اور بیعت رضوان لی گئی۔ اور پھر صلح نامہ حدیبیہ لکھا گیا جس کے شرائط مسلمانوں کے لیے تکلیف دہ تھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر سب راضی ہو گئے۔ وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے فتح مبین کی خوشخبری دی اور آئندہ سال عمرہ پر آنے کا معاہدہ ہوا اور مسلمان واپس مدینہ منورہ چلے گئے۔

Marfat.com

(۲۳) غزوۂ خیبر وادیٔ القریٰ

مقام غزوہ:	خیبر مدینہ منورہ سے تقریباً دو سو بیس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور یہ راستہ قدیم شارع شام بھی کہلاتا ہے۔ اس کے آگے تیما اور تبوک ہے۔
تاریخ روانگی:	آخر محرم ۷ ہجری/ مارچ ۶۲۸ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	ربیع الاول ۷ ہجری/ جولائی ۶۲۸ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	ڈیڑھ یا دو ماہ تک اس مہم میں مدینہ منورہ سے باہر رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت سباع بن عرفط رضی اللہ عنہ انصاری۔
اسلامی لشکر کی تعداد:	چودہ سو یا سولہ سو جانثاروں کی فوج تھی۔
کفار کی تعداد:	دس ہزار یہودی مقابلے کے لیے آئے۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ ہوئی اور کئی قلعے فتح ہوئے۔
شہداء کی تعداد:	۱۹ صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے بعض روایتوں میں اس سے بھی زیادہ ہیں۔
کفار کی ہلاکتیں:	۹۳ یہودی مارے گئے۔
مدتِ محاصرہ:	کئی قلعوں کے محاصرے ہوئے۔
معاہدہ:	صلح اور معاہدے بھی کئی قبائل سے اور یہودیوں سے بھی ہوئے۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	قیدی کافی پکڑے گئے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی قید ہو کر آئی تھیں پھر ام المومنین ہوئیں۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	زخمی دونوں طرف سے ہوئے۔
جنگ میں صاحب علَم:	محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنایا گیا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو قلعہ قموص کی فتح کا علَم عطا کیا گیا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	مال غنیمت بہت ملا زمینات کی شکل میں جنس کی شکل میں اور انسانی شکل میں بھی۔

غزوہ کے مختصر حالات:

خیبر مدینہ منورہ کے شمال میں دو سو بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہ یہودیوں کا سب سے بڑا گڑھ تھا جس میں گیارہ مشہور قلعہ ہیں، خیبر بہت ہی زرخیز حصہ ہے۔ کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد ابن مسلمہؓ نے مرحب پہلوان کو قتل کیا خیبر کا مشہور قلعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتح کیا۔ حی بن اخطب یہودیوں کا سردار تھا۔ اس کی بیٹی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ کے نکاح میں آئیں جو ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں۔ یہ یہودیوں کا آخری مقام بھی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کے ہاتھوں سے نکل گیا کیونکہ ان کی چال بازی دھوکا دہی وغیرہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہاں سے نکال باہر کیا۔ وہ عرب کی سرزمین سے ہمیشہ کے لیے دور ہو گئے جیسا کہ حدیث میں ہے ''جزیرہ عرب میں دو ادیان نہیں رہ سکتے'' یعنی یہ عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پورا کر دیا۔

Marfat.com

(۲۴) غزوۂ فتح مکہ المکرّمہ

مقام غزوہ:	مکہ المکرمہ مدینہ منورہ سے چار سو پچاس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے کسی زمانے میں یہ پیدل کا راستہ چھ یا سات دن کا ہوتا تھا۔
تاریخ روانگی:	۱۰ر رمضان ۸ ہجری/۲ر جنوری ۶۳۰ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	۲۰ر رمضان ۸ ہجری/۱۲ر جنوری ۶۳۰ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	ایک ماہ تین دن مدینے سے باہر رہے مکہ میں دس دن مصروف جہاد رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت عبداللہ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ (نابینا تھے) بہ روایت دیگر حضرت ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ۔
اسلامی لشکر کی تعداد:	دس ہزار بعض کہتے ہیں بارہ ہزار جانثار ساتھ تھے۔
کفار کی تعداد:	چند اہل مکہ مقابلے کے لیے آئے تعداد معلوم نہیں۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جھڑپیں ہوئی ہیں۔
شہداء کی تعداد:	چار صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔
کفار کی ہلاکتیں:	۲۴ یا ۲۸ کفار مارے گئے۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	فتح مکہ کے بعد کسی معاہدہ اور صلح کا وقت ختم ہو گیا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	سارے اہل مکہ کو امان دے دی گئی۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	زخمیوں کی تعداد معلوم نہیں ہوئی۔
جنگ میں صاحب علم:	کئی لشکر بنائے گئے۔ (۱) خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (۲) سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ (۳) زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، ارباب علم تھے۔
مال غنیمت کی تفصیل:	مال غنیمت نہیں ملا کیونکہ عام معافی کا اعلان ہو گیا تھا۔

غزوہ کے مختصر حالات:

۲ر رمضان ۸ ہجری فتح مکہ المکرمہ تاریخ اسلام کا اہم ترین باب ہے۔ اس فتح سے اسلام مکمل ہو گیا۔ بیت اللہ کے تین سو ساٹھ بت ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار ہوئے۔ شیطان اس دن سے زیادہ کبھی نہیں رویا ہوگا۔ اسلام کا ایک رکن حج جاری ہو گیا۔ اسلام کو ساری دنیا کے مذاہب پر فوقیت حاصل ہو گئی کفار کا مکہ میں رہنا ممنوع ہو گیا اور مکہ المکرمہ کی فتح کے بعد عربوں کو یقین ہو گیا کہ اب اس اسلامی طاقت کو روکنے کی کسی میں ہمت و قوت نہیں رہی۔ اب لوگ اسلام میں جوق در جوق داخل ہونا شروع ہو گئے اسلام قبول کیے بغیر عربوں کو کوئی چارہ نہ رہا اور یہ ہی قریشی دنیا کے کئی ملکوں کو فتح کرنے کے بعد ان پر حاکم بنا دیے گئے۔ صرف اور صرف اسلام کی وجہ سے۔

Marfat.com

(۲۵) غزوۂ حنین یا غزوۂ ہوازن

مقام غزوہ:	وادی الحنین مکہ المکرمہ سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور یہ جبل اوطاس کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے۔
تاریخ روانگی:	۶ رشوال ۸ ہجری / ۷ جنوری ۶۳۰ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	۱۱ رشوال ۸ ہجری / یکم فروری ۶۳۰ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	پانچ دن مکہ مکرمہ سے باہر مصروف جہاد رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	مکہ المکرمہ میں حضرت عتاب ابن اُسید اموی رضی اللہ عنہ۔
اسلامی لشکر کی تعداد:	بارہ ہزار کا لشکر جرار ساتھ تھا۔
کفار کی تعداد:	بنو ثقیف و بنو ہوازن وغیرہ، تعداد معلوم نہیں۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔
کفار کی ہلاکتیں:	کفار کی ہلاکتیں ستر بتائی جاتی ہیں۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ نہیں ہوا۔
معاہدہ:	معاہدے اور صلح کی نوبت ختم ہوگئی، بس اسلام ہی مقدر ہو چکا۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	چھ ہزار قیدی پکڑے گئے۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	زخمیوں کی تعداد کا تعین نہیں ہوا۔
جنگ میں صاحب علم:	مقدمہ الجیش خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنایا گیا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار غلام قیدی بن کر آئے۔

غزوہ کے مختصر حالات:

مکہ المکرمہ کی فتح سے بنی بکر بن ثقیف اور ان کی بڑی بڑی شاخیں پریشان ہوگئیں اور وہ سوچنے لگے کہ اسلام کے اس طوفان کو کیسے روکیں کیونکہ یہ سب کو بہا کر اسلام کے سمندر میں داخل کر دے گا۔ تمام قبائل متحد ہو کر اس طوفان کو روکنے کی کوشش کرتے رہے اسی کے نتیجے میں مسلمان وادی حنین پر حملہ کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس وادی حنین میں مسلمانوں اور کفار میں بڑی سخت جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کو کچھ ہزیمت اٹھانی پڑی وجہ صرف یہ تھی کہ اپنی تعداد پر بھروسہ ہوگیا۔ اللہ پر توکل کم ہوگیا۔ بس اللہ تعالیٰ نے کایا ہی پلٹ دی پھر مسلمان اللہ کی طرف راغب ہوئے تو اللہ نے شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا اور ان قبائل پر مسلمانوں کی بڑی دھاک بیٹھ گئی۔

Marfat.com

(۲۶) غزوۂ طائف

مقام غزوہ:	طائف مدینے منورہ سے پانچ سوتیس کلومیٹر اور مکہ مکرمہ سے اٹھاسی کلومیٹر کے فاصلے پر ہے جو سطح سمندر سے چھ ہزار فٹ کی اونچائی پر واقع ہے۔
تاریخ روانگی:	۱۳ر شوال ۸ ہجری/۳ر فروری ۶۳۰ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	یکم ذیقعدہ ۸ ہجری/۲۰ر فروری ۶۳۰ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	سترہ دن مکہ مکرمہ سے باہر مصروف جہاد رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت عبداللہ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ (نابینا تھے) بہ روایت دیگر حضرت ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ۔
اسلامی لشکر کی تعداد:	ایک ہزار فوجی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کیے۔
کفار کی تعداد:	بنو ثقیف و بنو ہوازن وغیرہ تعداد معلوم نہیں۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ ہوئی۔
شہداء کی تعداد:	بارہ صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔
کفار کی ہلاکتیں:	کفار کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرہ ۸ دن رہا، بعض روایتوں میں زیادہ بھی لکھا ہے۔
معاہدہ:	معاہدہ کی صلح کی تفصیل نہیں ملی تاہم صلح بھی ہوئی۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	قیدیوں کی کوئی تفصیل نہیں ملی۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	زخمیوں کی تعداد کا تعین نہیں ہوا۔
جنگ میں صاحب علم:	خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں یہ لشکر روانہ کیا گیا۔
مال غنیمت کی تفصیل:	مال غنیمت جعرانہ میں جمع کیا گیا پھر یہاں پر ہی تقسیم عمل میں آئی۔

غزوہ کے مختصر حالات:

وادی حنین کی فتح کے بعد اسلام کے سیلاب کا رخ طائف کے جنگجوؤں کی طرف ہوا اور ان کا محاصرہ کرلیا اور محاصرہ بہت سخت تھا۔ ۱۸ دن تک اس محاصرہ کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو رسول اللہ ﷺ نے نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو انھوں نے ایک مثال دی ایک لومڑی اپنی بھٹ میں گھس گئی اگر اس کو پکڑنے کی کوشش کی جائے تو ایک نہ ایک دن پکڑی جائے گی اور اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو وہ کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا سکتی۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے محاصرہ ختم کرنے کا اعلان کر دیا اور واپس مکہ المکرمہ چلے گئے۔ دوسرے سال بنی ثقیف اور دوسرے سب قبائل نے ایک ایک کر کے اسلام قبول کرلیا، یہ فتح سب عربوں کی فتح ثابت ہوئی اور ان قبائل میں بہت ہی جری اور بہادر نوجوان تھے جو اسلام کو چار چاند لگانے کے لیے ہمیشہ مددگار رہے۔

Marfat.com

(۲۷) غزوۂ تبوک یا غزوۂ عسرت

مقام غزوہ:	مقام تبوک مدینہ منورہ سے سات سو کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔ اسلام سے قبل یہ مقام کوئی مشہور نہیں تھا۔
تاریخ روانگی:	آخر رجب ۹ ہجری/ آخر اکتوبر ۶۳۰ عیسوی۔
تاریخ واپسی:	اوائل رمضان ۹ ہجری/ اوائل دسمبر ۶۳۰ عیسوی۔
مدینہ سے باہر:	ڈیڑھ ماہ مدینہ منورہ سے باہر مصروف فتوحات رہے۔
مدینہ منورہ میں حضورؐ کا قائم مقام:	حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امور اہلبیت کے لیے روکے رکھا۔
اسلامی لشکر کی تعداد:	تیس ہزار فوج اور دس ہزار گھوڑے۔
کفار کی تعداد:	ہرقل کو مقابلے کی ہمت نہیں ہوئی۔
جنگ ہوئی یا نہیں ہوئی:	جنگ نہیں ہوئی۔ جھڑپیں ہوئیں۔
شہداء کی تعداد:	کوئی شہید نہیں ہوا۔
کفار کی ہلاکتیں:	ایک عیسائی حسان مارا گیا۔
مدتِ محاصرہ:	محاصرے بھی ہوئے۔
معاہدہ:	معاہدے بھی ہوئے صلح کے دو واقعات ہوئے۔
کفار قیدیوں کی تعداد:	اکیدر قید کر لیا گیا۔
مسلمان زخمیوں کی تعداد:	زخمیوں کا پتہ نہیں کتنے تھے۔
جنگ میں صاحب علَم:	خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قلعوں کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا گیا وہ الحمدللہ کامیاب ہی واپس آئے۔
مال غنیمت کی تفصیل:	دو ہزار اونٹ آٹھ سو دیگر جانور چار سو زرہیں۔ چار سو نیزے یہ مال غنیمت ہاتھ آیا۔

غزوہ کے مختصر حالات:

غزوہ تبوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری غزوہ تھا، بہت ہی سخت گرمی کا موسم تھا معاشی پریشانی سے سخت بُرا حال تھا پھر سفر بھی بہت طویل اور ایک بہت بڑے ملک سے ٹکر لینے کا ارادہ۔ مدینہ منورہ سے سات سو کلومیٹر دوری پر مستزاد جنگی اخراجات کی کمی تھی، اسی باعث یہ مہم غزوہ عسرت کہلاتی ہے۔ جنگ موتہ ہی کی وجہ سے قیصر کی فوجوں کو شکست فاش ہوئی تھی۔ وہ موقع کی تلاش میں تھے اور مدینہ منورہ میں افواہیں اڑ رہی تھیں کہ قیصر بہت بڑی جنگ کی تیاری کر رہا ہے۔ دومۃ الجندل کے اطراف جو بھی قبائل تھے وہ

Marfat.com

قیصر کے باج گزار تھے اور مذہباً عیسائی تھے۔ غسان کے علاوہ کئی دوسرے قبائل لخم، جذام سب مل کر حملہ کی تدابیر کر رہے تھے اور فوجیوں کو ایک سال کی پیشگی تنخواہیں دے دی گئیں۔ تاکہ ان کے حوصلے بلند رہیں۔ آپ ﷺ نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اس مہم کے لیے بہت دولت کی ضرورت تھی اس بنا پر ہر ایک نے اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سارا مال نچھاور کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدھا مال پیش کر دیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی بہت مدد کی جیسا کہ وہ ہر زمانے میں کرتے رہے تھے۔ جب تیاری مکمل ہوئی اور تبوک کی راہ لی تو اس وقت منافقین کھل کر سامنے آ گئے وہ جانے سے انکار کر رہے تھے کچھ مسلمان بھی نہیں گئے ان کو بھی سخت سزائیں ہوئیں۔ پھر اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو معاف کر دیا تو سب خوش ہوئے۔ اس وقت رومیوں سے جنگ نہیں ہوئی مگر قرب و جوار کے قبائل پر اس سفر کا بہت اثر ہوا اور اکثر قبائل سے معاہدے ہوئے اور قیصر وکسریٰ کے ایوانوں میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ اور جو قبائل نصرانی تھے اور قیصر کے باج گزار تھے اب وہ عربوں کے قریب آ گئے۔ اب سب کو پتہ چل گیا کہ اسلام قیصر وکسریٰ کے محلوں پر دستک دے رہا ہے، اس لیے وہ ٹکر لینے سے گریز کرنے لگے۔

تدوین من ھذاالکتب:

''رحمت للعالمین ﷺ'' قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری۔ نقش سیرت نثار احمد ''المدینہ بین ماضی والحاضر'' ابراہیم بن العیاشی۔ سفر نامہ ''ارض القرآن'' مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ، ''الرحیق المختوم'' مولانا صفی الرحمان مبارک پوری۔ ''جہانِ دیدہ'' جسٹس تقی عثمانی۔ ''پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم'' طالب الہاشمی۔ ''سیرت احمد مجتبیٰ ﷺ''، ''شاہ مصباح الدین شکیل''، ''حیاۃ الصحابہ'' رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ، ''سیرت النبی ﷺ'' علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ۔ ''ہادی اعظم ﷺ'' سید فضل الرحمٰن ابن مولانا سید زوّار حسین رحمہ اللہ (میرے شیخ طریقت)۔ مستفید من نشست پیغام قرآن انجینئر سید احتشام حسین صاحب امیر التحریک فہم الاسلام۔

کافی زمانے سے میری یہ کوشش تھی کہ ایک ہی نظر میں غزوات کی تاریخ پڑھ لی جائے اس لیے اس تاریخ کو جدول کی شکل میں دے دیا ہے۔ تفصیل تو کتابوں میں مل جائے گی، میں نے اپنی بساط کے مطابق کوشش کی ہے کہ شہداء کے صحیح ترین نام لکھوں اور واقعات کی مختصر تاریخ قلم بند کروں، اگر کوئی غلطی ہوئی ہو تو مجھے مطلع فرمائیں۔ اللہ رب العزت میری کوتاہیوں کو معاف کرے اور میری اس سعی کو قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین!

(سید قدیر ابو محمد الطیبی)

Marfat.com

شہداء کے ناموں کی مکمل فہرست

Marfat.com

شہداء غزوہ بدر کے نام

۱	حضرت مہجع بن صالح (پہلے شہید) غلام عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب	مہاجر
۲	حضرت عبید بن حارث بن مطلب (پہلے زخمی ہونے والے)	مہاجر
۳	حضرت عمیر رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص ابن ایہب (عمر سولہ سال تھی)	مہاجر
۴	حضرت عاقل رضی اللہ عنہ بن بکیر بن عبد یالیل اللیثی	مہاجر
۵	حضرت عمیر رضی اللہ عنہ بن عبد عمیر بن نصلہ (ذوشمالین عمرو بن نصلہ)	مہاجر
۶	حضرت عوف بن عفراء	انصاری
۷	حضرت حارثہ بن سراقہ بن حارث	انصاری
۸	حضرت معوذ بن عفراء	انصاری
۹	حضرت یزید بن حارث بن حرث بن قیس بن مالک	انصاری
۱۰	حضرت رافع رضی اللہ عنہ بن المعلی رضی اللہ عنہ بن لوذان	انصاری
۱۱	حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن زیاد بن سکن بن رافع	انصاری
۱۲	حضرت سعد بن خثیمہ انصاری	انصاری
۱۳	حضرت عمیر رضی اللہ عنہ بن حمام بن جموح بن زید بن حرام	انصاری
۱۴	حضرت مبشر رضی اللہ عنہ بن عبد المنذر بن زبیر بن زید (بشر) رحیق المختوم	انصاری

شہداء غزوہ سویق

۱	حضرت معبد بن عمرو	انصاری
۲	حلیف معبد بن عمرو رضی اللہ عنہ (نام نہیں معلوم)	

شہداء غزوہ احد

۱	حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب سید الشہداء	مہاجر
۲	حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش اسدی	مہاجر
۳	حضرت شماس رضی اللہ عنہ بن عثمان ترید مخزومی	مہاجر
۴	حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر	مہاجر
۵	حضرت انس رضی اللہ عنہ بن نضر نجاری	انصاری
۶	حضرت انیس رضی اللہ عنہ بن قتادہ بن ربیعہ	انصاری
۷	حضرت ابوہبیرہ بن حارث بن علقمہ رضی اللہ عنہ نجاری	انصاری

Marfat.com

۸	حضرت اوس بن ارقم بن زین خزرجی	انصاری
۹	حضرت ایاس بن اوس بن عتیک الاشہلی	انصاری
۱۰	حضرت اوس بن ثابت مزنی	انصاری
۱۱	حضرت رفاعہ بن وقش بن زغبہ الاشہلی	انصاری
۱۲	حضرت ثابت بن وقش الاشہلی	انصاری
۱۳	حضرت عمرو بن ثابت بن وقش	انصاری
۱۴	حضرت مسلمہ بن ثابت بن وقش۔	انصاری
۱۵	حضرت ثابت بن عمرو بن زید رضی اللہ عنہ نجاری	انصاری
۱۶	حضرت ثابت بن دحداح	انصاری
۱۷	حضرت ثعلبہ بن سعد بن مالک بن ساعدی	انصاری
۱۸	حضرت ثقیب بن فردہ بن بدن ساعدی	انصاری
۱۹	حضرت حارث بن اوس بن معاذ الاشہلی	انصاری
۲۰	حضرت عمرو بن معاذ الاشہلی	انصاری
۲۱	حضرت حارث بن انس بن رافع الاشہلی	انصاری
۲۲	حضرت حارث بن عبداللہ بن سعد بن عمرو خزرجی	انصاری
۲۳	حضرت حارث بن ثابت بن سفیان خزرجی	انصاری
۲۴	حضرت حارث بن عمرو بنو ساعدہ	انصاری
۲۵	حضرت حبیب بن زید بن تمیم بیاضی	انصاری
۲۶	حضرت حنظلہ بن ابی عامر اوسی	انصاری
۲۷	حضرت خارجہ بن زید بن ابوزہیرہ خزرجی	انصاری
۲۸	حضرت سعد بن ربیع خزرجی	انصاری
۲۹	حضرت جناب بن قیظی بن عمرو الاشہلی	انصاری
۳۰	حضرت صیفی بن قیظی بن عمرو الاشہلی	انصاری
۳۱	حضرت خثیمہ بن حارث بن مالک اوسی	انصاری
۳۲	حضرت ذکوان بن عبدقیس بن خلدہ زرقی	انصاری
۳۳	حضرت رافع بن مالک بن عجلان زرقی	انصاری
۳۴	حضرت رافع بن مولیٰ غزیہ بن عمرو	انصاری
۳۵	حضرت رافع بن عمرو بن زید خزرجی	انصاری

Marfat.com

۳۶	حضرت سعد یا سعید بن سوید خدری	انصاری
۳۷	حضرت سہل بن عدی بن زید الاشہلی	انصاری
۳۸	حضرت سہل بن قیس بن ابی کعب	انصاری
۳۹	حضرت سبیع بن حاطب بن قیس اوسی	انصاری
۴۰	حضرت سویق بن حاطب بن حارث بن حاطب	---
۴۱	حضرت صخرہ بن عمرو (بشر) حلیف خزرج	---
۴۲	حضرت عبداللہ بن جبیر بن وہب بن ثعلبہ	انصاری
۴۳	حضرت عبداللہ بن عمرو بن دین بن ثعلبہ سعدی	انصاری
۴۴	حضرت عبداللہ بن مجذر بن زیاد بلوی	(حلیف الصبا)
۴۵	حضرت عبادہ بن خشخاش بن عمرو بن زمزہ	
۴۶	حضرت نعمان بن عبد عمرہ بن مسعود	
۴۷	حضرت عامر بن لسیہ بن زید بن خشخاش	انصاری
۴۸	حضرت عبید (عتیک) بن تیہان بن مالک	
۴۹	حضرت یسار۔ آزاد کردہ غلام	
۵۰	حضرت عبید بن معلّٰی بن نودان بن حارث	انصاری
۵۱	حضرت عباس بن عبادہ خزرجی	انصاری
۵۲	حضرت عامر بن مخلد بن حارث	انصاری
۵۳	حضرت عمرو بن مطرف بن علقمہ	
۵۴	حضرت عمرو بن ایاس	
۵۵	حضرت عتبہ بن ربیع بن رافع خدری	انصاری
۵۶	حضرت عباد بن سہل بن مخرمہ الاشہلی	انصاری
۵۷	حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام السلمی خزرجی	انصاری
۵۸	حضرت عمرو بن جموح بن زید بن حرام	انصاری
۵۹	حضرت خلاد بن عمرو بن جموح (غلام)	انصاری
۶۰	حضرت ابوایمن (غلام)	انصاری
۶۱	حضرت عمارہ بن زیاد بن سکن بن رافع الاشہلی	انصاری
۶۲	حضرت یزید بن سکن	انصاری
۶۳	حضرت عمرو بن قیس بن زید بن قیس	انصاری

Marfat.com

۶۴	حضرت قیس بن عمرو بن سواد بن مالک	انصاری
۶۵	حضرت قیس بن مخلد بن ثعلبہ بن صخر مازنی	انصاری
۶۶	حضرت مالک بن سنان (ابوسعید خدری کے والد)	انصاری
۶۷	حضرت نوفل بن ثعلبہ خزرجی	انصاری
۶۸	حضرت یزید بن حاطب بن عمرو الاشہلی	انصاری
۶۹	حضرت وہب بن قابوس	
۷۰	حضرت حارث بن عتبہ بن قابوس	
۷۱	حضرت حسیل بن یمان بن جابر العبسی القطی یہ حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد ہیں غلطی سے مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔	

شہداء یوم الرجیع

۱	حضرت مرثد بن کنعان حصین غنوی	مہاجر
۲	حضرت خبیب بن عدی انصاری	انصاری
۳	حضرت عاصم بن ثابت ابن ابوالافلح قیس	انصاری
۴	حضرت زید بن دثنہ بیاضی	انصاری
۵	حضرت زید بن مزین بیاضی	انصاری
۶	حضرت عبداللہ بن طارق بن عمرو بن مالک بلوی	
۷	حضرت مغیث بن عبید بن ابی ایاس بلوی	
۸	حضرت خالد بن بکیر بن عبد یالیل اللیثی علماء سیر نے شہداء رجیع کی تعداد چھ لکھی ہے، حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کے اشعار میں بھی چھ نام ملتے ہیں۔ بخاری میں ان کی تعداد دس بتائی گئی ہے ان میں سے آٹھ کے نام ملے ہیں۔	

بئر معونہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ۷۰ بیان کی مگر یہ چند نام ملے ہیں۔

۱	حضرت منذر بن عمرو بن خنیس ساعدی	انصاری
۲	حضرت حکیم بن کیسان (غلام ہشام مخزومی)	
۳	حضرت حرام بن ملحان بن مالک بن خالد	انصاری
۴	حضرت سلیم بن ملحان بن مالک بن خالد	انصاری
۵	حضرت حارث بن صمہ نجاری	انصاری

Marfat.com

۶	حضرت ثابت بن خالد نجاری	انصاری
۷	حضرت عامر بن فہیرہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے)	
۸	حضرت عروہ بن سماء بن صلت	بنو سلیم
۹	حضرت عائذ بن ماعص بن قیس بن خلدہ	انصاری
۱۰	حضرت معاذ بن ماعص رضی اللہ عنہ بن قیس بن خلدہ	انصاری
۱۱	حضرت مسعود بن قیس بن خلدہ	انصاری
۱۲	حضرت سفیان بن ثابت	انصاری
۱۳	حضرت مالک بن ثابت	انصاری
۱۴	حضرت سفیان بن حاطب بن امیہ	انصاری
۱۵	حضرت سہل بن عامر بن ثقف	انصاری
۱۶	حضرت سعد بن عمرو بن ثقف	انصاری
۱۷	حضرت طفیل بن سعد بن عمرو بن مسعود الاشہلی	انصاری
۱۸	حضرت سہل بن عمرو بن ثقف	انصاری
۱۹	حضرت قطبہ بن عبد عمرو بن مسعود الاشہلی	انصاری
۲۰	حضرت منذر بن محمد بن عقبہ	انصاری
۲۱	حضرت نافع بن بدیل بن ورقہ	بنو سہم
۲۲	حضرت انس بن معاویہ	بنو عمرو بن مالک
۲۳	حضرت ابی بن ثابت بن منذر	
۲۴	حضرت ابی معاذ بن انس	انصاری
۲۵	حضرت اخو معاذ بن انس (ابی معاذ کے بھائی)	انصاری
۲۶	حضرت مسعود بن خلدہ بن عامر زریق	انصاری

صحیح بخاری میں صرف ۲۶ کے نام ملے ہیں۔

شہداء مریسیع

۱	حضرت ہشام بن صبابہ اللیثی (مسلمانوں کے ہاتھ غلطی سے شہید ہوئے)	مہاجر

شہداء خندق

۱	حضرت انس بن اوس بن عتیک بن عمرو الاشہلی	انصاری
۲	حضرت عبداللہ بن سہل بن زید	انصاری

Marfat.com

۳	حضرت ثعلبہ بن عتمہ بن عدی	انصاری
۴	حضرت طفیل بن مالک بن نعمان	انصاری
۵	حضرت کعب بن زید بن قیس بن مالک	انصاری
۶	سعد بن معاذ بن نعمان الاشہلی	انصاری

شہداء بنو قریظہ

۱	حضرت خلاد بن سوید بن ثعلبہ	انصاری
۲	حضرت سنان بن محصن (دوران محاصرہ انتقال ہوگیا)	انصاری
۳	نام نہیں ملا زرقانی میں لکھا ہے۔	

شہداء غزوہ غابہ

۱	حضرت ذر بن ابوذر غفاری	انصاری
۲	حضرت محرز بن نضلہ	بنو اسد
۳	حضرت وقاص بن محرز	بنو مدلج

شہداء ذی القصہ

۱	حضرت سلکان بن سلامت بن وقش الاشہلی	انصاری
۲	حضرت حارث بن اوس بن معلی بن لوذان محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی سرداری میں دس صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت روانہ کی گئی۔ رات کے اندھیرے میں ان کو قتل کر دیا گیا صرف محمد بن مسلمہ زخمی ہو کر مدینہ منورہ آئے، ناموں کی تفصیل نہیں ملی صرف دو نام ملے۔ (رحیق المختوم)	انصاری

شہداء سریہ الوادی القریٰ

اس سریہ میں نو صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے ہیں۔ صرف تین بچ گئے۔

۱	حضرت درد بن مرداس (صرف ایک نام رحمت للعالمین ﷺ میں ملا ہے)	

شہداء عرنیین (سریاء)

۱	حضرت ایسار نوبی غلام رسول ﷺ کے	

Marfat.com

شہداء غزوہ وادی القریٰ

۱ ۔	حضرت مدعم حبشی غلام	حبشہ

شہداء خیبر

۱	حضرت اوس بن حبیب	انصاری
۲	حضرت اوس بن فاکہ (یا فاتک) اوس	انصاری
۳	حضرت اوس بن عائذ	
۴	حضرت اسلم (شاید نام کی گڑبڑ ہوگئی ہو واقعہ ایک ہی تھا) ☆	
۵	حضرت ثابت بن واثلہ	انصاری
۶	حضرت حارث بن حاطب	انصاری
۷	حضرت رفاع بن سرح	الاسدی
۸	حضرت ربیعہ بن اکثم بن سنجرہ	الاسدی
۹	حضرت سلیم بن ثابت بن وقش بن زغبہ	
۱۰	حضرت عامر بن اکوع (سنان)	
۱۱	حضرت عبداللہ بن ابوامیہ بن وہب	بنواسد
۱۲	حضرت عبداللہ بن وہیب بن اہیب	اسعدی اللیثی
۱۳	حضرت عدی بن مرہ بن سراقہ بن خباب	انصاری
۱۴	حضرت عرہ بن مرہ بن سراقہ	انصاری
۱۵	حضرت عمارہ بن عقبہ	بنوعصار
۱۶	حضرت ابوسفیان بن حارث بن قیس	انصاری
۱۷	حضرت عمیر بن ثابت اوسی	انصاری
۱۸	حضرت مسعود بن سعد بن عامر بن عدی	انصاری
۱۹	حضرت محمود بن مسلمہ	انصاری
	☆ اسود راعی۔ یہود کے چرواہے تھے اسلام لائے اور فوراً جنگ پر گئے اور شہید ہوئے۔ (تقی عثمانی جہانِ دیدہ)	

سریاء جزبہ

۱	حضرت مرداس بن نہیلک	بنوقہرارد

Marfat.com

سریاء ابن ابی العرجاء

١	حضرت حرمم بن ابی العرجاء	

شہداء اطلح ٨ ہجری

١	حضرت کعب بن عمیر غفاری رضی اللہ عنہ اس سریاء کے سردار تھے	انصاری
	اس سریاء میں پندرہ مجاہدین کو روانہ کیا گیا تھا۔ دشمن کے سامنے اسلام پیش کیا گیا۔ تو جواب تیروں کی صورت میں ملا۔ چودہ شہید ہوئے ایک بچے، بقول ابن اسحاق رحمہ اللہ سارے شہید ہو گئے۔	

شہداء موتہ

١	حضرت حارث بن عمیر الازدی رضی اللہ عنہ یہ سفیر کی حیثیت سے گئے تھے اور قتل کر دیے گئے۔ یہی بات جنگ کا سبب بنی۔	
٢	حضرت زید بن حارثہ بن شرجیل الکلبی (غلام رسول ﷺ)	
٣	حضرت جعفر الطیار ابن ابی طالب	مہاجر
٤	حضرت عبداللہ ابن رواحہ ثعلبہ بن خزرجی	انصاری
٥	حضرت جابر بن ابی صعصعہ مازنی	انصاری
٦	حضرت ابوکلاب بن ابی صعصعہ مازنی	انصاری
٧	حضرت سراقہ بن عمرو بن عطیہ نجاری	انصاری
٨	حضرت عبادہ بن قیس بن عبسہ	انصاری
٩	حضرت وہب بن سعد ابن ابی سرح العامری	مہاجر
١٠	حضرت مسعود بن سوید بن حارثہ العدوی	مہاجر
١١	حضرت مسعود بن سوید بن حارثہ العدوی	مہاجر
١٢	حضرت عبادہ بن قیس بن زید بن امیہ خزرجی	انصاری
١٣	حضرت سوید بن عمرو العامری	مہاجر
١٤	حضرت ہویجہ بن بجیر بن عامر الضبی	

شہداء مکہ المکرّمہ

١	حضرت حبیس بن خالد بن ربیعہ (نقش سیرت)	مہاجر

Marfat.com

۲	حضرت کرز بن جابر فہری	
۳	حبیش بن اشعری بن منقذ بن ربیعہ	

شہدا حنین

۱	حضرت ایمن بن عبید بن زید (ام ایمن کے بیٹے اسامہ بن زید کے رضاعی بھائی)	
۲	حضرت حویرث بن عبداللہ بن خلف غفاری رضی اللہ عنہ	انصاری
۳	حضرت مرہ بن سراقہ	
۴	حضرت سراقہ بن حباب	انصاری
۵	حضرت سراقہ بن حارث بن عدی عجلانی رضی اللہ عنہ	انصاری
۶	حضرت یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب	مہاجر
۷	حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ (نقش سیرت)	مہاجر
۸		

شہداء الطائف

۱	حضرت حارث بن سہل بن ابوصعصعہ	انصاری
۲	حضرت حباب بن جبیر	
۳	حضرت عرفطہ بن حباب بن جبیر (حلیف بنوامیہ)	
۴	حضرت صبیحہ بن عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ اللیثی	مہاجر
۵	حضرت رقیم بن ثابت	انصاری
۶	حضرت ثابت بن احزع	انصاری
۷	حضرت سعید بن سعید بن عاص بن امیہ	قریشی
۸	حضرت عبداللہ بن ابوامیہ بن مغیرہ	مہاجر
۹	حضرت عبداللہ بن حارث بن عبدالمطلب	مہاجر
۱۰	حضرت سائب بن حارث بن قیس بن عدی	مہاجر
۱۱	حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ	مہاجر
۱۲	حضرت عبد بن قوال بن قیس بن وقش بن ثعلبہ	مہاجر
۱۳	حضرت منذر بن عبد بن قوال	انصاری

Marfat.com

عہدی نبوی ﷺ میں شہید ہوئے
مگر مقامات غزوات وسریات کے تعین میں اختلافات ہیں۔

۱	حضرت قرعہ بن عتبہ	انصاری
۲	حضرت مالک بن خلف بن عمرو الخزاعی	مہاجر
۳	حضرت مخیریق (یہودی عالم تھے اسلام لائے اور شہید ہوئے مال کی وصیت رسول اللہ ﷺ کے لیے کردی تھی۔غزوہ احد میں)	
۴	حضرت ثابت بن نعمان بن امیہ رضی اللہ عنہ ابو حنہ	
۵	حضرت سہل بن رومی بن وقش بن زغبہ (واقدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔)	
۶	حضرت یزید بن سعید الکندی رضی اللہ عنہ والد سائب	
۷	حضرت بشر بن براء معرور انصاری (زہریلا گوشت کھانے سے خیبر بن انتقال کر گئے۔مگر تعین نہیں کیا گیا)	
۸	حضرت مسعود بن خلدہ	انصاری
۹	حضرت عبداللہ بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ بن امیہ	مہاجر
۱۰	حضرت مسعود بن الاسود بن حارثہ	مہاجر
۱۱	ہبار بن سفیان بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ المخزومی	مہاجر

رضی اللہ تعالیٰ عنہما واجمعین

الحمدللہ یہ نام مختلف کتابوں سے تلاش کیے گئے ہیں۔راویوں کی روایات میں کچھ نہ کچھ اختلافات ہیں لیکن پھر بھی ہمارے اکابرین اولیٰ کی تحقیقات، کوششوں اور کاوشوں نے ہمارے لیے آسانی فرمادی ہے۔ اللہ رب العزت ان کے اس کام پر ثواب جاریہ ہمیشہ جاری وساری رکھے۔آمین۔اسلام ایک سمندر ہے، قیامت تک اس تحقیق کے کام میں لوگ غرق رہیں تب بھی سوئی کی نوک پر پانی کے مصداق ہوگا۔اگر اس میں غلطی نظر آئے تو اصلاح کا پہلو ہمیشہ کھلا ہے اور کھلا ہی رہے گا۔اطلاع سے ممنون ومشکور ہوں گا۔

(ابوالطیبی)

Marfat.com

پیغمبرِ اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
اور
غزوات و سرایا

حکیم محمود احمد ظفر

نشریات

Marfat.com